فتاویٰ امجدیہ

جلد ۲

تصنیف

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ العزیز

باہتمام

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی خطیب نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی

دار العلوم امجدیہ
مکتبہ رضویہ
آرام باغ روڈ کراچی

العلم خزائن ومفاتیحها السؤال



جلد دوم

تصنیف

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان

(مصنف بہار شریعت)

تبییض: حضرت مولانا عبد المنان صاحب کلیمی • ترتیب و تعلیق مولانا آل مصطفیٰ مصباحی

باہتمام

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی ابن حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ خطیب نیو میمن مسجد کراچی

مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی ☆ فون: ۲۱۶۴۶۴
۲۶۲۷۸۹۷

کتاب ــــــــ فتاویٰ امجدیہ (جلد دوم)

تصنیف ــــــــ صدر الشریعۃ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی

تعلیق ــــــــ حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی

ترتیب ــــــــ حضرت مولانا عبد المنان کلیمی

کتابت ــــــــ مولانا محبوب عالم اعظمی

بارِ سوم ــــــــ ماہِ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ بمطابق جولائی ۲۰۰۹ء

تعداد ــــــــ ایک ہزار

طباعت ــــــــ سندھ آفسٹ پریس کراچی

ناشر ــــــــ دار العلوم امجدیہ، آرام باغ روڈ، کراچی

نگرانِ طباعت ــــــــ محمد حمزہ۔ محمود اختر

پیشکش ــــــــ نبیرۂ صدر الشریعہ حافظ قاری مصطفیٰ سرور اعظمی۔

قیمت ــــــــ

ملنے کے پتے

۱۔ شبیر برادرز، ۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور ــــــــ 7426006

۲۔ فرید بک اسٹال، ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور ــــــــ 7312173

۳۔ مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی۔ کراچی ــــــــ 4926110

۴۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، اردو بازار۔ لاہور ــــــــ 7238010

۵۔ مکتبہ برکات المدینہ، نزد مسجد بہارِ شریعت، بہادر آباد۔ کراچی 0300-2138240

فہرست مضامین فتاوی امجدیہ جلد ثانی

فصل فی مفقود الخبر

از صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۹۲

باب الرضاعۃ

از صفحہ ۹۲ تا صفحہ ۱۰۱

باب الولی

ازص ۱۰۲ تا ص ۱۳۰

صریح کا بیان

از ص ۲۰۵ تا ص ۲۱۹

اضافت کا بیان

از صـ ۲۱۹ تا صـ ۲۳۱

غیر مدخولہ کا بیان

از ص ۲۳۱ تا ص ۲۳۲

حلالہ کا بیان

از ص ۲۷۴ تا ص ۲۷۸

قسم کا بیان

از صـ ۳۰۴ تا صـ ۳۰۷

منّت کا بیان

از صـ ۳۰۸ تا صـ ۳۱۴

مضامین	صفحہ

لقطہ کا بیان

از ص ۳۱۴ تا ص ۳۱۵

شرکت کا بیان

از ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۸

حدود و تعزیر کا بیان

از ص۳۱۸ تا ص۳۴۱

مضامین	صفحہ

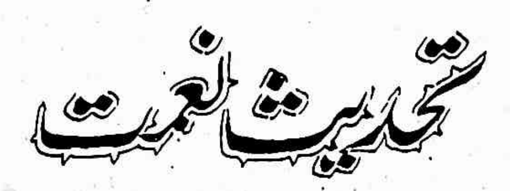
※

فہرست مسائل ضمنیہ فتاویٰ امجدیہ، جلد ثانی

مسائل	صفحہ	عنوان
• معافی کی ہو اور شرط متعارف نہ ہو تو یہ معافی صحیح نہیں ہے	۱۹۲	مہر
• قاضی کے لئے وہ تمام شرائط درکار ہیں جو شہادت کے لئے ضروری ہیں۔	۲۰۱	قضا
• میاں بیوی ایک پیر سے مرید ہو سکتے ہیں	۲۰۴	حظر
• صحابہ کرام اور ان کی ازواج سبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوتے تھے۔	۶	تاریخ
اضافت کا بیان		
• واقعہ کی تحقیق کرنا قاضی کا کام ہے اور مفتی کی ذمہ داری صورت مسئولہ کا جواب دینا ہے	۲۲۵	قضا
کنایہ کا بیان		
• کپڑے یا زیور جو عورت کے پاس بطور عاریتاً ہیں اگر ان میں سے قبل طلاق تلف ہو گیا مثلاً چھد گیا۔ کپڑا پہننے برتنے میں ٹوٹا بگڑا، خراب ہو گیا تو اس پر کچھ تاوان نہیں بشرطیکہ وہیں تک استعمال میں لائی ہو جہاں تک پہننے میں عرفاً رضامندی سمجھی جاتی ہے۔	۲۴۳	ضمان

مسائل	صفحہ	عنوان
تعلیق کا بیان		
• عورت اسی وقت نان ونفقہ کی مستحق ہوتی ہے جب شوہر کے یہاں رہے	۲۵۲	نفقہ
• مرض الموت میں اگر شوہر عورت کو طلاق دے تو وہ میراث سے محروم نہ ہوگی۔	۲۶۵	ارث
حلالہ کا بیان		
• حنفی کو امام اعظم کے مسلک سے عدول کرنا جائز نہیں ہے۔	۲۷۷	افتاء
• بلا ضرورت شرعی اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے کے مسلک پر چلنا ہوائے نفس کی پیروی ہے نہ کہ اتباع شریعت	؍؍	افتاء
عدت کا بیان		
• اجنبی عورت سے متعلق حدیثیں۔	۲۸۵	حدیث
حدود وتعزیر کا بیان		
• جو شخص بالاعلان لواطت اور زلق کرتا ہو اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۲۳۶	امامت

۹۲/۷۸۶



نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ربّ کریم کا احسان عظیم ہے کہ نہایت آب وتاب کے ساتھ فتاویٰ امجدیہ کی دوسری جلد ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے جارہے ہیں. جو نکاح و طلاق ، یمین ونذر ، لقطہ وشرکت اور حدود و تعزیر جیسے اہم فقہی ابواب ومسائل پر مشتمل ہے. ہم اس عظیم نعمت کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ توقع سے کہیں زیادہ اکابر علمائے ہند وپاک نے فتاویٰ امجدیہ سے متعلق ہماری کوششوں کو سراہا خاص طور پر اس کتاب کی ترتیب وتعلیق پر اعتماد کلی ظاہر کرکے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی. جو مستقبل قریب میں ہماری کامیابیوں کی بھرپور ضمانت ہے. اللہ تعالیٰ ہمارے جملہ معاونین واہل قلم کو جزائے خیر دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں بھی توفیق مرحمت فرمائے.

فتاویٰ امجدیہ جلد اول کی قدر وقیمت اور اس کی مقبولیت کا اندازہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ہندوپاک کے علاوہ متعدد ممالک سے علمائے اہلسنت کے سینکڑوں رشحات قلم اس صحیفہ علم وتحقیق کی تعریف وتوصیف میں دفتر کو موصول ہوئے. اور چند ماہ کی مختصر مدت میں مارکیٹ سے یہ کتاب نایاب ہوگئی اور شدت سے ارباب علم وفضل کے تقاضے جلد اول کے دوسرے اڈیشن اور اس کی بقیہ جلدوں کی اشاعت کے لئے شروع ہوگئے

اس موقعہ پر مدینۃ العلماء گھوسی اور بجرڈیہہ بنارس وغیرہ کے ان ارباب خیر کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے اعزازی طور پر اس کتاب کی ممبری قبول فرمائی اور کتاب کی اصل قیمت سے کہیں زیادہ رقوم مرحمت فرماکر ہمارے اشاعتی کاموں کو آگے بڑھانے میں مدد بہم پہونچائی. خصوصًا فاضل جلیل ادیب

شہیر حضرت مولانا بدر القادری صاحب مدظلہ العالی جنہوں نے ہر طرح سے ہمارا تعاون فرما کر دائرۃ المعارف الامجدیہ کے ساتھ بے پناہ احترام و عقیدت کا ثبوت دیا۔ اور اپنے نیک مشوروں سے نوازا۔

فتاوی امجدیہ جلد اول کے مًا بعد اس حصہ کو منظر عام پر آجانے چاہئے تھا لیکن ناگہانی طور پر کچھ ایسے ناگفتہ بہ اور صبر آزما حالات مرتب فتاویٰ فاضل جلیل حضرت علامہ عبد المنان صاحب کلیمی مدظلہ العالی رئیس الاساتذہ دار العلوم اہلسنت عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد اعظم گڈھ کے ساتھ پیدا ہوتے گئے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس جلد کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ جس کے لئے ہم اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

فتاویٰ امجدیہ کی اس جلد کی طباعت و اشاعت میں ہم کہاں تک کامیاب ہیں آپ کے مشوروں کا شدت کے ساتھ انتظار رہے گا تاکہ اس روشنی میں کام کو آگے بڑھانے میں مزید سہولت و تقویت اور رہنمائی حاصل ہو اور جلد از جلد ہم اپنے منزل مقصود تک پہونچ جائیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ ضرور ہمارے قارئین کرام اس پہلو پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے اور اپنے رشحات قلم سے ارباب دائرہ کو مشرف کریں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہماری غیب سے مدد فرمائے اور ارباب دائرہ اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران ہوں۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

الملتمس

علاء المصطفی القادری۔ جنرل سکریٹری دائرۃ المعارف الامجدیہ بتاریخ ۲ اپریل ۸۳ء



شہزادہ اعلیٰحضرت حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خاں قادری

قدس سرہ العزیز علیہ الرحمۃ والرضوان

کی نظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ الکرام اجمعین

مجھے اطلاع ہوئی کہ گھوسی میں مولانا المحترم حضرت صدر الشریعۃ مولوی امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام نامی سے موسوم ایک اشاعت کا ادارہ قائم ہوا ہے جس کا نام دائرۃ المعارف الامجدیہ ہے۔ اور اس ادارہ نے صدر الشریعۃ کا علمی شاہکار "فتاوی امجدیہ" خوش اسلوبی سے چھاپا ہے جو بڑی مسرت کی بات ہے۔ مولائے کریم دائرہ مذکورہ کو فروغ بخشے اور منتظمین ومعاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

(دستخط) فقیر مصطفیٰ رضا خاں غفرلہ

۱۸ر صفر ۱۴۰۱ھ

ہم اپنی اس عظیم اشاعتی خدمت کو بطور



اس ذات گرامی کی بارگاہ اقدس میں پیش کرنیکی سعادت حاصل کرتے ہیں جنکو دنیائے علم سنیت

عمدۃ المتکلمین ممتاز الفقہاء محدث کبیر فاتح بنارس جانشین
حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفی
صاحب قادری مدظلہ العالی مہتمم جامعہ امجدیہ
رضویہ: مدینۃ العلماء گھوسی ضلع اعظم گڈھ یوپی

کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔ اور ....

... جن کے فیوض و برکات سے آج ہزاروں تشنگان علم سیراب ہو رہے ہیں اور اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہیں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

کفش بردار

عبد المنان الکلیمی
نائب صدر

علاء المصطفی القادری
جنرل سکریٹری

دائرۃ المعارف الامجدیہ قادری منزل گھوسی



لقبیۃ السلف ممتاز المفسرین حضرت علامہ عبد المصطفی صاحب قبلہ الازہری دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی سیدنا محمد رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ سیدی وسندی ووالدی مولٰنا المفتی الحکیم ابو العلٰی محمد امجد علی رحمہ اللہ تعالٰی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علم شریعت کی مہارت اور حدیث پاک کی تعلیم وتثقیف، علوم عقلیہ پر تعلیم وتدریس کا عبور اور تمام علوم دینیہ پر کامل دسترس، یہ ایسی باتیں ہیں جن کو سارے ہی اہل علم اور اہلسنت جانتے ہیں۔ آپ کی مشہور عالم کتاب "بہار شریعت" کے محققانہ مسائل اور ترجیحی جزئیات سے پورا برصغیر ہند وپاکستان آج استفادہ کر رہا ہے۔ مفتیان کرام کے لئے حوالہ تلاش کرتے فتاوی دینے اور کتب کے تتبع کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضرت صدر الشریعہ سے مختلف زبانوں میں لوگوں نے سوال کئے اور فتوے پوچھے۔ آپ نے سفر میں حضر میں وطن میں اور باہر ہر جگہ تحریرًا وتقریرًا بے شمار فتاوی عطا فرمائے۔ ان میں کے بعض اہم حصے دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہے۔ لیکن آخر میں آپ نے ایک یا دو جلدیں خاص کر اپنے فتاوی کے لئے سفید کاغذ کی تیار کرائیں۔ اور اس میں اپنے فتاوی درج کرائے۔ خاص کر اجمیر شریف کے

ا؎ یہ جلد اول کی تقریظ ہے جس کو یہاں تبرکًا شائع کیا جا رہا ہے۔ کلیمی

آخری برسوں میں۔ اور ان فتاوی کی اکثر و بیشتر نقول محدث پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب کے ہاتھوں کی کی ہوئی ہیں۔

آپ کے فتاوی ادلہ و ترجیحات و عبارات فقہیہ پر مشتمل تھے۔ جناب مولانا عبد المنان کلیمی فاضل اشرفیہ نے ان کو ترتیب فقہی کے ساتھ مرتب کیا اور برادر عزیز حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب نے ان فتاوی پر اپنے مفید حواشی کا اضافہ کیا۔

اور برادر زادہ مولوی علاء المصطفے اسلمہ نے ان تمام امور کو اپنی کوششوں سے پروان چڑھایا اور بہترین کتابت کرائی اور اب یہ فتاوی طباعت کے مرحلہ سے گذرنے والے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سب حضرات کو علمی فکری ذہنی دینی دنیاوی برکتیں عطا فرمائے اور ان کو آئندہ بھی دین و شریعت کی اعلیٰ خدمت کی توفیق بخشے۔

یہ فقیر ۱۸ رسال کے بعد اپنے سابق گھر قادری منزل احباب واعزہ سے ملنے کے لئے آیا۔ اور طائرانہ نظر سے اس مسودہ کو دیکھا۔ مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ حضرت قبلہ والد ماجد کی ایک علمی یادگار کو ان عزیزوں دوستوں نے پردۂ خفا سے منصۂ شہود پر لاکر کھڑا کر دیا۔ اور علماء اور دیندار لوگوں کو اس کتاب سے مستفید ہونے کا موقعہ دیا۔

اپنی اس گراں بہا پیش کش پر لائق تحسین و

دائرۃ المعارف الامجدیہ

تبریک ہے۔ اللھم زد فزد یہ خدمت دین بمصداق حدیث صحیح۔ من یرد اللہ لہ یفقھہ فی الدین (بخاری شریف جلد اول صہ ۱۶) اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کے مخلصین کے لئے ارادہ خیر فرما چکا ہے اور سعادت ان کو بخش دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کو بھی دینی و دنیاوی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اکرم الصلوٰۃ والتسلیم۔

الفقیر محمد عبد المصطفےٰ الازہری غفرلہ شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی ۵ پاکستان

حال وارد قادری منزل قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ۔ اترپردیش ــــ انڈیا

تحریرًا فی ۲۶ ر شعبان معظم ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ ر جولائی ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

مسئلہ، مرسلہ مولوی قادر بخش صاحب از جوہر کوٹ تحصیل بارکھان ملک بلوچستان غرہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

نکاح[1] مجنون واقع شود یا نہ؟

الجواب، نکاح مجنون صحیح است مگر اجازت ولی دراں شرط است، قال فی الدر. وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ، مسئولہ قاسم علی خان مقام قصبہ اسلام پور، ریاست جے پور، ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ،

علمائے دین متین وعاملان شرع مبین کیا فرماتے ہیں، ایسے شخص جو انجمن غیر مقلدین کا ملازم ہے، اور غیر مقلدیت کی اشاعت کرتا ہے، اس کا باندھا ہوا نکاح درست ہے یا نہیں؟

---

[1] پاگل کا نکاح واقع ہوتا ہے کہ نہیں؟ الجواب: پاگل کا نکاح درست ہے، مگر اس کے صحیح ہونے کے لئے ولی کی اجازت شرط ہے، درمختار میں فرمایا، نابالغ اور پاگل کے نکاح کے لئے ولی شرط ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ امجدی)۔

الجواب: نکاح خواں کا مسلمان ہونا شرط نہیں، کافر بھی اگر ایجاب وقبول کرا دے گا نکاح ہو جائے گا، مگر مسلمانوں کو نہ چاہیئے کہ ایسوں سے نکاح پڑھوائیں کہ اس میں ایک طرح کا اعزاز ہے اور ان کی تعظیم حرام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ قاسم علی خان قصبہ اسلام پور، ریاست جے پور، ۱۵ر جمادی الآخرۃ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اہل سنت وجماعت، کہ ایک عورت بکر بالغہ کی نسبت ایک جگہ ٹھہر چکی تھی، بعد ازاں ایک اور جگہ لوگوں نے کوشش کی، کہ جہاں نسبت ٹھہری ہے وہاں نکاح نہ ہو، چنانچہ انھوں نے کوشش کر کے بالغہ لڑکی کے باپ کو جس کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے، بہکایا اور دوسرے ایک شخص سے نکاح کرنے کے لئے اذن حاصل کیا، لیکن لڑکی نے انکار کیا اور کہا کہ مجھ کو یہ نکاح ہرگز منظور نہیں ہے، لڑکی کو زبردستی اور جبراً کپڑے پہنائے گئے، بیان کیا جاتا ہے، کہ انھوں نے بطور خود مجلس نکاح منعقد کر کے نکاح پڑھانا چاہا، لیکن لڑکی صاف انکار کر گئی، اور رونے لگی، جس پر لڑکی کو ڈرایا اور دھمکایا گیا اور اندرونی زدوکوب بھی کی گئی لیکن لڑکی انکار ہی کرتی رہی، اور کہا میں ہرگز ایک لفظ نکاح ادا نہیں کروں گی، اور خاموش رہی، آخر امر مجلس مجبور ہو کر واپس جا رہی تھی کچھ مجلس جا چکی تھی اور کچھ مجلس معہ لڑکی اس جگہ بیٹھی تھی، کہ اس کا بھائی آگیا، جو تمام گھر والوں کا متکفل ہے، اس نے لڑکی سے دریافت کیا کہ کیا نکاح ہو گیا، اس نے کہا میں نے نکاح نہیں پڑھی ہے، اور مجھ پر زبردستی ظلم اور زدوکوب کی گئی لیکن میں ہر طرح انکار ہوں، اور لڑکی کو جو کپڑے پہنائے تھے، وہ لڑکی نے اتار کر پھینک دی اور اپنے بھائی کے ہمراہ چلی آئی، لڑکی کے بھائی نے دو یوم کے بعد لڑکی کا نکاح جس جگہ نسبت ٹھہری تھی لڑکی کی رضامندی سے کر دیا، اب مستفسرہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ چند اشخاص کو دھوکہ دینا اور نکاح اول سے لڑکی کا انکار ہونا ثابت کرتا ہے، لیکن خود معہ دو گواہوں کے نکاح اول کا ہو جانا اور ایجاب وقبولیت بھی ثابت کرتا ہے، اور لڑکی انکار کرتی ہے اور اول بھی اور عین اس وقت بھی، کہ جس وقت نکاح پڑھایا جاتا تھا، اور اس کے بھائی کے آنے تک ہر طرح سے انکار اور اول نکاح کا نہیں ہونا حلفاً ثابت کرتی ہے بمقابلہ باپ اور دو گواہوں کے لڑکی کا قول شرعاً معتبر ہے، یا باپ اور دو گواہوں کا معتبر ہے، اور کیا باپ کو ایسا حق حاصل ہے، کہ باکرہ بالغہ لڑکی کو

؎ نکاح پڑھانے والا وکیل ہوتا ہے اور وکیل کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں، مسلمان کا وکیل کافر بھی ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ کافر مرتد ہو، عالمگیری میں ہے، وتجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لو کان مسلماً وقت التوکیل ثم ارتد فھو علیٰ وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع، اور مرتد کا وکیل ہونا صحیح ہے، اس طرح کہ کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنائے اور یوں ہی اگر وکیل بنائے جانے کے وقت مسلمان تھا، پھر معاذ اللہ مرتد ہو گیا، تو وہ اپنی وکالت پر رہے گا۔ یہ کہ دار الحرب کو چلا جائے، تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی، ایسا ہی بدائع میں ہے،

(ج ۳، ص ۵۶۳، امجدی)

باوجود انکار اور ناراضامندی کے نکاح کے لئے مجبور کرے، اور لڑکی اور لڑکی کا باپ حنفی مذہب ہے، اور ناکح اول اور والد ناکح اور ایک گواہ جس کو بہکانے والا ہے کہا جاتا ہے، غیر مقلد ہے؟

الجواب: بالغہ پر ولایت اجبار نہیں، بغیر اس کی اجازت نکاح کر دیں تو اجازت پر موقوف رہے گا، اور جب وہ عورت اجازت لیتے وقت بھی انکار ہی تھی اور بعد میں بھی، تو نکاح اگر کیا بھی ہو تو نہ ہوا، درمختار میں ہے، ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ، رہا یہ امر کہ عورت نکاح سے انکار کرتی ہے اور گواہ نکاح ہونا بیان کرتے ہیں، اگر گواہوں کا مقصد یہ ہے کہ نکاح پڑھانے والے نے ناکح سے نکاح قبول کرایا تو اس سے یہ ثابت نہ ہوا کہ لڑکی نے اپنے باپ یا کسی کو وکیل کیا، یا بعد میں اس نکاح کو جائز کیا، لہذا ان گواہوں سے لڑکی کا اذن دینا ثابت نہ ہوا تو نکاح کا نفاذ ان گواہوں سے ثابت نہ ہوا، لہذا یہ بیکار ہیں، اور اگر گواہ لڑکی کا اذن دینا بیان کرتے ہوں اور ثقہ عادل بھی ہوں، تو ان کی گواہی معتبر ہوگی، ان کے مقابل لڑکی کا انکار کوئی شے نہیں، ردالمحتار میں ہے[1]، اما الشهادة علی التوکیل بالنکاح فلیست بشرط لصحته کما قدمناه عن البحر وانما فائدتها الاثبات عند جحود التوکیل، نیز اسی میں ہے، اعلم ان النکاح له حکمان حکم الانعقاد وحکم الاظهار فالاول ما ذکره والثانی انما یکون عند التجاحد فلا یقبل فی الاظهار الا شهادة من تقبل شهادته فی سائر الاحکام کما فی شرح الطحاوی، فلذا انعقد بحضور الفاسقین والاعمیین والمحدودین فی قذف وان لم یتوبا وابنی العاقدین وان لم یقبل اداؤهم عند القاضی کانعقاده بحضرة العدوین، بحر[2]، اور جب ایک گواہ غیر مقلد ہے تو اس کی گواہی نامعتبر کہ غیر مقلد نکاح مسلمان کا گواہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں مسلمان گواہ ہونا شرط اور غیر مقلدین زمانہ پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، یہ سب اس صورت میں تھا کہ ناکح سنی ہوتا اور جب کہ وہ غیر مقلد ہے تو اگرچہ عقد ہوا ہو، اگرچہ لڑکی نے اذن دیا ہے، اگرچہ لڑکی اقرار کرتی ہو یا گواہوں سے ثابت ہو، بہر حال سنیہ کا نکاح اس سے نہ ہوا اور عورت پر فرض ہے کہ ہرگز ہرگز اس کے یہاں نہ جائے، اور اس کے باپ پر لازم اشد لازم کہ اپنی لڑکی کو زنا کے لئے پیش نہ کرے، کہ لڑکی اس کو دینا زنا کے لئے پیش کرنا ہے، اور تفصیل[3] درکار ہو، تو رسالہ ازالۃ العار کا مطالعہ چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ جناب عبد العزیز صاحب محلہ سکراول قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، ۲۸ رجب ۱۳۴۱ھ۔

---

[1] ج ۲، ص ۳۰۲، ن۔ [2] ج ۲، ص ۹۶۔ [3] اس زمانہ کے غیر مقلدین جو مولوی اسماعیل دہلوی کو اپنا امام و پیشوا مانتے ہیں، کافر و مرتد ہیں، اور مرتد سے دنیا میں کسی کا نکاح صحیح نہیں، درمختار میں ہے، لا یصلح ان ینکح مرتد او مرتدة احدا من الناس مطلقا، ج ۲، ص ۳۹۶-۳۹۷، ن، مرتد اور مرتدہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ دنیا میں کسی سے نکاح کر سکیں، حتی کہ اپنے مثل مرتد سے بھی ان کے نکاح درست نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مادرزاد بہرہ اور گونگا ہے، اگر اس کا نکاح کرنا چاہیں تو کس طرح کیا جائے؟

الجواب: گونگا اگر لکھنا جانتا ہو تو تحریر کے ذریعے سے اس کا نکاح ہوگا، ورنہ اشارے سے جب کہ معلوم ہو کہ اس قسم کا اشارہ اس کے نزدیک نکاح سے تعبیر ہے، نہر پھر رد المحتار میں ہے، لان نکاحہ (ای الاخرس) کما قالوا ینعقد بالاشارۃ حیث کانت معلومۃ[ا] نیز اسی میں کافی امام شہید سے ہے، فی کافی الحاکم الشہید ما نصہ، فان کان الاخرس لا یکتب وکان لہ اشارۃ تعرف فی طلاقہ ونکاحہ وشرائہ وبیعہ فھو جائز وان کان لم یعرف ذالک منہ او شک فیہ فھو باطل اھ، فقد رتب جواز الاشارۃ علی عجزہ عن الکتابۃ فیفید انہ کان یحسن الکتابۃ لا تجوز اشارتہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب افسر مدرس درس نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ، ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسلمان مرد نے ایک ہندو عورت کو اپنے گھر میں رکھا جس سے اولاد پیدا ہوئے اور اس کا نام وہی ہندوانی رکھا جو مسلمان مرد کے گھر میں آنے کے وقت تھا، اور بعد موت بھی اسی نام سے یاد کی جاتی ہے، اس صورت میں عورت مذکورہ کس مذہب کی سمجھی جائے گی، اولاد مذکورہ مرد مسلمان کی جائز اولاد مانی جائے گی یا نہیں؟

(۲) زید ایک مشہور شخص تھا باوجودیکہ اس تعلق کے ناجائز ہونے کی نسبت عام شہرت ہو چکی تھی لیکن زید نے اپنی حیات میں کوئی تردید اس مشہور واقعہ ناجائز کی نہیں کی، پس اب اگر اس کی اولاد مسلمان اور منکوحہ ہونے کے ثبوت کے لئے ایک نکاح نامہ پیش کرے تو کیا یہ نکاح نامہ اس کے اسلام اور نکاح کے ثبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

(۳) برتقدیر ثبوت اسلام کے کیا یہ عورت مذکورہ اور زید کی اس کے بطن سے اولاد ان لوگوں کی (جن کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قدامت اسلام کا شرف حاصل ہے) ہم کفو ہو سکتی ہے یا نہیں، اور نجیب الطرفین اس کی اولاد کو کہا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہندوانی نام سے یاد کیا جانا یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ عورت مشرف بہ اسلام نہ ہوئی، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ اسلام

[ا] گونگے کا نکاح اشارہ سے منعقد ہو جائے گا، جب کہ اشارہ معلوم ہو، یعنی گونگا یہ سمجھتا ہو کہ یہ اشارہ نکاح کے لئے ہے، [۲] امام حاکم شہید کی کافی میں ہے کہ گونگا اگر لکھنا نہ جانتا ہو اور کوئی ایسا اشارہ ہو جس سے گونگا نکاح، طلاق، خرید و فروخت کو پہچانتا ہو، تو جائز ہے، اور اگر گونگے سے ان باتوں کا اشارہ نہ معلوم ہو تو وہ باطل ہے، لہٰذا انھوں نے اشارہ کے جواز کو کتابت سے عاجز ہونے پر مرتب فرمایا، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اگر وہ لکھنا جانتا ہے تو اشارہ کافی نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

لائے اور اسلامی نام بھی رکھا گیا، مگر اسی ہندوانی نام سے پکارے جاتے رہے، یہ دیکھنا چاہئے کہ اس عورت نے کبھی اگر مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا ہو یا نماز وغیرہ ارکان اسلام اس سے ادا کرتے لوگوں نے دیکھا ہو تو مسلمان سمجھی جائے گی، اب اسلام ثابت ہونے کے بعد اگر نکاح کے گواہ ہوں تو اولاد بیشک اسی مسلمان کی اولاد مانی جائے گی، یا کم از کم ان دونوں کا اس طرح رہنا جیسے میاں بیوی رہا کرتے ہیں، یہ بھی دلیل نکاح ہے اور ان کے نکاح پر گواہی دینی جائز ہوگی، اگرچہ نکاح سامنے نہ ہوا، ہدایہ وعالمگیری و درمختار میں ہے، اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا وینبسط کل واحد الی الاخر انبساط الازواج وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: نکاح نامہ سے ثبوت نکاح نہیں ہوسکتا، الخط یشبہ الخط، ہاں اگر نکاح کے گواہ ہوں، یا دونوں میں زن وشوہر کے برتاؤ دیکھ کر کوئی نکاح کی گواہی دے تو نکاح مان لیا جائے گا، مگر اسی صورت میں کہ عورت کا مسلمان ہونا ثابت ہو ورنہ مشرکہ سے نکاح کب ہوسکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) برتقدیر ثبوت اسلام ونکاح زید کی اولاد اس عورت سے اس کے لئے کفو ہے، جس کے ماں باپ دونوں کئی پشت سے مسلمان ہوں، بشرطیکہ زید اور زید کا باپ دونوں مسلمان ہوں اور دیگر امور جو کفاءت میں معتبر ہیں مفقود نہ ہوں، اس لئے کہ عجم کی کفاءت میں اگرچہ اسلام کا اعتبار ہے، مگر صرف باپ اور دادا کا اسلام معتبر ہے، ماں کے اصول کا مسلم ہونا شرط نہیں، درمختار میں ہے، واما فی العجم فتعتبر حریۃ واسلاما فمسلم بنفسہ غیر کفو لمن ابوھا مسلم ومن ابوہ مسلم غیر کفو لذات ابوین والابوان فیھما کالآباء لتمام النسب بالجد، فتاوی عالمگیری میں ہے، ومنھا اسلام الآباء من اسلم بنفسہ ولیس لہ اب فی الاسلام لا یکون کفوا لمن لہ اب واحد فی الاسلام، کذا فی فتاوی قاضیخاں۔ ومن لہ اب واحد فی الاسلام لا یکون کفوا لمن لہ ابوان فی الاسلام، کذا فی البدائع والذی اسلم بنفسہ لا یکون کفوا للتی لھا ابوان او ثلثۃ فی الاسلام ویکون کفوا

لہ اگر ایک مرد اور ایک عورت کو ایک ساتھ کسی گھر میں رہتے ہوئے دیکھیں، اور ان میں سے ایک دوسرے سے انبساط کرے جیسے میاں بیوی کرتے ہیں، تو دیکھنے والے کو یہ جائز ہے کہ اس بات کی گواہی دے کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں، اقول، یعنی جس طرح عام باتوں کی گواہی کے لئے یہ شرط ہے کہ گواہوں نے اپنی آنکھ سے اس مجلس میں موجود رہکر دیکھا ہو، ورنہ گواہی مقبول نہ ہوگی، یہ شرط یہاں ضروری نہیں کہ کسی عورت کے بارے میں یہ گواہی دینے کے لئے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے، یہ ضروری ہو کہ گواہ نے نکاح کی مجلس میں ایجاب وقبول کو سنا ہو، بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ عورت کسی مرد کے ساتھ اس طرح رہتی ہو جیسے بیوی شوہر کے ساتھ رہتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

لتلہ کن انی السراج الوهاج ممن لہ ابوان فی الاسلام کان کفو الامرأة لہا ثلثۃ اباء فی الاسلام فاکثر کذا فی المحیط،
اور نجابت عرف میں بمعنی شرافت نسب ہے، اگر ماں باپ دونوں باعتبار نسب شریف ہوں تو کہہ سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ ایک شخص اپنی لڑکی کا رشتہ جہاں کے رسوم کے ساتھ دیدے، عرصہ چار پانچ سال کے بعد وہ رشتہ دوسری جگہ دیا جاوے کیا پہلے کا رشتہ ثابت ہے، بابت عہد کے پچھلے کا نکاح ثابت ہوگا یا نہ،؟

الجواب:۔ اگر صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ لڑکی کا نکاح کردے گا، پھر اس نے دوسری جگہ نکاح کر دیا تو یہی نکاح ہوا پہلے شخص سے نکاح نہ ہوا، ہاں وعدہ خلافی ہوئی، اور یہ بغیر وجہ شرعی نہ چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد یعقوب محلہ سیلانی شہر کہنہ بریلی، ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور ایک بیوی اور چار بچے چھوڑا اور اس کے دو برادر حقیقی کلاں ہیں برادران زید نے یہ تجویز کیا تھا کہ عدت گذر جانے کے بعد کہیں بیوہ کا نکاح کر دیا جائے گا، عمرو جو کہ زید کا حقیقی بہنوئی ہے، اس نے زید کے برادران کو یہ مشورہ دیا کہ زید کے تین لڑکے ہیں، جو چند روز میں مزدوری کے قابل ہو جائیں گے، اس کی کچھ پرورش میں بھی کرتا رہوں گا، اور تم بھی کرو اور اس کو ایسے ہی بیٹھے رہنے دو تو اچھا ہے، برادران زید نے عمرو کا مشورہ منظور کرلیا اور چار سال تک باقاعدہ پرورش کی، زوجہ عمرو یعنی زید کی بہن کو شک گذرا کہ میرے شوہر کا خیال فاسد ہے، اور زید کی بیوی سے تعلق ہے، تو اس نے خدا اور رسول کا واسطہ دیا کہ ایسا نہ کرو لیکن اسے اطمینان نہ ہوا اس کے بعد زوجہ عمرو نے اپنے برادر حقیقی سے مشورہ کیا، اس نے عمرو سے کہا جیسا کہ میں نے سنا ہے ایسا ہی تمہارا تعلق ہے تو عمرو نے قسم کھا کر کہا میرے ہاتھ پر کلام پاک رکھو، میرا کوئی تعلق نہیں ہے، اور خدا اور رسول کی قسم کھائی اور یہ بھی کہا کہ میں اپنی بیٹی کے برابر سمجھتا ہوں، اور جو کچھ اس کی پرورش کرتا ہوں، بیوہ سمجھ کے کرتا ہوں زید کے بھائی نے یقین کرلیا کیونکہ عمرو کی عمر ساٹھ سال ہے اور بیوہ کی تقریباً پچیس سال ہوگی، اور جس وقت بیوہ سے کہا گیا کہ تمام لوگوں میں غوغہ ہو رہا ہے، اگر تم کو نکاح کی ضرورت ہے، تو نکاح کرا دیں بیوہ نے جواب دیا مجھے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور عمرو کو بجائے باپ کے سمجھتی ہوں، اسی جد و جہد میں ایک سال گذر گیا، عمرو اس بیوہ کو بھگا کر لے گیا اور نکاح کرلیا، اپنی زوجہ اولیں کی اجازت اور خوشی کے بغیر کیونکہ وہ خدا اور رسول کا واسطہ دیتی تھی کہ نکاح مت کرو، اب عمرو کے پاس تین جوان لڑکے ہیں اور ان کے بچے بھی اور وہ عمرو کے دشمن ہیں، اور عمرو زوجہ اولی کو تکلیف بھی دیتا ہے اور انتظام بھی خراب ہے، اس صورت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں اسے کہا جاتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کو طلاق دے دو، تو کہتا ہے کہ میں زوجۂ دوئم کو طلاق نہیں دوں گا، خدا اور رسول کے خلاف ہے اور کہنے والے پر عذاب ہے، اس کے ہر فقرے کا جواب سمجھ کر تحریر فرمایا جائے کہ کہنے والے پر

عذاب ہوا یا نہیں. طلاق دینا جائز ہے یا نہیں، اور جو لوگ طلاق دینے کو منع کرتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور گھر کا انتظام بہت خراب ہو رہا ہے، اس حالت میں ایک بیوی کو طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ نکاح صحیح ہے، عمرو کا یہ کہنا کہ اس کو بیٹی کے برابر سمجھتا ہوں یا عورت کا یہ کہنا کہ عمرو کو بجائے باپ کے سمجھتی ہوں، اس کہنے سے نہ وہ باپ ہوا نہ یہ بیٹی نہ اس سے وہ عورت اس پر حرام ہوئی، ہاں عمرو پر فرض ہے کہ عدل و انصاف سے کام لے ورنہ گنہگار ہے، اور پہلی عورت کو یہ کہنا نہ چاہئے کہ شوہر زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دے، حدیث میں ہے کہ لا تسئل المرأۃ طلاق اختہا لتکتفی مافی صحفتہا، ہاں اپنے حقوق نان ونفقہ وغیرہ کا شوہر سے مطالبہ کر سکتی ہے، اور اگر اس کے حقوق پورے ادا کرتا ہے تو اپنی طلاق کا بھی سوال نہ کرے کہ بغیر وجہ شرعی شوہر سے کہنا کہ مجھے طلاق دے دے، جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایما امرأۃ سألت زوجہا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ، جو عورت بلا ضرورت شوہر سے طلاق لینا چاہے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نیز فرمایا، المنتزعات والمختلعات ھن المنافقات جدائی چاہنے والیاں اور خلع کرانے والیاں منافق ہیں، رواہ النسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور دوسرا نکاح کر لینا کوئی جرم نہیں کہ طلاق طلب کرنا جائز ہو، اگر وہ شخص دونوں کے حقوق پورے نہ کر سکتا ہو تو ایک کو طلاق دے سکتا ہے[1] اور کوئی وجہ شرعی ہو تو لوگ بھی طلاق کے لئے کہہ سکتے ہیں، ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ غلام حسین خاں صاحب کشمیری از لالہ بازار، المورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کسی چھوٹے ہندو قوم سے شادی کے بعد اس ہندو خاوند کے گھر سے بھاگ کر ایک مسلمان کے گھر میں مسلمان ہو کر نکاح پڑھوا کے تقریباً چار برس رہی اس کے بعد وہ اس مسلمان کے یہاں سے بلا طلاق

نہ کوئی عورت اپنی بہن (سوکن) کے طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ جو اس کے پیالے میں ہے سب خود انڈیل لے، [1] مرد پر دو باتوں میں سے ایک فرض ہے یا تو حسن سلوک کے ساتھ رکھنا، یا بھلائی کے ساتھ طلاق دیدینا، قرآن مجید میں ہے، فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف، انہیں بھلائی کے ساتھ روکے رکھو یا اچھائی کے ساتھ چھوڑ دو، معلق چھوڑنا کہ نہ طلاق دیں نہ نان، نفقہ دیں یا حقوق زوجیت نہ ادا کریں حرام ہے، فرماتا ہے، فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ، تو یہ نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتی چھوڑ دو، یہ شخص جب اپنی پہلی بیوی کو معلق چھوڑے ہوئے ہے، اس کے حقوق زوجیت کو ادا نہیں کرتا تو اس کی زوجہ کو ضرور یہ حق حاصل ہے کہ اپنے طلاق کا سوال کرے اور مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ اس شخص کو دو باتوں میں سے ایک پر مجبور کریں یا تو حسب حکم شرعی پہلی بیوی کے بھی حقوق کما حقہ ادا کرے یا پھر اسے طلاق دیدے، حدیث میں ہے، انصر اخاک ظالما او مظلوما، اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دیا جائے اور مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے نجات دلایا جائے، (امجدی)

علحدہ ہوکر تیسرے مسلمان کے ساتھ رہنے لگی، کچھ عرصہ بعد ۴۹۸ تعزیرات ہند کے دفعہ کے مطابق پہلے مسلمان خاوند نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا، عورت نے کہا میرا پہلا خاوند ہندو موجود ہے، عدالت نے ہندو خاوند کی زوجہ قرار دے کر مسلمان خاوند کا نکاح ناجائز کر دیا، عدالت نے اس کو ہندو خاوند کے ہمراہ کرنا چاہا لیکن ہندو شوہر نے اسے لے جانے سے انکار کیا، کیونکہ وہ مذہب بدل چکی تھی، (خلاصہ یہ) وہ خاوند اس کو نہیں لے گیا، پہلے مسلمان خاوند کے گھر بہ سبب تکلیف رہنا نہیں چاہتی، نہ عدالت سے اس کو ملی، بلا نکاح ایک تیسرے شخص کے ہمراہ رہتی ہے، اس کے ہمراہ نکاح کرنے پر راضی ہے، لہذا اس عورت کا نکاح کب اور کس طرح پڑھایا جائے تاکہ وہ تیسرے شخص کے ساتھ حرام کاری سے بچائی جائے،

الجواب: سائل نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ عورت نے مسلمان ہونے کے کتنے دنوں بعد نکاح کیا، اگر تین حیض آنے کے بعد یا حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ گذرنے کے بعد نکاح کیا تو نکاح صحیح ہے، اب جب تک یہ شوہر طلاق نہ دے، دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، فتاوی عالمگیری میں ہے،

[1] واذا اسلم احد الزوجين في دار الحرب ولم يكونا من اهل الكتاب او كانا والمرأة هي التي اسلمت فانه يتوقف انقطاع النكاح بينهما على مضي ثلث حيض سواء دخل بها او لم يدخل بها. كذا في الكافي فان اسلم الآخر قبل ذلك فالنكاح باق ولو كانا مستامنين فالبينونة اما بعرض الاسلام على الآخر او بانقطاع ثلث حيض وكذا في النهاية ولو كانت لا تحيض لصغر او كبر لا تبين الا بمضي ثلثة اشهر وكذا في البحر الرائق

اور اب عورت اس ہندو کے پاس نہیں رہ سکتی اور یہ عجب کہ مسلمان عورت کو کافر کے حوالہ کیا جاتا ہے، یہ قطعاً حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] اگر میاں بیوی میں سے ایک دار الحرب میں اسلام لے آئیں، اہل کتاب ہوں یا نہ ہوں، اور عورت اسلام لائی ہو تو نکاح کا ختم ہونا تین حیض آنے تک موقوف رہے گا، خواہ اس کے ساتھ دخول ہوا ہو، یا نہ ہوا ہو، جیسا کہ کافی میں ہے، پس اگر دوسرا یعنی شوہر تین حیض آنے سے پہلے پہلے اسلام لایا تو دونوں اپنے سابق نکاح پر باقی رہیں گے، اور دونوں مستامن ہوں (دار الاسلام میں امان لائے ہوں) تو ان دونوں کے درمیان نکاح کا منقطع ہونا اس وقت ہوگا کہ دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے، اور وہ اسلام لانے سے انکار کرے، یا تین حیض گذر جائے، جیسا کہ عنایہ میں ہے، اور اگر عورت حیض کے لائق نہ ہو، کم سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے تو بغیر تین مہینے گذرے سابق شوہر کے نکاح سے باہر نہ ہوگی، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے، اقول، اس عبارت کی روشنی میں مسئلہ کی تین صورتیں ہیں، اول، میاں بیوی دونوں اسلام لائیں، خواہ دار الحرب میں خواہ دار الاسلام میں تو حکم یہ ہے کہ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے، ثانی، صرف عورت اسلام لائے، مرد نہ لائے، اور دونوں دار الحرب میں ہوں تو حکم یہ ہے کہ جب تک قابل حیض عورت پر تین حیض نہ گذر جائیں، اس کا نکاح باقی رہے گا، ہاں اگر کمسنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے پر نکاح ختم ہوگا، تین حیض کے آنے کے پہلے یا صغیرہ اور آئسہ پر تین مہینے گذرنے سے پہلے پہلے اگر اس کا شوہر بھی اسلام قبول کر لے تو عورت سابق نکاح پر باقی رہے گی، ثالث، دونوں مستامن ہوں یعنی بطریقہ شرعی امان لے کر دار الاسلام میں آئے ہوں، اور عورت نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے شوہر پر بھی اسلام پیش کیا جائے گا، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کی بیوی ہے، اور اگر انکار کرے تو فسخ نکاح کا حکم دیا جائے گا، اگرچہ تین حیض نہ گذرے ہوں اور اگر اسلام نہیں پیش کیا گیا تو اس وقت نکاح کے فسخ ہونے کا حکم دیا جائے گا جب عورت پر تین حیض گذر جائیں، اور اگر عورت صغیرہ یا آئسہ ہو تو تین ماہ پورے ہو جائیں، اب ایک صورت یہ رہ جاتی ہے کہ میاں بیوی دونوں حربی ہوں اور عقد امان لے کر دار الاسلام میں ہوں جیسا کہ ہندوستان میں ہے، اس لئے کہ بر بنائے تحقیق ہندوستان دار الاسلام ہے، اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے رسالہ مبارکہ اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹ پر)

مسئلہ : مرسلہ غلام حسین خاں کشمیری لالہ بازار کوہ المورہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ ۔

آپ نے دریافت فرمایا ہے، عورت حیض سے ہوئی تھی یا نہیں، جواب مفصل ہے، یہ عورت ہندو کے گھر سے تنازعہ مسلمان خاوند کے گھر میں تقریباً ڈیڑھ سال بلا نکاح رہ چکی تھی، مسلمان اس کے گھر میں آکر ایک ماہ بعد ہی ہوئی تھی، گویا مسلمان ہونے کے بعد بھی سترہ ماہ بلا نکاح رہی جب اس کو لوگوں نے ملامت کیا تو وہ ایک گاؤں میں اپنے ہی خاص چھ مرد اور دو عورتوں کو ہمراہ لے جاکر ایک بازاری درزی سے نکاح پڑھوایا نکاح پڑھانے والا عالم یا عادل نہیں، قاضی و مولوی کے موجود ہونے پر بھی ایسی کارروائی اس غرض سے کی گئی کہ اس عورت کا پہلا شوہر ہندو زندہ موجود تھا قانوناً دوسرا نکاح پڑھانا جرم سمجھ کر یہ خفیہ کارروائی ہوئی، جب وہ اس مسلمان خاوند کے گھر سے نکل کر دوسرے مسلمان کے گھر رہنے لگی، تو کہہ رہی تھی، مجھے اس کے گھر میں سخت تکلیف تھی، پھر اس نے دوسرے مسلمان پر عدالت سے چارہ جوئی کی، اسی اثنا میں عورت کا اصلی ہندو شوہر بھی عدالت میں آیا، اس نے عذر پیش کیا، عورت دراصل میری ہے، عدالت میں اسی کو اصلی حقدار تصور کر کے عورت کو لے جانے کی اجازت دی، لیکن جب اس کو عورت ملی تو اس نے عورت کو لے جانے سے انکار کیا، جس مسلمان کا ناجائز نکاح کیا گیا، اس کے گھر میں بھی عورت رہنے کو راضی نہیں ہے، اب جس کے گھر میں ہے، اس سے نکاح کرنا چاہتی ہے اور اس کا کوئی سرپرست نہیں ہے، اب بلا نکاح رکھنے پر اندیشہ ہے کسی جرم یعنی زناکاری کی مرتکب نہ ہو جائے، آیا اس کا نکاح اس مسلمان کے ساتھ پڑھایا جاوے، پہلے مسلمان خاوند کے گھر سے علٰحدگی کو آج تک تین ماہ سات یوم ہو گئے اور ماہواری بھی برابر ہو رہی ہے لہٰذا اب دونوں کاغذات کو بغور ملاحظہ فرماکر جواب باصواب سے مطلع فرمائیں، ہندو خاوند کا اس فتویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے پہلے مسلمان کا نکاح بھی شرع محمدی سے ناجائز عدالت نے قرار دیا، سو اب اس عورت کو عقد ثانی سے روکنے کی کیا وجہ ہے، جس سے کہ اس کے اوپر نگاہ بد ہونے کا اندیشہ ہو؟

(بقیہ حاشیہ ص ۸) کا اثبات فرمایا ہے اور عورت اسلام لائے تو کیا حکم ہوگا، یہ جزئیہ کہیں فقیر کی نظر سے نہیں گذرا، قواعد فقہیہ کی روشنی میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر آج کل یہاں ہندوستان میں میاں بیوی میں سے صرف عورت اسلام لائے مرد اسلام نہ لائے، تو جب تک عورت پر تین حیض نہ گذر جائیں اس کو عقد کرنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ نے اس فتوی میں صرف اسی شق پر اقتصار فرمایا ہے، شوہر پر اسلام پیش کرنے اور اس کے اعراض سے بینونت فسخ نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ اگر دونوں دار الحرب میں ہوتے تو یہی حکم تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ دار الاسلام ہے مگر یہاں کے غیر مسلموں پر ہمارا کسی قسم کا کوئی تسلط نہیں، جیسا کہ دار الحرب میں ہوتا ہے، اس لئے اس خصوص میں یہاں کے غیر مسلموں پر وہی حکم جاری ہوگا جو دار الحرب میں رہنے والے حربیوں کا ہے۔ بخلاف اس کے جب کہ وہ دونوں مستامن ہوں کہ اس صورت میں تسلط ہمارا ہوگا، تو مدار کار تسلط ہے، دار الحرب میں تسلط نہیں اس لئے زوجہ کے اسلام لانے کے بعد شوہر پر عرض اسلام اور اس کے اعراض پر بینونت کا حکم نہیں آج کل ہندوستان میں بھی ہمارا ان پر تسلط نہیں، اس لئے عرض اسلام کے بعد اعراض پر بینونت کا حکم نہیں دیا جائے گا، علاوہ ازیں اسلام پیش کرنے کا کام قاضی کا ہے اور یہاں پر قاضی اسلام نہیں، اس لئے یہاں اسلام پیش کرنے اور اعراض پر فسخ نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ پہلے تفریع آ چکی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

الجواب:۔ پہلے فتوی میں یہی صورت جو سائل نے اب بیان کی قرار دے کر جواب دیا تھا، عورت نے پہلے جس مسلمان سے نکاح کیا تھا، وہ نکاح صحیح و تام ہے، اب جب تک یہ شوہر طلاق نہ دے دوسرے سے نکاح نہیں ہو سکتا، جب عورت مسلمان ہو گئی، تو اب اس کا کافر شوہر اول کا کچھ حق نہ رہا، وہ لینا چاہے یا نہ لینا چاہے، کسی طرح اس کو نہیں مل سکتی، جب خود سائل کا بیان ہے کہ ایک مسلمان سے نکاح ہو چکا ہے تو کافر کے یہ کہدینے سے کہ میری عورت ہے وہ نکاح ناجائز نہیں ہو سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ شہاب الدین قصبہ شیش گڈھ، ضلع بانس بریلی، ۱۹ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت بعد نکاح تقریباً چھ سات سال زید کے گھر میں رہی، ایک لڑکی بھی ہوئی، بعد ازاں وہ عورت پہلے باپ کے گھر گئی، جب دوبارہ زید اس کو لیوانے گئے تو اس کے باپ نے حیلہ بہانہ کر کے اسے روک لیا، چند دنوں کے بعد کسی دوسری جگہ اس کا نکاح کر دیا، زید نے حسب ہمت کوشش کی مگر ناکام رہا وہ عورت اپنے فرضی خاوند کے یہاں تخمیناً دو سال رہی، ایک لڑکا بھی پیدا ہوا، پھر اس کا مصنوعی شوہر مر گیا، اب وہ عورت اپنے باپ کے گھر موجود ہے تو سوال یہ ہے کہ زید کا حق زوجیت کیا اس عورت سے منقطع ہو گیا یا باقی رہا؟

الجواب:۔ جب اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کیا تو ظاہر یہی ہے کہ شوہر اول نے طلاق دیدی ہوگی[1]، ورنہ بغیر طلاق لئے دوسری جگہ کیونکر نکاح کر سکتی ہے اور اگر واقع میں زید نے طلاق نہ دی ہو تو وہ بدستور اسی کی زوجہ ہے اور جان بوجھ کر جو اس کے دوسرے نکاح میں شریک ہوا سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا اسے چاہئے کہ تجدید اسلام[2] و تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] یہ اس بنا پر ہے کہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہئے، اس کے ہر فعل کو جہاں تک ہو سکے اچھے محل پر حمل کرنا چاہئے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم خیراً (سورۂ نور) ترجمہ: کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا، حدیث میں فرمایا حسن الظن من حسن العبادۃ، رواہ احمد و ابو داؤد، مشکوٰۃ ص ۴۲۹ ترجمہ: اچھا گمان اچھی عبادت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2] جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس کا نکاح کسی اور سے کرنا حرام قطعی ہے ارشاد ہے، والمحصنات من النساء، اور اس کا حرام ہونا ضروریات دین سے ہے، اس لئے اس کا حلال جاننا کفر ہے کسی کا نکاح پڑھانا اس میں شریک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کو حلال جانتا ہے، مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ شرما حضوری لالچ وغیرہ کی وجہ سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ نکاح حرام ہے، نکاح پڑھا دیتے ہیں نکاح کی مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں، گواہ وکیل بن جاتے ہیں، اس تقدیر پر نکاح خواں و گواہ و شرکا مجلس صرف گنہ گار ہوں گے کافر نہ ہوں گے اب یہاں شرکا کی نیت کا حال معلوم نہیں اور ہمیں حکم ہے کہ مسلمان کے فعل کو اچھے محل پر محمول کریں، اس لئے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ یہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا لیکن جس چیز کے کفر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہو، اس پر احتیاطاً تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم ہے، عالمگیری میں ہے، ما کان فی کونہ کفرا اختلاف

(بقیہ حاشیہ ص الا پر)

مسئلہ : مسئولہ جناب ثابت علی از ٹانڈہ محلہ سکراول ضلع فیض آباد، ۱۸ر صفر المظفر ۱۳۴۲ھ،

گونگے اور بہرے کا نکاح کس طرح کیا جائے اور وہ اپنی عورت کو کس طرح طلاق دے سکتے ہیں؟

الجواب : بہرے کے نکاح کے لئے کسی نئی صورت کی کیا ضرورت اس کا نکاح اسی طرح ہوگا، جیسا سننے والے کا اور اپنی عورت کو طلاق دے گا، تو واقع ہو جائے گی، ہاں گونگے کے لئے ضرور کوئی دوسری صورت چاہئے، کہ یہ تلفظ پر قادر نہیں، اگر یہ شخص لکھنا جانتا ہو تو تحریر سے نکاح و طلاق ہوں، ورنہ اشارہ سے جب کہ وہ معہود ہو کر مقصود پر دلالت کرے یعنی زبان سے کچھ آواز بھی ہو اور ساتھ ساتھ اشارہ کہ گونگے جب کچھ کہنا چاہتے ہیں، تو اسی طرح کہتے ہیں، درمختار میں ہے، او اخرس باشارۃ المعہودۃ فانہا تکون کعبارۃ الناطق استحسانا، ردالمحتار میں ہے، فی کافی الحاکم الشہید مانصہ فان کان الاخرس لایکتب وکان لہ اشارۃ تعرف فی طلاقہ ونکاحہ وشرائہ وبیعہ فہو جائز وان کان لم یعرف ذالک منہ اوشک فہو باطل، اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : مسئولہ شاہ قمر الدین صاحب امام مسجد کلاں جامع مدرسہ معینیہ از پوکرن مارواڑ ریاست جودھپور، ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ،

شادی کے موقعہ پر نکاح کی تاریخ مقرر کرنا اور اس کی خوشی میں عزیزوں اور مہمانوں کو کھانا پکا کر کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ نکاح سے پہلے یا بعد باجا بجانے سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب : نکاح کی تاریخ مقرر کرنا جائز اور دعوت ولیمہ سنت اور اس تقریب میں خویش واقارب کو دعوت دینا اور مہمانوں کو کھانا کھلانا مستحسن بغیر جھانجھ کا دف بجانا بھی جائز، جب کہ قواعد موسیقی پر بجایا نہ جائے، حدیث میں ہے، اعلنوا[1] ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف، رواہ الترمذی عن ام المومنین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فصل[2] مابین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح، طحطاوی، حاشیہ درمختار میں ہے، لاباس[3] بالدف فی العرس لیشتہر وفی السراجیۃ ھذا اذالم یکن لہ جلاجل ولایضرب علی ہیئۃ التطرب، دف کے علاوہ اور باجے حرام[4] ہیں، مگر اس کی وجہ سے نکاح میں خلل نہ آئے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰) فان قائلہ یومر بتجدید النکاح وبالتوبۃ والرجوع عن ذالک بطریق الاحتیاط، ج ۲، ص ۲۸۹، جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہے اس کے قائل کو احتیاطاً تجدید ایمان اور توبہ اور اس قول سے رجوع کا حکم دیا جائے گا، اسی بنا پر حضرت نے تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا، واللہ تعالیٰ اعلم، امجدی۔ ـ

[1] اس نکاح کا اعلان کرو، اس موقع پر دف بجاؤ، اور مسجدوں میں کرو، [2] حلال وحرام نکاح کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی چیز آواز اور دف ہے [3] شادی کے موقع پر دف بجانے میں کوئی حرج نہیں تاکہ شہرت ہو جائے، سراجیہ میں ہے، یہ دف بجانے کا جواز اس صورت میں ہے، جب کہ دف میں جھانجھ نہ ہو، اور راگنی کے تال پر نہ بجایا جاتا ہو، [4] حدیث میں فرمایا امرنی ربی بمحق المعازف، میرے پروردگار نے مجھے باجوں کے مٹانے کا حکم دیا ہے، دوسری حدیث میں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲ پر)

مسئلہ: مسئولہ، ۲؍ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

زید متوفی کی چار بہنیں تھیں، ایک بہن زید سے قبل انتقال ہو گئی، زید نے اپنے حقیقی بھانجہ عمرو کو جو ہر طرح لائق اور اس وقت کے دائمین میں شمار ہونے کے قابل ہے، اپنی دختر ہندہ سے منسوب کیا، چند روز بعد ناراض ہو کر انکار کر دیا، پھر راضی ہو کر اپنے پاس رکھا، اور اقرار نسبت کیا مرض الموت میں عمرو کے والد سے کچھ رنجش ہوئی، عمرو نزع کے وقت موجود نہ تھا، کہا جاتا ہے کہ عمرو سے عقد نہ کرنے کی وصیت کی ہے، اب تمام اعزا اور ہندہ کی والدہ ہر طرح عمرو سے عقد کرنے پر راضی ہیں، لیکن وصیت کا خوف کیا جاتا ہے، آیا یہ وصیت شرعاً قابل پابندی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب عمرو ہندہ کا کفو ہے اور اولیا ہندہ اس سے نکاح کرنے پر راضی ہیں، تو کر سکتے ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں، اور زید کی یہ وصیت واجب العمل نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ محمد یسین خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ کسٹم اکسائز، صدر بیکانیر، ۷؍ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

سوال: درپیش ہے کہ ہندہ کی منگنی جس کی عمر انیس سال بتائی جاتی ہے۔ اس کے والدین اور برادر کلاں کی رضامندی سے عمرو کے ساتھ ہوئی، لیکن اس جگہ کے چند اشخاص کو یہ نسبت ناگوار گذری اور والدہ ہندہ کو عمرو کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا گیا، والدہ ہندہ کی طرف سے کہا گیا: کہ میرے گھر کا کفیل اور مختار میرا فرزند کلاں ہے، اس کی رضامندی لے لوں، چنانچہ برادر ہندہ جو دوسرے قصبہ میں ملازمت کرتا ہے وہاں جا کر ان لوگوں نے عمرو کے ساتھ شادی نہ کرنے کی بابت کہا، مگر اس نے صاف انکار کر دیا، اور کہا کہ جہاں ہماری خوشی ہوگی شادی کریں گے، خلاف امید جواب سن کر ان میں سے ایک شخص نے از راہ دغابازی اور فریب اپنے صرفہ سے دولھن کا لباس بنوایا، اور والدہ ہندہ کو جا کر یہ کہا کہ تمھارے فرزند کلاں نے اجازت دیدی ہے کہ زید کے ساتھ نکاح پڑھا دو، اور ان لفظوں کو اس وثوق کے ساتھ بیان کیا کہ یہ کپڑے تمھارے لڑکے نے دولھن کے لیے بھیجے ہیں اور نکاح پڑھا دینے کی اجازت دے دی ہے، مگر والدہ ہندہ کو یقین کامل نہ ہوا تو اس شخص نے کعبۃ اللہ کی قسم کھا کر یقین دلایا اور نکاح کے لئے اذن حاصل کر لیا، اب والدین ہندہ اور دو گواہان شرعی جن میں ایک گواہ یہی شخص ہے، جن کی نسبت مفصل حال اوپر درج ہو چکا ہے، یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہندہ نے برضاو رغبت زید کے ساتھ نکاح پڑھا لیا، مگر ہندہ جو عاقلہ بالغہ ہے، حلفیہ بیان کرتی ہے کہ میں نے زید کے ساتھ نکاح کرنے سے قطعی انکار کر دیا، حالانکہ مجھ پر جبر بھی کیا گیا، مگر میں نے بالکل ایجاب و قبول نہیں کیا اور نہ کوئی لفظ آیات قرآنیہ زبان سے ادا کیا، اسی اثنا میں میرے برادر کلاں پہنچ گئے، جو لوگ مجھ پر جبر کر رہے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱ کا) قیامت کی نشانیوں میں سے فرمایا، لیکونن اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف، ایسی قوم پیدا ہو گی جو زنا اور ریشم اور شراب اور باجے کو حلال جانے گی۔ ہدایہ وغیرہ عام کتب فقہ میں ہے، دلت المسئلۃ علیٰ ان الملاھی کلھا حرام، اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ تمام ملاہی یعنی وہ چیزیں جو کھیل کود کے آلات میں سے ہیں، اس میں باجا بھی ہے حرام ہے، فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی محبوب اولیاء قدس سرہ سے منقول ہے کہ فرمایا، مزامیر حرام است،" واللہ اعلم، (امجدی)

تھے، میرے برادر کے آنے سے چلے گئے میں نے اپنے بھائی کے ذریعہ باختیار خود اپنی رضا و رغبت سے اس واقعہ کے تیسرے روز عمرو کے ساتھ جس سے میری نسبت پہلے ہو چکی تھی، نکاح کر لیا چونکہ صورت مسئولہ میں یہ معلوم ہونا ضروری ہوا کہ زید کے ساتھ نکاح ہونا بیان کیا گیا، وہ صحیح ہے یا عمرو کے ساتھ جو نکاح کرنا کہا جاتا ہے وہ صحیح ہے، بروئے قرآن مجید و احادیث بطریقہ حنفی المذہب ارشاد فرمائیں، ؟

الجواب: مفتی کا کام صورت سوال پر حکم لکھ دینا یا بیان کر دینا ہے، گواہوں سے ثبوت لے کر فیصلہ کرنا قاضی کا منصب ہے، زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا جو بیان کیا جاتا ہے اگر اس کا ثبوت گواہان عادل سے ہو تو نکاح وہی ہوا جو زید سے ہوا، اگرچہ ہندہ انکار کرتی ہے، اور اگر زید کا نکاح گواہان عادل سے ثابت نہ کر سکے تو نکاح زید ثابت نہ ہوگا اور اس صورت میں عمرو کے ساتھ نکاح صحیح، ردالمحتار میں ہے، اعلم ان النکاح له حکمان حکم الانعقاد و حکم الاظهار، فالاول ماذکره والثانی انما یکون عند التجاحد فلا یقبل فی الاظهار الا شهادة من تقبل شهادته فی سائر الاحکام کما فی شرح الطحاوی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد یسین خانصاحب، ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

اس میں کچھ کلام نہیں کہ مفتی صاحبان کا کام صورت سوال پر حکم لکھ دینا یا بیان فرما دینا ہے، مگر اس مسئلہ میں مفتی صاحبان نے جو حکم فرمایا، اگرچہ بجا و درست ہے، مگر نافہم شرع اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، سوال مسئولہ نوعیت معاملہ کے فہم کے لئے بالکل صاف اور صحیح ہے، پس مزید برآں حالت گواہان شرعی ذیل میں درج کر کے مفتی صاحبان سے استدعا ہے کہ ایسے گواہ ہونے کی صورت میں کونسا نکاح صحیح قرار پا سکتا ہے ؟،

(۱) ایک گواہ نے از راہ دغابازی اور فریب اپنے صرفہ سے دلھن کا لباس بنوایا اور والدہ ہندہ کو کہا کہ تمہارے فرزند کلاں نے اجازت دیدی ہے، کہ زید کے ساتھ نکاح پڑھا دو اور ان لفظوں کو اس وثوق کے ساتھ بیان کیا یہ کپڑے تمہارے لڑکے نے دلھن کے لئے بھیجے ہیں، اور نکاح پڑھا دینے کی اجازت دیدی ہے، اس پر بھی والدہ ہندہ کو یقین کامل نہ ہوا تو گواہ مذکور نے کعبۃ اللہ کی قسم کھا کر یقین دلایا اور نکاح کے لئے والدہ ہندہ سے اذن حاصل کر لیا، حالانکہ برادر ہندہ نے زید کے ساتھ نکاح کرنے سے قطعی انکار کر دیا تھا،

(۲) دوسرے گواہ شرعی بھی ہم خیال گواہ نمبر ایک تھا، مگر اس نے والدہ ہندہ سے برادر کی اجازت دینے یا نہ دینے کا تذکرہ نہیں کیا، البتہ اس گواہ کی یہ غرض اس میں ضرور شامل تھی، کہ وہ اپنے برادر زادہ کا نکاح ہندہ کی چھوٹی ہمشیرہ سے کرنا چاہتا تھا، مگر برادر ہندہ کے پہونچ جانے سے نہیں کر سکا، لہذا مندرجہ حالات پر غور فرما کر فتویٰ مرحمت فرمایا جائے ؟

الجواب: جواب بہت صاف تھا، دو صورتیں لکھ دی ہیں، اور ہر ایک کا حکم بتا دیا گیا، واقعہ کے مطابق جو صورت ہو اس کا حکم معلوم کر سکتے ہیں، اگر گواہ فاسق، فاجر ہو تو قابل قبول شہادت نہ ہو تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی، مگر واقعہ مندرجہ سوال میں خود لڑکی کے

والدین اذن دینا بیان کرتے ہیں اور ایک گواہ وہ دوسرا شخص ہے جس کو سائل نے گواہ اول کا ہمنوا بتایا، مگر اس معاملہ میں سازش ذکر نہیں کی صرف اتنی بات کہ ہندہ کا نکاح فلاں سے ہو فلاں سے نہ ہو اور اسکیلئے اس بھائی کے پاس جانا اور کوشش کرنا کوئی جرم نہیں کہ اس کی شہادت رد کر دی جائے، لہذا ایک یہ گواہ ایسا معلوم ہوتا ہے، جس کی گواہی مردود ہونے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی، اور خود والد ہندہ بھی جب اذن دینا بیان کرتا ہے تو دو گواہوں سے اذن دینا ثابت ہوگیا کہ گواہ اسی کا نام نہیں جو بروقت نکاح نام زد کر دیئے جاتے ہیں، بلکہ ہر وہ شخص عورت یا مرد جن کے سامنے اذن ہوا ہو، گواہ ہیں، چونکہ عبارت سوال سے واقعہ کا پورا انکشاف نہیں ہوتا ہے کہ اس میں بعض باتیں قرینہ نیاس نہیں، اس لئے دونوں حکم بیان کر دیئے گئے، اب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اگر ہندہ کا اذن دینا ثابت نہ ہو تو پہلا نکاح ثابت نہیں ہوا، ورنہ ہوگیا، اب وہاں کے لوگ دیکھیں کہ ثبوت ہے یا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ نعمت اللہ، ساکن علی گنج تحصیل فرید پور، ضلع بریلی، ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

ایک شخص کی بیوی کو زنا سے حمل رہ گیا، نو مہینہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا، اس عورت کا شوہر گھر پر نہیں تھا، تین برس کے بعد آیا اسے معلوم ہوا کہ حرام کا لڑکا پیدا ہوا، مگر اس نے خاموشی اختیار کی اور کہا میں نہیں چھوڑوں گا، اس کے بعد لوگوں نے اس کا حقہ پانی بند کر دیا، چند آدمیوں نے اس کی شرکت کی اور دوبارہ نکاح پڑھوا دیا، اب شرع کا کیا حکم ہے، کیا دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت کے زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا، ہاں بہتر ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دیدی جائے اور اگر شوہر اسے رکھنا چاہتا ہے تو جدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں، پھر اگر شوہر اس کے ان افعال پر راضی ہے یا پورا بندوبست نہیں کرتا، تو دیوث ہے، اہل برادری اسے بند کر دیں ورنہ شوہر پر الزام نہیں، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے واقع میں زنا کرایا ہو، اور یہ حمل زنا کا ہو، مگر شوہر والی عورت کی نسبت یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا حمل زنا ہی کا ہے، اگرچہ اس کا شوہر تین سال سے وہاں سے غائب ہو، ممکن ہے کہ وہ اس درمیان میں چھپ کر آیا ہو، اور اپنی عورت کے ساتھ رہا ہو اور یہ حمل اسی کا ہو اور جب کہ شوہر اس بچے کا انکار نہیں کرتا تو محض اسکی غیبت کی وجہ سے دوسروں کا انکار صحیح نہیں[1]، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] حدیث میں ہے، الولد للفراش وللعاھر الحجر، بچہ بچھونے والے کا ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہے، اس میں حکم یہ ہے کہ جب ایک عورت کسی کے نکاح میں ہے تو سماج کی ستھرائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ عورت کے جو بچہ پیدا ہو، وہ اس عورت کے شوہر ہی کا مانا جائے، بلا ثبوت شرعی جس کا جی چاہے جس بچے کے بارے میں چاہے اڑا دے، کہ شوہر کا نہیں فلاں کا ہے، تو امان اٹھ جائے، لوگوں کی عزت وآبرو محفوظ نہ رہے، استقرار حمل ایسی خفی چیز ہے کہ اس پر مطلع ہونا مرد عورت دونوں کے لئے قریب محال کے ہے، کوئی نہیں بتا سکتا کہ کس جماع سے استقرار نطفہ ہوا ہے، اس لئے شریعت نے قاعدہ مقرر فرما دیا کہ جس کے نکاح میں بچہ پیدا ہو وہ اسی کا ہے
(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۰ پر)

مسئلہ ۱، مرسلہ نور محمد طالب علم مدرسہ مسجد قدیم چھیپان، چتور گڈھ، میواڑ، ۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ

ایک قوم ہے جس کی تعداد کم و بیش چالیس ہزار ہے، جو اس ملک میں آباد ہے، ان کے یہاں بہت سی باتیں مقرر ہیں، قومی پنچایت کی پابندی ہر فرد پر فرض و لازم سمجھی جاتی ہے، ان کے یہاں یہ بھی ہے کہ بیوہ عورت جو بالغہ ہو خواہ ورثہ رضامند ہوں یا نہ ہوں جب کسی کے پیغام نکاح کو منظور کرے تو عورت پر یہ لازم ہے کہ ایک ناریل خواہ چھلا انگوٹھی دو تین شخصوں کے سامنے اس شخص کو یا اس کے پیغام پہونچانے والے کو دے زبانی اقرار کافی اور قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا، دوسرے وہ عورت شوہر متوفی کا تمام مال و اسباب اور زیور متوفی کے وارثوں کو پہونچا دے یہ دونوں بات طے ہونے پر قومی پنچایت کی طرف سے کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اگر کوئی نکاح کرے تو وہ قوم سے خارج سمجھا جاتا ہے، اسی طرح کچھ روز ہوئے ایک بیوہ نے کسی شخص کو نکاح کے پیغام پر تین چار شخصوں کے روبرو ناریل دیا، سسرال والوں نے یہ خبر سن کر کچہری میں رپورٹ کی، کہ میرے بھتیجے کی عورت سے دوسرا نکاح کر رہا ہے، مگر میرے زیور اور اسباب کی صفائی نہیں کی گئی جس پر وہ شخص زیر حراست لے لیا گیا، اس پر اس کے رشتہ داروں نے قومی رواج کے طریقوں پر اس کی صفائی کرا دینے کی بابت ضمانت داخل کی، دوسرے روز ضمانت دہندہ نے بیوہ مذکورہ کے اگلے خسرال والوں کا زیور و سامان دے کر چار پانچ آدمیوں کے سامنے صفائی کرائی، مزید برآں رواج سے زاید یہ کیا گیا کہ اس عورت نے زمانہ عدت میں جو زیور وغیرہ گروی رکھ کر خورد و نوش کی تھی وہ بھی اس شخص سے روپیہ دلا کر زیور مرہونہ چھوڑوا دیا، بلکہ اس زمانہ کا دیگر قرض بھی ادا کرا دیا، انھیں پانچ چار آدمیوں نے جو صفائی کرانے میں شریک تھے، بیوہ مذکورہ کو بھگا کر کسی دوسرے شخص کے ساتھ فرار کر دی، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳ کا) ہاں اگر واقعی شوہر کو اس کا یقین ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ میرا نہیں ہے تو اسے شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ انکار کرے، شوہر جب پردیس میں ہے اور برسہا برس تک گھر نہیں آیا اور اس کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا تو ظاہر یہی ہے کہ یہ بچہ شوہر کا نہیں، مگر شریعت کا حکم پھر بھی یہی ہے کہ یہ اسی کا بچہ ہے، جب تک کہ شوہر بطریق شرعی اتنا انکار نہ کرے کہ انتفاء نسب کا حکم دیا جائے، اس میں راز یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ شوہر برسوں سے گھر نہیں آیا، اگر واقعہ بھی ایسے ہی ہے تو پھر شوہر کیوں نہیں انکار کرتا اور یہ کیوں نہیں کہتا کہ یہ بچہ میرا نہیں، شوہر جب انکار نہیں کرتا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے گھر آیا ہے، گھر آنے کو کسی مصلحت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے، مصلحتیں مختلف ہو سکتی ہیں، ہر شخص کی مصلحت الگ ہوتی ہے، ہر مصلحت کا ظاہر کرنا یا ہمیں اس کا معلوم ہونا ضروری نہیں، درمختار میں ہے، وقد اکتفوا بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیۃ بینہما سنۃ فولدت لستۃ اشہر مذ تزوجہا لتصور کرامۃ او استخدام (فتح، ج ۲، ص ۳۰۴ ن) فقہائے ثبوت نسب کے بارے میں فراش کے قیام پر اکتفا کیا، دخول کی شرط نہیں لگائی، جیسے مغرب میں رہنے والے مرد نے مشرق میں رہنے والی عورت سے شادی کیا، اور ان دونوں میں اتنی دوری ہو کہ سال بھر کی مسافت ہو، اب نکاح کے چھ مہینہ پر بچہ پیدا ہوا (اور ظاہری طور پر دونوں سے ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں) پھر بھی یہ بچہ شوہر کا مانا جائے گا، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ شوہر بطور کرامت یا بطور استخدام جن بیوی کے پاس آیا ہو، ایسا ہی فتح القدیر میں بھی ہے، اس مسئلہ میں عوام کے لئے سخت نصیحت ہے کہ محض شبہات کی بنا پر اولاد کے بارے میں غلط باتیں مشہور کر دیتے ہیں، (امجدی) واللہ تعالیٰ اعلم

دوسری جگہ جاکر اس سے نکاح بھی کرلیا، اگرچہ قومی رواج کے مطابق یہ اور اس کے معاون و مددگار قوم سے خارج کر دیئے گئے، مگر دریافت طلب یہ ہے کہ بھگا کر لے جانے والا گنہ گار ہوا یا نہیں، اور اس کا یہ فعل حرام ہوا یا نہیں، کیونکہ جب شرعاً ایک کے پیغام پر دوسرے کا پیغام بھیجنا وغیرہ حرام ہے جیسا کہ سد الفرار رسالہ کے آخر میں اعلیٰحضرت نور اللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا ہے، تو پھر یہ کیوں حرام نہ ہوگا، دوسرے عرف قوم کا خلاف اور عرف قوم خلاف شریعت نہیں ہے، تو پھر یہ اس طرح بھی برا ہونا چاہیئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب ایک جگہ اس کی منگنی ہوگئی تو دوسرے کو پیغام دینا بھی ممنوع ہے، حدیث میں فرمایا، لا یخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ[1]، نہ کہ عورت کو بھگا لے جانا اس نے ضرور برا کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ ثابت علی صاحب قصبہ ٹانڈہ محلہ سکراول بر مکان حافظ کفایت اللہ صاحب ۱۲ر جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علماء فحول و مفتیان ذوی العقول کہ زید اپنی بیوی ہندہ کو دس مہینہ ہوا کہ اس کو اپنے ماں باپ کے یہاں بھیجدیا تھا، اور بالکل آنا جانا بند کر دیا دس مہینہ کے بعد ہندہ سے زنا سرزد ہوا اور حمل ٹھہر گیا جب یہ خبر زید کو پہنچی تو کہنے لگا، دس مہینے ہوئے کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا، زنا سے اس کو حمل ہے، ہندہ سے دریافت کیا تو وہ بھی اقرار کرتی ہے کہ زنا سے یہ حمل ہے، محلہ کے لوگ بھی اس کی تائید کرتے ہیں، جاپانچ یہ تال کے بعد زید نے طلاق مغلظہ دے دیا، اب ہندہ بعد وضع حمل نکاح کرے یا طلاق کی عدت پوری کر کے نکاح کرے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ طلاق کی عدت اس صورت میں وضع حمل ہے بعد وضع حمل نکاح کر سکتی ہے، درمختار میں ہے، وفی حق الحامل مطلقاً ولو امۃ او کتابیۃ او من زنا وضع حملہا[2]، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئولہ نواب دولھا خاں شہر کہنہ بریلی، ۲۶ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید خالصاً للہ بادا فرض حج بیت اللہ روانہ ہوا، مکہ معظمہ میں ایک ہفتہ مقیم رہنے کے بعد دو یا تین کنیزک خریدکیں، اپنی آسائش کی غرض سے اب زید ان کنیزکوں سے بلا نکاح ہمبستری کر سکتا ہے، اور وہ اس پر حلال ہیں یا کوئی متعین وقت ہے کہ اس وقت تک وہ حرام ہے پھر اس کے لئے حلال ہے، بعض کا قول ہے کہ یہ کنیزکیں بلا نکاح حرام ہیں، وہ کنیز حلال ہے جو جہاد میں حاصل ہوئی۔ خدا اور رسول کا جو حکم ہو، مفصل طور سے تحریر فرمایئے گا؟

الجواب:۔ ان کنیزوں سے جماع جائز ہے اپنی کنیزوں سے جو اس کی ملک میں نکاح کے کوئی معنی نہیں کہ نکاح جس مقصد کے لئے ہے،

---

[1] کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر پیغام نہ دے، اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب رشتہ طے ہو جائے، اس کے بعد پیغام دینا منع ہے، اور یہ ممانعت بھی کراہت کی حد تک ہے،

[2] حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، اگرچہ وہ عورت باندی ہو یا کتابیہ ہو، اگرچہ بقول اس کے یہ حمل زنا کا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

وہ یہاں ملک یمین سے حاصل اگر کوئی مانع نہ ہو، قرآن مجید کی متعدد آیات سے کنیز شرعی کا حلال ہونا ثابت ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم، وقال اللہ تعالیٰ، والذین ہم لفروجہم حٰفظون الا علیٰ ازواجہم او ما ملکت ایمانہم، - ان کنیزوں سے مالک کا نکاح کرنا تو درکنار، اگر کسی نے دوسرے کی کنیز سے نکاح کیا تھا، پھر اس زوجہ کو اس کے مالک سے خرید لیا تو نکاح جاتا رہا فتاوی عالمگیری میں ہے، اذا اعترض ملک الیمین علی النکاح یبطل النکاح بان ملک احد الزوجین صاحبہ او شقصا منہ کذا فی البدائع اذا تزوج الرجل امتہ او مکاتبتہ او مدبرتہ او ام ولدہ او امۃ یملک بعضہا لم یکن ذالک نکاحا کذا فی فتاوی قاضیخاں، اور کنیز صرف وہی نہیں جو غنیمت میں حاصل ہو، بلکہ مولیٰ کے غیر سے لونڈی کی جو اولاد ہوگی، وہ بھی لونڈی غلام ہے، اور چونکہ اب زمانہ کی حالت بہت خراب ہے، احکام شرع کی پابندی کرنے والے بہت کم ہیں، ممکن کہ آزاد عورتوں، لڑکیوں کو پکڑ کر کوئی بیچ ڈالے۔ لہذا ایک احتمال ہے، کہ ممکن ہے یہ عورت حرہ ہو کنیز نہ ہو۔ لہذا بہتر ہے کہ نکاح بھی کر لیا جائے۔ کہ اگر حقیقت میں باندی ہے تو یہ نکاح کوئی شئے نہیں، بغیر نکاح وہ حلال ہے، اور اگر حقیقتاً آزاد عورت ہے تو نکاح سے حلال ہو گئی یعنی اس کی حلت میں اب کوئی شبہ باقی نہ رہے گا، پھر بھی اگر بغیر نکاح جماع کرے تو اس پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ صرف احتیاط و مزید اطمینان کے لئے یہ نکاح ہوگا، مگر اس نکاح سے ثمرات نکاح مثلاً وجوب مہر وقوع طلاق اور لعد عتق بقاء نکاح وغیرہ وغیرہ کچھ مرتب نہ ہونگے، بلکہ ان امور میں یہ نکاح کالعدم ہے، لہذا وہ حکم کہ پیشتر مذکور ہوا کہ نکاح نہیں ہو سکتا اور یہ احتیاطی نکاح دونوں میں منافات نہیں، عالمگیری میں ہے، قالوا فی ھٰذا الزمان الاولیٰ ان یتزوج جاریۃ نفسہ حتی لو کانت حرۃ کان وطیہ حلالاً بحکم النکاح کذا فی السراجیہ، درمختار میں ہے، وحرم نکاح المولیٰ امتہ والعبد سیدتہ لان المملوکیۃ تنافی المالکیۃ نعم لو فعلہ المولیٰ احتیاطا کان حسنا، ردالمحتار میں ہے، یشیر الیٰ ان المراد بالحرمۃ فی قولہ وحرم مطلق المنع لا خصوص ما یتبادر منہا من المنع علی وجہ یترتب علیہ الاثم والا امتنع فعل الحرام للتنزہ عن امر موہوم فی تزوج السید امتہ او المراد بہا نفی وجود العقد الشرعی المثمر لثمراتہ، بحر الرائق میں ہے، المراد فی احکام النکاح من ثبوت المہر فی ذمۃ المولیٰ وبقاء النکاح بعد الاعتاق ووقوع الطلاق علیہا وغیر ذالک اما اذا تزوجہا متنزھا عن وطیہا حراما علی سبیل الاحتمال فہو حسن لاحتمال ان تکون حرۃ او معتقۃ الغیر او محلوفا علیہا بعتقہا وقد حنث الحالف وکثیرا ما یقع لاسیما اذا تداولتہا الایدی، باندی جو ملک میں آئی، اسے وطی حلال ہونے کے لئے استبراء شرط ہے، اگر یہ حمل والی ہے تو وضع حمل ہونا چاہیے، ورنہ اگر اسے حیض آتا ہو تو ایک حیض اور نہ آتا ہو تو ایک ماہ گذرنے پر استبراء ہو جائے گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا توطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضۃ رواہ احمد وابو داؤد والدارمی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ محمد احمد خاں صاحب محلہ جسولی بریلی، ۵؍رجب المرجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عقد شدہ لڑکی جس کی عمر اب تقریباً سولہ سترہ سال ہے، اس کے والدین نے دو سال سے اپنے پاس بیٹھا رکھا ہے، جب اس کا شوہر اس کو لینے کے لئے جاتا ہے، تو اس کی دادی بھیجنے سے قطعی انکار کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ اسٹامپ لکھ دینے پر بھیجوں گی، حالانکہ یہ لڑکی خود اور اس کے والدین سسرال جانے پر بالکل رضامند ہیں، لیکن یہ لوگ اپنی رضامندی لڑکی کی دادی کے خوف وغصہ کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے ہیں، دختر موصوف اور ان کی دادی چار ماہ ہوئے کہ کچھوچھہ والے اشرفی میاں صاحب سے مرید بھی ہو چکی ہیں، اس حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: بلا وجہ شرعی عورت کو شوہر کے یہاں جانے سے روکنا اسے جانے نہ دینا ناجائز وحرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از پیلی بھیت، ۲۴؍ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکا، لڑکی دونوں نابالغ تھے، جس وقت نکاح ہوا تھا، لڑکی کے باپ نے اذن نہیں دیا، اس لڑکی نے اپنے نکاح کا خود اذن دیا تھا، لڑکی ایک دو مرتبہ اپنے باپ کی رضا سے اپنے شوہر کے گھر آئی گئی تھی اور لڑکا لڑکی ہمبستر نہیں ہوئے یہ نکاح شرع کے بموجب ہوا کہ نہیں۔ ایک مفتی صاحب نے فتوی یہ دیا کہ صورت مسئول عنہا میں بر تقدیر صدق مستفتی بوجہ نہ ہونے ولی کے نابالغ کی جانب سے نکاح مذکور نہ ہوا، اسی فتوی کی بنا پر برادری نے اس شخص سے جس سے لڑکی کے باپ نے بعد مرنے اس لڑکے کے اور گذرنے عدت کے نکاح کر دیا تھا، برادری کا دباؤ ڈال کر طلاق دلائی اور اس لڑکے کے باپ سے جو اس لڑکی کا خسر ہوا نکاح کر دیا۔ دریافت طلب یہ امور ہیں کہ فتوی موصوفہ صحیح ہے یا نہیں، اور یہ دباؤ ڈالنا حسب شرع ہے یا نہیں، اور یہ نکاح جو خسر سے کیا گیا صحیح ہے یا نہیں۔ بر تقدیر عدم جواز برادری کے ان لوگوں کے لئے حکم شرعی کیا ہے، جو اس نکاح میں شریک وساعی ہوئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی زمانہ دراز تک اپنے شوہر کے یہاں رہی اور حسب دستور لڑکی کے مکان پر برات گئی اور اس کے باپ نے اسے رخصت کیا، پھر جب شوہر کی عمر ۱۴؍۱۵ سال کی ہوئی تو شوہر کا انتقال ہوگیا، اس کے انتقال کے آٹھ مہینے پر عورت کو بچہ پیدا ہوا، اس بیان کا لحاظ کرتے ہوئے تو وہ نکاح صحیح ہوگیا تھا، کہ اگرچہ ابتداً اس کے باپ سے اذن نہیں لیا گیا تھا، مگر جب کہ اس نے رخصت کی تو یہ دلالۃً اذن ہے۔ اور وہ نکاح کہ بغیر اذن والد ہوا تھا، والد کی اجازت پر موقوف تھا اور جب اس نے رخصت کر دی تو اب صحیح ونافذ ہوگیا، بلکہ خود سوال میں بھی مذکور ہے، کہ ایک دو مرتبہ شوہر کے یہاں باپ کی رضا سے گئی، پھر مفتی کا یہ کہنا کہ نکاح مذکور نہ ہوا، سراسر غلط ہے کہ رخصت کر دینا بھی اجازت ہے، در مختار میں ہے، و قبضہ المہر ونحوہ رضاء دلالۃ، ردالمحتار میں ہے، وکالتجہیز ونحوہ فتح

اور جب بعد انتقال شوہر بچہ پیدا ہوا تھا تو یہ کہنا کہ ہمبستر نہ ہوئے محض غلط ہے اور بیجا دباؤ ڈال کر طلاق لینا بھی ناجائز ہے یہ عورت شوہر کے باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے، قرآن مجید میں فرمایا، وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم، درمختار بیان محرمات میں ہے، وزوجۃ اصلہ وفرعہ مطلقا ولو بعیدا دخل بہا اولا، جو لوگ اس نکاح میں ساعی ہوئے یا جان بوجھ کر شریک ہوئے، سب گنہگار ہیں سب پر توبہ فرض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ حفیظ اللہ خاں، از چھاونی بھیکاری پور ضلع اعظم گڈھ، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ کی اجازت سے ہوا لڑکی کو نہ علم ہے نہ وہ راضی، لڑکی نکاح سے انکار کرتی ہے۔ باپ نے اپنی لڑکی سے یہ نہیں کہا کہ تمہارے نکاح پڑھانے جارہے ہیں، مطلق وکیل نے باپ ہی کی اجازت سے نکاح پڑھا دیا۔ وکیل اور گواہان نے لڑکی سے اجازت نہیں لی، نکاح کے بعد لڑکی کو معلوم ہوا فوراً انکار کیا اس حالت میں نکاح جائز ہے یا ناجائز، اور نکاح اس طرح ہوا کہ دو ایک دن بات چیت ہوئی اور فوراً نکاح ہوگیا، صرف دو چار آدمی آئے تھے برات وغیرہ نہیں آئی تھی، اور نہ لڑکی کو معلوم کہ ہمارا نکاح کہاں اور کس سے ہو رہا ہے، اور نہ لڑکے کو معلوم کہ ہمارا نکاح کہاں اور کس سے ہو رہا ہے، بوجہ نابالغی اور مطلق وکیل و گواہان کو یہ علم نہیں کہ لڑکی بالغ ہے یا نابالغ اور لڑکی کا جو شوہر ہے بالکل نابالغ ہے، لڑکے کے باپ نے سکھلا کر ایجاب و قبول کرایا، تو اس حالت میں لڑکے کا نکاح جائز ہوا یا نہیں اور جائز ہے تو مہر دین کون دے گا، اور لڑکا پاگل بھی ہے، باپ نے زور دے کر نکاح کیا، باپ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ لڑکا پاگل ہے، عقد کے دوسرے روز معلوم ہوا، لڑکی نے فوراً انکار کیا اور لڑکے کے باپ نے یہ حالت لڑکی کے باپ سے نہیں کہا،

الجواب:۔ اگر صورت واقعہ یہی ہے کہ لڑکی بالغہ تھی، اور اس سے اجازت نہیں لی گئی، باپ نے اپنی اجازت سے نکاح پڑھوایا، تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف تھا، اور جب کہ لڑکی نے خبر پاکر اس نکاح سے انکار کر دیا تو باطل ہوگیا، اور دین مہر کسی کے ذمہ نہیں کہ نکاح ہی تام نہیں ہوا، اب لڑکی جہاں چاہے دوسرا نکاح کر سکتی ہے، درمختار میں ہے، ولا تجبر البکر، البالغۃ علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ بریلی، ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

ایک بیوہ عورت عرصہ پچیس سال سے زید کے مکان میں کام کاج کرتی ہے، زید اس سے نکاح کے لئے کہتا ہے، مگر وہ نکاح سے انکار کرتی ہے لیکن بلا نکاح مجامعت کا اقرار کرتی ہے، لہٰذا بلا نکاح اس کے ساتھ مجامعت کرنا موجب زنا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ بیشک ضرور زنا و حرام ہوگا، اور دونوں مستحق نار وغضب جبار ہوں گے، اور اگر وقوع زنا کا اندیشہ ہو اور ظاہر

یہی ہے تو عورت کو وہاں سے علٰحدہ کر دے۔ اسے ہرگز اپنے مکان میں نہ رکھے یا عورت اس سے نکاح کر لے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مسئولہ شاہ قمر الدین دہلوی، از بوکرن مارواڑ مدرسہ معینیہ، ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

شادی کے موقعہ پر جو قوم خدمت گذار ہے، مثلاً سقہ و خاکروب اور نائی وغیرہ کو کچھ حق خدمت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ان لوگوں کو انعام دینا جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،۔

مسئلہ:۔ از آنولہ محلہ بزریہ ضلع بریلی، مسئولہ کریم اللہ، ۲۶ر محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا ایک جگہ نکاح ہوا اور وہ ہندہ نابالغہ تھی، اس وجہ سے شوہر نے طلاق دیدی، اسی حالت نابالغی میں ہندہ کا دوسری جگہ نکاح ہوا، اس نے بھی اسی وجہ سے طلاق دیدی۔ اب وہ بالغہ ہوگئی ہوا بسنوئی کے اس کا کوئی ولی موجود نہیں، اور وہ نکاح کرنا چاہتی ہے، لہٰذا عند الشرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ دوسرے شوہر کو طلاق دیئے ہوئے ابھی صرف پانچ روز ہوئے اور طلاق دینا بربناء نابالغی نہیں، بلکہ اس شخص کی ایک عورت اور بھی ہے، اس وجہ سے اسے طلاق دیدی، لہٰذا اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے، یعنی دونوں ایک جگہ تنہا جمع ہوئے ہوں اور وطی سے کوئی مانع حسی طبعی شرعی نہ ہو، اگرچہ وطی نہ ہوئی ہو، عدت واجب ہے، بلکہ اگر خلوت فاسدہ ہوئی ہو، جب بھی عدت واجب ہے، ردالمحتار میں ہے، وجوبہا ای العدۃ من احکام الخلوۃ سواء کان صحیحۃ ام لا، اور اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو عدت واجب نہ ہوگی، قال اللہ تعالیٰ، وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، اور جب کہ عورت بالغہ ہے، تو ولی کی کچھ حاجت نہیں بالغہ کا نکاح خود اسی کے اذن سے ہوگا، اور پہلے جو نکاح نابالغی میں ہوا، اگر بغیر ولی کے ہوا تو بالغہ ہونے پر اسے اختیار ہوگا، جائز کر دے گی تو جائز ہوگا، رد کر دے گی باطل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،۔

مسئلہ:۔ از بنارس محلہ اودھو پورہ، مرسلہ عبد الرحمٰن خاں، ۲۹ر محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے کیا گیا، کچھ دنوں کے بعد بالتحقیق یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص رافضی ہے یعنی مذہباً شیعہ ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح درست رہا یا نہیں، اگر درست نہیں رہا تو اس عورت کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ روافض زمانہ کہ معاذ اللہ سب شیخین کرتے اور قرآن مجید کو ناقص بتاتے اور ائمہ کرام کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت دیتے یا الا اقل الیسوں کو مقتدی و پیشوا مانتے یا مسلمان ہی جانتے ہیں، بالاجماع کافر مرتد ہیں، کما بینہ شیخنا المجدد،

رسالۃ رد الرفضہ بابین وجہ، اور ان سے نکاح باطل محض و زنائے خالص ہے، عالمگیری میں ہے، لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذٰلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط الکامل وہ نکاح باطل محض عورت اب دوسری جگہ کسی سنی سے نکاح کرلے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ازکیمپ نٹدری خانہ علاقہ پشاور مسئولہ الٰہی بخش ٹیلر ماسٹر، ۱۹ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ۔

نکاح کے بعد پہلے پہل جب باکرہ عورت اپنے خاوند سے ہمبستر ہو تو اسے خون آتا ہے یا نہیں آتا ہے، تو ہر ایک باکرہ عورت کو یا کسی کسی کو ایک شخص کا سوال ہے کسی عورت کو پہلی رات خون آتا ہے کسی کو نہیں، دوسرے شخص کا یہ سوال ہے کہ وہ باکرہ عورت جو کسی مرد سے ہمبستر نہ ہوئی ہو اسے ضرور خون آئے گا، تیسرا شخص یہ کہتا ہے کہ عورت اپنے والدین کے گھر بالغہ ہوگئی ہو تو اسے پہلی رات خون نہیں آئے گا، اگر نابالغہ ہے تو ضرور خون آئے گا، ان میں کون سی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ عورت کی شرمگاہ میں ایک جھلی ہوتی ہے، اگر اس وقت سے پہلے وہ جھلی نہ پھٹی ہو اور جماع سے اس کا زوال ہو، جب تو خون آنا ظاہر ہے اور اگر پیشتر وہ زائل ہو چکی ہے تو اغلب یہ کہ خون نہ آئے، اور ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں بھی آئے، مگر اس جھلی کا زائل ہونا علاوہ جماع کے دوسری وجہ سے بھی ہو سکتا ہے، مثلاً کودنے یا گرنے یا بکثرت حیض آنے یا زخم ہو جانے سے کہ یہ سب بھی اس کے زوال کے سبب ہیں، لہٰذا اگر خون نہ آیا تو یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ اس نے زنا کیا ہے، حقیقۃً بکر وہ ہے جس سے اب تک جماع نہ کیا گیا ہو، ردالمحتار میں ظہیریہ سے ہے، البکر اسم لامرأۃ لم تجامع بنکاح ولا غیرہ، خون آنے نہ آنے پر بکارت نہیں، اسی واسطے ردالمحتار میں فرمایا، وحاصل کلامہم ان الزائل فی ہذہ العذرۃ ای الجلدۃ التی علی المحل لا البکارۃ فکانت بکراً حقیقۃً وحکماً، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ بریلی مسئولہ عبد النبی، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ۔

زید نے اپنی لڑکی کی شادی بکر کے یہاں کی زید کی دو لڑکی بالغہ تھیں شادیاں ہو چکی تھیں، بکر کے لڑکے نے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اپنی سالی سے زنا کیا اس سے ایک مردہ لڑکا پیدا ہوا، لہٰذا بکر کے لڑکے کا نکاح رہا یا نہیں، اور جو اولاد منکوحہ بیوی سے ہوئی، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زنا کی وجہ سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹا اور منکوحہ کی اولاد اس کے شوہر ہی کی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ مولوی ثناء الرحمن طالب علم مدرسہ منظر اسلام، ۶ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ۔

اگر کوئی شخص بالغہ عورت کو تنہائی یا لوگوں میں کہے کہ اتنے دین مہر کے عوض میری زوجیت میں آتی ہو یعنی بیوی بنتی ہو تو وہ کہتی ہے

کہ ہاں ہم کو منظور ہے، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، اور اگر اللہ و رسول کو غیب داں بالذات و بالاستقلال مان کر شاہد بنایا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے اور ایجاب و قبول کے الفاظ خواہ دونوں ماضی ہوں، جیسے ایک نے کہا، میں نے تجھ سے نکاح کیا، دوسرا کہے میں نے قبول کیا یا ان میں ایک ماضی ہو، دوسرا حال ہو یا استقبال، مثلاً تو مجھ سے اپنا نکاح کر، اس نے کہا میں نے تجھ سے اپنا نکاح کیا، حال مثلاً کہے تو مجھ سے نکاح کرتی ہے، وہ کہے میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا، درمختار میں ہے، ینعقد بایجاب و قبول وضعا للمضی کزوجت و تزوجت و بما ای بلفظین وضع احدهما ای للمضی والآخر للاستقبال او للحال، اور صورت مستفسرہ میں دونوں طرف میں کسی نے لفظ ماضی کا استعمال نہیں کیا، لہذا نکاح صحیح نہ ہوا، ہاں اگر عورت کے ہاں کہنے کے بعد مرد کہے میں نے قبول کیا تو ہو جائے گا، جب کہ یہ کلام دو گواہوں کے سامنے ہولے اور ان دونوں نے ایجاب و قبول کے الفاظ سنے کہ نکاح کے لئے دو آزاد مکلف مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا اور ان کا سننا شرط ہے، تنہائی میں نکاح نہیں بلکہ سفاح ہے، درمختار میں ہے، وشرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً، بیشک اللہ عزوجل عالم الغیب والشہادۃ ہے، اور اس کی عطا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان و ما یکون حاصل، مگر نکاح کے گواہ انسان ہونے چاہئیں، ملائکہ کو گواہ کرنے سے نکاح نہ ہوگا، حالانکہ کراماً کاتبین و محافظین موجود ہیں، اور وہ سنتے ہیں، قال اللہ تعالیٰ واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى، کہ حکم باعتبار ظاہر ہوتا ہے اور بظاہر یہاں گواہ نہیں، نیز اگر یہ شرط نہ ہو تو امان اٹھ جائے، ہر زانی و زانیہ ایسا کہہ سکتے ہیں، نیز ہمارے پاس نکاح کا کیا ثبوت ہوگا، جب ہم میں کے گواہ نہیں، یونہی جو نکاح اللہ و رسول کو گواہ کر کے کیا گیا، وہ نکاح صحیح نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے، من تزوج امرأة بشهادة الله و رسوله لا يصح النكاح كذا في التجنيس والمزيد.

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ حاجی رحیم بخش، شہر کہنہ بریلی، ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک برات پرانے شہر سے نئے شہر کو گئی، لڑکی کے مکان والوں نے بارات واپس کر دیا اور نکاح نہ کیا، برات واپس آئی تو پرانے شہر والوں کو بہت رنج ہوا، اسی بنا پر دو سال سے پرانے شہر کی ایک لڑکی کی نسبت نئے شہر میں ہو گئی تھی، رنجش کی وجہ سے پرانے شہر والوں نے اس لڑکی کا نکاح اس لڑکے کے ساتھ جس کی برات واپس آگئی تھی کرا دیا، اب جن لوگوں نے اس لڑکی کا نکاح کرا دیا، ان پر کوئی جرم شرع شریف تو نہیں ہوا، اور اگر ہو تو ان لوگوں کو کیا کرنا

چاہئے، نیز وہ نکاح بھی جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب:۔ جب ایک جگہ نسبت ہو چکی ہے تو دوسرے کو پیغام بھیجنا بھی منع ہے، نہ کہ اس سے قطع کرا کے دوسری جگہ نکاح کرا دینا، حدیث صحیح میں ارشاد ہوا، ولا یخطب علی خطبۃ اخیہ، اپنے بھائی مسلمان کے پیغام پر پیغام نہ دے، ردالمحتار میں بحر سے ہے، ولا یخطب مخطوبۃ غیرہ لانہ جفاء وخیانۃ، دوسرے کی منگنی ہوئی کو پیغام نہ دے کہ یہ جفا و خیانت ہے، ان لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے، اور یہ نکاح بہر حال ہو گیا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مسئولہ حبیب الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہل سنت بریلی، ۱۵ر جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جوان عورت بیوہ ہوئی اور مادر ضعیفہ کے سوا کوئی اس کا سرپرست نہ تھا، اور نہ رہنے کے لئے مکان تھا، اس نے اپنا عقد ثانی کیا، اس پر دیگر عورتیں طعن و تشنیع کے ذریعہ تنگ کرتی ہیں، اور اس کے دل کو ستاتی ہیں اور کہتی ہیں، تو نے چکی پیس کر گذر کر لی ہوتی عقد کیوں کیا، ایسی عورتیں جو اس پر طعن کرتی ہیں، ان کی نسبت شریعت کیا حکم کرتی ہے، باوجود اس کے کہ سمجھایا گیا کہ خدا و رسول کا ایسا ہی حکم ہے، مگر پھر بھی طعن و تشنیع سے باز نہیں آتیں؛

الجواب:۔ بیوہ کا نکاح جائز ہے، صرف زمانۂ عدت تک ٹھہرنا فرض ہے، اس کے بعد جب چاہے نکاح کرے، قرآن و حدیث سے اس کا جواز ثابت اور حسب حاجت مستحب و سنت و واجب اس پر طعن کرنا سخت معیوب اور معاذ اللہ اگر جواز سے انکار یا حکم شرع کو قبیح جانا تو حکم نہایت سخت، قال اللہ تعالیٰ، وانکحوا الایامیٰ منکم، تم میں جو بیوہ عورتیں ہیں، ان کا نکاح کر دو، حدیث میں فرمایا، والایم اذا وجدت لہا کفوا، اور بے شوہر والی عورت کے نکاح میں تاخیر نہ کر، جب اس کے لئے کفو موجود ہے، ان عورتوں کا طعن کرنا گناہ ہے حدیث میں ہے لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی، مومن طعن و لعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش بکنے والا، اور نہ بیہودہ بکنے والا، اور اگر ان عورتوں کا مقصود اسے ایذا دینا ہے تو یہ بھی حرام ہے، حدیث میں ہے، من اذی مسلما فقد اذانی، جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی، اور محض چھیڑنا اور مسخرہ پن مقصود ہے تو یہ بھی حرام، قال اللہ تعالیٰ، لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منہن، ایک قوم دوسری قوم سے مسخرہ پن نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے مسخرہ پن کریں، ہو سکتا ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، بہر حال ان پر توبہ فرض ہے اور اس سے معافی مانگنی لازم، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از محلہ بہاری پور بریلی، مسئولہ عاشق حسین، ۲۰ر جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ،

علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی زوجہ کو چھوڑ کر اٹھارہ سال باہر رہا، اٹھارہ سال کے بعد وہ اپنے وطن آیا، اور اس کو دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہوئی اپنی زوجہ کے ساتھ لیکن اس شخص نے تنہائی میں اپنا نکاح خود پڑھ لیا اور نکاح پڑھانے والا بھی دستیاب ہو سکتا تھا، آیا وہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر اس نے طلاق دیدی تھی، تو ضرور نکاح ہونا چاہئے، اور تین طلاقیں دی ہوں تو حلالہ کی بھی حاجت ہے، اور اگر طلاق نہ دی ہو، تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، اٹھارہ برس باہر رہنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا، نکاح کے لئے دو گواہ ہوں مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، اگرچہ عورت و مرد باہم خود ہی ایجاب وقبول کرلیں، نکاح پڑھانے والے کی کچھ ضرورت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ از رائے پور سی، پی، مدرسہ اصلاح المسلمین، مرسلہ مولوی حامد علی صاحب فاروقی، ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ کا نکاح اس کے وارثوں نے زید کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ زید جو کہ ایک عورت کو بلا نکاح رکھے ہوئے ہے، اس کو چھوڑ دے، زید نے اقرار کیا، نکاح ہوگیا، اب زید اس عورت کو اپنے سے جدا نہیں کرتا، آیا ایسی صورت میں نکاح قائم رہا یا کہ نہیں، واضح رہے کہ یہ شرط فاطمہ کی طرف سے کی گئی جس کو زید نے قبول کیا، شرط کی نسبت بات کرنے والے فاطمہ کے والدین تھے، بینوا توجروا،

الجواب :۔ بظاہر یہ شرط قبل نکاح ہے اور ایسے شرط جو قبل نکاح ہوں، نکاح میں موثر نہیں کہ نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا اور یہ بلا شرط واقع ہوئے اور اگر یہ شرط عقد میں مذکور ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نکاح کو شرط پر معلق کیا ہو کہ اگر تو چھوڑ دے گا، تو فاطمہ کا نکاح تیرے ساتھ ہوگا، تو نکاح صحیح نہیں، درمختار میں ہے، والنکاح لا یصح تعلیقہ بالشرط کتزوجتک ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقہ بالخطر، اور اگر بطور تعلیق نہ ہو، بلکہ محض شرط کے ساتھ اقتران ہو، مثلاً یوں کہا کہ فاطمہ کو تیرے نکاح میں دیا، اس شرط پر کہ تو عورت کو چھوڑ دے زید نے قبول کیا تو نکاح ہوگیا اور شرط باطل یعنی نہ چھوڑنے پر نکاح پر کچھ اثر نہ پڑے گا، درمختار میں ہے، لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ یعنی لو عقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط بخلاف ما لو علقہ بالشرط، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ از گونڈل کاٹھیاواڑ، مرسلہ قاضی قاسم میاں صاحب امام مسجد جامع، یکم ربیع الاول شریف ۱۳۴۴ھ،

ـه ج ۲، ص ۲۹۵، ن (عابدی)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت نکاح عورت کے وکیل نے شاہدوں کے روبرو ناکح سے اس طرح ایجاب وقبول کیا کہ میں اپنی وکالت سے فلاں کی لڑکی فلانہ کو ایک سو روپیہ مہر کے عوض تیرے ساتھ نکاح کر دیا، ناکح نے قبول کیا، تو نکاح صحیح ہوا یا نہیں، وقت ایجاب وکیل نے جو سو روپیہ مہر کے عوض کا ذکر کیا، اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ نکاح مذکور صحیح ہے، مہر کے عوض کہنے میں کوئی حرج نہیں، مہر تو عوض ہوتا ہی ہے، قال اللہ تعالیٰ، ان تبتغوا باموالکم، اسی وجہ سے مہر معجل میں عورت وطی سے روک سکتی ہے، جب تک وصول نہ کرے، اگر عوض نہ ہوتا تو یہ اختیار اسے حاصل نہ ہوتا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے پوشیدہ نکاح کیا ہے، جب اس سے دریافت کیا گیا کہ گواہ کون ہے وہ شخص کہتا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے میرا نکاح پڑھایا ہے، اور بجز مولوی صاحب کے کوئی گواہ حاضر نہیں تھا، اور مولوی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ پوشیدہ نکاح میں گواہ کی ضرورت نہیں، بغیر گواہ جائز ہے، اس لئے عرض ہے کہ ایسا نکاح پوشیدہ بغیر گواہ کے جائز ہوسکتا ہے کہ ایک بھی گواہ موجود نہ ہو، اگر ہوسکتا ہے تو دلیل قوی سے بیان فرما کر ممنون فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، بینوا توجروا،

الجواب:۔ بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوسکتا، دو مرد یا ایک مرد، دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ہونا چاہئے، جو ایجاب وقبول کے الفاظ سنیں، حدیث میں ہے، اعلنوا ھذا النکاح، اور یہ اعلان گواہوں کے سامنے ہونے سے ہوتا ہے، درمختار میں ہے، وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معًا علی الاصح فاھمین انہ نکاح علی المذھب وھو تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی عبد الکریم صاحب جیتوڑی از بھیڑون گڑھ متصل اوجین علاقہ گوالیار، ۵ شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ

بہار شریعت حصہ ہفتم صفحہ ۹۲ میں مسئلہ ۲ کی بنا پر یہاں اگر کوئی مسلم بلا اطلاع شوہر مشرکہ کو مسلمان کرکے تین حیض گذارنے کے بعد خفیہ نکاح کرلے کیا جائز ہوگا، عامہ کتب میں تو شوہر پر اسلام پیش کرنا ضروری لکھتے ہیں، بلا پیش کئے تفریق جائز نہیں اور یہ تفریق قاضی کرے گا یا اور کوئی اور تین حیض آنے کے بعد خود بخود تفریق ہو جائیگی یا نہیں، لہذا از راہ کرم مسئلہ ہذا کی تحقیق وماخذ لکھیں؟

الجواب:۔ عرض اسلام کی ضرورت صرف دار الاسلام کے لئے ہے، جہاں قاضی موجود ہو اور دار الحرب اور وہ جگہ جہاں قضاۃ نہ ہوں، عرض کی حاجت نہیں، شوہر پر اسلام پیش کرنا اور عدم قبول پر تفریق کرنا قاضی کا کام ہے دوسرے کو تفریق کا حق نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے، وان سکت ولم یقل شیئًا فالقاضی یعرض الاسلام علیہ مرۃ بعد اخریٰ حتی یتم الثلث احتیاطا کذا فی الذخیرۃ، ردالمحتار میں ہے، وما لم یفرق القاضی فھی زوجتہ حتی لومات الزوج قبل ان تسلم امرأتہ الکافرۃ وجب لھا المھر ای

کما لہ وان لم یدخل بہا لان النکاح کان قائما ویتقرر بالموت فتح وانما لم یتوارثا لمانع الکفر، ان عبارات سے ظاہر کہ عرض وعدم قبول پر جو اثر مرتب ہے یعنی تفریق وہ قاضی ہی کرسکتا ہے، دوسرے کے پیش کرنے پر انکار کردیا تو تفریق نہ ہوگی، اور دار الحرب اور وہ جگہ جہاں قاضی نہ ہو وہاں عرض کرنے سے تفریق ہوگی نہیں کہ کسی کو ولایت نہیں، لہٰذا تین حیض گزرنا بینونت کے لئے کافی ہے، عالمگیری میں ہے، واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب لم یکونا من اھل الکتاب او کانا والمرأۃ ھی التی اسلمت فانہ یتوقف انقطاع النکاح بینھما علی مضی ثلث حیض سواء دخل بہا او لم یدخل بہا کذا فی الکافی فان اسلم الاٰخر قبل ذالک فالنکاح باق ولو کان مستامنین فالبینونۃ اما بعرض الاسلام علی الاٰخر او بانقضاء ثلث حیض کذا فی العتابیہ، درمختار میں ہے، ولو اسلم احدھما ثمہ ای فی دار الحرب وملحق بہ کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلثا او تمضی ثلثۃ اشھر قبل اسلام الاٰخر اقامۃ شرط الفرقۃ مقام السبب[1] ردالمحتار میں ہے، افاد بتوقف البینونۃ علی الحیض ان الاٰخر لو اسلم قبل انقضائھا فلا بینونۃ بحر، قولہ اقامۃ شرط الفرقۃ وھو مضی ھٰذہ المدۃ مقام السبب وھو الاباء لان الاباء لا یعرف الا بالعرض وقد عدم العرض لانعدام الولایۃ ومست الحاجۃ الی التفریق لان المشرک لا یصلح للمسلم واقامۃ الشرط عند تعذر العلۃ جائز فاذا امضت ھٰذہ المدۃ صار مضیھا بمنزلۃ تفریق القاضی، ۔اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں تین حیض گذرنے پر بغیر تفریق بینونت ہوجاتی ہے، کہ وہاں تفریق قاضی میسر نہیں اور ہندوستان اگرچہ بنا بر مذہب مختار دار الاسلام ہے، مگر ولایت وقضاۃ معدوم اور حاجت موجود تو جس طرح بحر ملح میں تین حیض گذرنا کافی ہے یہاں بھی یہی حکم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از بیکانیر ورکشاپ لال گڑھ مرسلہ خلیل احمد رضوی، ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی موضع پاؤلی کی تھی، والدین نے اس کی سگائی اپنی زندگی میں کسی جگہ کردیئے تھے، بعد سگائی بقضاء الٰہی والدین فوت ہوگئے اور وہ لڑکی اپنے ماموں اور خالو کے یہاں چلی گئی، اس وقت لڑکی کی عمر تقریباً اٹھارہ سال تھی، لہٰذا وہ شخص لڑکی کے ماموں وخالو سے شادی کے لئے کہہ رہا تھا لیکن لڑکی کے ماموں اور خالو نے لڑکے کے والدین کو جواب دیا کہ تمہارا لڑکا چھوٹا ہے لڑکی جوان ہے، تمہارے لڑکے کے قابل نہیں ہے اسی حالت میں دو سال اور گذر گئے وہ لڑکی دوسرے لڑکے پر فریفتہ ہوگئی جس وقت لڑکی کے فریفتہ ہونے کی شہرت ہوگئی تو لڑکی کے ماموں اور خالو سے موضع والوں نے کہا جس پر وہ لڑکی فریفتہ ہے اسی کے ساتھ شادی کردینا چاہئے، لڑکے کے والدین کی بھی یہی رائے ہوئی لیکن لڑکی کے ماموں اور خالو نے بدنامی کے باعث نکاح کرنے سے انکار کردیا، اور اپنی رائے سے اور لڑکی کی رضامندی کے بغیر ایک تیسرے لڑکے سے نکاح کردیا، اور جبراً لڑکی کو صبح کے وقت سواری میں بٹھا کر رخصت

[1] درمختار ج ۲، ص ۳۹۰، ن، امجدی،

کر دیا۔ لڑکی سوم یوم لڑکے کے یہاں رہی، بعدہ لڑکی کے ماموں اور خالو لڑکی کو اپنے مکان پر لے آئے، لڑکی نے کہا لڑکا میرے قابل اور جوگ کا نہیں ہے، میں وہاں نہیں رہوں گی وہ امیر ہے لڑکا چھوٹا ہے۔ لہذا وہ لڑکی جس لڑکے پر فریفتہ ہوئی تھی، عرصہ دو سال کا ہوا اس کے ساتھ چلی گئی۔ لڑکی کہتی ہے کہ وہ نکاح میری اجازت سے نہیں ہوا، لہذا وہ نکاح درست ہوا یا نہیں اور لڑکی اس وقت جس کے ساتھ ہے، اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ بوقت نکاح جب لڑکی سے اذن طلب کیا گیا اگر اس نے انکار کر دیا اور باوجود انکار کے نکاح پڑھا دیا گیا، اس نے نکاح کی خبر سن کر بھی اسے منظور نہ کیا تو نکاح نہ ہوا اور اگر اس نے اذن طلب کرنے پر اجازت دیدی یا خبر سن کر اسے منظور کر لیا تو نکاح ہو گیا، اگرچہ دل میں راضی نہ تھی خالو اور ماموں کے کہنے سے اجازت دیدی ہو، اور اگر لڑکی کا ولی اقرب یا اس کا وکیل یا قاصد اذن کے لئے گیا تو لڑکی کا چپ رہنا یا ہنسنا یا مسکرانا یا بغیر آواز کے رونا بھی اذن ہے، درمختار میں ہے، فان استاذنها هو ای الولی او وکیله او رسوله فسکتت او ضحکت غیر مستهزئة او تبسمت او بکت بلا صوت فهو اذن فان استأذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لابد من القول، بالجملہ صورتیں بہت مختلف ہیں، جب تک صحیح واقعہ معلوم نہ ہو، نکاح ہونے یا نہ ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اگر نکاح نہیں ہوا تھا، تو اب نکاح کر سکتی ہے اور ہو گیا تھا، تو اس شخص سے نہیں کر سکتی ہے جب تک طلاق یا موت ہو کر عدت نہ گذر رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مرسلہ ملا عبد القادر صاحب، ریاست جے پور محلہ چوبداران، ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نابالغ کی شادی ہوئی اور والدین زید کی موجودگی میں زید نابالغ کو قبول کرانے کے واسطے حکم کیا، زید نابالغ کو نکاح قبول کرنے کا حکم ہے یا نہیں، زید نابالغ کو اگر قبول کرایا جائے تو جائز ہے یا ناجائز بینوا توجروا

الجواب :۔ اگر نابالغ نے اپنے والد کی اجازت سے قبول کیا تو نکاح ہو جاوے گا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نابالغ کا باپ کہے، میں نے اپنے فلاں لڑکے یا اس لڑکے کے لئے قبول کیا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ از اجمیر شریف، ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے بعد شوہر سے پردہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب :۔ نکاح کے بعد شوہر سے پردہ کے کوئی معنی نہیں، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از کلکتہ ڈاکخانہ بڑا بازار، مرسلہ جناب محمد اسماعیل صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص مہتر قوم سے تھا، جس کو عرصہ ستر اسّی برس کا ہوا کہ مسلمان ہوا تھا، اس کے بعد کسی مسلمان صاحب ایمان نے اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی تھی، جس سے نسل جاری ہوئی، تین لڑکے پیدا ہوئے ان تینوں لڑکوں کی شادی بھی بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں کے گھر میں ہوئی، ان لوگوں کے بطن سے لڑکیاں پیدا ہو گئی تھیں، ان لڑکیوں کی شادی بھی مسلمان کے گھر میں ہو گئی، ان لڑکیوں کے بطن سے بھی لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں، اب ان لڑکیوں سے شادی بیاہ کرنے میں اس وقت کے مسلمان جو اعتراض و انکار کریں، تو از روئے شرع ان لوگوں پر کونسا فتویٰ عاید ہوگا جب کہ چار پشت ہو گئے اور بفضلہ تعالیٰ سب مسلمان ہی میں ہوتا چلا آیا، اب یہ کیسی مسلمانی ہے، جو انکار ہوتا ہے تو از شرع اس کا مفصل جواب سے سرفراز فرما دیں؟

الجواب:۔ اعتراض و انکار کے یہ معنی کہ لوگ ان سے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو یہ اسلام کے خلاف ہے، اور حلال خدا کو حرام بتانا کفر ہے، اور کوئی مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا اور اگر انکار اپنی مصالح کی بنا پر ہوا اور غالباً یہی ہوگا تو ہر شخص کو اختیار ہے کہ جہاں اپنی مصلحت دیکھے نکاح کرے، شرع مطہرہ نے یہ لازم نہیں کیا ہے کہ فلاں جگہ نکاح کرو، وہاں نکاح نہ کروگے تو کافر ہو جاؤگے۔ رہا یہ کہ جب وہ مسلمان لڑکیاں قابل نکاح ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ مناسب جگہ ان کے نکاح کا بندوبست کر دیں، اور اس کار خیر میں کوشش کرکے ثواب کے مستحق بنیں،

واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از ریاست بھرت پور، مقام نوگانوہ، مرسلہ جناب افضل حسین صاحب، ۲۸/ رجب المرجب ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید ایام طفولیت سے سن بلوغ تک صحیح العقل اور نہایت شائستہ و مؤدب تھا اور اس کی ہمشیرہ کی نسبت اس کی مرضی کے خلاف زید کے ورثہ نے کی، اس کا والد انتقال کر گیا تھا، اپنے نانا کے یہاں یہ دونوں بھائی بہن پرورش پاتے تھے، چنانچہ زید کے نکاح سے قبل اس کی ہمشیرہ کی شادی، اس کی مرضی کے خلاف جگہ پر کر دی گئی، جس کے سبب سے زید کو رنج ہوا کچھ روز کے بعد زید کی یہ حالت ظاہر ہوئی کہ وہ اپنے خلاف عادت کبھی روتا کبھی خاموش رہتا کبھی غصہ کرتا جس کی وجہ یہ سمجھی گئی کہ چونکہ اس کی ہمشیرہ کی شادی اس کے خلاف مرضی کی گئی ہے، جس کے رنج سے یہ روتا اور خاموش رہتا اور غصہ کرتا ہے، اسی حالت میں زید کا نکاح کر دیا گیا، پھر نکاح کے ایک ہفتہ بعد ایسے حرکات کرنا شروع کئے، جس سے وہ مجنون ظاہر ہوا، مجبوراً اس کو لاہور کے پاگل خانہ میں بھیج دیا، جس کو عرصہ دو سال کا ہوا، لیکن ابھی تک اس کے جنون میں کوئی فرق نہیں آیا، اب منکوحہ زید چونکہ جوان العمر ہے، اس کو زیادہ بٹھانے میں خرابی نظر آتی ہے، شرع شریف کا جو حکم ہو، ارشاد فرمائیں؟

الجواب:۔ مجنون اپنی زوجہ کو نہ خود طلاق دے سکتا ہے، نہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا دے سکتا ہے، بلکہ قاضی تفریق بھی نہیں

کرسکتا، درمختار میں ہے، ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الاخر فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن، عورت کو صبر کرنا چاہئے اس کے سوا کیا کرسکتی ہے یہ اس پر ایک بلا ہے جو نازل ہوئی، اور اس کا دفعیہ کچھ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از ریاست الور محلہ نواب پورہ مرسلہ جناب مولوی سید محمد صاحب، ۹ رشعبان المعظم ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مذہب اہل قرآن کا پیرو ہے، تین وقت کی نماز کو فرض سمجھتا ہے اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے سے منکر ہے، ایک سجدہ فرض سمجھتا ہے، ملائکہ کا منکر ہے، جبرئیل ومیکائیل وعزرائیل واسرافیل کو محض خدائی قوتوں کے نام سمجھتا ہے، اس نے اپنے عقائد پوشیدہ رکھ کر ایک سنی حنفی کی لڑکی سے عقد کرلیا، مدت مدید کے بعد اس کا عقیدہ ظاہر ہوا، اب سوال طلب یہ امر ہے کہ اس حنفیہ لڑکی کا عقد سابق صحیح ہوا یا جتنی مدت رہی وہ ایام حرام ہوا بصورت عدم عقد یہ لڑکی یا اس کے والدین دوسری جگہ کسی سنی سے اس کا عقد کردینے کے مجاز ہیں یا کیا اور فسخ یا عدم کی صورت میں لڑکی پر عدت ہے یا نہیں، جواب باصواب سے معزز فرمادیں؟

الجواب:۔ جو شخص ایسے عقائد رکھتا ہے قطعاً یقیناً کافر مرتد ہے، احادیث نبویہ کا مطلقاً انکار کفر ہے، جو حدیث کو موجب عمل نہیں مانتا، وہ قرآن کا بھی منکر ہے کہ احادیث بھی وحی الٰہی ہیں، فرق یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو، قال اللہ تعالیٰ، ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا، وقال اللہ تعالیٰ، وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ، وقال تعالیٰ، اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، وقال تعالیٰ، من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، وقال تعالیٰ، فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما، وقال تعالیٰ، فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول وغیر ذالک من الآیات، قرآن مجید

لہ مذہب مختار یہی ہے لیکن اب بضرورت حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کی اجازت ہے کہ مجنون اور اس کی زوجہ کے درمیان تفریق کا حق حاکم اسلام کو ہے، جب کہ عورت اس کا مطالبہ کرے عالمگیری میں ہے، قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فہو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی، امام محمد نے فرمایا، اگر جنون حادث ہو تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، جیسے نامرد کو مہلت دی جاتی ہے، سال پورا ہونے پر بھی اگر شوہر تندرست نہ ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے گا، اور اگر جنون مطبق ہو تو وہ اس شخص کے مثل ہے جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو (ایسے پاگل کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت نہ دی جائے گی، عورت کو فوراً اختیار دیدیا جائے گا) اور اسی کو ہم لیتے ہیں، جیسا کہ حاوی قدسی میں ہے، جلد ۲، ص ۳۴۳، اور پاگل اور اس کی زوجہ کے درمیان تفریق ہر کس وناکس نہیں کرسکتا، یہ کام حاکم اسلام کا ہے اور اب کہ حاکم اسلام نہیں، اعلم علمائے بلد جو سنی صحیح العقیدہ مرجع فتویٰ ہے، اس خصوص میں حاکم اسلام کے قائم مقام ہے تفریق کی ضرورت مند عورتوں کو لازم ہے کہ وہ اپنے شہر کے اعلم، علماء کے حضور درخواست کرے اور وہ جو احکام دیں اس کی پابندی کرے، بغیر قضائے قاضی تفریق نہ ہوسکے گی، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

میں بکثرت ایسی آیات ہیں جن سے بخوبی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننا لازم ہے، پس جو شخص اس کا بالکل انکار کرتا ہے، وہ ان آیات قطعیہ کا منکر ہے، اور ایسا شخص بلاشبہ کافر، عقائد نسفی میں ہے، اسباب العلم ثلثۃ الحواس والخبر الصادق والعقل والخبر الصادق علی نوعین احدھما الخبر المتواتر، والنوع الثانی خبر الرسول المؤید وھو یوجب العلم الاستدلالی والعلم الثابت بہ یضاھی العلم الثابت بالضرورۃ فی التیقن والثبات، بیشک یہ وہی فرقہ ہے، جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن کے حلال و حرام ہی کو تسلیم کریں گے اور میں نے جس کو حرام فرمایا ہے اسے نہ مانیں گے، امام احمد و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و بیہقی ابو رافع رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لاالفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ اونھیت عنہ فیقول لاادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ، ایسا نہ ہونے پائے کہ کوئی مسند پر تکیہ لگائے اور اس کے پاس کوئی بات پیش ہو جس کا میں نے امر کیا ہے یا منع کیا ہے تو وہ کہے میں اسے نہیں جانتا جو کتاب اللہ میں ہم پائیں گے، اس کا اتباع کریں گے، مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور نے ارشاد فرمایا، الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ،[1] ان مضامین کی احادیث اور بھی ہیں، مگر یہ دو ہی کافی ہیں، یونہی دو نمازوں کی فرضیت سے انکار کرنا بھی کفر ہے، پانچ نماز کی فرضیت اسلام میں ایسا مسئلہ ہے کہ بچے بھی اس سے ناواقف نہیں اور خبر متواتر سے ثابت اور جو اس کا منکر ہے، کافر، اس باب میں احادیث کی وہ کثرت ہے، جس کے تواتر میں کوئی شبہ نہیں، اسی طرح سجدۂ ثانیہ کی فرضیت کا انکار بھی کفر ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وان انکر فرضیۃ الرکوع والسجود مطلقا یکفر حتی اذا انکر فرضیۃ السجدۃ الثانیۃ یکفر ایضا لہ دالاجماع والتواتر،[2] یوں ہی ملائکہ کا انکار بھی قرآن کا انکار ہے، ایک دو آیت نہیں قرآن کی بہت آیتوں سے ملائکہ کا وجود ثابت ہے، مثلاً کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ، یوں ہی ملائکہ کو خدا کی قوت کہنا بھی کفر ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوا، لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملائکۃ المقربون، جس کے صریح معنی یہ ہیں کہ ملائکہ اللہ کے بندے ہیں تو خدائی قوت کا نام ملائکہ رکھنا اس آیت کا انکار ہے، اگر وقت نکاح اس شخص کے یہ عقائد تھے تو نکاح ہوا ہی نہیں کہ مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہیں ہو سکتا اور اگر اس وقت اس کے

---

[1] سنو مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے مثل اس کے ساتھ بھی دیا گیا، سنو عنقریب ایک پیٹ بھرا اپنے مسند پر بیٹھا یہ کہے گا، تم پر اس قرآن کی پابندی لازم ہے جو تم اس میں حلال پاؤ سے حلال جانو، جو تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا، بلاشبہ وہ بھی مثل اس کے ہے جس کو اللہ نے حرام فرمایا، مشکوٰۃ ص ۲۹،

[2] اگر رکوع سجدہ کی فرضیت سے مطلقاً انکار کرے تو کافر ہے یہاں تک کہ اگر دوسرے سجدہ کی فرضیت سے انکار کرے تو بھی کافر ہے اجماع اور تواتر کے انکار کرنے کی وجہ سے، (امجدی)

ایسے عقائد نہ تھے بعد میں یہ عقائد پیدا ہوئے تو نکاح جاتا رہا کہ ارتداد منہج نکاح کو فسخ کر دیتا ہے، فتاویٰ عالمگیری باب احکام المرتدین میں ہے، و منہا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ، تنویر الابصار میں ہے و یبطل النکاح، لڑکی کو اختیار ہے جہاں چاہے، دوسرا نکاح کرے، پھر اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو عدت نہیں، اور اگر خلوت ہو چکی ہو اور وقت نکاح زید کے وہی عقائد تھے، جو سوال میں مذکور ہیں تو یہ نکاح باطل ہے اور نکاح باطل میں عدت نہیں، درمختار میں ہے، فلا عدۃ فی باطل، اور بعد نکاح و خلوت یہ عقائد پیدا ہوئے تو مدت تین حیض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم،

مسئلہ :۔ از باسنی مارواڑ، مرسلہ جناب صوفی نصیر الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ، ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ،

ما قولکم دریں صورت کہ نکاح بایں طور منعقد ہوا کہ مجلس عقد میں پہلے یہ طے ہوا کہ ایک شخص نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ تم اپنی لڑکی فلاں کے لڑکے کو دیدو، لڑکی کے والد نے سکوت کیا پھر اسی وقت اسی مجلس میں اس طور سے نکاح منعقد ہوا کہ لڑکی کے باپ نے صرف یہ کہا کہ نکاح پڑھا دو اور نکاح پڑھانے والے نے اس طرح پڑھایا کہ عثمان کا لڑکا لقمان اور مولوی نصیر الدین کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ساتھ مہر شرعی ساڑھے تین روپیہ کے روبرو ان دو گواہوں کے نکاح قبول کیا تو لڑکی کے والد نے کہا کہ کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں، اگر ہوا تو لڑکے سے ہوا یا خود لڑکے کے باپ سے بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب :۔ صورت مستفسرہ میں وہ الفاظ جو نکاح خواں نے کہے وہ ادائے مقصود میں قاصر ہیں کہ اس نے ایجاب کا مفہوم اپنے کسی لفظ سے ادا نہ کیا، بلکہ اس کی عبارت میں مبتدا بغیر خبر ہے، اور کلام تمام نہیں، کیونکہ یہ لفظ کہ نکاح قبول کیا جو آخر میں ہے، یہ عرف عام میں نکاح خواں محض ناکح یا اس کے ولی کو تعلیم کے لئے بولا کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم قبول کر دو اور اس کے بعد وہ قبول کے الفاظ بولتا ہے، اگر ایجاب کے پورے الفاظ کہتا، (مثلاً فلاں لڑکی کو فلاں کے نکاح میں دیا یا اس کا اس کے ساتھ نکاح کیا) اور اس کے بعد الفاظ قبول کی تلقین کرتا، اور وہ قبول کرنے والا یہ کہتا کہ میں نے قبول کیا یا صرف اتنا ہی کہتا کہ کیا تو نکاح ہو جاتا کہ سوال کے جواب میں یہ لفظ (کیا) اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے قبول کیا کہ عبارت سوال جواب میں محذوف ہوا کرتی ہے، مگر یہاں ایجاب کے الفاظ ہی پورے نہیں تو قبول کس چیز کو کرے گا، لہذا صورت مستفسرہ میں نکاح منعقد نہ ہوا، پھر سے نکاح پڑھوانا چاہئے، ھذا ما ظھر لی والعلم عند ربی، وھو تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ مرسلہ مولوی امیر احمد صاحب از باسنی ناگور، متعلق فتویٰ نکاح، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ،

مکرمی زید مجدکم السلام علیکم، بیکانیر سے حضرت مولانا مولوی عبید الرحمٰن صاحب ریحان پشاوری، مسئلہ نکاح کے فیصلہ کے لئے طلبیدہ آئے ہوئے ہیں، وہ جناب کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ مولانا کی ذاتی رائے ہے، کسی کتاب کے حوالہ سے نہیں لکھا جب مجلس عقد تھی،

اور شاہدین موجود تھے اور لڑکا لڑکی کے والدین کی جانب سے ایجاب وقبول ہوچکے تو پھر نکاح میں کیا شبہ رہا، اگر مجیب اپنی دونوں قیدوں کی یعنی نمبر ۱ و نمبر ۲ کی ضرورت کسی معتبر کتاب سے ثابت کردے تو میں تسلیم کرلوں گا، لہذا عرض ہے کہ آں قبلہ کسی معتبر کتاب کی عبارت یا حوالہ درج کرکے براہ کرم جلد ارسال فرمائیں، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جس رات کو چاروں نکاحیں منعقد ہوئے تھے، اسی رات کو چھ سات آدمی کھاری مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں گئے تھے، ان چھ سات آدمیوں میں نکاح شدہ بچے بچیوں کے والدین بھی تھے اور نکاح کے گواہ بھی تھے اور نکاح پڑھانے والے بھی تو مولوی صاحب موصوف کے سامنے صوفی نصیر الدین صاحب نے جس طور سے نکاح پڑھایا تھا، اس طور سے صورت بیان کی، چنانچہ اس کی تصدیق مولوی نصیر الدین صاحب نے بھی اور دوسروں نے بھی کی تھی کہ ہاں صاحب اسی طور سے نکاح پڑھائے گئے تھے، صوفی جی کا بیان بلفظہ اسی سوال میں بلا کمی بیشی درج ہے، جس کا جواب حضرت قبلہ نے تحریر فرمایا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا، صوفی جی کے بیان کی تصدیق ہوجانے پر چاروں نکاحوں کا مجموعہ ایک ہی سوال ہوچکا، ایک جواب طلب امر یہ ہے کہ جب نکاح منعقد نہیں ہوئے، اب ان چاروں لڑکوں کا نکاح انھیں چاروں لڑکیوں سے دوبارہ کرنا ضروری ہے یا چاروں کا باپ مختار ہے، جہاں چاہیں نکاح کردیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- فقیر نے جو کچھ فتویٰ میں تحریر کیا ہے، اگر یہ مولوی صاحبان کے خیال میں ذاتی رائے ہے اور قواعد شرع کے خلاف ہے تو غلطی کی وجہ بیان کرنی ضرور تھی تاکہ اس سے رجوع کرلیتا، مگر غلطی نہ بیان کرنا اور فقط عدم تسلیم پر اکتفا کرنا قابل قبول نہیں، اس عقد میں چند امور قابل لحاظ ہیں، اور مجلس عقد کا ہونا مسلم اور گواہوں کا موجود ہونا بھی تسلیم، مگر ایجاب وقبول ہوچکے، اس میں کلام ہے کہ ایجاب وہ کلام ہے جو عاقدین میں پہلا شخص بغرض تحقیق عقد تلفظ کرتا ہے اور اس کے جواب میں جو دوسرا کلام ہوتا ہے وہ قبول ہے، مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی، عمدۃ الرعایہ، حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں، الایجاب ہو الاثبات لغۃ سمی بہ اول کلام احد المتعاقدین وکلام الآخر للترتب علیہ القبول، ردالمحتار میں ہے، اشار الی ان المتقدم من کلام العاقدین ایجاب سواء کان المتقدم کلام الزوج اوکلام الزوجۃ والمتاخر قبول ح عن المنح، ان عبارتوں سے ظاہر کہ ایجاب کا کلام ہونا ضروری ہے، اور وہ الفاظ جو عاقد نے تلفظ کئے، اس میں پچھلا فقرہ بغرض تعلیم ہے، لہذا البقیہ عبارت کلام نہیں، بلکہ مبتدا بغیر خبر ہے، اور اگر پچھلا فقرہ تعلیم کے لئے نہ ہو تو اس کا یہ کہنا کہ قبول کیا، کس ایجاب کو قبول کرنا ہے اور کس کی طرف سے قبول کرنا ہے زوج کی طرف سے قبول کرنا ہے، تو زوجہ کی طرف سے ایجاب ہونا چاہئے اور وہ یہاں موجود نہیں اور زوجہ کی طرف سے قبول کرنا ہے تو زوج کی طرف سے ایجاب ہونا چاہئے اور یہ بھی مفقود، اور اگر یہ لفظ خود ایجاب کہا جائے تو اس کا قبول کہاں ہے، دوم یہ کہ باپ کا لفظ (کیا) اس کے معنی قبول کیا تو جب ہوتے کہ سوال کے جواب میں . . . ہوتا، سوم یہ کہ قبول کیا جو عاقد نے کہا، اس میں یہ تعین نہیں کہ کس نے قبول کیا، میں نے قبول کیا یا تو نے قبول کیا، ماقبل یا مابعد میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے اس کا تعین ہوتا ہو،

چہارم، ایک شخص نے کہا کہ تم اپنی لڑکی فلاں کے لڑکے کو دیدو، یہ لفظ بھی بہت مجمل ہے اگر اسکی چند لڑکیاں ہیں تو یہ متعین نہیں ہوا کہ کس لڑکی کو فلاں کے لڑکے کیلئے طلب کر رہا ہے یوں ہی فلاں کے چند لڑکے ہوں تو یہ معلوم نہیں کہ اس کے کس لڑکے کے لئے طلب کرتا ہے لہذا لڑکی کے باپ کا یہ کہنا کہ نکاح پڑھا دو نہ ناکح کی تعیین کرتا ہے نہ منکوحہ کی، خلاصہ میں ہے، ابو الصغیرة اذا قال زوجت بنتی فلانة من ابن فلان بکذا او قال فلان قبلت لابنی ولم یسم الابن ان کان له ابنان او اکثر لایجوز وان له ابن واحد صح انتہی، عاقد کا یہ لفظ عثمان کا لڑکا لقمان اور مولوی نصیر الدین کی لڑکی فاطمہ کا نکاح اس میں لڑکی اور لڑکا دونوں کو عطف کے ساتھ ذکر کیا یعنی کہتا ہے۔ ان دونوں کا نکاح قبول کیا معلوم نہیں عثمان کا نکاح فاطمہ کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ اور فاطمہ کا نکاح عثمان سے ہوتا ہے یا کسی اور سے یہ خیال کہ ان میں دونوں کی نسبت باہم ہو چکی ہے تعیین کیلئے کافی نہیں بلکہ ایجاب و قبول میں ناکح اور منکوحہ کا تعین چاہئے یعنی فلاں کا نکاح فلانی سے، فتاوی خلاصہ میں ہے۔ رجل خطب لابنه الصغیر امرأة فلما اجتمعا للعقد قال ابو المرأة لاب الزوج دادم دختر را فلانا نفہ جزادکہ وقال ابو الزوج قبلت صح النکاح للاب وان جری بینهما مقدمات ان النکاح للابن هو المختار هذا فی المحیط انتہی، کہا جاتا ہے کہ مجیب اپنی دونوں قیدوں کی یعنی نمبر ۱، ۲ کی ضرورت کسی معتبر کتاب سے ثابت کریں میں تسلیم کر لونگا میں نے کب کہا تھا کہ ان دونوں لفظوں کی بغیر نکاح نہ ہوگا، البتہ یہ کہا تھا کہ ایجاب کا کلام تام ہونا موقوف ہے اگر عاقد کا کلام تام ہوتا جو تحقیق عقد پر دلالت کرتا ہے مثلاً یوں کہتا یا یوں کہتا تو نکاح ہو جاتا۔ اس کو صحت نکاح کی دو شرط قرار دے لینا عجیب ہے خود اس عبارت میں لفظ مثلاً موجود ہے جو مثال پر دلالت کرتا ہے نہ کہ شرط پر کتب فقہ میں نکحت، زوجت، انکحت، تزوجت، نکاح دادم، بزنی دادم، نکاح کردم وغیرہ اسی قسم کے الفاظ میں جو ایجاب کا افادہ کرتے ہیں جو صاحب اس نکاح کو جائز کہتے ہیں ان کو چاہئے کہ اس عبارت کا کوئی جزئیہ پیش کریں کہ فلاں کتاب میں یہ ہے کہ اس عبارت سے نکاح ہو جاتا ہے اور اگر جزئیہ نہ پیش کر سکیں تو کسی کلیہ ہی سے ثابت کریں کہ ایسی عبارت مفید ایجاب ہوتی ہے جس سے ثابت ہو کہ ناکح اور منکوحہ کو بطور عطف ذکر کیا گیا ہو اور صرف مبتدا کو ایجاب کہا گیا ہو، یا قبول کیا کو بھی ملا کر ایجاب بنایا جائے، تو فعل بلا فاعل کے ہو اور فاعل کی تعیین کے لئے کوئی قرینہ بھی نہ ہو اگر کوئی وجہ اسے ثابت کر دیں گے تو فقیر رجوع کرنے کیلئے تیار ہے ورنہ لانسلم کا کوئی جواب میرے پاس نہیں میں نے بہت غور کیا، نکاح کے جواز کی کوئی صورت ذہن میں نہیں آتی اور اسی بناء پر عدم انعقاد کا حکم دیا۔ اس کو لحاظ کرتے ہوئے لڑکیوں کے اولیاء کو اختیار ہے جس سے چاہیں نکاح کر دیں مگر اختلاف اور نزاع سے بچنے کیلئے اگر انہیں لڑکوں سے نکاح کر دیا جائے تو مناسب و بہتر ہوگا کہ اس میں نزاع کی صورت قطع ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

جواب:۔ استفتاء حکیم نصیر الدین صاحب باسنی ناگور مارواڑ ـــــ باسنی ناگور سے فقیر کے پاس استفتاء آیا جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ نکاح خواں نے یہ لفظ کہا لقمان ولد عثمان اور فاطمہ بنت مولوی نصیر الدین کا نکاح ساتھ مہر شرعی سے روبرو ان دو گواہوں کے نکاح قبول کیا تو لڑکے کے باپ نے کہا کہ کیا ـــــ اس سوال کا جواب فقیر نے پہلے مختصراً اور بعد میں مفصلاً تحریر کر کے روانہ کیا تھا کہ یہ الفاظ ناکافی ہیں نکاح کیلئے جن امور کی ضرورت ہے وہ ان الفاظ میں نہیں اور فقیر نے اس کے وجوہ فتوی میں مفصلاً بیان کئے اب حکیم نصیر الدین ساکن باسنی کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ وہاں ان الفاظ سے نکاح ہونے کے متعلق عرف جاری ہے اور نکاح خواں کے ان الفاظ کو عرف عام میں ایجاب قرار دیا جاتا ہے اور ناکح و منکوحہ کو حرف عطف سے ذکر کرنے کی صورت میں بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس لڑکے کا نکاح اسی لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے اور لفظ (کیا) اسی ایجاب کا قبول سمجھا جاتا ہے یعنی وہاں کے عرف عام نے تمام ضروریات ایجاب و قبول کیلئے ان الفاظ کو کافی قرار دیا ہے اس بیان کے صحت کے بعد اس نکاح کے متعلق حکم یہ ہے کہ جب عرف ایسا ہی ہے تو نکاح صحیح ہے اور فقیر کا پہلا فتوی جو عدم جواز کا تھا وہ الفاظ کی بناء پر تھا اور وہ الفاظ اپنے معانی کے لحاظ سے بہت ناکافی ہیں اور ان میں تمام وہ احتمالات پائے جاتے ہیں جو فتوی میں بیان کئے گئے مگر اب جبکہ ایسا عرف جاری ہے کہ وہ کافی سمجھے جاتے ہیں لہذا عرف کے بناء پر معنی کی تعیین سمجھی جائیگی اور نکاح صحیح قرار دیا جائیگا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ زید بکر اپنی عورت کا زانیہ ہونا یقینی طور پر متحقق ہو گیا اور زید بد متقی ہے، یا فاسق لیکن اس منکوحہ عورت کو شرعاً اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں اور وہ عورت زید کے نکاح میں رہی یا نہیں، بکر کہتا ہے کہ جب عورت زنا کرتی ہے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے اب بکر کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- زنا کرانے سے عورت نکاح سے باہر نہیں ہوئی، گنہگار بیشک ہوئی اور سخت گنہ گار ہوئی، بکر کا قول صحیح نہیں، پھر زید کو جب کہ معلوم ہے اور اسے بقدر طاقت منع نہیں کرتا تو دیوث ہے اور اگر منع کرتا ہے اور وہ مانتی نہیں، چھپ کر ایسی حرکت کر بیٹھتی ہے، یا پہلے اس نے یہ حرام کرایا اور اب زید کے منع کرنے سے باز آگئی تو اب شوہر پر مواخذہ نہیں اور شوہر پر طلاق دینا لازم نہیں، اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ البتہ اگر اب بھی وہ ایسا کراتی ہے تو طلاق دے دینا بہتر ہے[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] درمختار میں ہے، یستحب لو موذیۃ او تارکۃ صلاۃ و مفادہ ان لا اثم بمعاشرۃ من لا تصلی (ج ۲، ص ۴۱۷، ن) اگر عورت موذیہ ہے یا بے نمازی ہے تو اس کو طلاق دینا مستحب ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ بے نمازی عورت کے ساتھ رہنے سے گناہ نہیں، گناہ ہونے میں نماز چھوڑنا اور بدکرداری دونوں یکساں ہیں، اس لئے جیسے بے نمازی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے، اسی طرح بدکردار عورت کو بھی طلاق دینا مستحب ہوگا واجب نہ ہوگا، اسی میں کتاب الحظر میں ہے، لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ، بدکار عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں ہے، اس کے تحت ردالمحتار میں ہے، والفجور یعم الزنا وغیرہ وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمن زوجتہ لا ترد ید لامس وقد قال انی احبہا استمتع بہا اور فجور عام ہے زنا اور اس کے غیر کو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس کی بیوی چھونے والے کے ہاتھ کو نہیں روکتی جب اس نے یہ عرض کیا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، اس سے فائدہ حاصل کر، قلت، یہ حدیث مشکوٰۃ باب اللعان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس پر مشکوٰۃ میں فرمایا، رواہ ابوداؤد والنسائی، وقال النسائی رفعہ احد الرواۃ الی ابن عباس واحدہم لم یرفعہ، قال وھذا الحدیث لیس بثابت، نسائی میں یہ حدیث دو جگہ ہے، ایک کتاب النکاح میں اور ایک کتاب الطلاق میں، کتاب النکاح میں امام نسائی نے یہ فرمایا، ھذا الحدیث لیس بثابت وعبد الکریم لیس بالقوی وھارون بن رئاب اثبت منہ وقد ارسل الحدیث وھارون ثقۃ وحدیثہ اولی بالصواب من حدیث عبد الکریم اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن عبید بن عمیر سے دو شخص روایت کرتے ہیں، ایک ہارون بن رئاب دوسرے عبدالکریم، عبدالکریم کی روایت متصل ہے اور ہارون ابن رئاب کی حدیث مرسل، امام نسائی یہ فرماتے ہیں کہ عبدالکریم قوی نہیں اس لئے اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں، اس لئے کہ ہارون بن رئاب اس سے زیادہ اثبت ہیں انھوں نے حدیث کو مرسل رکھا اور یہ ثقہ بھی ہیں، اس لئے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح حاصل ہے، متصل ہونے پر اس لئے لیس بثابت، کا مطلب صرف یہ ہوا کہ اس حدیث کا متصل ہونا ثابت نہیں، لیکن یہ حدیث ہے، اگرچہ اس میں ارسال ہے، اول، علامہ نسائی نے تصریح کی ہے کہ ہارون ثقہ ہیں اور ثقہ کی حدیث مرسل جمہور محدثین کے نزدیک حجت، لہٰذا یہ حدیث بلاشبہ قابل احتجاج ہے، مقدمہ اشعۃ اللمعات میں ہے، وعند ابی حنیفۃ ومالک المرسل متصل مطلقاً وھم یقولون انما ارسلہ لکمال الوثوق والاعتماد لان الکلام فی الثقۃ ولو لم یکن عندہ صحیحاً لم یرسلہ ولم یقل، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور ثانیاً امام شافعی کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ اگر حدیث مرسل کی تائید کسی دوسرے طریقہ سے بھی ہو تو

مسئلہ از بمبئی محلہ و مان واڑی ڈاکٹر اسٹریٹ دکان روئی ۲۱۹ مرسلہ جناب بدن صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ پانچ سال سے اپنی منکوحہ سے جو اسی وقت سے اپنے والدین کے گھر پر جو بالکل نادار اور مفلس ہیں مقیم ہے، ایک دم قطع تعلق کر لیا سامان خورد و نوش حتی کہ خط و کتابت تک سے کوئی واسطہ نہیں رکھا زید اپنی منکوحہ کو رخصت کرا کے لے جانے سے قطعی انکار کرتا ہے، باوجودیکہ منکوحہ جانے کو تیار ہے، لڑکی کے ورثہ متعدد بار رخصتی کی گفتگو کی، مگر زید نے ہر بار انکار کیا ورثہ نے عرض کیا، اگر آپ رخصتی نہیں چاہتے تو لڑکی کو طلاق ہی دے دیجئے، زید نے جواب دیا، اگر میری منکوحہ مہر معاف کر دے تو میں ضرور طلاق دیدوں، لڑکی کے ورثہ نے منجانب لڑکی کئی نوٹسیں بنام زید روانہ کیں، ان میں تحریر کیا کہ مہر اس شرط پر معاف کیا جاتا ہے کہ آپ طلاق دیدیں، ہنوز کوئی جواب نہیں، اب لڑکی کیا کرے اس کے بسر اوقات کیسے ہوں، زید کی زوجہ سابقہ فرار ہو کر مفقود الخبر ہو گئی تھی، یہ زید کا نکاح ثانی ہے، از روئے شریعت محمدی مدلل و مفصل جواب باصواب تحریر فرما دیں، ؟

الجواب:، صورت مستفسرہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ شوہر پر دعوی کرے حاکم شوہر زید کو مجبور کرے گا کہ وہ عورت کو اپنے یہاں رکھے اور نان و نفقہ دے یا طلاق دیدے اور شوہر کو ایسا کرنا حرام ہے کہ عورت کو معلق رکھے ہوئے ہے نہ اسے بلاتا ہے اور نہ نان و نفقہ دیتا ہے یہ بلا وجہ اس کو ایذا دینا گناہ ہے اور اس کی وجہ سے مستحق عذاب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:، ایک عورت جوان بالغہ بدون ولی نکاح پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں، بعض شخص اعتراض کرتے ہیں کہ بدون ولی نکاح درست نہیں، بینوا توجروا،

الجواب:، ولایت اجبار کہ بغیر اجازت ولی نکاح نہ ہو یہ صرف نابالغ یا مجنون پر ہے بالغہ نے اگر بغیر ولی اپنا نکاح کیا تو درست ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴ کا) وہ مقبول ہے، خواہ یہ دوسرا طریقہ مسند ہو یا مرسل خواہ ضعیف، (حوالہ مذکور) امام نسائی کی تنقید سے ظاہر ہے کہ اس حدیث مسند کی تائید بطریق عبد الکریم ہے تو اگرچہ بقول امام نسائی عبد الکریم قوی نہیں، مگر ہارون کی حدیث مرسل کے لئے مؤید ضرور ہے، اس لئے اس حدیث کے مقبول ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا، اس حدیث کے تحت مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے، قال الشیخ الجزری حدیث ابن عباس رواہ ابو داؤد و سکت علیہ، قال المنذری و رجال اسنادہ یحتج بھم فی الصحیحین علی الاتفاق والانفراد اھ، و رواہ الشافعی فی المسند بلفظہ مرسلاً اھ و یفھم منہ ان وصل ھذا الحدیث لیس بثابت والمرسل اصح لان اصل الحدیث لیس بثابت کما یفھم من کلام المصنف تامل، خلاصہ کلام یہ نکلا کہ یہ حدیث ثابت ہے، مرفوع بھی اور مرسل بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرفوع طریقہ میں ضعف ہے اور مرسل طریقہ ضعف سے خالی ہے اور ثقہ کی حدیث مرسل حجت خصوصاً جب کہ اس کی تائید دوسرے طریقوں سے ہو رہی ہو، جیسا کہ یہاں ہے اس لئے اس حدیث کے قابل احتجاج ہونے میں کوئی شبہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

قرآن مجید میں فرمایا، حتی تنکح زوجا غیرہ، یہاں تک کہ یہ مطلقہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے، یہاں فرمایا کہ خود عورت اپنا نکاح کرے، اور فرمایا، فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن، یہاں حکم دیا گیا ہے کہ ولی کو نکاح سے روکنے کا حق نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از شاجاپور مالوہ گوالیار اسٹیٹ، مرسلہ جناب محمد اکبر خاں صاحب، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ذیل میں کہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں، صورت واقعہ یہ ہے کہ ایک بالغہ لڑکی کنواری کے نکاح کے لئے احباب واقربا جمع ہو کر بیٹھے اور نکاح منعقد ہونے کے لئے آواز ہونے لگی کہ لڑکی کا وکیل کون ہوگا، تو ایک شخص بولا کہ لڑکی کے والد جو اس کے ولی ہیں موجود ہونے کی صورت میں اس وکالت کی کیا ضرورت ہے، چنانچہ لڑکی کے والد آکر نکاح پڑھانے والے کے پاس دو گواہوں کے ساتھ اس مجمع میں بیٹھ گئے، لڑکی کے والد اس خیال میں رہے کہ شاید اب لڑکی کے اذن کی بھی ضرورت نہیں اور نکاح پڑھانے والا اس خیال میں رہا کہ یہ مرحلہ طے ہو چکا ہوگا۔ لڑکی کے والد نے کہا، میری لڑکی مساۃ فلاں کا نکاح اس زید سے بالعوض دو سو پچاس روپیہ مہر کے کر دیجئے، چنانچہ لڑکی سے اذن لئے بغیر اسی وقت دو گواہوں کی موجودگی میں اس مجمع کے روبرو بعد خطبہ مسنونہ ایجاب وقبول کرا دیا گیا، اگرچہ لڑکی کو اور سب گھر والوں کو یہ معلوم تھا کہ فلاں شخص سے نکاح ہوگا، گواہوں سے کچھ پوچھا بھی نہ گیا قاعدہ ہے کہ نکاح ہو جانے پر دولھا کے گھر سے آئے ہوئے کپڑے اور زیورات وغیرہ دولھن کو زیب تن کرا دیئے جاتے ہیں، رات کو نکاح ہوا اور صبح کو وہ کپڑے لڑکی کو پہنائے گئے، اور باراتیوں کو کھانا کھلا کر رخصت کر دیا گیا، لڑکی نے کپڑے تبدیل کرنے اور رخصت ہونے پر حسب معمول کوئی اصرار نہیں کیا، شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب: صورت مستفسرہ میں نکاح صحیح ولازم ہو گیا کہ اگرچہ قبل نکاح اجازت نہیں لی گئی، مگر بعد نکاح عورت کا ایسا فعل کرنا جس سے اجازت سمجھی جائے ایسے نکاح کو جائز کر دیتا ہے کہ جب یہ نکاح بغیر اجازت حاصل کئے کر دیا گیا، تو عورت کے اجازت پر موقوف رہا اگر وہ اپنے قول یا فعل سے رد کر دیتی رد ہو جاتا، اور جائز کر دیا تو جائز ہو گیا، فتاوی عالمگیری میں ہے، لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکراً کانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل، درمختار میں ہے، زوجها ولیها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسکتت او ضحکت فهو اذن ای اجازة اهـ ملتقطاً، نیز اسی میں ہے، فان استاذنها غیر الاقرب فلابد من قول او ما هو فی معناه من فعل یدل علی الرضاء کطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی ودخوله بها برضاها، ظهیریة وقبول التهنئة، بالجملہ یہ نکاح عورت کی اجازت پر موقوف تھا اور رخصت ہو کر شوہر کے یہاں جانا اس کی اجازت ہے، درمختار میں ہے، وقبضه المهر ونحوه مما یدل علی الرضاء رضاء، ردالمحتار میں ہے، کالتجهیز ونحوه، بدائع میں ہے، اما بیان ما یکون اجازة فالاجازة قد تثبت بالنص وقد تثبت بالدلالة وقد تثبت بالضرورة اما النص فهو التصریح بالاجازة وما یجری

مہر اجماعاً اما الدلالۃ فہی قول او فعل یدل علی الاجازۃ مثل ان یقول المولی اذا اخبر بالنکاح حسن او صواب او لا باس بہ ونحو ذالک او یسوق الی المرأۃ المہر او شیئا منہ فی نکاح العبد وعوذ الک مما یدل علی الرضا، ردالمحتار میں ہے، فی البحر یزوجہ فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیہا، فتاوی خیریہ میں ہے سئل فی رجل قال کل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم قال بمجلس الرجل لیتک تزوجنی فلانۃ ھل اذا زوجہ یحنث ام لا (اجاب) لا یحنث لانہ لم یتزوج بل زوج والمزوج فضولی بلا شک والحال ھذہ فاذا اجاز بالفعل لا بالقول لا یحنث والاجازۃ بالفعل کان یبعث الیہا شیئا من المہر وان قل او یقبلہا او یلمسہا بشہوۃ قولا واحدا او بلا شہوۃ فی قول او یہناہ الناس فیسکت او اخذ فی تجہیزہا کما نص علیہ فی المحیط فذالک کلہ اجازۃ بالفعل فلا یحنث. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از باسنی قریب ناگور مارواڑ، مرسلہ جناب امیر احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ،

(۱) کیا حکم ہے صغیرین کا نکاح حالت صغر میں ان کے والدین پر فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب یا مباح؟

(۲) جس امر مباح کی ادائیگی مفضی الی الحرام القطعی ومنجر الی النزاع والفساد بین عامۃ المسلمین وسبب امر محظور شرعی وباعث قطع رحمی وموجب نافرمانی ودل شکنی والدین ہو تو اس فعل مباح کی مباشرت واجرا کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ ہذا القیاس واجب وسنت کی ادائیگی واجرا میں بھی جب انھیں مفاسد مذکورہ کا سامنا ہو تو کیا حکم ہے؟ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے تو اپنے فتاویٰ میں خطابی کا ایک کلیہ نقل فرمایا ہے جس سے ممانعت مفہوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے، کل امر یتذرع بہ الی امر محظور فہو محظور۔

الجواب:۔ (۱) صغیرین کا نکاح نہ فرض ہے نہ واجب، بلکہ مباح ہے، اگر موقع نکاح کرنے کا ہو کردیں، نہ کرنے کا ہو نہ کریں، ان کو اختیار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۲) مباح کے فعل میں اگر یہ قبائح پیدا ہونا مظنون ہو تو مباح کو ترک کریں، بلکہ واجب وسنت کے عمل میں اگر حرام کا ارتکاب ہوتا ہو تو انھیں بھی نہ کریں کہ دفع مضرت طلب منفعت سے اہم ہے، مگر والدین اگر فعل واجب کو منع کریں تو اس کی وجہ سے واجب کو ترک کریں کہ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق، اور اس صورت میں ان کی ناراضی عقوق الوالدین میں داخل نہیں، لہٰذا اگر واجب کے فعل سے رشتہ دار ناراض ہوں تو یہ قطع رحم نہیں، بلکہ قطع رحم ان کی جانب سے ہے نہ کہ اس کی طرف سے یونہیں اگر خواہ مخواہ لوگ برسر پیکار ہوں، تو اس کی وجہ سے واجب ترک نہ کیا جائے مباح کا حرام کے لئے ذریعہ ہونا اس معنی ہے کہ اس مباح فعل کا مقصد ہی بغیر حرام کے نہ ہو یہ نہیں کہ اگر یہ مباح فعل یا واجب کرے تو دوسرے لوگ اس کی ضد میں حرام کا ارتکاب کریں کہ اگر یہ مطلب ہو تو اس زمانے میں واجبات وسنن کے ترک کا

اچھا ذریعہ ہاتھ آجائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از اجمیر مسئولہ ارکین پنچایت جناب سید آل رسول صاحب دیوان درگاہ و مرزا عبدالقادر بیگ و مولوی محمد یونس صاحب منتظم مدرسہ و مولوی احمد حسین صاحب رامپوری، ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ،

ہم ارکان پنچایت نے جہاں تک خلاصہ مثل پر کامل غور و تبادلہ خیال کیا ہے اس کی بنا پر ہم کو مندرجہ ذیل واقعات کے ثبوت بہ اتفاق ہے ۔ ۱۔ مسماۃ چاند تارہ نکاح کے وقت نابالغہ تھی ، ۲۔ اس کا نکاح مسمی رحیم بخش کے ساتھ کرانے سے اس کے باپ نے انکار کیا اور جھگڑا کرکے مجلس سے چلا گیا ، ۳۔ چاند تارہ کے باپ کی غیبت میں اس کے بڑے بھائی نے چاند تارہ کے نکاح کی اجازت دی اور اس کی اجازت پر نکاح کر دیا گیا ، ۴۔ بعد نکاح ہو جانے کے کھانے اور جہیز کی رسوم اور رخصتی کی رسوم میں چاند تارہ کا باپ واپس ہو کر شریک ہوا ، جو اس کی رضامندی کی دلیل ہے ، لہٰذا اس صورت میں جو حکم شرعی بابت نفاذ نکاح و عدم نفاذ نکاح ہوگا ہم سب کو اس کے ساتھ سوا قبول و تسلیم کے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ، لہٰذا اجرا حکم شرعی کے لئے ہمارے ارکان آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اس سوال پر حکم شرعی ثبت فرما دیں ؟

الجواب:۔ خلاصہ نتیجہ تحقیقات چند پنچوں کی رائے سے وہ متفقہ رائے نہیں مجھے اس سے اتفاق نہیں ، بلکہ بعض دستخط کنندگان نے بھی اس رائے کو تنزلاً اختیار کیا محض اس وجہ سے کہ اس صورت میں بھی جب نکاح ہو جاتا ہے تو باہمی اختلاف کرنے سے کیا فائدہ جس کو برابر وہ ظاہر کرتے رہے ، چاند تارا کے قریبی رشتہ داروں نے اس کے بلوغ کی شہادت دی اور نکاح کے بعد بالغہ لڑکیاں جس طرح اپنے خاوندوں کے پاس رہتی ہیں ، اس کا رہنا بیان کیا ، ان باتوں کو بالکل نظر انداز کر دینا ٹھیک نہیں اور اگر اسے نابالغہ من فرض کیا جائے ، تو عظیم کا مجلس نکاح میں شریک ہونا اور خود بذات خاص اپنی لڑکی چاند تارا کے نکاح کی اجازت دینا متعدد گواہوں سے ثابت ہے اور قرائن سے بھی یہی ثابت ہے ، عرف و زمانہ کی روش دیکھتے ہوئے یہ امر ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ لڑکی کا باپ مجلس عقد سے ناراض ہو کر چلا جائے ، اور وہاں اس کے برادری اور رشتہ کے لوگ بکثرت موجود ہوں ، مگر اس کے چلے جانے کی پرواہ کی جاتی ہے اور نہ اسے بلایا جاتا ہے نہ راضی کیا جاتا ہے ، بلکہ اس کا بھائی نکاح پڑھوا دیتا ہے ، حالانکہ ایسے موقع پر رشتہ دار اور احباب کی شرکت ضروری سمجھی جاتی ہے اور ناراض ہو تو راضی کیا جاتا ہے اور یہاں باپ کی عدم شرکت اور ناراضگی کی طرف بھی بالکل توجہ نہیں ہوتی ، اتنی بات تو عوام بھی جانتے ہیں کہ نابالغہ کے نکاح میں ولی کی اجازت درکار ہوتی ہے ، اور یہاں باپ ہی ولی ہے بغیر اس کی اجازت لئے کس طرح نکاح پڑھا یا جائے ، مگر وہ مجلس ایسی تھی کہ کسی نے بھی ولی کی اجازت کو ضروری نہیں سمجھا اور نکاح خواں کو بھی اس کا خیال نہ ہوا یہ سب باتیں بعید از قیاس ہیں ، نیز یہ کہ نکاح کے بعد

مدت تک اس نکاح کے متعلق مقدمہ بازی ہوتی رہی، کبھی فسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور کبھی طلاق دینا بتایا جاتا ہے، مگر کسی موقع پر عظیم یہ نہیں کہتا کہ نابالغہ کا نکاح میری اجازت کے بغیر ہوا ہے، بلکہ مقدمہ کے بعض کاغذات کی باضابطہ نقول سے ثابت ہے کہ عظیم خود نکاح میں موجود تھا، چاند تارا فسخ نکاح کا دعویٰ رحیم بخش پر کرتی ہے اور بیان دیتی ہے کہ میرے باپ نے اس شرط سے نکاح کیا تھا کہ اگر رحیم بخش دوسرا نکاح کریگا تو میرا نکاح فسخ ہو جائے گا، بلکہ خود عظیم نے بھی ایسا ہی بیان دیا ہے، لہٰذا پنچان کی جو کچھ رائے ہو ہو، ہر شخص کو اپنی رائے کا اختیار ہے، مگر شہادات و کاغذات کے بنا پر میرے نزدیک یہی ثابت ہے کہ خود عظیم موجود تھا، اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا ہے اور رحیم بخش کے نکاح درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس وقت جو سوال میرے سامنے پیش ہے وہ پنچوں کی رائے کے متعلق ہے، اس کے متعلق حکم شرع یہ ہے کہ اگر عظیم اپنی بیٹی کی نکاح میں موجود نہ تھا، اور انکار کر کے چلا گیا تھا، اس کی غیبت میں اس کے بھائی نے نکاح پڑھوا دیا تو یہ نکاح نکاح فضولی ہے کہ چچا اگرچہ ولی ہے مگر باپ کی موجودگی میں ولی ابعد ہے اور ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کی طرف ولایت منتقل نہیں ہوتی کہ اس کی یہ غیبت، غیبت منقطعہ نہیں کہ عقد کے وقت مجلس سے چلا گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر تمام رسوم شادی میں شریک ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت منقطعہ نہ تھی اور جب ولایت اس کی طرف منتقل نہ ہوئی تو فضولی ہوا، کہ فضولی کی جو تعریف کتب فقہ میں مذکور اس پر صادق ہے، مجمع الانہر میں ہے، وهو من لم يكن وليا ولا اصيلا ولا وكيلا، بحر الرائق میں ہے، وهو من تصرف بغير ولاية ولا وكالة او لنفسه وليس اهلا له، رہا یہ کہ عظیم کا انکار کر کے چلا جانا، اس کو مقتضی نہیں کہ وہ نکاح جو اس کے بھائی نے پڑھوایا نکاح فضولی بھی نہ رہے کہ عقد فضولی منعقد ہونے کے لئے کسی نے یہ شرط نہیں ذکر کی، کہ ولی یا اصیل نے قبل نکاح انکار نہ کیا ہو، بلکہ عامہ کتب مذہب میں اس عقد کے منعقد ہونے کے لئے ایک قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے جس کے تحت میں یہ صورت سوال بھی داخل ہے، وہ یہ کہ فضولی کا وہ عقد جس کا کوئی جائز کرنے والا ہو، عقد موقوف ہوگا باطل نہیں ہوگا، تبیین الحقائق و بحر الرائق میں ہے، والاصل ان كل عقد صدر من الفضولي وله مجيز انعقد موقوفا على الاجازة، درمختار میں ہے، توقف عقود كلها ان لها مجيز حالة العقد ولا تبطل، ہدایہ میں ہے، وتزويج العبد والامة بغير اذن مولاهما موقوف فان اجازه المولى جاز وان رده بطل وكذلك لو تزوج رجل امرأة بغير رضاها او رجلا بغير رضاه وهذا عندنا فان كل عقد صدر من الفضولي وله مجيز انعقد موقوفا على الاجازة، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرد کا نکاح بغیر اس کی رضا کے کیا یا عورت کا نکاح اس کی رضا کے بغیر کر دیا تو اجازت پر موقوف ہوگا کہ فضولی کے ہر عقد کا یہی حکم ہے کہ مجیز کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ولی جائز کرنے والا ہے، لہٰذا یہ بھی حسب قاعدہ موقوف ہو رہے گا، باطل نہ ہوگا، اور جس طرح بعد انکار خود وہ ولی عقد کر سکتا ہے، اسی طرح عقد فضولی کو جائز بھی کر سکتا ہے، کہ اگر ایک وقت

کسی مصلحت یا ضد کی وجہ سے انکار کر دیا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی ولایت بھی سلب ہو جائے، یا اس میں نقصان آ جائے کہ نکاح کرنے کا اختیار ہی باقی نہ رہے یا اس شخص سے نکاح نہ کر سکے اور جب اس کی ولایت بدستور باقی ہے اور امور ولایت میں سے یہ بھی ہے کہ عقد فضولی کو جائز کر سکتا ہے تو جس طرح خود عقد کر سکتا ہے، عقد فضولی کو بھی جائز کر سکتا ہے، نیز عقد فضولی کے انعقاد کی جو وجہ تمام مستند کتابوں میں بیان کی گئی ہے، وہ اس صورت میں بھی متحقق ہے، لہذا یہ بھی موقوفاً منعقد ہے، ہدایہ و تبیین و بحر الرائق وغیرہا میں یہ لکھتے ہیں، ولنا ان رکن التصرف صدر من اهله مضافا الی محله ولا ضرر فی انعقاده، فینعقد موقوفا حتی اذا رای المصلحة ینفذه، یعنی رکن عقد کہ ایجاب وقبول ہے اہل سے محل میں صادر ہوا اور انعقاد میں ضرر نہیں، لہذا عقد موقوف ہوگا کہ اگر عقد کو مصلحت کے موافق پائے نافذ کر دے ورنہ رد کر دے، غایہ میں اہل ومحل کو اس طرح بیان کیا ہے، ای الحر العاقل البالغ مضافا الی محله وهو الانثی من بنات آدم علیه الصلوٰة والسلام ولیست من المحرمات، اور صورت مسئولہ میں بھی یہ عاقل بالغ کا کلام ہے اور محل میں صادر بھی ہوا لہذا لغو نہیں ہو سکتا، بلکہ نکاح منعقد ہوگا اور باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور چونکہ چاند تارا کے باپ نے اس عقد کو رد نہیں کیا ہے، بلکہ برات کو کھانا دے کر لڑکی کو داماد کے یہاں جہیز کے ساتھ حسب دستور رخصت کیا ہے، لہذا وہ نکاح کہ موقوف منعقد ہوا تھا عظیم کے ان افعال سے جائز ونافذ ہوگیا کہ نکاح موقوف کی اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے فعل سے بھی ہوتی ہے، مجمع الانہر میں ہے، ووقف تزویج فضولی او فضولیین علی الاجازة ای اجازة من له العقد بالقول او الفعل فان اجاز ینفذ والا لا، فتاوی عالمگیری میں ہے، وتثبت الاجازة بنکاح الفضولی بالقول او الفعل کذا فی البحر الرائق، عظیم کا لڑکی کو جہیز دینا اور رخصت کرنا دلیل رضا ہے، درمختار میں ہے، وقبضه المهر ونحوه مما یدل علی الرضا رضا دلالة، ردالمحتار میں ہے، ای نحو قبض المهر کقبض النفقة او المخاصمة فی احدهما وان لم یقبض وکالتجهیز ونحوه، بدائع میں ہے، واما بیان ما یکون اجازة فالاجازة قد تثبت بالنص وقد تثبت بالدلالة وقد تثبت بالضرورة اما النص فهو الصریح بالاجازة وما یجری مجراها نحو ان یقول اجزت او رضیت او اذنت ونحو ذلك واما الدلالة فهی قول او فعل یدل علی الاجازة مثل ان یقول المولی اذا اخبر بالنکاح حسن او صواب او لا باس به ونحو ذلك او یسوق الی المرأة المهر او شیئا منه فی نکاح العبد ونحو ذلك مما یدل علی الرضا بالجملہ یہ نکاح صحیح درست ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۰۱ از جامع مسجد رانی کھیت، مرسلہ قاری جلیل الدین احمد صاحب مدرس مدرسہ امجدیہ، ۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ زید قاضی ہے یعنی نکاح پڑھانا ان کی آبائی وراثت ہے عام لوگ یہ سمجھ کر کہ

زید قاضی قدیمی ہے، احکام شرعیہ سے من کل الوجوہ واقف ہیں، امور دینیہ مثلاً نکاح و نماز جنازہ وغیرہ کے لئے زید کو بلاتے ہیں اور زید اپنی دنیاوی طمع میں احکام شرعیہ کا مطلق خیال نہ کرتے ہوں، قرآن عظیم و حدیث کریم کی صریح مخالفت کرتا ہے، چنانچہ ماں سوتیلی کا سوتیلے بیٹے سے نکاح باوجود حکم قرآنی لا تنکحوا ما نکح اٰباؤکم، موجود ہونے کے کر دیا، دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں خلاف قرآن عظیم، وان تجمعوا بین الاختین، جمع کر دیا، بغیر طلاق دیئے ہوئے عورت کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا، رضاعی بھتیجی کے ساتھ عقد درست کہہ کر عقد کر دیا، ان صور مذکورہ میں نکاح ہوئے کہ نہیں، اور ان لوگوں کا کیا حکم ہے، جو ان میں قاضی و وکیل و گواہ ہوئے،

(۲) کیا زید ان افعال کے مرتکب ہونے کے بعد بھی ان شرعی امور کا قاضی رہ سکتا ہے اور جو لوگ زید کی اعانت کرتے ہیں، اور شرع شریف کی مخالفت کرتے ہیں ان کا بھی حکم زید ہی کے مثل ہے یا حکم دیگر؟

الجواب:۔ یہ تینوں نکاح ناجائز ہوئے اور جن لوگوں کو علم تھا کہ یہ نکاح اس صورت کے ہیں، انھیں ان میں شریک ہونا حرام ہے، اور اگر باوجود علم شریک ہوئے تو توبہ اور خود ان کو اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کرنا چاہیئے، یوں ہی نکاح خواں اور گواہوں کا بھی یہی حکم ہے،

(۲) ایسے شخص سے نکاح نہیں پڑھوانا چاہیئے، جو حلال و حرام کی تمیز نہیں رکھتا اور اگر جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو حکم اور زیادہ سخت ہے، باوجود اس جہالت یا بیباکی کے زید کی اعانت کرنا حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ:۔ نابالغہ کو اپنے نکاح کے فسخ کا اختیار جو بلوغ کے بعد ملتا ہے اور یہ شرط ہے کہ جس وقت بالغ ہوئی ہے، اسی وقت معاً نکاح سے ناراضی و نامنظوری ظاہر کر دے ورنہ آخر مجلس تک یہ اختیار ممتد نہیں ہوتا تو کیا فضولی نے جو نکاح کیا ہے اس میں بھی یہی شرط ہے کہ معاً بلوغ کے ساتھ ہی نامنظوری ظاہر کر دے یا فضولی کے کئے ہوئے نکاح میں اس وقت تک یہ اختیار باقی رہے گا جب تک کہ صراحتاً یا دلالۃً رضا یا عدم رضا نہ ظاہر کرے،؟

الجواب:۔ فضولی نے جو عقد نکاح کر دیا ہے وہ موقوف ہے کہ اگر ولی نے جائز کر دیا جائز ہوگیا، اور رد کر دیا باطل ہوگیا، پھر وہ ولی اگر باپ یا دادا ہے تو اب لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں اور ان کا غیر ہے تو خیار بلوغ حاصل ہوگا اور وقت بلوغ فوراً نکاح سے ناراضی ظاہر کرے۔ تو فسخ کرا سکتی ہے ورنہ نہیں، اور اگر ولی نے اس نکاح فضولی کو نہ جائز کیا ہے نہ رد کیا ہے، یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہوگئی تو اب خود اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگیا، اور اب یہ اجازت ایک یا دو مجلس تک ممتد نہیں بلکہ جب تک اپنے قول یا فعل سے اسے جائز نہیں کیا ہے رد کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ :- مرسلہ مولوی غلام محی الدین الجیلانی علی گڈھی، مدرس اول مدرسہ جامع مسجد کرنال شریف،

ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں جواب سے سرفراز فرمایا جائے، اگر کوئی غیر مسلم عورت اسلام قبول کرے اور شوہر زندہ ہو تو بغیر اسلام پیش کئے ہوئے شوہر پر اس عورت کا نکاح قبول اسلام کے بعد بھی بدون مدت گذارے کیا جا سکتا ہے، یا نہیں، آج کل عموماً یہ ہو رہا ہے کہ عورت مسلمان ہوئی تو فوراً کسی مسلمان سے نکاح کر دیا جاتا ہے، ؟

الجواب :- جو عورت یا مرد مشرف باسلام ہو تفریق کے لئے یہ شرط ہے کہ عرض اسلام دوسرے پر کیا جائے وہ انکار کر دے تو فرقت ہو جائے گی، اور عرض اسلام قاضی کا کام ہے، یہاں یہ چیز ناممکن سی ہے، ایسی جگہ کے لئے حکم یہ ہے کہ عورت مشرف باسلام ہو تو جب تک تین حیض نہ گذر لیں، فرقت نہیں ہو گی، تین حیض یا غیر حائض کے لئے تین ماہ گذرنے سے پہلے نکاح کی اجازت نہیں، عالمگیری میں ہے، ولما سلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم والا فرق بینھما کذا فی الکنز، نیز اسی میں ہے، واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یکونا من اھل الکتاب او کانا والمرءۃ ھی التی اسلمت فانہ یتوقف انقطاع النکاح بینھما علی مضی ثلث حیض سواء دخل بھا او لم یدخل بھا کذا فی الکافی، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ :- از پیلی بھیت، ۲ رجمادی الاولی ۱۳۵۴ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی، چھ سات برس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا عدت کے بعد اس کا نکاح زید کے چھوٹے بھائی عمرو سے کر دیا گیا، لیکن چار[1] ماہ بعد وہ اپنی والدہ کے گھر چلی گئی، اور جب کبھی عمرو لینے گیا تو اس نے یہ عذر کیا کہ میرا نکاح بلا اذن کر لیا تھا، میں رضامند نہ تھی ایک عالم صاحب سے فتویٰ لیا گیا تو انھوں نے حکم دیا کہ نکاح ناجائز ہے، جب کہ عورت ایک منٹ کو بھی رضامند نہ ہوئی، اس فتویٰ کے بعد ہندہ نے اپنا نکاح بکر کے ساتھ کر لیا اور پانچ سال اس کے ساتھ رہ کر اور چھ اولاد پیدا ہونے کے بعد بکر کا انتقال ہو گیا، بعد ازاں پانچ سال تک بیوگی میں گذار کر اس نے خالد سے نکاح کر لیا، اور اس سے بھی اولاد پیدا ہوئی، لیکن اب پانچ سال کے بعد ہندہ مکرر بیان کرتی ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہیں اپنے دوسرے شوہر عمرو کے ساتھ

[1] سوال کی اس تصریح سے کہ چار ماہ بعد اپنی ماں کے یہاں گئی ظاہر ہے کہ ہندہ عمرو کے ساتھ نکاح پر راضی تھی اس لئے کہ اگر وہ اس نکاح پر راضی نہ ہوتی تو چار ماہ تک عمرو کے گھر کیوں رہتی، لیکن ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی دباؤ سے چار ماہ تک عمرو کے گھر رہی ہو نکاح پر راضی نہ رہتے ہوئے بھی، عمرو اسے ماں کے گھر نہ جانے دیتا ہو یا اور کوئی ایسی دشواری رہی ہو کہ ہندہ نکاح پر نہ راضی ہوتے ہوئے بھی عمرو کے گھر رہی ہو، اس لئے جب وہ صراحۃً یہ کہہ چکی کہ "میرا نکاح بلا اذن کر لیا گیا تھا، میں رضامند نہ تھی، تو یہی مانا جائے گا، کہ بعد عقد بھی اس نے اس نکاح کو قول یا فعل سے نافذ نہیں کیا تھا، بلکہ ناراضگی ظاہر کر کے اسے رد کر دیا تھا، اسی لئے حکم یہ دیا گیا کہ بکر سے اس کا نکاح درست ہے، فلیحرر (امجدی)

ردالمحتار ۲ ، ۶ / ۲ ، ۳۹۸ ، ۳۹۹ امجدی ، -

تھوڑی دیر کو بھی رضامند نہ ہوئی تھی، اس صورت میں خالد کے ساتھ میرا نکاح قطعی ناجائز ہے نیز حرام ہے کہ اگر ہوگی، اور وہ خالد کے ہاں رہنا نہیں چاہتی، اس پر خالد نے عدالت میں نالش کر دی ہے ان ہر دو متضاد بیانات میں ہندہ کا کون سا بیان صحیح سمجھا جائے گا، جیسا حکم شرع کا ہو مطلع کیا جائے، مگر یہ کہ عمرو جب ہندہ کو اس کی ماں کے گھر لینے گیا تو ہندہ کے انکار کرنے پر چاقو سے زخمی کر دیا، اور ماخوذ ہو کر آج تک روپوش ہے، ؟

الجواب:۔ پہلا نکاح جو عمرو سے ہوا تھا، اس کی نسبت عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ بلا اذن ہوا تھا، اور اس نکاح سے اپنا ناراضی ظاہر کر چکی تو وہ نکاح باطل ہو گیا کہ وہ نکاح فضولی تھا اور نکاح فضولی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، رد کر دینے سے باطل ہو جاتا ہے، فتویٰ عالم اس وقت پیش نظر نہیں ہے اور سائل نے وہ فتویٰ پیش نہیں کیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ وہ فتویٰ اسی بنا پر ہوگا کہ ہندہ نے بعد نکاح اس نکاح سے ناراضی ظاہر کی ہوگی، چونکہ ہندہ خود اپنی نارضامندی کا اقرار کر کے عدم جواز نکاح کا حکم حاصل کر چکی ہے اور اسی بنا پر اس نے ایک نہیں دو نکاح یکے بعد دیگرے کئے، اب اس کا یہ ظاہر کرنا کہ اس نکاح سے راضی تھی ہرگز قابل قبول نہیں کہ اس کا یہ دوسرا قول پہلے قول کے مناقض ہے اور اب بھی جن الفاظ سے رضامندی ظاہر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ میں اپنے دوسرے شوہر عمرو کے ساتھ تھوڑی دیر کو بھی رضامند نہ ہوئی ہوں، اس سے اجازت نکاح ۔۔۔ موقوف ثابت بھی نہیں ہوتی کہ مطلقاً چار ماہ کے اندر تھوڑی دیر کو رضامند ہونا کافی نہیں ہے کیونکہ اگر نکاح کی خبر پانے کے بعد ناراضی کا اظہار کر دیا تو وہ نکاح جاتا رہا، اس کے بعد برابر مہینوں برسوں تک رضامند رہے تو یہ رضامندی بیکار ہے کہ نکاح باطل اب رضامندی سے عود نہیں کرتا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از بلیا، درزی چوک بازار، مرسلہ محمد عمر صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بہن قریب چار برس سے بیوہ ہے جس کی عمر قریب ۲۲، برس کی ہے اور وہ شادی بھی کرنا چاہتی ہے، مگر زید اس کی شادی نہیں کرتے ہیں اور نہ تو اس کی شادی کا کوئی بندوبست کرتا ہے، یہ زید کی حرکت کیسی ہے، زید کے یہاں کا کھانا پینا اس حالت میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ جب اس عورت کا کفو موجود ہو جو نکاح کا پیغام دیتا ہو تو نکاح کو مؤخر کرنا اچھا نہیں، حدیث میں فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کی جائے، اس میں سے ایک یہ ہے، والایم اذا وجدت لھا کفوا[1] بے شوہر والی عورت کا جب کفو موجود ہو تو اس کے نکاح میں

---

[1] پوری حدیث یہ ہے، کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا علی ثلث لا تؤخرھا الصلوٰۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا، اے علی تین چیزوں کو مؤخر مت کرو، نماز جب اس کا وقت آجائے جنازہ جب تیار ہو جائے، اور غیر شادی شدہ کیلئے جب کفو پایا جائے، رواہ الترمذی عن علی رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ ص ۶۱) اور اگر کوئی کفو نہ ملتا ہو تو تاخیر میں کوئی حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم (امجدی)

تاخیر نہ کی جائے زید کو سمجھایا جائے کہ بلا وجہ نکاح میں دیر نہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ مرسلہ نجیب اللہ خاں بریلی، یکم فروری ۱۹۳۶ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جو عضو مردانہ از بیخ بریدہ مخنث مانند عورت ہے اور سوا انثیین کے قطعی وجود عضو مردانہ نہیں رکھتا ہے، ایک اٹھارہ سالہ لڑکی خالدہ سے دھوکے سے عقد کر لیا ہے اور روز عقد سے زن و شوہر حقیقی بھائی بہن کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں، لڑکی غمگین اور زیست سے تنگ ہے، زید نہ آزاد کرتا ہے اور نہ ڈاکٹری معائنہ کے لئے رضامند ہے، خالدہ کے والدین کو سخت تشویش ہے، لہذا حکم شرع شریف سے مطلع فرمایئے، کہ عقد مذکور قرآن و حدیث کی رو سے جواز و عدم جواز اور فسخ و عدم فسخ کے لئے کیا حکم رکھتا ہے،؟

الجواب :۔ ایسا شخص جس کا عضو تناسل جڑ سے کٹا ہوا ہے، اس کا نکاح اگرچہ لاعلمی میں ہوا ہو صحیح ہے، مگر عورت کو اگر قبل نکاح اس کا علم نہ ہو تو جب اسے معلوم ہو قاضی کے پاس دعویٰ کر کے تفریق کرا سکتی ہے بشرطیکہ بعد معلوم ہونے کے عورت نے اس کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو، درمختار میں ہے، اذا وجدت المرأۃ زوجھا مجبوبا او مقطوع الذکر فقط فرق الحاکم بطلبھا لو حرۃ بالغۃ غیر رتقاء و قرناء و غیر عالمۃ بحالہ قبل النکاح و غیر راضیۃ بہ بعدہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ مرسلہ عبدالحمید، از پورہ کوٹھی، ڈاکخانہ شمشیر نگر، ضلع گیا، ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک عورت دوسری جگہ سے آئی اور اس نے ظاہر کیا کہ میں رانڈ ہوں، چاہتی ہوں کہ کسی سے نکاح کر لوں چنانچہ اس کا نکاح ہو گیا، بعد چند ماہ معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ہنوز زندہ ہے، اب قاضی نکاح و گواہان و حضار مجلس نیز عورت و مرد پر از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ احتیاط کا مقتضی یہ تھا کہ تحقیق کر لیتے وہ واقعی رانڈ ہے یا غلط کہتی ہے، کیونکہ اس زمانہ میں ایسی غلط و ناجائز کاروائیاں بہت ہوتی ہیں، مگر چونکہ عورت نے ان لوگوں کے سامنے اپنا بیوہ ہونا بیان کیا تھا، لہذا قاضی و گواہ و حاضرین مجلس و ناکح بری ہیں، کہ انھوں نے اس کا نکاح منکوحہ سمجھ کر نہیں کیا، بلکہ بیوہ جان کر اس میں شرکت کی، البتہ عورت سخت گنہگار ہے، اس پر توبہ فرض ہے، اور اس دوسرے کے پاس سے جدا ہونا لازم، یوں ہی مرد کو خبر ہو جانے کے بعد عورت سے قطع تعلق فرض ہے ورنہ بعد علم جدا نہ کرنے سے یہ بھی سخت مجرم قرار پائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ مرسلہ علی محمد عطار، محلہ قاضیارہ، شہر سیتا پور اودھ، ۱۱ ستمبر ۱۹۳۶ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عاقلہ بالغہ بتاریخ ۲ر اپریل ۱۹۳۵ء بیوہ ہوگئی بعض ناسمجھوں نے اس کا نکاح ایک چلہ کے اندر ۱۵ر مئی ۱۹۳۶ء کو دوسری جگہ کردیا، اب ایسی صورت میں جب کہ ایام عدت پورے نہیں ہوئے تھے، شرعاً نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ لوگ جنھوں نے نکاح کرادیا مجرم ہوسکتے ہیں یا نہیں، ایام عدت مندرجہ بالا صورت میں کتنی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اندرون عدت نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام بھی دینا حرام ہے جس کے متعلق قرآن مجید کی نص قطعی موجود ہے، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا المعتدۃ کذا فی السراج الوھاج، سواء کانت العدۃ عن طلاق او وفاۃ او دخول فی نکاح فاسد او شبھۃ نکاح کذا فی البدائع، جن لوگوں کو اس کا معتدہ ہونا معلوم تھا، ان کا نکاح پڑھانا یا گواہ بننا یا اس نکاح میں شرکت کرنا، یا اس کی کوشش کرنا سخت جرم ہے، کہ بظاہر حرام کو حلال کرنا مفہوم ہوتا ہے، ایسے تمام لوگوں پر توبہ فرض ہے، بلکہ یہ سب لوگ بعد توبہ خود اپنے اپنے نکاحوں کی تجدید کریں، بالجملہ ناکح اور منکوحہ پر فرض ہے کہ فوراً دونوں جدا ہوجائیں اور نکاح کرنا ہی چاہتے ہوں تو بعد انقضاء عدت نکاح کریں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد سجاد صاحب مکان ۱/۲، محلہ ادھوپورہ، شہر بنارس، یکم شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی مولیٰ کی لڑکی نابالغہ تھی، حافظ حبیب اللہ کے لڑکے کی بارات یہاں آئی اور میاں جی صفی اللہ نے حاجی مولیٰ سے اجازت لے کر نکاح پڑھایا تھا، چند روز کے بعد حاجی مولیٰ نے اپنی لڑکی کو روک لیا اور نکاح کے فسخ کا دعویٰ کیا، حافظ حبیب اللہ نے میاں جی سے کہا کہ آپ نے نکاح پڑھایا ہے، گواہی دیجئے اور سمن نکلوایا، حاجی مولیٰ نے میاں جی کو ساٹھ روپیہ دے کر بھگا دیا کہ تم گواہی مت دو گواہی نہ دینے کی وجہ سے حاجی مولیٰ مقدمہ جیت گئے، اب حاجی مولیٰ نے اپنی لڑکی کا نکاح دوسرے لڑکے کے ساتھ کردیا اور اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی، تمام مسلمانان بنارس جانتے ہیں کہ میاں جی صفی اللہ نے حاجی مولیٰ سے اجازت لے کر نکاح پڑھایا تھا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میاں جی صفی اللہ کے بارہ میں شرعاً کیا حکم ہے، جلد از جلد جواب مرحمت فرمایا جائے، خاص کر امور ذیل کے متعلق صاف تصریح کی جائے؟ بینوا توجروا

(۱) اس گواہ کے ساتھ برادرانہ تعلق رکھنا جائز ہے یا نہیں، (۲) ایسے آدمی سے نکاح پڑھوانا چاہئے یا نہیں، (۳) اس کا یہ کہنا، کہ ہم توبہ کرچکے ہیں، مفید ہے یا نہیں،

الجواب:۔ گواہ کو گواہی چھپانا اور جب معاملہ کا ثبوت اسی کی شہادت پر موقوف ہو تو گواہی نہ دینا حرام ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے، ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ، ایسے شخص پر توبہ فرض ہے اور اس کو برادری سے علٰحدہ کردیا جائے،

جب تک توبہ نہ کرلے اور اس سے پھر نکاح نہ پڑھوائیں کہ مبادا پھر ایسی حرکت کرگذرے، اور ساٹھ روپیہ جو لئے ہیں وہ واپس کردے،[1]

واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد یعقوب صاحب بنارس محلہ کمن گڈھ، ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کا نکاح پڑھوادیا، بعد اس کے زید پر عمرو وبکر کا اعتراض ہوا کہ یہ نکاح صحیح نہ ہوا، زید نے سن کر نکاح مذکور کی صحت وعدم صحت کے متعلق علمائے دین سے فتویٰ طلب کیا، لہٰذا فتویٰ ابھی دستیاب نہیں ہوا کہ زید پر اہل محلہ کا فتویٰ صادر ہوگیا کہ زید کے گھر کھانا پینا نہیں، نہ زید کے پیچھے نماز جائز ودرست ہے، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں زید پر اہل محلہ خواہ علمائے دین کا فتویٰ لگانا از روئے شریعت جائز ہے یا ناجائز، اور فتویٰ دینے والے گنہگار ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ بعض مسائل اس قسم کے ہیں جو عوام میں مشہور ہیں، عوام اسے جانتے ہیں، اگر وہ نکاح ایسا ہی تھا جس کا عدم جواز ان لوگوں کو معلوم تھا، یا ان لوگوں نے کسی اہل علم سے دریافت کرلیا ہو، انھیں عدم جواز کا اطمینان حاصل ہوگیا ہو، ایسی صورت میں انھیں فتویٰ کے انتظار کرنے کی حاجت نہ تھی، ان کو معلوم تھا کہ حکم شرع یہ ہے اور اسی کے مطابق انھوں نے کردیا تو اہل محلہ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں اور اگر اہل محلہ کو حکم شرع معلوم نہ تھا اپنے وہم وخیال کے مطابق انھوں نے زید کو قصوروار ٹھہرایا اور حقیقتاً زید قصوروار نہیں ہے تو اہل محلہ قصوروار ہیں، سوال بہت مجمل ہے، ایسی صورت میں ایک صاف صریح حکم کیونکر دیا جاسکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

بَابُ المحرَمات

محرمات کا بیان

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی سید محمد آصف صاحب از کانپور محلہ فیل خانہ، ۳۰ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو مس بشہوت کیا اور ہندہ نے خالدہ کی لڑکی زیب النساء کو دودھ پلایا، تو زید یا زید کے لڑکے عمرو کا نکاح زیب النساء دختر خالدہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ زید پر وہ لڑکی زیب النساء حرام ہے کہ ممسوسہ بشہوت حکم میں موطؤہ کے ہے اور موطؤہ کی بیٹی واطی پر حرام، درمختار میں ہے[2]

---

[1] اس لئے کہ یہ رشوت کے روپے ہوئے، حدیث میں ہے، الراشی والمرتشی کلاھما فی النار، رشوت لینے والا دینے والا دونوں جہنمی ہیں، حاجی مولیٰ دیوث ہے، کہ جان بوجھ کر اپنی لڑکی کو حرام کاری کے لئے دوسرے کے گھر بھیج دیا ہے اور دیوث بھی بحکم حدیث جہنمی ہے،[2] باب المحرمات ص ۱۰۸، ج ۲،

وحرم اصل مزنیتہ وممسوستہ بشہوۃ واصل ماستہ وفروعہن مطلقا اھ ملتقطاً، بحرالرائق[1] میں ہے، ما یحرم بالنسب والصہریۃ یحرم بالرضاع، نیز اسی میں[2] ہے، حرم بسبب الرضاع ما حرم بسبب النسب قرابۃ وصہریۃ، نیز اسی میں تحت قول کنز، والزنا واللمس والنظر بشہوۃ یوجب حرمۃ المصاہرۃ، فرمایا، واراد[3] بحرمۃ المصاہرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعاً وحرمۃ اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبا ورضاعاً، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے، یحرم فرع المزنیۃ رضاعاً وکذا فرع الممسوسۃ والماسۃ والمنظور الی فرجہا الداخل بشہوۃ واصلہن رضاعاً، درمختار میں[4] ہے، وحرم الکل مما مر تحریمہ نسبا ومصاہرۃ رضاعاً، اور یہ حرمت بوجہ مصاہرت ہے، زید اور زیب النسا میں رضاعت کا تعلق نہیں کہ رضاعت کا تعلق وہاں ہوتا ہے کہ عورت کو دودھ اس مرد کا ہوتا اور ظاہر ہے کہ صرف لمس سے دودھ نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اگر کسی نے اپنی عورت کو طلاق دی اور اس عورت کو دودھ ہے، پھر بعد عدت اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا، پھر کسی بچہ کو دودھ پلادیا تو عورت کا پہلا شوہر بچہ کا رضاعی باپ ہوگا نہ کہ دوسرا، فتح القدیر وبحرالرائق ودرمختار میں[5] ہے، طلق ذات لبن فاعتدت وتزوجت باٰخر فحبلت وارضعت فحکمہ من الاول لانہ منہ بیقین فلا یزول بالشک ویکون ربیبا للثانی، حتی تلد فیکون اللبن من الثانی، ہاں اگر عورت یہ زمانۂ حمل میں دودھ پلائے، تو اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اب بھی پہلے ہی شوہر سے اس بچہ کو رضاعت کا تعلق ہے نہ دوسرے سے، جیسا کہ درمختار سے ظاہر ہے، نیز فتاویٰ عالمگیری[6] میں ہے، اذا طلق الرجل امرأتہ ولہا لبن فتزوجت بزوج اٰخر بعد ما انقضت عدتہا ووطئہا الثانی اجمعوا انہا اذا ولدت من الثانی فاللبن من الثانی وینقطع من الاول واجمعوا علی انہا اذا لم تحبل من الثانی فاللبن من الاول واذا حبلت من الثانی ولکن لم تلد منہ قال ابوحنیفۃ، اللبن یکون من الاول حتی تلد من الثانی کذا فی المحیط، تو جب ان میں رضاعت کا تعلق نہ ہوا جس کی وجہ سے وہ مرد اس کا باپ ہوجاتا، تو اب صورت مسئولہ میں زید کے لڑکے پر زیب النسا حرام نہ ہوئی کہ یہ زید کی رضاعی بیٹی نہیں کہ سوال سے یہی ظاہر ہے کہ ہندہ کو جو دودھ اترا ہے زید سے نہیں، بلکہ کسی اور سے ہے، خواہ ہندہ زید کی زوج ہو یا اجنبیہ دونوں کا ایک حکم ہے، ہدایہ میں[7] ہے، ولبن الفحل یتعلق بہ التحریم وھو ان ترضع المرأۃ صبیۃ فتحرم ہذہ الصبیۃ علی زوجہا وعلی اٰبائہ وابنائہ ویصیر الزوج الذی نزل لہا منہ اللبن ابا للمرضعۃ، امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ، فتح القدیر میں[8] فرماتے ہیں یعنی اللبن الذی نزل من المرأۃ بسبب ولادتہا من رجل زوج او سید یتعلق بہ التحریم بین من ارضعتہ وبین ذالک الرجل بان یکون ابا للرضیع

[1] باب المحرمات ص ۱۱۱، ج ۳، [2] کتاب الرضاع، ص ۲۳۸، ج ۳، [3] باب المحرمات ص ۱۰۸، ج ۳، [4] ثانی، ص ۳۱۹، ج ۲، [5] کتاب الرضاع ص ۱۱۳ ج ۲

[6] کتاب الرضاع، ص ۳۴۲، ج ۲، مجیدی، [7] مجیدی، ص ۳۲۱، ج ۲، [8] ص ۳۱۳، ج ۲، مصری، ج ۲، ص ۱۲۹ از نولکشور کتاب الرضاع،

فلا تحل له ان کانت صبیة لانه ابوها ولا لاخوته لانهم اعمامها ولا لابائه لانهم اجدادها ولا لاعمامه لانهم اعمام الاب ولا لاولاده وان کانوا من غیر المرضعة لانهم اخوتها لابیها ولا لابناء اولاده لان الصبیة عمتهم، نیز اسی فتح القدیر[1] میں ہے، لو ولدت للزوج فنزل لها لبن فارضعت به ثم جف لبنها ثم در لها فارضعت به صبیة فان لولد زوج المرضعة من غیرها التزوج بهذه الصبیة لان هذا لیس لبن الفحل لیکون هو ابا لها کما لو لم تلد من الزوج اصلا ونزل لها لبن فانه لا یثبت بارضاعها تحریم بین ابن زوجها ومن ارضعته لانها لیست بنته لان نسبته الیه بسبب الولادة منه فاذا انتفت النسبة فکان کلبن البکر، توجس طرح لبن بکر میں رضیعہ زوج مرضعہ کی بیٹی نہ ہوگی، اور اس کے بیٹے پر جو دوسری زوجہ سے ہے وہ رضیعہ حلال ہے ویسے ہی یہاں، یہ اسی صورت میں ہے کہ صرف لمس بشہوت کیا ہو، اور اگر واقع میں صرف اتنا ہی نہ ہو، بلکہ اسی سے اس عورت کو بچہ پیدا ہوا اور عورت نے یہ دودھ اس لڑکی زیب النساء کو پلایا ہو، اور جب ہندہ اس کی زوجہ نہیں تو اس امر کی تعیین کہ یہ بچہ اسی سے ہے اور دودھ اسی کا ہے، یوں ہوگی کہ وہ کسی کی منکوحہ نہ ہو اور اس کی حفاظت میں ہو، کیونکہ اگر کسی کی منکوحہ ہو تو بچہ شوہر ہی کا قرار دیا جائے گا نہ کہ زانی کا، حدیث میں فرمایا الولد للفراش وللعاھر الحجر[2]، اور اس کی حفاظت کی شرط اس لئے ہے کہ جب وہ عورت زانیہ ہے تو کیا اطمینان کہ دوسرے سے تعلق نہ ہوگا، فتح القدیر میں ہے، ولو ولدت[3] منه بنتا بان زنی ببکر وامسکها حتی ولدت بنتا حرمت علیه هذه البنت لانها بنته حقیقة وان لم ترثه ولم تجب نفقتها علیه ولم تقر امهتها امهات اولا لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الولد للفراش فان المراد به الولد الذی یترتب علیه احکام الشرع الا ان حکم الحرمة عارضته فیه قوله تعالیٰ حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم والمخلوقة من مائه بنته حقیقة لغة ولم یثبت نقل فی اسم البنت والولد شرعا وللاتفاق علی حرمة الابن من الزنا علی امه فعلنا ان حکم الحرمة مما اعتبر فیه جهة الحقیقة ثم هو الجاری علی المعهود من الاحتیاط فی امر الفروج، نیز بحر ومبسوط وغیرہما کتب فقہ میں یہ امساک مذکور، بلکہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منحۃ الخالق وردالمحتار[4] میں اس کے شرط ہونے کا افادہ فرمایا، وهذا نصه قال الحانوتی ولا یتصور کونها بنته من الزنا الا بذلك اذ لا یعلم کون الولد منه الا به اه ای لانه لو لم یمسکها یحتمل ان غیره زنی بها لعدم الفراش النافی لذلك الاحتمال، اسی کو خلاصہ میں اختیار کیا،

اور اگر صورت واقعہ یہ ہو کہ ہندہ کا دودھ زید سے تھا تو اب یہ رضیعہ زید کے بیٹے پر حرام ہے یا نہیں، اس میں دو روایتیں ہیں،

---

[1] ایضاً ص ۲۱۳، ج ۳، مصری، ج ۲، ص ۱۳۰، نولکشور، [2] متفق علیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا، مشکوٰۃ ص ۲۸۸، لڑکا بچھونے والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے، [3] ص ۱۲۶، ۱۲۷، الجزء الثالث مصری، ص ۲۰۰، ۲۱۹، ج ۲، نولکشور، باب المحرمات، [4] نمایۃ باب المحرمات، ص ۲۷۷، ج ۲،

ایک روایت یہ ہے کہ حرام ہے، محیط و خانیہ و ذخیرہ میں اسی کو احوط فرمایا، اور معراج الدرایہ سے اسی کا معتمد ہونا ظاہر، فتح القدیر[1] میں ہے ولبن الزنا کالحلال فاذا ارضعت بہ بنتا حرمت علی الزانی و اٰبائہ و ابنائہ و ابناء ابنائہم وان سفلوا، فتاویٰ خانیہ پھر عالمگیری میں ہے[2] رجل زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بہذا اللبن صبیۃ لایجوز لہذا الزانی ولا لاحد من اٰبائہ واولادہ نکاح ہذہ الصبیۃ، اجناس ناطفی پھر تجنیس پھر فتح القدیر[3] میں شیخ ابو عبد اللہ جرجانی سے ہے، لایجوز للزانی ان یتزوج بالصبیۃ المرضعۃ ولا لابیہ ولا لاجدادہ ولا لاحد من اولادہ و اولادہم، حاشیہ شلبیہ میں ہے، ذکر الکافی رحمہ اللہ تعالیٰ و تثبت الحرمۃ من اللبن النازل من الزنا و لبن الملاعنۃ فی حق الفحل عندنا اھ عنایہ[4] شرح ہدایہ میں ہے، ولیس حل الوطی فی الاحبال شرط الحرمۃ حتی لو زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بہذا اللبن صبیۃ کان لبن الفحل لایحل للزانی ہذا ان یتزوج بہذہ الصبیۃ ولا لابیہ ولا لابنہ ولا لابناء اولادہ لوجود البعضیۃ بین ہؤلاء وبین الزانی، بلکہ اگر زانی کا دودھ نہ ہو جب بھی رضیعہ زانی پر حرام ہے، فتح القدیر[5] میں خلاصہ سے ہے، وکذا الولد تحبل من الزنا وارضعت لابلبن الزانی تحرم علی الزانی کما تحرم بنتہا علیہ من النسب اس روایت خلاصہ سے صورت مسئول کا بھی حکم ظاہر کہ مزنیہ اور ممسوسہ دونوں کا ایک حکم ہے،

دوسری روایت یہ ہے کہ زانی کے اصول و فروع پر یہ رضیعہ حرام نہیں، امام اسبیجابی نے اسے ذکر فرمایا اور وبری و صاحب ینابیع و بدائع نے اسے اختیار فرمایا، اور امام ابن ہمام نے اسے اوجہ بتایا اور صاحب بحر نے اسے معتمد فی المذہب کہا اور صاحب درمختار نے اسی کو مرجح رکھا، اور قول اول کو بصیغہ تمریض ذکر کیا، تبیین الحقائق[6] میں ہے، ولو ولدت من الزنا فارضعت بہ صبیا فہو کالاول حتی تثبت الحرمۃ من جانب الرجل حتی لایجوز لہا ان تتزوج بہذا الولد ولا لابیہ ولا لابنہ ولا لابناء اولادہ لوجود البعضیۃ ولعم الزانی خالہ ان یتزوج کالمولود من الزنا ذکرہ فی المحیط و ذکر الوبری ان الحرمۃ تثبت من جہۃ الام خاصۃ مالم یثبت النسب فحینئذ تثبت من جہۃ الاب ایضا و مثلہ فی الاسبیجابی، شلبیہ میں ہے، ای والینابیع والبدائع اھ، جوہرہ نیرہ میں ہے، لو زنا رجل بامرأۃ فولدت منہ وارضعت صبیۃ بلبنہ تحرم علیہ ہذہ الصبیۃ وعلی اصولہ وفروعہ و ذکر الجندی خلاف ہذا فقال المرأۃ اذا ولدت من الزنا فنزل لہا لبن او نزل لہا لبن من غیر ولادۃ فارضعت بہ صبیا فان الرضاع یکون منہا خاصۃ لامن الزانی وکل من لم یثبت منہ النسب لایثبت منہ الرضاع وان وطی امرأۃ بشبہۃ فحملت منہ فارضعت صبیا فہو ابن الواطی من الرضاع وعلی ہذا کل من ثبت نسبہ من الواطی ثبت منہ الرضاع ومن لایثبت نسبہ منہ لایثبت منہ الرضاع ان عبارات سے

[1] ص ۳۱۳ و ۳۱۴، مصری ج ۳، نولکشور ص ۱۳۰، ج ۲، کتاب الرضاع۔ [2] عالمگیری مجیدی ص ۳۴۲، ج ۱، کتاب الرضاع۔ [3] مصری ۳، ص ۳۱۴، نولکشور ص ۱۳۰، ج ۲، کتاب الرضاع۔ [4] حاشیہ فتح القدیر ص ۳۱۴، ج ۳، مصری۔ [5] ایضا۔ [6] ص ۱۸۴، ج ۲، کتاب الرضاع۔

ظاہر کہ زانیہ نے جس لڑکی کو دودھ پلایا، اس کی رضاعت صرف جانب مرضعہ سے ثابت زانی کی جانب سرایت نہ کرے گی، لہذا زانی کے اصول وفروع پر حرام نہ ہوگی، اور پہلی روایت کی بنا پر زانی سے بھی رضاعت ثابت اور اس کے اصول وفروع پر بھی حرام،

رہا یہ امر کہ یہ لڑکی خود زانی پر حرام ہے یا نہیں، قہستانی نے اس کے بارے میں دو روایتیں نقل کیں اور وجہ عدم حرمت کو بتایا، اور علامہ شامی نے ان کی موافقت فرمائی، مگر تمام متون بلا خلاف مصرح کہ زنا ولمس ونظر بشہوت موجب حرمت مصاہرت ہیں، تبیین میں ہے، اصولہا وفروعہا کاصولہ وفروعہ فی حقہ وکذا العکس، اور بہت ممکن کہ علامہ قہستانی کو فہم روایت میں دھوکا ہوا ہو کہ روایت یہ تھی، کہ صرف مرضعہ کی جانب سے رضاعت ہے زانی سے نہیں اور سمجھے یہ کہ زانی پر حرام نہیں، وبینہما بون بعید، اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ متن کی عبارت یہ تھی واب وہلو زوج لبنہامنہ، اس کی شرح میں فرماتے ہیں، فیہ اشعار بان رجلا لوزنی بامرأۃ فولدت وارضعت صبیۃ جاز لہ ان یتزوجہا، متن کی عبارت کا تو صرف یہ مفہوم تھا کہ جس شوہر کا دودھ عورت کو ہے وہ شوہر رضیع کا باپ ہو جائے گا، ورنہ نہیں، اور ابوت کے انتفاء سے حرمت کا انتفاء لازم نہیں، ابھی کتب سے تصریح گذر چکی ہے کہ بکر کو دودھ اترا اور اس نے کسی بچہ کو پلایا تو رضاعت صرف ماں کی جانب سے ثابت ہوگی، مگر رضیعہ اس کے شوہر پر حرام ہے یا دودھ والی کو طلاق دی اور بعد عدت اس نے دوسرے سے نکاح کیا، اور وہی دودھ کسی بچہ کو پلایا تو ابوت صرف شوہر اول کے لئے ہے نہ ثانی کے لئے حالانکہ حرام دونوں پر ہے، اور یہ روایت خود قہستانی نے بھی ذکر کی، اس کے بعد نتیجہ یہ نکالتے ہیں، فالتحریم کما یکون من جہۃ المرأۃ یکون من جہۃ الزوج ویسمیہا الفقہاء لبن الفحل وہو مایکون نزولہ من جہتہ کما فی المحیط ویدخل النازل بالزنا فی رأی، اس آخر جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے مقابل کی دوسری روایت کہ لبن زنا لبن فحل نہیں، اس سے علامہ مذکور یہ سمجھے کہ رضیعہ زانی پر حلال ہے، دوسرا قرینہ یہ کہ اس روایت کے مقابل خلاصہ کی روایت ذکر کی، ذلکن فی الخلاصۃ انہ لم یجز، اور اس کے مقابل کی جو روایت ہے وہ یہی ہے کہ زانی کے اصول وفروع پر رضیعہ حرام نہیں، نہ یہ کہ زانی پر بھی حرام نہیں، تو صاف ظاہر ہوا کہ روایت خلاصہ کے مقابل والی روایت کو یہ سمجھے کہ زانی پر حرام نہیں، حالانکہ وہ روایت یہ تھی کہ رضاعت جانب زانی سے نہیں، درر میں ہے، ثم انتفاء ہذا القید یقتضی انتفاء الابوۃ لکن لایلزم منہ جواز نکاح الزوج للرضیعۃ بعد المفارقۃ بینہ وبین المرضعۃ الموطوءۃ لہ لان وطأ الامہات یحرم البنات ولوجہۃ الرضاع کما مر، یہ عبارت اس امر پر صراحۃً دال ہے کہ رضیعہ مرضعہ کے واطی پر حرام ہے اور دلیل سے روشن کہ وطی میں حلت وحرمت کی کوئی قید نہیں، اور قید ہوتی بھی کیوں، جب کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرت بالاتفاق ہے تو قید کے کیا معنی،

نیز علامہ حسن شرنبلالی نے مسئلہ کو صاف بیان فرمایا کہ اختلاف اس میں ہے کہ اصول وفروع زانی پر حرام ہے یا نہیں، رہا یہ امر کہ

زانی پرحرام ہونے میں اختلاف ہے، اس کا کوسوں پتہ نہیں، ھذا نصہ اما ان کان اللبن من زنا فقد اختلف فی اثبات الحرمة علی فروع الزانی واصوله والاوجه روایة عدم تحریمه لاروایة کما تقدم عبارة صاحب البحر من اطلاقه کلام الکمال الاوجهیة وقید استاذنا بما قلناه فی هامش نسخته من فتح القدیر وعلله بما یأتی الخ کلام الکمال اھ، ولذا قال العلامة صاحب البحر وانما قیدنا محل الخلاف باصول الزانی وفروعه لانها لا تحل للزانی اتفاقا لانها بنت المزنی لها وقدمنا ان فروع المزنی بها من الرضاع حرام علی الزانی اھ، واعترض علیه العلامة الشامی فی حاشیة منحة الخالق بان فی دعوی الاتفاق نظرا، ففی القهستانی ان فیه روایتین، (اقول) وقد علمت[1] ان القهستانی اخطأ فی فهم المسألة ومن این یکون فیه روایتان اذ الرضیعة لامحالة تکون بنت الزانیة رضاعا واتفق اصحاب المتون ان الزنا یوجب حرمة المصاهرة فقول القهستانی لایقبل وایضا تمسکہ بما فی الجوهرة لو زنی رجل بامرأة الخ وقد مر عبارته بتمامها ولا دلالة لهذه العبارة علی ان فی حرمة الرضیعة علی الزانی روایتین لان صاحب الجوهرة ذکر اولا ان الرضیعة تحرم علی الزانی واصوله وفروعه ثم بعد ذلک ذکر قول الجندی ان المرأة اذا ولدت من الزنا فنزل لها لبن او نزل لها من غیر ولادة فارضعت به صبیا فان الرضاع یکون منها خاصة لا من الزانی وکل من لم یثبت منه النسب لایثبت منه الرضاع اھ فهذا القول صریح فی ان الرضیعة لاتکون بنتا للزانی رضاعا لان الرضاع یکون من جانب المرأة خاصة ولایدل اصلا علی انها لاتحرم علی الزانی والایلزم ان البکر اذا نزل لها لبن فارضعت به صبیة فتحل تلک الصبیة علی زوجها مطلقا ولاقائل به احد قال فی الدر[2] ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والالاجوهرة اھ وقال العلامة الشامی لفظه فی حاشیته رد المحتار[3]، المراد بها التی لم تجامع قط بنکاح او سفاح وان کان العذرة غیر باقیة کان زالت بجودثبة حموی : الحرمة لاتتعدی الی زوجها حتی لو طلقها قبل الدخول له التزوج برضیعتها لان اللبن لیس منه قهستانی ط،

اما لو طلقها بعد الدخول فلیس له التزوج بالرضیعة لانها صارت من الربائب التی دخل بامها بحر عن الخانیة اھ فقول الجندی ان دل علی عدم حرمة الرضیعة علی الزانی یدل ایضا علی عدم حرمة الرضیعة البکر علی زوجها ولو طلقها بعد ان دخل بل ولم یطلقها لانه ذکر المسألتین فی سلک واحد وایضا یلزم ان المطلقة ذات لبن اذا تزوجت بزوج آخر وارضعت صبیة تکون هذه الرضیعة غیر محرمة علی زوجها الثانی ان النسب لم یثبت منه بل من الاول،

---

[1] هذا التعقب من صاحب الشریعة علی الشامی، [2] علی هامش الشامی ص ۴۰۸ ج ۲ کتاب الرضاع، [3] ایضا،

وبالجملة فكلام العلامة الشامي لا يخلو عن ابعد ثم تمسك على ما ادعاه بكلام الوبري وقال هو صريح في ذلك وهو الذي قال في الفتح انه الاوجه كما تقدم وعبارة الفتح هكذا وذكر الوبري ان الحرمة تثبت من جهة الام خاصة ما لم يثبت النسب فحينئذ يثبت من الاب وكذا ذكره الاسبيجابي وصاحب الينابيع وهو اوجه لان الحرمة من الزاني انما الخ ما تقدم فهذا صريح في ان الحرمة لا تثبت من جهة الزاني لانه لم يثبت النسب منه اھ وانت تعلم ان كلام الوبري لا يدل على ان الرضيعة لا تحرم على الزاني لا صراحة ولا دلالة بل مقصوده ان الحرمة لا تثبت من جهة الرجل الا اذا يثبت النسب منه وهذه لما يثبت نسبًا منه فلم يثبت الحرمة من جهته اما كون الرضيعة محرمة على الرجل فلا يتوقف على ثبوت الحرمة من جهة الرجل لا على ثبوت النسب الا ترى ان رضيعة لبن البكر لم يثبت نسبها من الزوج مع انها تحرم على الزوج فمعنى الحرمة من جهة الرجل انها تحرم على اصوله وفروعه ايضًا اما الحرمة على الرجل فشيء آخر لا تعلق لكلام الوبري بهذا لا نفيا ولا اثباتا ثم بين وجه تمسكه بكلام الوبري بقوله ولهذا قال في الفتح رادا على كلام الخلاصة الآتي واذا ترجح عدم حرمة الرضيعة بلبن الزاني على الزاني كما ذكرنا فعدم حرمتها على من ليس اللبن منه اولى اھ فهذا صريح في ان كلام الوبري وغيره في عدم ثبوت الحرمة على الزاني نفسه فيلزم منه بالاولى عدم ثبوت الحرمة على اصوله وفروعه اھ ولا يخفى عليك[۱] ان هذا لا مساس له بما ادعاه فان معناه ان الرضيعة لا تحرم على الزاني بسبب اللبن واذا لم يكن هذه محرمته بسبب اللبن مع كونه ناشئا من الزاني فاذا لم يكن اللبن منه فعدم حرمتها عليه من هذه الجهة اولى، فالحاصل ان هذه الحرمة ليست من جهة اللبن واما نفس الحرمة فليس في كلامه شيء يدل على نفيه وكيف يثبت عدم الحرمة مع كونها بنت موطوءة وهي تحرم عليه بالاتفاق عند الحنفية، والله تعالى اعلم،

مسئلہ :- مرسلہ حافظ نہال احمد صاحب، از آبو روڈ کھراڑی، اندرون جامع مسجد، ۱۴؍ جمادی الآخرہ ۱۳۴۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ ہوگئی، جس کو آج عرصہ اٹھارہ روز ہو رہا ہے اور اس عورت نے بالکل سوگ نہیں کیا اور نہ عدت میں بیٹھی اور تیسرے دن شوہر کے مرنے سے گھر سے نکل گئی۔ بلکہ اس کی ساس نے تکرار کر کے نکال دیا اور عورت مذکورہ کو کل ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ نکاح ہوا تھا، اب اس کے پاس کچھ کھانے کو نہیں ہے اور نہ کپڑا وغیرہ کچھ ہے دوسرے غیر محرم شخص کے گھر پر رہتی ہے وہی کھانا کپڑا دیتا ہے، اب اس شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے، آیا اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح نہیں ہو سکتا، اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہولے کے بعد، ورنہ چار مہینے دس دن گذرنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے، اس سے قبل نکاح نہ ہوگا، وھو تعالیٰ اعلم،[۱]

(حاشیہ ص۵۳ پر)

[۱] دو لفظ کرم خوردہ ہیں۔

مسئلہ: مرسلہ جناب محمد حسن شاہ از موضع قادر پور، ریاست بہاول پور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی امام بخش کا نکاح حالت صغر میں زینب بالغہ کے ساتھ کر دیا گیا، اسی حالت میں اللہ بخش نے امام بخش کو دوسرا بار دو مساۃ جندن کا دے کے راضی کرایا، اللہ بخش نے اپنا نکاح زینب کے ساتھ کر لیا، اگرچہ یہ طلاق و نکاح ناجائز تھا، وہی امام بخش اللہ بخش و زینب کو دیکھتا رہا، حتی کہ بالغ ہوا، اس لئے کہ سب ایک ہی گھر میں تھے، امام بخش کو پہلے ہی راضی کر لیا تھا، اب بھی راضی ہے، کیا اللہ بخش کا نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: امام بخش کا نکاح اگر اس کے ولی نے کیا تھا تو جب تک بالغ ہو کر طلاق نہ دے دوسرے شخص کا زینب سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ: والمحصنٰت من النساء۔ اور اللہ بخش کا فرضی نکاح کرنا اور عورت کو اپنے پاس رکھنا اور امام بخش کا منع نہ کرنا، اس اللہ بخش کے نکاح کو جائز نہ کرے گا، فرض ہے کہ اللہ بخش فوراً اس عورت کو علیحدہ کر دے اور امام بخش پر فرض ہے کہ اپنی عورت کو اللہ بخش سے جدا کرنے کی پوری کوشش کرے، ورنہ دیوث ہے، اور اگر امام بخش عورت کو نہ رکھنا چاہے تو طلاق دیدے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(حاشیہ ص ۵۲ کا) ؎ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کی عادت کریمہ تھی، کہ اگر کسی مسئلے کا جواب کارڈ پر لکھتے تو بجائے، واللہ تعالیٰ اعلم، کے وھو تعالیٰ اعلم لکھتے، یہی طریقہ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ اس لئے کہ کارڈ کھلا ہوتا ہے، پاک ناپاک مسلمان کافر سب کے ہاتھوں میں جاتا ہے، مہر کرتے وقت ڈاکخانے والے زمین پر پھینک دیتے ہیں، اسم جلالت کے ساتھ غایت تعظیم کی بنا پر اور بے ادبی سے بچانے کے لئے کارڈ پر اسم جلالت تحریر نہیں فرماتے، اس مسئلہ کے آخر میں بھی "وھو تعالیٰ اعلم" لکھا ہوا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سوال کارڈ ہی پر آیا تھا، اور جواب کارڈ ہی پر لکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ اصل مقصود کا جواب دیا گیا، اور دوسری ضروری باتیں جن کو جواب میں ہونا چاہئے تھا کارڈ میں جگہ تنگی کی وجہ سے نہیں تحریر فرمائی، مثلاً یہ کہ عورت پر واجب ہے کہ عدت وفات شوہر کے گھر گذارے اور یہ دوسرے شخص کے گھر گذار رہی ہے، لیکن سوال ہی میں تصریح ہے کہ اس کی سوتن نے جھگڑا کر کے نکال دیا، ایسی صورت میں یہ عورت مجبور تھی، اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑنے پر گنہگار نہ ہوگی، در مختار میں ہے، حتی لو کان نصیبہا منہ لا یکفیہا اخرجت، کالمطلقۃ فلا یحل لہا الخروج، وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا تخرجان منہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ (ص ۲۲۲/۲، حاشیہ شامی، مطبوعہ باب العدۃ) دوسری بات یہ کہ اپنے شوہر کے گھر سے جب وہ نکالی گئی تھی، تو اگر میسر آتا اور کوئی شرعی ممانعت نہ ہوتا، تو اس پر واجب تھا کہ شوہر کے گھر سے قریب تر رہے، وہ ایک غیر محرم کے یہاں رہ رہی ہے، اگر یہ دونوں تنہائی میں اکٹھا رہتے ہیں، بے پردہ ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں، تو دونوں گنہگار، اس عورت پر واجب ہے کہ اگر شوہر کے گھر کے قریب رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو تو وہ اپنے محارم کے یہاں رہے یا کرایہ پر کوئی مکان لے لے، اور کوشش یہ کرے کہ کرایہ کا مکان شوہر کے گھر کے قریب سے قریب تر ملے، بلکہ اگر شوہر کے مکان کے قریب کوئی مکان کرایہ کا مل جائے اور وہ کرایہ دینے پر قادر ہو، اور کوئی شرعی نقص واقع نہ ہو تو، اسی کرایہ کے مکان میں رہے، محارم کے یہاں بھی نہ رہے، جب کوئی چارہ کار نہ ہو تو محارم کے یہاں رہنے کی

(بقیہ حاشیہ ص ۵۴ پر)

مسئلہ ۱۔ مسئولہ چھٹن ساکن بریلی محلہ حسین باغ ۱۵ صفر ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ کلن ولد چھٹن کا نکاح مسمیٰ حسام الدین کی دختر سے ہوا، رخصت سے پیشتر حسام الدین کے بھتیجے عبداللہ اور چھٹن کے بھتیجے حفیظ اللہ سے جھگڑا ہوا اور مقدمہ فوجداری کا چلا، اس رنجش کی وجہ سے حسام الدین نے رخصت نہیں کی اور اپنی دختر کو اپنے مکان پر روک لیا، چھٹن چند بار برادری وغیرہ برادری کے آدمیوں کو لے کر حسام الدین کے مکان پر گئے کہ لڑکی رخصت کر دی جائے، لیکن حسام الدین نے جانے والوں کو گالیاں دیں، مجبوراً حسام الدین کو نوٹس دیا کہ شاید اس خوف سے رخصت کر دے لیکن کچھ خیال نہ کیا، کلن نے مجبور النفس کی خاطر عدت کے اندر اپنی بھاوج سے نکاح کر لیا، ایسا نکاح بموجب شرع شریف جائز ہے یا ناجائز؟ اور وکیل و گواہ کا اور شرکا جلسہ کا اس میں کچھ قصور ہے یا نہیں، اگر ہے تو یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں؟

الجواب ۔ نکاح تو نکاح عدت[1] کے اندر صراحۃً پیغام دینا اور نکاح کی بات چیت کرنا بھی حرام ہے، عدت کے اندر نکاح نہیں ہو سکتا، کلن پر فرض ہے کہ فوراً فوراً عورت کو علٰحدہ کر دے، عدت گذرنے پر وہ عورت جس سے چاہے نکاح کرے اور جن لوگوں کو معلوم تھا کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، اور اس نکاح میں شریک ہوئے ان سب پر توبہ فرض ہے اور ان لوگوں کو چاہئے[2] کہ اپنی عورتوں سے پھر نکاح کریں، اور جب تک یہ لوگ ایسا نہ کریں برادری سے خارج کر دیئے جائیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳ کا) اجازت ہے، رہ گیا یہ کہ یہ گذر بسر کیسے کرے، جب کہ اس کو وسعت نہ ہو، اور کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو، ایسی صورت میں یہ کام کرنے کے لئے دن دن میں باہر جا سکتی ہے، اگر یہ ضروری ہے کہ رات عدت والے مکان میں بسر کرے، اسی میں عبارت مذکورہ بالا کے اوپر ہے، ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلہا، بلکہ اگر ضرورت ہو، تو رات کا بھی کچھ حصہ دوسری جگہ گذار سکتی ہے، یہ ضروری ہے کہ رات کا اکثر حصہ اس گھر میں گذارے، سوال میں لکھا ہے کہ اس نے سوگ نہیں منایا، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے گھر میں نہ رہ سکی، تو اس کا جواب گذر چکا، اور اگر سائل کی مراد یہ ہے کہ اس نے زینت کو نہیں چھوڑا، تو وہ ضرور گنہگار ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] عورت خواہ عدت وفات میں ہو یا عدت طلاق میں اس سے نکاح مطلقاً حرام قطعی ہے، قرآن مجید میں ہے، ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ، اور نکاح کی گرہ پکی مت کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے، شامی میں ہے، ونکاح المعتدۃ لا یصح، ص ۲۹۱، ج ۲، ہاں جس شخص نے طلاق دی ہے اور یہ طلاق بائن غیر مغلظہ ہو تو عدت میں طلاق دینے والا شخص نکاح کر سکتا ہے، اور اگر طلاق رجعی ہو تو رجعت کر سکتا ہے، یوں ہی عدت میں نکاح کا پیغام دینا صراحۃً حرام قطعی ہے، اور اگر یہ عدت طلاق ہو تو اشارۃً وکنایۃً بھی نکاح کا پیغام دینا منع ہے، ہاں اگر عدت وفات ہو، تو اشارۃً نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے، درمختار میں ہے، تحرم خطبتہا وصح تعریض لو معتدۃ الوفاۃ لا المطلقۃ اجماعاً لافضائہ الی عداوۃ المطلق، ص ۶۱۹، ج ۲، علی ہامش شامی، نیز اسے فصل فی الحداد، آیۂ کریمہ، ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم، اور تم پر گناہ نہیں، اس بات میں کہ تم پردہ رکھ کر ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اپنے جی میں چھپا رکھو، سے مراد بعدت وفات گذارنے والی عورتیں ہیں، جس پر

(بقیہ حاشیہ ص ۵۵ پر)

مسئلہ: مرسلہ قاضی طیب علی از لاڈنون مارواڑ، ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ،

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو طلاق نہیں دی، اور اس عورت نے عمرو سے بغیر طلاق کے نکاح کیا اور زید نے پچیس سال تک اس عورت کو لانے کا ارادہ نہیں کیا اور نہ طلاق دی اور نہ دعویٰ کیا، اب پچیس سال کے بعد زید اس عورت کو لانا چاہتا ہے اور عمرو زندہ ہے اور عمرو نے طلاق بھی نہیں دی اور نہ عمرو اس کو ایک مدت سے نان ونفقہ دیتا ہے آیا زید اس کو کسی طرح سے واپس لاسکتا ہے یا نہیں، (ب) حمل والی عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں، حمل زنا سے ہو یا حلال سے، (ج) حیض ونفاس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) اگر واقعی زید نے طلاق نہیں دی تو وہ بدستور زید کی زوجہ ہے، اور عمرو سے نکاح ہوا ہی نہیں، سفاح وزنائے خالص ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، زید اس عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور جب عمرو سے نکاح ہی نہ ہو تو اس کے طلاق دینے کا کیا محل کہ طلاق کی حاجت ہو، (ب) جس عورت کو زنا کا حمل ہے اس سے نکاح ہوسکتا ہے پھر اگر وہ حمل اس ناکح کا ہے، تو وطی بھی جائز، ورنہ جب تک وضع حمل نہ ہو وطی ودواعی وطی حرام اور اگر حمل زنا کا نہ ہو تو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا، جب تک بچہ پیدا نہ ہولے، درر شرح غرر میں ہے، وصح نکاح حبلیٰ من الزنا لدخولها تحت قوله تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم ولکن لا توطأ قبل وضعها لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ لا لاحترام ماء الزانی هذا اذا کان الناکح غیر الزانی واما اذا کان ذالک فالنکاح صحیح عند الکل وتستحق النفقة عند الکل ویحل له وطؤها عند الکل کذا فی النهایة. درمختار میں ہے[۱]، وصح نکاح حبلیٰ من زنا لا حبلیٰ من غیرہ وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع، نیز اسی میں ہے[۲]، لو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقاً، (ج) حیض یا نفاس میں نکاح صحیح ہے مگر جب تک پاک نہ ہولے جماع حرام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص کا نکاح ایک بیوہ عورت سے ہوا تھا اس عورت کا ایک لڑکا اگلے مرد سے ہے اور اب جس مرد سے نکاح کیا، اس مرد کی پہلی عورت سے ایک لڑکی ہے اب دونوں لڑکے لڑکی کا باہم نکاح کرنا چاہتے ہیں تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ان دونوں کا باہم نکاح ہوسکتا ہے کہ دونوں کا نہ ایک باپ ہے نہ ایک ماں، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵۴ کا) اس کے پہلے والی آیۃ قرینہ ہے، [۳] یہاں دو احتمال ہے ایک یہ کہ ان لوگوں نے اس نکاح کو جائز جانا اور جائز جان کر شریک ہوئے، یہ کفر ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لوگ اس نکاح کو حرام جانتے تھے، حرام جانتے ہوئے شریک ہوئے جیسے ہر مسلمان شرابی جانتا ہے کہ شراب حرام ہے پھر بھی پیتا ہے یہ فسق، گناہ ہوا کفر نہیں اور جب کسی قول وفعل میں دو احتمال ہوں اور قائل یا فاعل کی نیت معلوم نہ ہو تو احتیاطاً توبہ وتجدید ایمان ونکاح کا حکم ہے، عالمگیری میں ہے، ما کان فی کونه کفرا اختلاف فان قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذالک بطریق الاحتیاط، ص ۲۸۹، ج ۲، باب احکام المرتدین [۴] یہ حکم اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ کم از کم بدترین فاسق ہیں اور زنا کے دلال، واللہ اعلم،

[۱] ص ۲۹۱، ج ۲، [۲] ایضاً، [۳] ص ۲۹۲، ج ۲، علی هامش الشامی نعمانیہ،

مسئلہ: مسئولہ احمد مبین، بانس بریلی، مورخہ ۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر جس کا پیشتر علم نہ تھا کہ آیا یہ سنی ہے یا وہابی بدعقیدہ اس کا عقیدہ واعتقاد کھلا کہ وہ سراسر وہابیہ فرقہ کا ہے، چنانچہ بسا اوقات اس کے ایسے خیالات و ان ظہور میں آئے جس کا ذکر کرتا ہوں، وہ فرقۂ کا ندھویہ میں شریک اور وہ ایڈیٹر بن چکا ہے، جعفر خاں صاحب کے صاحبزادوں سے زیادہ ربط ضبط ہے، حضور اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی شان عالی میں بارہا ناشائستہ الفاظ کہتے ہیں، اس کی جو باتیں ہوتی ہے وہ اہل سنت وجماعت کے خلاف اور وہابیہ کے مطابق وموافق اب عرصہ ایک سال سے ہندہ اپنے میکے کسی وجہ سے آگئی ہے، اس اثنا میں ہندہ کا زوج کئی مرتبہ رخصتی کے لئے آیا اس کے والدین نے اس سے کہا کہ تم وہابی خیال وفرقہ کے ہو ہم تمہارے یہاں اپنی لڑکی نہیں بھیجیں گے، پس زید نے مجبور ہو کر عدالت میں دعویٰ پیش کیا کہ فلاں شخص جو فی الحقیقت ہندہ کا خالہ زاد بھائی ہے، بغرض زناکاری بھگا کر لے گیا ہے، زید عدالت سے بھی ناکام ونامراد رہا، اب جب کوئی اسے پوچھتا ہے کہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا تصفیہ ہو گیا یا نہیں تو جواب میں کہتا ہے کہ وہ بدکار ہے میرے مطلب کی نہیں ہے، میں نے اس سے قطع تعلق کر لیا، مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں، اب ایسی صورت میں ہندہ زید کی زوجیت میں ہے یا نکاح ساقط ہو گیا، اگر اس کی زوجیت میں ہے تو اس وہابیہ کے ساتھ کیا معاملہ ومصالحہ کرنا چاہئے اور اگر نکاح باطل ہو گیا تو ہندہ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر واقع میں وہ شخص وہابی ہے، وہابیہ کے کفریہ عقائد رکھتا ہے یا کبرائے وہابیہ جن کو علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق کافر ومرتد کہا، ان کے اقوال کفریہ پر مطلع ہو کر انھیں اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان جانتا ہے، تو یہ شخص بھی کافر مرتد ہے، اور مرتد کا نکاح نہیں ہو سکتا، فتاوی عالمگیری میں ہے، منہا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح لا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ وبحرم ذبیحتہ، اور اس صورت میں عورت نکاح کر سکتی ہے اور اگر وہ وہابی نہ ہوتا تو اس کا یہ لفظ کہ "وہ بدکار ہے میرے مطلب کی نہیں، میں نے اس سے قطع تعلق کر لیا، الفاظ طلاق کنایہ سے ہے، اگر مذاکرہ طلاق کے وقت کہے یا طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہو گئی بعد عدت عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ جان محمد رضوی، ہوڑہ بابو تلاب، ۱۵ر رجب ۱۳۴۱ھ۔

ایک مسلمان شخص ایک کافرہ عورت قوم ہندوانی جس کا شوہر مر گیا تھا، اس سے آشنائی کی مدتوں اس کے ساتھ رہا، جس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ زنا بھی کرتا ہوگا، اور اکثر یہاں آشنائی اسی قسم کی ہوتی ہے، بخوشی وہ عورت دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کی اور شخص مذکور نے اسے اپنے نکاح میں لایا، اب وہ عورت اس کے لئے حلال ہوئی یا نہیں اور مسلمان اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھا سکتا ہے یا نہیں، کفارہ وغیرہ بھی دینا

ہوگا یا کیا۔ خلاصہ ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب اس عورت سے ناجائز تعلق تھا، اس وقت پوچھنا چاہئے تھا کہ اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور اب کہ وہ عورت بھی مسلمان ہوگئی، اس مرد نے اس سے نکاح بھی کر لیا اب کیا گناہ ہے جو ترک تعلق کا حکم دیا جائے، ہاں اگر واقعی مرد نے اس سے زنا کیا ہو تو توبہ کرے اللہ عزوجل غفور الرحیم ہے اور کفارہ کچھ لازم نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ مولوی شرف الدین اشرف متعلم مدرسہ منظر اسلام، بریلی، ۱۲ر شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرد رافضی اور عورت سنی المذہب مرد اس عورت سے عقد کرنے کا قصد کرتا ہے تو ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تین بھائی ہیں دو بھائی کے پاس ایک ایک لڑکی ہے اور تیسرے کے پاس ایک لڑکا ہے، پہلے ایک لڑکی کے ساتھ اس لڑکے کا عقد کیا گیا اور وہ عورت زندہ ہے۔ ایک مہینہ کے بعد دوسری لڑکی کے ساتھ اس لڑکے کا عقد پھر کیا گیا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ (۱) روافض زمانہ بوجوہ کثیرہ کافر مرتد ہیں، سنیہ سے ہرگز کسی رافضی کا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کیا جائے گا، باطل محض و زنائے خالص ہوگا، فتاوی عالمگیری میں ہے، منہا ما هو باطل بالاتفاق نحو النكاح لا يجوز له ان يتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمية لا حرة ولا مملوكة، اگر تفصیل دیکھنی ہو تو "رد الرفضة" کا مطالعہ کیا جائے۔

(۲) اس لڑکے کا نکاح دوسرے چچا کی لڑکی سے بھی ہو سکتا ہے، اور یہ جمع بین الاختین نہیں کہ ان دونوں میں نہ باپ کی شرکت ہے، نہ ماں کی، عالمگیریہ[۱] میں ہے، والاصل ان كل امرأتين لو صورنا احداهما من اى جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع او نسب لم يجز الجمع بينهما كذا في المحيط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ نذیر احمد خاں محلہ تالاب احمد علی خاں، بریلی، ۳۰ر شعبان ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا بنام منگل بعمر اٹھارہ سال تھا اور لڑکی بعمر گیارہ سال بنام بندہ۔ دونوں کا نکاح بولایت والدہ بندہ شادی ہوگئی، بوجہ افلاس و پریشانی پرورش نہایت تکلیف تھی، شادی ہو جانے کے بعد منگل پردیس چلا گیا، خط و کتابت وغیرہ سے کبھی یاد نہ کیا، بلکہ منگل کے والد و والدہ ڈھونڈ کر بیٹھ گئے، جس کو ساڑھے تین برس کا زمانہ گذر گیا، بعد کو مجبور و لاچار ہو کر بوجہ افلاس لڑکی بندہ کا دوسرا نکاح اس کی والدہ نے بنام ولایت سے اس کے سوتیلے والد نے اپنی ولایت سے کر دیا، سات ماہ کی مدت گذر جانے

---

[۱] عالمگیری میں ہے، احکامهم احکام المرتدین، ص ۲۶۳، ج ۲، مجیدی باب احکام المرتدین ص ۴، ج ۲ مجیدی باب المحرمات، القسم الرابع، المحرمات بالجمع۔

کے بعد منگل پردیس سے واپس آیا، جب اس کو معلوم ہوا کہ ہماری بیوی کا نکاح دوسری جگہ پر ہوگیا ہے تو اس نے اس کو طلاق دیدی، اس صورت میں دوسرا نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر بندہ کے عصبات میں کوئی بالغ نہ ہو، جیسا کہ بیان سائل سے یہی معلوم ہوا تو ولایت نکاح ماں کو ہے اور ماں کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے، درمختار میں[1] ہے، فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام، اور اس لڑکی کا دوسرا نکاح باطل محض حرام ہوا، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، کہ شوہر والی عورت کا دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا، پھر اگر واقع میں منگل نے طلاق دیدی ہے تو اب دوسرا نکاح ہوسکتا ہے اور اگر طلاق نہیں دی ہے تو وہ منگل کی زوجہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ چھوٹے شاہ، محلہ کنگھر بریلی، ۹ر شوال ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک عورت کو نکاح میں لایا، جس کے ہمراہ ایک لڑکی ہے، بعدہ زید کے ایک لڑکی عورت منکوحہ سے پیدا ہوئی، زید نے اس لڑکی کا نکاح اپنے نواسے سے جو زید کی بھتیجی کا لڑکا تھا، کر دیا، اب نواسہ مذکورہ کا والد اس لڑکی سے جو زید کی منکوحہ عورت کے ہمراہ آئی تھی نکاح کرنا چاہتا ہے، اب ان نکاحوں کا جواز ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب: جب کہ وہ حقیقی نواسہ نہیں ہے تو اس کا بھی نکاح اس لڑکی سے جائز ہے اور اس لڑکی کی بہن سے لڑکے کے باپ کا نکاح بھی ہوسکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ علی بخش ساکن نیا گاؤں، ضلع رامپور، ۱۳ر شوال ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر چند اشخاص باتفاق از روئے حیلہ و دروغ کسی ایسی عورت کا جو دوسرے کے نکاح میں آگئی ہو، اور اس کی طلاق وعدت نہ ہوئی ہو کسی اور شخص کے ساتھ یہ کہہ کر کہ طلاق وعدت ہوچکی ہے نکاح پڑھوادیں تو ایسے لوگ کس درجہ میں داخل ہیں، آیا ان کے ساتھ میل جول رکھنا اور ان کے تقاریب میں شریک ہونا کیسا ہے، جو شخص ایسے لوگوں سے اوپر والی بات کی وجہ سے نہ ملنا چاہے تو طرح طرح کے فتنہ اور فساد اٹھاتے ہیں اور تنگ کرتے ہیں، علماء منع کرتے ہیں تو نہیں مانتے اور اہل ہنود سے ملتے ہیں، بینوا توجروا،

الجواب: جس عورت کا شوہر زندہ ہے اور طلاق نہیں ہوئی ہے، اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے، والمحصنٰت من النساء، یہ لوگ سخت حرام کے مرتکب ہوئے اور اگر اس حرام کو حلال بنانا چاہا تو کفر ہے، ان لوگوں پر توبہ لازم اور احوط یہ کہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کریں اور ان سے میل جول اور ان کی تقریبوں میں شرکت نہ کی جائے، جب تک توبہ نہ کرلیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

---

[1] ص ۳۱۲، ج ۲، علی ہامش شامی نعمانیہ، باب الولی،

مسئلہ : مسئولہ عزیز اللہ ساکن شہر کہنہ بریلی، ۷ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا اور وہ لڑکی دوسرے خاوند سے تھی، اب اس کی اولاد ہے اور اولاد اس کی برادری سے ملنا چاہتی ہے اور برادری کا کھانا کرنا چاہتی ہے، اس کی اولاد کو برادری میں شامل کر لینا اور اس کا کھانا چاہئے یا نہیں اور زید برادری سے بند ہے، زید کو برادری میں شامل نہیں کیا جائے گا، اور زید کی اولاد اپنے ماں باپ سے علحدہ ہے، اس صورت میں زید کی اولاد کو شامل کر لینا اور اس کا کھانا کھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب : زید کی اولاد کو برادری میں شامل کر لیں کہ اولاد پر الزام نہیں، جو کچھ الزام ہے وہ زید پر ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے، لاتزر وازرۃ وزر اخری، حدیث میں فرمایا، انہ لا یجنی علیک ولا تجنی علیہ، اگر اولاد زید کھانا کھلانا چاہے تو اس کے یہاں اہل برادری کھا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ : مرسلہ محمد یونس ساکن ضلع فیض آباد، ڈاکخانہ قصبہ اکبرپور، محلہ عبداللہ پور، ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سوتیلی خالہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں، یعنی پہلی بیوی سے لڑکا ہے اور دوسری بیوی کی بہن تو ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) لڑکے کی سالی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں۔ خلوت صحیحہ ابھی تک نہیں ہوئی ہے،؟

الجواب : (۱) سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے، (۲) لڑکے کی سالی سے بھی نکاح جائز، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذلکم، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ : اگر فرزند کی زوجہ پر دست اندازی واسطے وصل کے کرے تو شوہر کے باپ پر کیا جرم شرعی ثابت ہے؟

الجواب : لڑکے کی زوجہ کو اگر شہوت کے ساتھ چھوا تو وہ عورت اب لڑکے پر بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی، فتاویٰ عالمگیری[1] میں ہے، تحرم المزنی بہا علی اٰباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا کذا فی فتح القدیر وکما تثبت ھذہ الحرمۃ بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشھوۃ کذا فی الذخیرۃ، اور باپ کا یہ فعل حرام ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ : مسئولہ کفایت حسین ساکن صالح نگر بریلی، ۷ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کو عرصہ تین برس سے اس کے شوہر کے گھر جانے سے روک لیا ہے، اس نے اپنی زوجہ کے لئے بہت کوشش کی یہاں تک کہ اس نے زید کے محلہ والوں کو اکٹھا کیا، لیکن زید نے کسی کا کہنا نہ مانا اب عرصہ

---

[1] ص ۲۷۴، ج ۲، باب المحرمات بالصھریۃ، مجیدی،

چھ ماہ سے زید کے گھر ایک غیر محرم رہتا ہے، زید سے اگر کوئی دریافت کرتا ہے کہ یہ کیوں ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ اپنی دختر کا نکاح کر دیا ہی اور کسی سے کہتا ہے کہ اس کو اپنا بیٹا بنایا ہے، اہل محلہ نے اس کی کوشش کی کہ اس شخص کے رکھنے سے باز آجائے، مگر نہ مانا، لہٰذا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ زید کی وہ دختر جب ایک شخص کی منکوحہ ہے تو دوسرے سے اس کا نکاح نہیں کر سکتا، قال اللہ تعالیٰ والمحصنت من النساء، اور اگر اس شخص کو متبنیٰ کر لیا ہے، جب بھی اس سے پردہ شرعی شرعاً لازم ہے کہ متبنیٰ کر لینے سے بیٹا نہ ہوا، قال تعالیٰ ما جعل ادعیاکم ابناء کم، زید کی بیوی اور بیٹی اس کے سامنے اس طرح نہیں ہو سکتیں کہ سر کا بال یا کان یا کلائی وغیرہا کھلے ہوں، زید پر لازم ہے کہ اس طرح بے پردہ اس کے سامنے ہونے سے اپنی عورتوں کو منع کرے، اگر منع نہ کرے اور راضی ہے تو دیوث ہے اور فاسق، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مسئولہ بہار شاہ ساکن ہری پور تھانہ حافظ گنج، ضلع بریلی، ۱۲ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ،

علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت کو چند شخص ایک قصبہ سے رات میں جاکر لائے اور اس کا نکاح بلا طلاق ایک شخص سے فوراً ہی کر دیا، اس کا سابق خاوند چند یوم کے بعد آیا اب اس عورت کو طلاق ہوئی، علاوہ ازیں وہ عورت حاملہ بھی ہے اور بسبب مالداری اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا، جس کو عرصہ تین یا چار ماہ کا ہوا، جس جگہ سے وہ عورت آئی ہے وہاں کے اہل اسلام اور قرب وجوار کے اہل اسلام اعتراض کرتے ہیں؟

الجواب:۔ وہ نکاح کہ قبل طلاق کر دیا باطل محض ہے جن لوگوں کو اس کی اطلاع تھی کہ وہ شوہر والی عورت ہے اور اس نکاح میں شریک ہوئے اس کے وکیل یا گواہ ہوئے یا نکاح پڑھایا سب نہایت سخت فساق و فجار ہیں، توبہ کریں اور اپنی اپنی عورتوں سے پھر اپنا نکاح کریں کہ حرام کو حلال جانا، قال اللہ تعالیٰ والمحصنت من النساء، جب تک یہ لوگ توبہ نہ کریں، مسلمان ان سے میل جول چھوڑ دیں، اور جب عورت کے شوہر نے اسے طلاق دیدی تو بعد عدت یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، جب تک بچہ پیدا نہ ہولے، نکاح نہیں ہو سکتا، قال اللہ تعالیٰ، واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مسئولہ محمد بشیر ساکن چریلی، ضلع بریلی، ۳ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنا زندہ شوہر چھوڑ کر دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کر لیا، لہٰذا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں، اس عورت کا نکاح اگر جائز نہ ہو تو اس کا مہر یا کوئی جھگڑا کسی جائداد پر کرے تو جائز ہے یا نہیں، ۔

الجواب:۔ یہ نکاح کہ دوسرے شوہر سے ہوا، باطل محض ہے، اور جب تک اس کے ساتھ رہی زنا ہوا، رد المحتار میں[1] ہے اما نکاح

[1] ص ۳۵۰، ج ۲، نعمانیہ، مطلب نکاح الفاسد، باب المہر۔

منکوحۃ الغیر او معتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً،
عالمگیری میں ہے، لایجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ، اور اس صورت میں مہر بھی نہیں پا سکتی کہ یہ باطل ہے فاسد نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ، مسئولہ چھوٹے ساکن موضع شیوپوری تحصیل فرید پور ضلع بریلی ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی جوان لڑکی جس کی عمر تقریباً انیس سال کی ہوگی، اس لڑکی کے والد نے کہیں اس کا نکاح نہیں کیا، اس وجہ سے کہ اس لڑکی سے رنڈی پیشہ کراتا تھا، اس لڑکی کو حمل رہ گیا، اس لڑکی نے اپنے والد سے کہا، مجھ کو میری بڑی ہمشیرہ کے یہاں لے چلو، اس لڑکی نے اپنے والد کو ساتھ لیا اور اپنی ہمشیرہ کے یہاں گئی اور بہنوئی سے کہا، میرا ایمان تم بچالو، میرا والد مجھ سے رنڈی پیشہ کراتا ہے، مارے غیرت میں مری جاتی ہوں، اس کے بہنوئی نے کہا میں تجھ کو نہیں رکھ سکتا، اس پر لڑکی نے کہا، خدا اور رسول کے واسطے میرا ایمان بچاؤ، اس کو بہنوئی نے رکھ لیا اور اس بہنوئی کے مکان پر لڑکا پیدا ہوا، اس لڑکی کا اس سے نکاح کس طرح جائز ہے اور دوسری جگہ لڑکی جانا نہیں چاہتی اور اس کے والد کو کیا سزا دینی چاہیے؟

الجواب، جب تک اس کی بہن اس کے بہنوئی کے نکاح میں ہے، اس سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے، وان تجمعوا بین الاختین، اور لڑکی کا باپ دیوث ہے اس کو برادری سے بند کر دیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ، مرسلہ مولوی معین الدین احمد صاحب، مدرسہ لطیفیہ مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد، ۱۹ رجمادی الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ دو شخص زید و عمرو آپس میں باپ بیٹے ہیں، جو دو حقیقی بہنوں ہندہ و بکر سے عقد کرنا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں یہ عقد ان جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب، اگر فقط اتنی بات ہے کہ دونوں بہنوں میں ایک زید کے نکاح میں آئے گی اور ایک عمرو کے اور کوئی دوسری وجہ نہ ہو، جس سے حرمت ہوتی، تو نکاح دونوں جائز ہیں، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ، مرسلہ صاحب علی موضع باندہ جنگا، ڈاکخانہ دارو، ضلع نینی تال، ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ فوت ہوگئی ہے، زید متوفی کی خالہ جو دوسرے باپ سے پیدا ہوئی ہے، ماں یعنی متوفی کی نانی ایک اور باپ یعنی متوفی کے نانا کا غیر ہے اب زید اس عورت کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

لہ ص ، ج ۲، مجیدی، باب المحرمات، قسم سادس،

الجواب: زوجہ کے انتقال کے بعد اس کی خالہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ حقیقی خالہ ہو کہ حرمت اس وقت ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے کہ ایک نکاح یا عدت میں ہے اور دوسرے سے نکاح کر لیا جائے، ردالمحتار[1] میں ہے ماتت امرأته له التزوج باختها بعد یوم من موتها کما فی الخلاصۃ عن الاصل. واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ رفاقت علی صاحب موضع ٹانڈہ جنگا ڈاکخانہ دارو، ضلع نینی تال، ۱۴ رشعبان ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ کی خالہ جو مادر سے ایک ہے اور باپ سے دوسرے کی ہے، اس کو زید نے تقریباً تین چار سال سے نکاح میں لاکر تصرف میں رکھا، اس پر شرع مانع ہوئی، اس پر زید نے اپنی زوجہ کی خالہ سے جدائی اختیار کی، بعدہٗ زید کی زوجہ کا انتقال ہو گیا، اب زید نے پھر اس کو اپنے قبضہ میں لاکر نکاح کیا ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو بہتر ہے، اگر ناجائز ہے تو زید کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: زوجہ کی موجودگی میں اس کی خالہ سے جو نکاح ہوا تھا وہ ناجائز و باطل محض تھا، حدیث میں[2] فرمایا، لا یجمع بین المرأۃ و عمتها ولا بین المرأۃ و خالتها، اور زوجہ کے مرجانے کے بعد جو اس کی خالہ سے نکاح کیا یہ نکاح صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مرزا حبیب اللہ بیگ معرفت منشی غلام نبی صاحب پرانی عدالت دالمنڈی بنارس شہر، ۵ رصفر المظفر ۱۳۴۳ھ،

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں،

(۱) ایک شخص مسمیٰ رحمت اللہ کا مسماۃ حمیدن سے قریب چار ماہ تک ناجائز تعلق رہا، مسماۃ کے ورثا نے بدیں خیال کہ یہ عورت اس مرد کے ساتھ بدنام ہو گئی ہے اور کسی صورت سے علیٰحدگی نہیں اختیار کرتی، ان کا نکاح کرا دیا تو شرعاً یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس نکاح کے دس ماہ بعد مذکورہ بالا شوہر اور بیوی میں نفاق ہو گیا، مسماۃ لڑجھگڑکر اپنے ورثا کے مکان پر چلی گئی، نفاق کے چار ماہ بعد یہی ورثہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر رحمت اللہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس عورت کو نان و نفقہ دے اگر نہ دیا جا سکے تو طلاق دیدے، مسمیٰ مذکور نے باطمینان سوچ کر طلاق دینے پر رضامندی ظاہر کی، بشرطیکہ مسماۃ دین مہر معاف کر دے، مسماۃ نے مہر معاف کر دی اور شوہر نے طلاق شرعی دیدی جس کا طلاق نامہ اور مہر کی معافی کا کاغذ مکمل کر لیا گیا، سوال یہ ہے کہ یہ طلاق شرعاً جائز ہوئی یا نہیں اور رحمت اللہ کو اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنے کا حق رہا یا نہیں؟

(۳) اب تک مسماۃ مذکورہ نے نکاح ثانی نہیں کیا، طلاق کے دس ماہ بعد رحمت اللہ نے اپنی مطلقہ سے ساز باز شروع کیا اور چند آدمیوں کو

---

[1] ص ۲۹۴، ج ۲، نعمانیہ، فصل فی المحرمات، [2] عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کے درمیان جمع نہ کیا جائے، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۲۷۳، باب المحرمات فصل اول۔

طلاکر مسماۃ کے اقربا و ورثہ کی رضامندی سے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا، اس بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اگر ناجائز ہے تو خاوند اور بیوی اور قاضی و گواہان و حاضرین اور اقربا و ورثہ کے بارے میں شریعت کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب: رحمت اللہ کا نکاح حمیدن کے ساتھ جائز ہے اگرچہ ناجائز تعلق تھا، اگرچہ معاذ اللہ قبل نکاح زنا واقع ہوا ہو، اگر کوئی امر دیگر مانع نہ ہو، عالمگیری[1] میں ہے: وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنیٰ ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأھا عند الکل وتستحق النفقة عند الکل، کذا فی الذخیرہ۔ طلاق بھی واقع ہو گئی مگر سائل نے یہ نہیں لکھا کہ رحمت اللہ نے کتنی مرتبہ لفظ طلاق کہا، اگر تین[2] طلاقیں دیدی ہیں تو بغیر حلالہ نکاح نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں دوبارہ نکاح کے گواہ و نکاح خواں و حاضرین مجلس جن کو معلوم تھا کہ تین طلاقیں دی ہیں اور حلالہ نہیں ہوا، سب گنہ گار ہیں، سب پر توبہ فرض ہے اور رحمت اللہ پر لازم ہے کہ حمیدن کو اپنے پاس سے فوراً جدا کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از محلہ جسولی، بریلی مسؤلہ وزیر، ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو بتاریخ ۱۶ جولائی ۱۹۲۴ء طلاق دی زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ کے مکان میں ایک غیر شخص عمرو کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور چار آنے روز عمرو ہندہ کو دینے لگا، اور جب عمرو آتا تھا تو اکثر اوقات عمرو اور ہندہ تخلیہ میں رہتے تھے، جس سے صاف گمان ہوتا ہے کہ ہر دو فریق سے فعل حرام سرزد ہوتا تھا، دو ماہ تک یہ کیفیت رہی دو ماہ اور سات یوم کے بعد یعنی بتاریخ یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ہندہ کے ساتھ اپنا نکاح کر لیا۔ جب لوگوں نے یہ کہا کہ عدت پوری نہیں ہوئی، کیونکہ ابھی طلاق کو گذرے ہوئے دو ماہ اور سات یوم ہوئے ہیں تو عمرو نے ایک سوال بحضور قبلہ و کعبہ پیش کیا کہ ایک عورت آٹھ ماہ سے اپنے خاوند سے الگ ہے اور ۲۶ جولائی کو اس کا

---

[1] ص، ج ۲، مجیدی، باب المحرمات قسم سادس۔ [2] چونکہ عوام کی عادت ہے کہ ۳ سے کم طلاق نہیں دیتے، ہزار میں دو ایک ایسے طلاق دینے والے ہوں گے، جو ۳ سے کم طلاق دیتے ہوں گے، اس لئے صرف اسی شق کا حکم بیان فرمایا، شق ثانی کا حکم تحریر نہیں فرمایا، علاوہ ازیں ناخدا ترس عوام کا یہ طریقہ ہے کہ جب غصے میں آتے ہیں، تو تین ہی کیا، طلاق پر طلاق دیئے جاتے ہیں، مگر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب بے حلالہ اس عورت سے نکاح نہ ہو سکے گا، تو طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں کبھی کہتے ہیں، ہمیں یاد نہیں، کہ کتنی طلاقیں دی تھیں کبھی کہتے ہیں کہ میں ہوش میں نہ تھا، حتیٰ کہ بہت سے ایسے بھی ہیں، جو یہ کہہ دیتے ہیں، کہ میں نے ایک ہی طلاق دی تھی، یا دو ہی طلاق دی تھی اس لئے حضرت نے ۳ سے کم کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حکم یہ ہے کہ اگر اس نے تین سے کم طلاق دی ہے تو حلالہ کی ضرورت نہیں، بے بغیر حلالہ بھی ان دونوں کا نکاح درست ہے، نیز نکاح خواں و حاضرین مجلس و گواہان پر بھی کوئی الزام نہیں، اسی طرح اگر واقعی اس نے ۳ طلاقیں دی تھیں اور بے حلالہ نکاح کیا تھا، مگر نکاح خواں و گواہان و حاضرین کو اس کا علم نہ تھا، تو بھی ان پر کوئی الزام نہیں، اگرچہ نکاح صحیح نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

اسٹامپ طلاق نامہ تحریر ہوا، وہ دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے، جس پر علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ اگر ہندہ تین حیض سے فارغ ہو چکی ہے تو نکاح درست ہے، لہذا عمرو نے ہندہ کو آکر فوراً سکھا دیا کہ کہدے کہ میں تین حیض سے فارغ ہو چکی ہوں پس ہندہ نے کہدیا، حالانکہ یہ قول ہندہ کا قابل اعتبار نہیں ہے، لہذا اس صورت میں ہندہ کو تین ماہ دس یوم کی عدت گذارنی تھی یا نہیں، اور یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو بعد عدت عمرو کے ساتھ اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، کیونکہ عمرو وہ شخص ہے جس سے ہندہ کا ناجائز تعلق اس وقت رہ چکا ہے جس وقت ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا تھا، بلکہ عمرو کے نطفے سے ایک لڑکی پیدا ہو کر مرگئی، اور ہندہ پیشہ ور عورت ہے، اس کی کمائی اس کے بھائی ماں وغیرہ کھاتے ہیں یہ بھی فرمایا جائے کہ عمرو مذکور جو ہندہ کو چار آنے دیا کرتا تھا، اس کو ہندہ کی ماں، بھائی وغیرہ کھاتے تھے، ان کے واسطے کیا حکم ہے، تفصیل کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب: طلاق کی عدت تین ماہ دس دن نہیں، بلکہ عورت حیض والی نہ ہو تو تین ماہ اور حیض[1] والی ہو تو تین حیض خواہ یہ تین ماہ یا کم میں پوری ہوں یا تین برس میں، قال اللہ تعالیٰ، والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قرء، اور دو ماہ سات یوم بلکہ اس[2] سے کم میں تین حیض پورے ہو سکتے ہیں، اور جب یہ میعاد اس قابل ہے کہ تین حیض اس میں پورے ہو سکتے ہیں اور حیض ایسی چیز ہے جس پر بغیر بیان عورت دوسرے کو کیونکر اطلاع ہو، ہندہ کہ اس کا بیان قابل اعتبار ہے، بشرطیکہ اس سے قبل اس کے مناقض کوئی بیان نہ دیا ہے اور اگر عورت جھوٹ بولے گی، تو وبال اس پر، اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولا یحل لھن ان یکتمن ماخلق اللہ فی ارحامھن، اگر دونوں میں ناجائز تعلق تھا، اس وجہ سے عمرو اسے چار آنے روز دیتا تھا تو یہ لینا دینا دونوں حرام ہے اور عورت کی ماں، بھائی جان بوجھ کر کھاتے ہوں تو حرام کھانے والے، بلکہ عمرو کا آنا جانا اگر مشکوک تھا اور عورت کا بھائی منع نہ کرتا تھا تو دیوث ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از شہر کہنہ بریلی، محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ عبد الغنی، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ،

---

[1] ارشاد ہے، والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر والّٰئی لم یحضن، اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید نہ رہی ہو، اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی اور جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو، ان کی (طلاق کی) عدت تین مہینے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[2] اس بارے میں دو مذہب ہیں، ایک مذہب یہ ہے کہ یہ مدت کم سے کم ساٹھ دن ہے، یوں کہ طلاق کے تھوڑی ہی دیر بعد عورت کو حیض آیا، اکثر حیض کی مدت دس دن، اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن، ۳ حیض کے ۳۰ دن، درمیانی دو طہر کے ۳۰ دن یوں ساٹھ دن ہوئے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ ۳۹ دن میں بھی تین حیض پورے ہو سکتے ہیں، وہ اس حساب سے، اقل حیض کی مدت تین دن، درمیانی دو طہر کی مدت تیس دن، تین حیض کے نو دن، کل ۳۹ دن ہوئے، اول قول امام ہے، اور ثانی صاحبین کا قول ہے، در مختار میں ہے، ولو بالحیض فاقلھا لحرۃ ستون یوما، شامی میں ہے، وعندھما اقل مدۃ تصدق فیھا الحرۃ تسعۃ وثلثون یوما، ثلث حیض بتسعۃ ایام وطھران بثلثین افادہ، ط، ص ۶۲۶، ج ۲، ثمانیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید نے اپنی لڑکی کی شادی عمرو سے کر دی، تقریباً چار سال تک عمرو بریلی میں رہا، بعدہٗ عمرو پردیس چلا گیا، کچھ عرصہ تک خط آتا جاتا رہا، اور خرچ بھی ملتا رہا، اب عرصہ پانچ سال کا گذرا نہ تو خط آیا اور نہ خرچ اور یہ بھی معلوم ضرور رہا کہ عمرو فلاں شہر میں ہے جس کی تلاش میں عمرو کا خسر اس شہر میں پہونچا وہاں پتہ نہیں چلا، عمرو کا خسر مجبور ہو کر چھ ماہ بعد دوسری جگہ شادی کر دی، نکاح ثانی کے ایک سال بعد عمرو آیا، عمرو کے خسر نے اہل محلہ سے اتفاق کر کے یہ کہدیا کہ تمہاری بیوی کا انتقال ہو گیا، عمرو دو یوم رہ کر چلا گیا، بموجب حکم شرع اطہر نکاح ثانی ہوا یا نہیں۔ اور نکاح ثانی میں جو اولاد ہوئی، اس کے لئے کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

الجواب:۔ یہ دوسرا نکاح کہ اس عورت کا کیا، فاسد ہے، اور وہ عورت عمرو کی زوجہ ہے، فرض ہے کہ عورت اس جدید فرضی شوہر سے علٰحدہ ہو جائے، اور اس شخص پر یہی لازم ہے کہ عورت کو جدا کر دے، اور جو اولاد نکاح ثانی سے ہوئی، وہ اسی شوہر ثانی کی اولاد قرار پائیگی، اگرچہ یہ نکاح صحیح نہیں، درمختار[1] میں ہے، غاب عن امرأته فتزوجت باٰخر وولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول، فالاولاد للثانی علی المذهب الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتوٰی کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها، واللّٰه تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ:۔ از نواب گنج بارہ برجی، ضلع پرتاپ گڈھ، ڈاکخانہ پریانوا، مرسلہ محمد عمرو صاحب، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و اہل شرع متین، اس مسئلہ میں کہ ایک حافظ نے ایک ایسی عورت سے ایک شخص کے وسیلہ سے اپنا عقد کیا، جو حاملہ تھی نہ اس شخص کو اس کی خبر تھی، جس کے ذریعہ سے نکاح ہوا، اور نہ حافظ کو، جب عقد ہو گیا، ایک ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ عورت حاملہ ہے اور اسی ہفتہ کے درمیان دو مرتبہ محض لاعلمی میں ہمبستری کا بھی اتفاق ہوا، لیکن جب ہفتہ بعد معلوم ہوا تو حافظ نے اس کو اپنے مکان سے نکال دیا، دوسرے کھانا، پانی دیتے رہے، تیسرے ہفتہ میں اس کو اس کے وطن پہونچا آئے، بعدہٗ دوبارہ وہ عورت خود واپس آئی، لیکن حافظ جی نے اس کو بھگا دیا، اس نے بہت شور و غل مچایا کہ مجھے کھانا کپڑا ملنا چاہیے، اہل اسلام نے سمجھایا کہ تیرا نکاح جائز نہیں ہے، بایں وجہ کھانا کپڑا کی بھی مستحق نہیں ہے، یہ سن کر وہ چلی گئی، اب جماعت کے لوگ اعتراض کرتے ہیں، یہاں تک کہ حافظ کا حقہ پانی بند کر دیا ہے اور پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت کرتے ہیں، لہٰذا امیدوار ہوں کہ حضور براہ کرم اس مسئلہ کی باریکیوں سے مطلع فرمائیں تاکہ حافظ جی اس کی تعمیل کریں؟

الجواب:۔ اگر وہ عورت عدت میں تھی یعنی یہ حمل شوہر کا تھا جس نے اسے طلاق دی یا مر گیا تو نکاح صحیح نہ ہوا، اور اگر معاذ اللّٰہ زنا کا حمل تھا، تو نکاح ہو گیا، مگر جب تک وضع حمل نہ ہو قربت جائز نہیں، فتاویٰ عالمگیری[2] میں ہے یجوز ان یتزوج امرأة حاملا من الزنا ولا یطؤها حتی تضع، بہرحال جب اس حافظ کو اس کا حاملہ ہونا معلوم نہ تھا، تو اس پر کیا الزام کہ اسے امامت سے معزول کیا جائے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ

[1] ص ۶۲۳، ج ۲، [2] حاشیہ الشامی ثمانیہ، فصل ثبوت النسب، [3] ص ۲۸۰، ج ۲، باب المحرمات، قسم سادس، مجیدی، ۱۲ (امجدی)

ہو، پھر اگر حمل کی دوسری صورت ہے تو اسے اختیار ہے کہ عورت رکھے یا طلاق دیدے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از بریلی، محلہ باغ احمد علی خاں، مسئولہ حاجی علی حسین، ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسمیٰ چھٹن عبدالرزاق کے مکان میں کرایہ پر رہے چھٹن نے اپنی عورت کو عبدالرزاق کے ساتھ بے طرح دیکھ لیا چھٹن اپنی عورت کو لے کر دوسرے مکان میں چلا گیا، عبدالرزاق وہاں بھی پہونچنے لگا، محلہ والوں نے کہا تم یہاں کیوں آتے ہو، اس کے جواب میں کہا کہ ہم کرایہ مکان چاہتے ہیں، جب منع کرنے پر باز نہیں آئے، تب محلہ والوں نے لات گھونسہ سے مار پیٹ کیا، بعدہٗ وہ عورت رات تک چھپی رہی، عورت کو عبدالرزاق نے راضی کر لیا، اور خاوند سے زبردستی طلاق لے لی، آٹھ یوم کے بعد اپنا نکاح اسی عورت سے کر لیا، اور یہ بیان کیا، کہ مولوی صاحب کے یہاں سے فتویٰ آگیا ہے، عبدالرزاق نے علی حسین حاجی کو اپنے مکان پر بلایا اور یہ کہا کہ حفیظ کا نکاح نہیں ہوا ہے، تب میں نے کہا کہ جس صورت کا تمھارا ہوا ہے، اسی شکل کا نکاح حفیظ کا ہوا ہے، فتویٰ نہیں آیا ہوگا،

الجواب: نکاح مذکور کہ اندر عدت ہوا، باطل محض ہے، پھر اگر طلاق اکراہ وزبردستی سے لی گئی اور شوہر یعنی چھٹن نے زبان سے طلاق نہ دی صرف لکھ دیا تو طلاق بھی نہ ہوئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان فکتب امرأتہ فلانۃ بنت فلان طالق لا تطلق امرأتہ کذا فی فتاوی قاضی خاں، عبدالرزاق اور تمام وہ لوگ جو اس نکاح میں جان کر شریک ہوئے، سب گنہگار و مستحق عذاب و نار ہیں، سب پر توبہ فرض ہے، جب تک توبہ نہ کریں، ان سب سے میل جول ترک کر دیا جائے، اور یہ جو فتویٰ کا نام لیا یہ بھی محض کذب و افترا ہے، شریعت مطہرہ نے تو اندرون عدت عورت سے نکاح کی بات چیت کرنے کو حرام فرمایا ہے، نہ کہ نکاح کرنا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲، معرفت احمد خاں سلمہٗ، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

---

[1] یعنی اگر یہ حمل زنا کا ہے، تو حافظ کو اختیار ہے چاہے اس عورت کو رکھے یا طلاق دے کر علٰحدہ کر دے لٹکائے رکھنا بہرحال حرام ہے، بدکردار عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں، درمختار میں ہے، لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ، ص ۲۹۳ ج ۵، مصری کتاب الحظر، البتہ مستحب یہ ہے کہ بدکردار عورت کو طلاق دیدے، درمختار میں ہے، بل یستحب لو موذیۃ او تارکۃ صلاۃ، اس کے تحت شامی میں ہے، الطلقہ فتشمل الموذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا، الظاہر ان ترک الفرائض غیر الصلاۃ کالصلاۃ، ص ۴۱۶، ج ۲، نعمانیہ، کتاب الطلاق، اور ظاہر ہے کہ عورت کی بدکرداری سے شوہر کو سخت اذیت پہونچتی ہے نیز زنا سے بچنا فرض ہے اور ارتکاب زنا ارتکاب حرام کے ساتھ ساتھ ترک فرض کو مستلزم، اس لئے یہ حکم فاحشہ کو بھی شامل، اگر یہ حافظ اس عورت کو رکھنا چاہتا ہے تو یہ ضرور کہ جب تک وضع حمل نہ ہو جائے اس سے ہمبستری نہ کرے، حدیث میں ہے، لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ ص ۶۲ و ۶۴، ج ۲، باب الطلاق بالکتابۃ، مجیدی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کے ساتھ اس کے بچپنے میں نکاح کیا جب ہندہ بالغہ ہوئی تو اس کی ماں نے زید سے کہلا بھیجا کہ وہ اپنی بیوی ہندہ کو لے جائے۔ مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور باوجود متعدد بار کہلا بھیجنے کے اس کو نہیں لے گیا، آخر کار ہندہ کو اس کی ماں نے بلا نکاح ایک شخص کے ساتھ دیدیا یعنی اس کو اس پر متصرف کر دیا، بعد ازاں لوگوں کے کہنے سننے سے زید نے طلاق دی، عدت کے ایام بھی ہندہ نے غیر مرد کے ساتھ جس کے ساتھ پہلے بھی گذارے بعد عدت پھر اسی کے ساتھ نکاح کر لیا تو آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور اب ہندہ کو کیا کرنا چاہئے،

الجواب:۔ نکاح مذکور درست ہے، بعدم المانع بلکہ زید و ہندہ میں خلوت بھی نہ ہوئی، تو عدت بھی واجب نہیں، قال اللہ تعالیٰ، یاایھا الذین اٰمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، فتاوی عالمگیری میں ہے اربع من النساء لاعدۃ علیھن المطلقۃ قبل الدخول الیٰ اٰخرہ، ہاں بیشک اس کی ماں کا غیر شخص کے حوالہ کر دینا اور خود ہندہ اور اس شخص کا ناجائز تعلق کرنا یہ حرام اور سخت حرام تھا، ان سب پر توبہ فرض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ موڈیا تحصیل بہیڑی، ضلع بریلی، مسئولہ کریم اللہ، ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

ایک شخص نے بیوہ اور دانستہ حاملہ عورت کے ساتھ شرع کیا اور چھ ماہ کے بعد اس عورت کو ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس میں کچھ لوگ معترض ہیں؟

الجواب:۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ عورت بیوہ تھی اور اب اس کے بیوہ ہونے کو دو سال ہوئے، لہذا ممکن ہے کہ پہلے شوہر سے حاملہ ہو کہ ہمارے نزدیک اکثر مدت حمل دو سال ہے اور اس صورت میں یہ نکاح باطل ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، قال اللہ تعالیٰ، واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، اور عدت میں نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر شوہر کی موت کے وقت حمل نہ تھا تو چار ماہ دس دن پر عدت پوری ہو گئی، اور نکاح صحیح ہو گیا، اور بعد نکاح چھ ماہ پر یہ بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ اسی دوسرے شوہر کا قرار پائے گا کہ حمل کی کم مدت چھ ماہ ہے، اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از موضع بچومی تحصیل فریدپور، ضلع بریلی، مرسلہ شرافت علی شاہ، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک موضع میں ایک قصہ درپیش آیا، کہ ایک بیوہ عورت سات یا آٹھ سال کی تھی اور ایک دوسرے آدمی سے ملتی تھی کہ حمل ظاہر ہو گیا، پیدائش کے عنقریب اس شخص نے کہا، میرا نکاح کر دو، پیش امام نے منع کیا کہ یہ نکاح جائز نہیں، کیونکہ حمل کا ساتواں ماہ ہے، نعمت اللہ نے کہا، نکاح جائز ہے، میں نکاح کروں گا، اور نکاح پڑھا دیا، اور جو حکم شرع شریف ہو، اس پر عمل کیا جائے اور میں نے

لہ ص ۳۴۴، ج ۲، باب العدۃ،

کہا، مولوی صاحب کے یہاں سے فتویٰ دے آؤں تو جواب دوں گا، فقط۔

الجواب:۔ جب کہ حمل زنا کا ہو تو اس حالت میں نکاح جائز ہے اور خود اس زانی سے نکاح ہوا، تو یہ اسی حالت میں صحبت بھی کرسکتا ہے،
عالمگیری[1] میں ہے، قال ابو حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملاً من الزنا ولا یطؤھا حتی تضع وفی مجموع[2]
النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنا ھو بھا وظہر بھا حمل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از موضع بھگونتاپور، ڈاکخانہ فرید پور، ضلع بریلی، مرسلہ عبد الرحمٰن، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ حمل سے رہ گئی، زید کہتا ہے میرا حمل ہے اور عورت بھی کہتی ہے کہ زید کا حمل ہے، نعمت اللہ، سراج الدین، نور محمد وغیرہ چہل حدیث سے اس نکاح کو جائز کر کے پڑھا چکے ہیں، قرآن شریف کا دوسرا پارہ اس نکاح کو ناجائز کر رہا ہے، اب آپ فرمائیے کہ یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو نکاح کو جائز کر کے پڑھانے والوں کی کیا سزا ہے ان لوگوں کا نکاح رہا یا جاتا رہا اور یہ بھی فرمائیے کہ چہل حدیث کیسی کتاب ہے، جس میں مفصل ذیل مسئلے ہیں،

(۱) حاملہ عورت دوسرے سے نکاح کرے تو صحبت ناجائز اور نکاح جائز، (۲) زید رات کو اپنی بیوی کے دھوکہ میں خوش دامن کے پاس چلا گیا، تو بیوی حرام ہوگئی، (۳) زید رات کو اپنی بیوی کے دھوکہ میں اپنی لڑکی کے پاس چلا گیا، تو بیوی حرام ہوگئی، (۴) زید نے ایک عورت سے زنا کیا اور اس کو حمل رہ گیا تو نکاح اور صحبت جائز ہے۔

اس قسم کے مسئلے چہل حدیث میں ہیں، یہ کتاب کس کی تحریر ہے اور کیسی ہے؟۔

الجواب:۔ یہ سوال فقیر کے پاس تیسری مرتبہ اب آیا، جو جواب لکھا جا چکا ہے، وہ دیکھئے حمل جب زنا کا ہو تو نکاح جائز ہے اور کوئی آیت کسی پارے کی ایسے نکاح کو منع نہیں کرتی، دلیل اور عبارت پہلے فتوؤں میں لکھ دی ہے، فقیر کو نہیں معلوم کہ سائل نے کس چہل حدیث کو پوچھا ہے، لہٰذا اس کا معتبر یا نامعتبر ہونا کس طرح کہا جا سکتا ہے، تین مسئلے پچھلے صحیح ہیں اور پہلے مسئلہ میں جب حمل زنا کا ہو، اور نکاح غیر زانی سے ہو، تو صحبت ناجائز اور نکاح جائز، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از موضع نوجہ ڈاکخانہ ماننہ ضلع ڈیرہ غازی خاں، ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

چہ می فرمایند علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمیٰ زید را دو زوجہ اندیکے مسماۃ سبھائی دوم مسماۃ جنت و از مسماۃ سبھائی زید را یک پسر است، مسمیٰ سیٹھہ و مسمیٰ جنت قبل از نکاح زید بہ مسمیٰ بیوہ نکاح کردہ بود، از زن از شکم جنت مسماۃ راستی پیدا شدہ بود و آں راستی

---

[1] ص ۲، ج ۲، باب المحرمات، مجیدی، قسم سادس، [2] ایضاً، فیہا بعد اسطر،

بعد بلوغ و مسمی احمد نکاح نمودہ ازو پسرے متولد شدہ بود و یک دختر مسماۃ بھرانواں از زوجہ خود در شکم او بود، بعدہٗ دراں حالت مسمی زید بہ مسماۃ راستی زناکرد و قبل از حمل نیز زید و مسماۃ راستی زنا کردہ بودند بعدہ او را دختر متولد شد مسماۃ بھرانواں بعدہ مسماۃ بھرانواں را بہ مسمی متہ ولد زید نکاح کردند بیان فرمایند کہ ایں نکاح شرعاً جائز است یا نہ بینوا توجروا،

الجواب :۔ چوں زید با ربیبۂ خود مسمات راستی زنا کرد، مادرش یعنی مسمات جنت بروے حرام گشت واز نکاح بیروں شد کہ مادر موطوءہ بر واطی حرام است، در درمختار[1] است، و حرم اصل مزنیتہ، مگر دختر راستی مسمات بھرانواں بر پسر زید حرام نیست کہ سبب از اسباب حرمت یافتہ نمی شود، جزیں کہ زید با راستی زنا کرد وازیں جہت راستی بر پسر زید حرام خواہد شد نہ کہ دخترش بھرانواں زیرا کہ دختر مزنیہ پیش از ربیبہ نیست وچوں ربیبۂ پدر بر پسر حرام نیست، پس دختر مزنیہ بر پسر زانی چرا حرام خواہد شد، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہل سنت، بریلی، ۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ،

نصاریٰ یا دیگر اہل کتاب کی لڑکی سے بلا اسلام لائے ہوئے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟،

الجواب :۔ اس زمانہ کے نصاریٰ اب اس قسم کے نہیں ہیں، جو زمانہ سابق میں تھے آج کل تو بالکل دہریہ و نیچریہ ہیں، لہٰذا ان کے وہ احکام نہیں، جو نصاریٰ کے تھے، کہ مسلمان کا نکاح نصرانیہ سے ہو جائے، ان کا ذبیحہ جائز ہو، قال اللہ تعالیٰ، طعام الذین اوتوا الکتب حل لکم وطعامکم حل لھم، والمحصنت من المؤمنت والمحصنت من الذین اوتوا الکتب من قبلکم (سورہ مائدہ، آیۃ ۵) بلکہ اب تو علماء[2] تصریح فرماتے ہیں، النصرانی لاذبیحۃ لہ، نصرانیہ جب کہ نصرانیہ ہو اور یہودیہ سے نکاح جائز ہے، مگر ذمیہ ہو تو مکروہ تنزیہی اور حربیہ ہو تو مکروہ تحریمی، قریب بحرام درمختار[3] میں ہے، وصح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیھا مؤمنۃ بنبی مقرۃ بکتاب منزل وان اعتقدوا المسیح الٰہا، محیط[4] میں ہے، یکرہ تزوج الکتابیۃ الحربیۃ لان الانسان لایامن ان یکون بینھما ولد فینشؤا علی طبائع اھل الحرب ویتخلق باخلاقھم فلا یستطیع المسلم قلعہ،۔ فتح القدیر[5] میں فرمایا، الاولیٰ ان لا یفعل ولا یاکل ذبیحتھم الا للضرورۃ، پھر فرمایا وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعًا لانفتاح باب الفتنۃ، رد المحتار[6] میں ہے، قولہ والاولیٰ ان لایفعل یفید کراھۃ التنزیھۃ فی غیر الحربیۃ ومابعدہ یفید کراھۃ التحریم فی الحربیۃ، واللہ تعالیٰ اعلم

[1] ص ۲۹۰، ج ۲، علی ہامش الشامی نعمانیہ فصل المحرمات، [2] درمختار میں ہے، والنصرانی شر من الیھودی فی الدارین لانہ لا ذبیحۃ لہ بل یخنق کمجوسی وفی الاخرۃ اشد عذابا، ص ۳۹۵، ج ۲، فصل فی نکاح الکافر علی ہامش الشامی نعمانیہ، [3] ص ۲۸۹، ج ۲، علی ہامش الشامی فصل فی المحرمات، نعمانیہ، [4] عن البحر، ص ۱۱۱، ج ۳، کتاب النکاح، [5] ص ۲۵، ج ۲، کتاب النکاح، نولکشور، [6] ص ۲۸۹، ج ۲، فصل فی المحرمات، شامی کی پوری عبارت یہ ہے، وفیہ ان اطلاقھم الکراھۃ فی الحربیۃ یفید انھا تحریمیۃ والدلیل عند المجتھد علی ان التعلیل یفید ذالک ففی الفتح ویجوز تزوج الکتابیات

مسئلہ: مسئولہ حمید حسن طالب علم مدرسہ اہل سنت، ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید نے ایک عورت سے زنا کیا، اب زید کا لڑکا بکر اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بکر پر وہ عورت حرام ہے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ عالمگیری میں فتح سے ہے: "تحرم المزنی بہا علی آباء الزانی واجدادہ وان علوا وابناءہ وان سفلوا"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: اگر بکر پسر زید اس عورت سے جس سے اس کے باپ نے زنا کیا ہے اس کی عورت کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: زید نے اپنی ساس کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا یا چھوا، ہر دو صورت میں اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، اگر نکاح میں نہیں رہی تو پھر زید سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹ کا) والاولیٰ ان لایفعل ولا یاکل ذبیحتھم الا للضرورۃ وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعاً لانفتاح باب الفتنۃ من امکان التعلق المستدعی للمقام معھا فی دار الحرب وتعریض الولد علی التخلق باخلاق اھل الکفر وعلی الرق بان تسبی وھی حبلیٰ فیولد رقیقا وان کان مسلما اھ فقولہ والاولیٰ ان لایفعل یفید کراھۃ التنزیہ فی غیر الحربیۃ وما بعدہ یفید کراھۃ التحریم فی الحربیۃ، اس ( ) میں ہے، فقہا کا حربیہ میں کراہت کا مطلق رکھنا فائدہ دیتا ہے کہ وہ تحریمی ہے اور دلیل مجتہد کے پاس ہے، علاوہ ازیں فقہا نے اس کی جو علت بتائی ہے اس سے پتہ چلتا ہے، پس فتح میں ہے اور جائز ہے کتابیات سے نکاح کرنا اور بہتر یہ ترک نہ کرے، اور نہ ان کا ذبیحہ کھائے، اگر ضرورت کے وقت، اور کتابیہ حربیہ بالاجماع مکروہ ہے فتنے کا دروازہ کھلنے کے اندیشہ سے، وہ یہ کہ کہیں اس تعلق سے مسلمان دار الحرب میں رہنے لگے، اور لڑکا اہل کفر کے اخلاق کو نہ اختیار کرلے، کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکا غلام بن جائے، وہ اس طرح کہ عورت حاملہ ہونے کی حالت میں قید ہو تو جو لڑکا پیدا ہوگا، وہ غلام ہوگا اگرچہ مسلمان ہو، اھ، تو صاحب فتح القدیر کا قول، بہتر یہ ہے کہ نہ کرے، اس بات کا افادہ کرتا ہے کہ غیر حربیہ میں نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور اس کے ما بعد کا افادہ کرتا ہے کہ حربیہ سے نکاح مکروہ تحریمی ہے، یورپ بلکہ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کے یہود و نصاریٰ حربی ہیں، تفسیرات احمدیہ میں، اپنے زمانہ کے غیر مسلموں کے بارے میں لکھا ہے "ان ھم الاحربیون وما یعقلھا الا العالمون" یہ لوگ حربی ہیں، مگر اہل علم ہی سمجھتے ہیں، حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے اس فتویٰ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو آج کل کے یہود و نصاریٰ دہریہ ہیں، کتابی نہیں، اس تقدیر پر یہود و نصاریٰ عورتوں سے نکاح حرام قطعی، یا پھر سب کے سب حربی تقریباً، اس تقدیر پر یہود و نصاریٰ عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی، اور ہر مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ، در مختار میں ہے، کل مکروہ ای کراھۃ تحریم حرام ای کالحرام فی العقوبۃ بالنار ص ۲۲۱، ج ۵ علی ہامش الشامی مصری، باب الحظر والاباحۃ مکروہ تحریمی حرام کے مثل ہے، اس بارے میں کہ اس کا مرتکب مستحق جہنم ہے، اس لئے اس کا ارتکاب بھی ناجائز ہاں اگر کوئی یہودیہ یا نصرانیہ واقعی کتابیہ ہو پھر ذمیہ بھی ہو تو اس سے نکاح مکروہ تنزیہی، شامی ص ۲۰۲، ج ۵، باب المحرمات قسم ثانی، نعیمی۔

الجواب۔ نظر بشہوت سے حرمت مصاہرت اس وقت ہوتی ہے جب کہ نظر فرج داخل کی طرف ہو، اس کے منہ یا کسی اور عضو کی طرف حتی کہ فرج خارج کی طرف بھی نظر سے حرمت نہ ہوگی، ہدایہ میں[1] ہے، والمعتبر النظر الی الفرج الداخل، اگر پہلی قسم کا دیکھنا پایا گیا یا اسے شہوت کے ساتھ چھوا تو عورت ہمیشہ کو حرام ہوگئی، اب پھر نکاح بھی نہیں ہوسکتا، عالمگیری میں[2] ہے، کما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشهوة، کذا فی الذخیرة، سواء کان بنکاح او ملک او فجور عندنا کذا فی الملتقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ عمرو نے اپنی سوتیلی ماں ہندہ سے زنا کیا اب ہندہ اس کے باپ پر حرام ہوگئی یا نہیں، دوسرے ہندہ کا نکاح پھر دوبارہ عمرو سے یا عمرو کے باپ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب۔ ہندہ عمرو کے باپ پر حرام ہوگئی نہ اس کا نکاح عمرو سے ہوسکتا ہے نہ عمرو کے باپ سے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ۔ مولوی عبد العظیم صاحب، مدرسہ مظہر العلوم علیمی، سکندر پور، ضلع بلیا، ۲ رصفر ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فقہائے عظام اس مسئلہ میں کہ دو حقیقی بہنیں ہیں، ایک سے باپ نے نکاح کیا، دوسری سے بیٹے نے، یہ دونوں نکاح صحیح ہیں یا باطل، یا ایک صحیح اور ایک باطل، اگر دونوں یا ان میں سے ایک باطل تو کیا علت۔

(۲) سوتیلی خالہ کا اطلاق صرف ماں کی سوتیلی بہن پر ہے یا سوتیلی ماں کی بہن پر بھی ہوسکتا ہے؟

الجواب۔ دونوں نکاح صحیح ہیں، ان میں کسی کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، اور یہ ظاہر ہے کہ دونوں محرمات کی قسم میں داخل نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں، خواہ وہ دونوں بہنیں ایک ماں باپ سے ہوں، یا صرف ماں یا صرف باپ میں شرکت ہو، تفسیر جلالین میں زیر قول اللہ و خالاتکم ہے، ای اخوات امہاتکم وجداتکم، فتاوی عالمگیری میں[3] ہے، واما الخالات فخالته لاب و ام وخالته لاب وخالته لام وخالات آبائه وامهاته، سوتیلی خالہ کے معنی یہ ہیں کہ ماں کی سوتیلی بہن، نہ سوتیلی ماں، ماں ہے نہ اس کی بہن خالہ، قال اللہ تعالیٰ ان امهاتهم الا اللئی ولدنهم، مائیں وہ ہیں، جن سے یہ پیدا ہوئے تو جب سوتیلی ماں، ماں نہیں تو اس کی بہن خالہ کیونکر ہوسکتی ہے، باپ کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے ماں کہہ دیا کرتے ہیں، اور اس کی بہن کو خالہ بلکہ اتنی ہی پر اکتفا نہیں کرتے، اس کی چچازاد پھوپھی زاد خالہ زاد بہنوں کو بھی خالہ کہتے ہیں، بلکہ اس محلہ یا بستی میں اس کی ہم عمر تمام عورتوں کو خالہ کہا جاتا ہے، یہ اطلاقات اعزازی یا اظہار ہمدردی کے لئے ہوتے ہیں، ان سے نہ رشتہ ثابت ہو نہ ان کی بنا پر شرعی احکام جاری ہوں، چچا یا پھوپھی یا خالہ کی لڑکیوں کو عام طور پر بہن کہتے ہیں، تو کیا انہیں اخواتکم میں داخل کر کے ان سے نکاح حرام کیا جاسکتا ہے، ہرگز نہیں۔

[1] ص ۳۰۸ ج ۲، کتاب النکاح، فصل المحرمات، [2] ص ۲۷۴ ج ۱، باب المحرمات، قسم ثانی، مجیدی، [3] ایضاً، قسم اول، مجیدی، (الجیدی)

اسی طرح سوتیلی ماں کی بہن کو تصور کرنا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از بالی مرسلہ عبدالکریم حاجی ہاشم ۲۰ صفر ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنی ممانی سے نکاح کیا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ ماموں کے مرنے یا طلاق دینے اور عدت گذارنے کے بعد ممانی سے نکاح جائز ہے کہ یہ محارم کے کسی قسم میں داخل نہیں قال اللہ تعالیٰ: واحل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مرسلہ شیخ ولی اللہ صاحب از سکندرپور، ضلع بلیا، ۶ شعبان ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ سے وطی کی اور اس سے دو لڑکے موجود ہیں، ایک چار برس کا اور ایک دو برس کا اس کے بعد زید نے اپنی بیوی کی بالغہ بہن جو ابھی کنواری ہے، اس سے کسی طرح مباشرت ہوگئی، اتفاق سے حمل قرار پاگیا، مگر حمل کے آٹھ ماہ گذرنے پر وہ مرگئی، تو کیا زید کی پہلی بیوی کے ساتھ نکاح قائم رہا یا نہیں؟

الجواب :۔ معاذ اللہ یہ فعل بیشک حرام ہے، مگر اس کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹا، وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، زنا سے صرف چار حرمتیں ثابت ہوتی ہیں، مزنیہ زانی کے اصول و فروع پر حرام ہو جاتی ہے اور زانی پر مزنیہ کے اصول و فروع حرام، بہن نہ اصول میں ہے نہ فروع میں، تو اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں، بحرالرائق[1] میں ہے، المراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة على اصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطي الحلال، درمختار[2] میں خلاصہ سے ہے، وطی اخت امرأته لا تحرم عليه امرأته۔ صحیح بخاری شریف[3] میں ہے، قال ابن عباس اذا زنا باخت امرأته لم تحرم عليه امرأته، ہاں وطی بالشبہ ہوئی ہو تو جب تک موطوءہ کی عدت نہ پوری ہو جائے، زوجہ سے وطی جائز نہیں، مگر نکاح میں اب بھی خرابی نہ آئے گی، ردالمحتار[4] میں ہے، قوله لا تحرم اى لا تثبت حرمة المصاهرة فالمعنى لا تحرم حرمة موبدة والا فتحرم الى انقضاء عدة الموطوءة لو بشبهة، قال فى البحر لو وطى اخت امرأته بشبهة تحرم امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از قصبہ سلونمبر ریاست اودی پور میواڑ، مرسلہ ذوالفقار احمد نقیل نویس، ۶ شعبان ۱۳۴۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلوں میں کہ زید و عمرو دونوں نومسلم ہیں، منجملہ اس کے زید نے اہل سنت وجماعت میں پرورش پائی، اور عمرو نے قوم بوہاران یعنی فرقہ اسماعیلیہ میں پرورش پائی یہ دونوں اپنے اپنے مالک کے مذہب پر تھے اور ان کے عقائد

---

[1] ص ۱۰۰، ج ۳، کتاب النکاح۔ [2] ص ۲۸۱، ج ۲، فصل محرمات، نعمانیہ۔ [3] ص ۷۶۵، ج ۲، باب ما یحل من النساء وما یحرم۔ [4] ص ۲۸۱، ج ۲، فصل محرمات، نعمانیہ۔

از روے مذہب جس جس فرقہ میں رہے ہیں، اسی کے موافق ہیں، زید کا لڑکا مذہب اسماعیلیہ بوہرہ اور عمرو کی لڑکی اہل سنت وجماعت نومسلم کے ساتھ نکاح کا منعقد ہونا جائز ہے یا نہیں، از روے شرع شریف مناکحت درمیان اہل سنت وجماعت و فرقہ شیعہ و اسماعیلیہ واثنا عشریہ ہو سکتا ہے یا نہیں، مشرح طور سے ارقام فرمائیں، کیونکہ بعض علما نے فرقہ بوہرہ ان کا کھانا ناجائز قرار دیا ؟

الجواب :۔ روافض زمانہ کہ سب شیخین کرنے کی وجہ سے بحکم فقہاے کرام کافر ہیں، درمختار میں ہے، فی البحر عن الجوهرة معزيا للشهيد من سب الشيخين او طعن فيهما كفر ولا تقبل توبته وبه اخذ الدبوسي وابو الليث وهو المختار للفتوى اھ وجزم به فی الاشباه واقره المصنف، اور اگر قرآن مجید کو ناقص بتائے یا ائمہ کرام کو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل کہتے ہوں، جیسا کہ عموماً اس زمانہ کے روافض میں پایا جاتا ہے یا ایسوں کو اپنا امام و پیشوا یا کم از کم مسلمان ہی جانتے ہوں تو بالاجماع بلا شک وشبہ کافر ہیں، بہرحال سنیہ کا نکاح رافضی سے نہیں ہو سکتا فرض ہے کہ عورت اس سے فوراً جدا ہو جائے اور جدا کر دی جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از ہوڑہ کلکتہ، مرسلہ جان محمد رضوی، ۲ر ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے برادر حقیقی کے انتقال کے بعد بھاوج سے نکاح کیا، جس کے دو بچے عمرو اور ربیعہ تھی، اور لڑکی مذکورہ کی شادی زید نے بکر سے کر دی کچھ عرصہ گذرنے کے بعد بھاوج کے بطن سے ایک لڑکی سکینہ پیدا ہوئی اور زید کا بھی انتقال ہو گیا، عمرو نے جو سکینہ کا بھائی ہوا اگرچہ زید کے صلب سے نہیں، ربیعہ کے شوہر بکر سے سکینہ کا بھی نکاح قصداً کر دیا، اس پر برادری والے مانع ہوئے، تب بھی کچھ خیال نہ کیا، اس وجہ سے اس کے یہاں کھانا پینا شادی بیاہ وغیرہ سب ترک کر دیئے، اس بنا پر کہ یہ دونوں بہنیں ہوئیں، اگرچہ باپ دو ہیں لیکن ماں تو ایک ہیں، ایسا کرنا برادری والوں کا درست ہے یا نہیں اور عمرو پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، کفارہ وغیرہ لازم ہوگا یا کیا بری الذمہ ہونے کی کیا صورت ہے، جدید مسلمان کرنا پڑے گا یا نہیں لہذا صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو، تحریر فرمائیں ؟

الجواب :۔ جب کہ ربیعہ بکر کے نکاح یا عدت میں ہے تو سکینہ کے ساتھ اس کا نکاح نہیں ہو سکتا کہ جمع بین الاختین حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، وان تجمعوا بين الاختين، بکر اور سکینہ پر فرض ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علٰحدہ ہو جائیں، اور بعد تفریق وعدت کہیں اور نکاح کر لے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وان تزوجهما فی عقدين فنكاح الاخيرة فاسد ويجب عليه ان يفارقها ولو علم القاضی بذلك يفرق بينهما، مسلمانوں پر لازم ہے کہ بکر کو سکینہ کے چھوڑنے پر مجبور کریں، نہ چھوڑے تو اس کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا سب چھوڑ دیں، یونہیں عمرو پر بھی لازم ہے کہ ان دونوں کی جدائی میں پوری کوشش کرے اور اپنی حرکت خبیثہ سے صدق دل سے توبہ کرے، اگر عمرو توبہ کرے اور پوری کوشش

لہ ص ۲۹۲، ج ۳، باب المرتد، نعمانیہ، سہ ص ۶، ج ۲، باب المحرمات، قسم رابع، مجیدی۔　　(امجدی)

برادری میں کرے اور کامیاب نہ ہو سکے تو معذور رکھا جائے اور اسے برادری میں شامل کر لیا جائے، اور جب تک یہ دونوں کام نہ کرے اس کو بدستور علٰحدہ رکھیں، سلام کلام کھانا پینا سب ترک رکھیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ،۔ وادون ضلع علی گڈھ، مرسلہ مولانا مولوی عمادالدین صاحب، یکم محرم الحرام ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پہلے قادیانی تھا اب قادیانی ہونے سے انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں بہائی ہوں، یعنی بہاء اللہ کا معتقد اور اس کے مذہب پر ہوں، بہاء اللہ وہ شخص ہے جس کی نسبت اخبار وغیرہ میں لکھا ہے اور بہت مشہور ہے کہ وہ مدعی نبوت تھا جس کا زمانہ عنقریب گذرا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایک مسلمہ سنیہ حنفیہ عفیفہ میدانی لڑکی کا نکاح شخص مذکور سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ،۔ حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے خاتم النبیین و آخر الانبیا کیا، حضور کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہو سکتا، بکثرت احادیث صحیح اس پر ناطق اور خود قرآن عظیم کی نص قطعی، ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، اس مدعا پر شاہد، جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی جدید کے آنے کا قائل ہو یا اسے جائز مانے، قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہے، اگر وہ شخص قادیانی تھا، تو کافر تھا، اور اب بہائی ہے اور بہاء اللہ کو نبی مانا جب بھی کافر ہے، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف[۱] میں فرماتے ہیں، وکذالک من ادعی نبوۃ احد مع نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام او بعدہ او من ادعی النبوۃ لنفسہ او جوز اکتسابھا فھؤلاء کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہ اخبر انہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین وانہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ وان المفھوم المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھؤلاء الطوائف کلھا قطعاً اجماعاً وسمعاً بلا شبہ ایسے شخص کا نکاح کسی مسلمہ سے نہیں ہو سکتا، خصوصاً سنیہ، جو شخص نکاح کرائے گا سخت کبیرہ شدیدہ کا مرتکب اور زنا کا دلال ہوگا، فتاویٰ عالمگیری احکام المرتدین میں ہے، منھا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ ولا مملوکۃ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ،۔ مرسلہ شیخ محمد شفیع صاحب منصرم محکمہ مال ریاست اودی پور میواڑ، اندرون محل مہارانا صاحب بہادر،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس میں کہ زید نے مسماۃ صالحہ سے نکاح کیا اور اس کے بعد اسے ایک لڑکا مسمٰی عمرو پیدا ہوا، جب یہ لڑکا چھ سال کا ہوا تب مسماۃ صالحہ بقضائے الٰہی انتقال کر گئی، قریب ایک سال کے بعد زید نے مسماۃ معینہ سے نکاح ثانی،

---

[۱] ملتقطا، ص ۵۱۱، ۵۱۹، ۵۲۰، مع شرح ملا علی قاری، باب ثالث فصل ما ھو من المقالات کفر،

کیا، جو مسماۃ صالحہ کے خاندان سے نہ تھی، اور نہ کوئی رشتہ، ازاں بعد تقریباً دس سال کے بعد مسماۃ معینہ کی چھوٹی بہن مسماۃ سلیمہ سے مسمی عمرو بسر زید کا نکاح منعقد کیا گیا، جو اس کی مجازی خالہ تھی، یہ نکاح مشروع طور سے مع دلائل قرآن و احادیث تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- سلیمہ سے عمرو کا نکاح جائز ہے، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، اور سلیمہ عمرو کی خالہ نہیں، اگرچہ عرف میں اسے خالہ کہتے ہوں کہ شرعاً خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں، حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی اور یہ سلیمہ کچھ بھی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- ایک عورت اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنے خاوند کو کہتی ہے: مجھ کو طلاق دو اور میری چھوٹی بہن سے نکاح کر لو، فقط مجھ کو کھانے پینے کو دو، اس مکان کے دوسرے حصہ میں رہنے دو، خاوند اور عورت کی بہن راضی ہیں لیکن شریعت کیا حکم دیتی ہے، فرمائیے؟

الجواب:- اگر اس عورت سے اولاد نہیں ہوتی تو اس کو طلاق دینے کی کیا حاجت ہے، کسی دوسری عورت سے نکاح کر لے جس سے نکاح جائز ہو، یہ ان صورتوں میں نہیں ہے، جہاں طلاق دینے کی اجازت شرع نے دی ہے، پھر بھی اگر اس کو طلاق دے کر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہے تو عدت کے بعد نکاح ہو سکتا ہے، عدت میں ناجائز ہے اور عدت کے بعد اس مکان میں رکھنا مظنۂ فتنہ ہے، خصوصاً جب کہ دونوں میں مدت تک میاں بی بی کے تعلقات رہ چکے ہیں اور حجاب اٹھ چکا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- مرسلہ عبد الحلیم خاں فصیحی از ٹیٹا گڈھ، پرانی بازار ضلع چوبیس پرگنہ، ۹ر شعبان ۱۳۴۶ھ۔

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ عمرو بکر باہم دوست تھے، عمرو نے اپنی لڑکی جس کی عمر آٹھ یا نو برس کی تھی بکر کے ساتھ جس کی عمر پینتالیس یا پچاس برس کی تھی عقد پڑھا دیا، عقد کے بعد لڑکی جس کا نام ہندہ ہے بکر کے ساتھ چھ یا سات برس تک اطمینان سے رہی، اس کے بعد زید کے ساتھ ہندہ کا ناجائز تعلق پیدا ہو گیا، جو ہندہ کا خالہ پھوپھا تھا جس کی عمر اٹھائیس یا تیس برس کی ہے، زید ایک خوبصورت نوجوان اور حافظ قرآن بھی ہے، رسم کے بموجب کچھ دنوں کے بعد ہندہ رخصت ہو کر اپنے باپ کے مکان پر آئی، بکر رخصتی کے لئے خط و پیام بھیجا، یہاں تک کہ اپنی بیوی ہندہ کی رخصتی کے لئے بکر خود عمرو کے مکان پر گیا، اس وقت ہندہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے بالکل انکار کیا، عمرو نے بکر سے کہا کہ لڑکی تمہارے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہے، تو بہتر ہے کہ تم طلاق دیدو، اس پر عمرو اور بکر میں کچھ تکرار ہو گئی، یہاں تک کہ بکر نے عدالت کی بھی دھمکی دی، لیکن کچھ کارآمد نہ ہوا، ممکن ہے کہ زید نے عمرو کو کچھ طمع زر دکھلائی ہو، کچھ عرصہ کے بعد ہندہ زید کے گھر پر آگئی اور رہنے لگی تخمیناً چار برس کا عرصہ ہوتا ہے، اس درمیان میں ہندہ کو دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں، جب باتیں زیادہ طول ہو گئیں تو زید سے پوچھا گیا کہ تم نے بلا نکاح عورت رکھا ہے تو زید نے کہا ـ ـ ـ ـ میں نے ایک مولوی صاحب سے اس مسئلہ کو دریافت کر کے نکاح خود پڑھا لیا ہے، جس کے دو گواہ بھی موجود ہیں، جب یہ باتیں قابل اطمینان نہ ہوئیں تو زید کے دوستوں نے بکر سے طلاق دلوانے کی کوشش کی بکر قلیل معاوضہ پر راضی ہو گیا لیکن وقت مقررہ پر

بکر نے صاف انکار کیا، اور ایک شخص سے کہا، میں سات سو روپیہ لے کر طلاق دے سکتا ہوں، زید کو اس قدر زرِ کثیر دینے کی قوت نہ دیکھ کر واپس آئے، لیکن اب بکر کی ذاتی حالت نہایت ناگفتہ ہے اور ابھی تک ہندہ زید کے ہی پاس ہے، اس حالت میں زید و بکر و ہندہ کے متعلق جو شرع شریف کا ارشاد ہو فرمائیں؟

الجواب: ہندہ بدستور بکر کی زوجہ ہے، جب تک تفریق نہ ہو زید یا کسی سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، زید جس نے اس کو اس طرح رکھا ہے، سخت فاسق فاجر ہے اور اگر واقع میں اس نے نکاح کر لیا ہے تو اور بدتر اور لزوم کفر کہ حرام کو حلال کرنا ہے اور یہ کفر، عالمگیری میں ہے، من اعتقد الحرام حلالا او علی القلب یکفر، اس صورت میں خود زید اور گواہوں کو تجدید اسلام کرنی چاہئے، اور اگر زید ہندہ کا پھوپھا ہے، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے اور ہندہ کی پھوپھی زید کے نکاح میں موجود ہے تو اگر بکر اسے طلاق بھی دیدے اور عدت کے بعد نکاح ہو جب بھی نکاح جائز نہیں، حدیث[1] میں ہے، لا تنکح المرأۃ علی عمتھا او العمۃ علی بنت اخیھا و المرأۃ علی خالتھا او الخالۃ علی بنت اختھا لا تنکح الصغریٰ علی الکبریٰ ولا الکبریٰ علی الصغریٰ، اور اگر ہندہ کی پھوپھی زید کے نکاح یا عدت میں نہ ہو تو بشرطیکہ بکر اسے طلاق دے اور عدت پوری ہو جائے، زید سے نکاح ہو سکتا ہے، بکر پر شرعاً طلاق دینی[2] لازم نہیں، البتہ زید پر فرض ہے، کہ فوراً ہندہ کو اپنے مکان سے جدا کر دے، اگر زید ایسا نہ کرے تو لوگ زید کو علٰحدہ کر دیں، اس سے میل جول ترک کر دیں، اور عمرو اگر زید کا معین و طرفدار ہو تو اس کے ساتھ بھی یہی کیا جائے کہ اس صورت میں وہ دیوث ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: مرسلہ جناب حاجی عبد اللہ علی رضا صاحب، از زکریا اسٹریٹ کلکتہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دونوں حقیقی بھائی ہیں، زید نے زوجہ اولیٰ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے چند روز کے بعد عقد ثانی کیا ہے اس کے شوہر سابق سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے جو لڑکی مذکورہ بالا ہے، اس لڑکی کے تین بچے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اور لڑکا مذکور سے ایک لڑکی ہے، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی نتنی سے اپنے مذکورہ بھائی مسمیٰ بکر کے لڑکے سے شادی کر دے، آیا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں اور اس لڑکے سے یعنی ناتی سے زید بکر کی لڑکی سے بیاہنا چاہتا ہے، چونکہ زید سے لڑکا لڑکی پیدا نہیں ہے، بلکہ زید یہ ہے جس کے تین بچے ہیں دو لڑکی ایک لڑکا انھیں میں سے بیاہنا چاہتا ہے یعنی شوہر سابق سے جو لڑکی ہے اسی لڑکی کے لڑکے سے ؟،

---

[1] ص ۲۸۵، ج ۲، فصل المحرمات، الحکام المہتدین، ما یتعلق بالحلال والحرام، مجیبی، [2] مشکوٰۃ ص ۲۷۴، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، بحوالہ ترمذی و ابوداؤد و نسائی، بادنیٰ تغیر،

[2] البتہ بکر پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہے یا تو اپنی زوجہ کو حسن سلوک کے ساتھ رکھے، اور اگر رکھنا منظور نہ ہو تو طلاق دیدے، ارشاد ہے، فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا، تو انھیں بھلائی کے ساتھ روکو یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو، انھیں ضرر پہنچانے کے لئے نہ روکو، تاکہ تم حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ، واللہ اعلم۔

الجواب: بکر کے لڑکے کا زید کی ربیبہ کی لڑکی سے اور بکر کی لڑکی کا زید کی ربیبہ کے لڑکے سے نکاح ہوسکتا کوئی وجہ ممانعت نہیں، بلکہ اگر زید کے حقیقی نواسی نواسے ہوتے جب بھی بکر کے لڑکے لڑکیوں سے نکاح ہوسکتا تھا، اور یہاں تو ان میں کوئی رشتہ ہی نہیں، قال اللہ تعالیٰ، واحل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از قصبہ وڈاکخانہ گوپی گنج، ضلع مرزاپور، مرسلہ جناب مولوی منظور حسین رضوی امجدی مدرس مدرسہ اسلامیہ رضویہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا باپ بکر نے زید کی عورت سے زنا کیا، یعنی زید نے خود ایک چارپائی پر زنا کرتے ہوئے پاکر باہر آیا اور شور کیا جس کو عبدالحمید وغیرہ نے سنا، زوجہ زید سے دریافت کیا اس نے اقرار زنا کیا، لیکن بکر نے انکار کیا، برادری والوں نے دریافت معاملہ کیا تو زوجہ زید نے کہا میرا پستان پکڑا تھا، بکر سے دریافت کیا تو اس نے بھی اقرار کیا تو اس صورت میں زوجۂ زید، زید کے لئے حرام ہوئی یا نہیں؟

(۲) اس فعل بد کے معلوم ہوتے ہوئے جو شخص زید و بکر کے ساتھ کھاتے اور پیتے ہوں۔ ان کا کیا حکم ہے، بحوالہ کتب معتبرہ جواب عطا فرماکر مزین بہ مہر فرمائیں؟

الجواب: صورۃ مستفسرہ میں زوجہ زید زید پر حرام ہوگئی کہ اولاً خود زید اپنے باپ کے زنا کا اقرار کرتا ہے، عالمگیری میں[۱] ہے، وکذا تحرم المزنی بہا علی اٰباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا۔ نیز اسی میں[۲] ہے، ولواقر بحرمۃ المصاھرۃ یؤاخذ بہ ویفرق بینہما، دوم خود عورت و بکر دونوں پستان پکڑنے کے معترف ہیں اور مس بشہوت سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہوتی ہے، اگرچہ بکر شہوت سے انکار کرے جب بھی حرمت ہوگی اور اس انکار میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، عالمگیری میں[۳] ہے، ولواخذ ثدیہا وقال ما کان عن شہوۃ لایصدق لان الغالب خلافہ، بہر حال زید اس عورت کو چھوڑ دے،

(۲) زید کے ساتھ مقاطعہ کی کوئی وجہ نہیں، البتہ بکر نے یہ خبیث حرکت کی اس پر توبہ لازم ہے، توبہ نہ کرے تو اس سے میل جول ترک کردیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از دواساواڑ، کاٹھیاواڑ، مرسلہ نور محمد حاجی عبداللہ میاں، پیش امام ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان کی لڑکی جس کی عمر بیس برس ہے اور اس کی شادی نہیں ہوئی، ایک ہندو نے اس لڑکی سے جبراً زنا کیا اور حمل رہ گیا، تین ماہ کا حمل تھا کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح ہوا، اور چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا، اس کے

[۱] ص ۲۷۴، ج ۲، باب المحرمات، قسم ثانی، مجیدی۔ [۲] ایضا، ص ۱۵، ج ۲۔ [۳] ایضا ص ۱۵، ج ۲۔

خاوند کو معلوم نہ ہوا، اس وقت یہ سمجھایا کہ حمل گر گیا، مگر نکاح کے تین چار ماہ بعد معلوم ہوا، عورت سے پوچھا گیا تو کہا، کہ مجھ سے فلاں ہندو نے جبراً زنا کیا اور حمل رہنے کے بعد میرے ماں باپ نے مجھ سے کہا، اس بات کو چھپانا ورنہ ہماری عزت جائے گی، تو اب یہ نکاح ہوا یا نہیں، جو حکم شریعت کا ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب:۔ اولاً تو یہ ثابت کرنا کہ بوقت نکاح حمل موجود تھا، دشوار ہے کیونکہ نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہے اور اقل مدت حمل چھ ماہ ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی شوہر کا بچہ ہو، ثانیاً فرض بھی کیا جائے کہ وقت نکاح عورت زنا سے حاملہ تھی، جب بھی نکاح درست ہے، البتہ اس صورت میں اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کہ حاملہ ہے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے، تو اس سے جماع جائز نہیں، وصح نکاح حبلی من زنا لاحبلی من غیرہ ای الزنا ولو من حربی وسیدھا المقر بہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع، واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

مسئلہ:۔ از سندھ ڈاکخانہ رانی پور شہر درازشریف درگاہ معلی، مدرسہ عربیہ، مرسلہ جناب مولوی قمر الدین صاحب مدرس۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ فتحان کا عقد نکاح اول مسمی بچو سے تھا، جس سے فتحان مذکور کو ایک بیٹی مسماۃ بائی پیدا ہوئی، پھر فتحان زوجہ بچو کا عقد نکاح بچو کے مرجانے کے بعد خیرو سے کیا، اس مسماۃ خیرو سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جو کہ مسمہ سیبانی زوجہ مسمی بڈھ کی ہے اب یہی شخص مسمی بڈھ نے دوسری عورت مسمی سلیمان بنت بائی سے نکاح کیا ہے، اب اس صورت میں شریعت کیا حکم فرماتی ہے، بدلائل فقہ معہ ترجمہ واضح فرمائیں،

زوجہ فتحان
شوہر اول بچو — بنت بائی — سلیمان بنت بائی زوجہ ثانی بڈھ مذکور کی ہے،
شوہر دوم خیرو — بنت سیبانی زوجہ اول بڈھ کی ہے،

الجواب:۔ سیبانی اور بائی دونوں فتحان کی بیٹیاں ہیں دونوں آپس میں بہن ہیں دونوں کے باپ اگرچہ دو ہیں، مگر ماں دونوں کی ایک ہے، اس رشتہ سے سیبانی سلیمان کی خالہ ہوئی، اگر سیبانی زندہ ہے اور بڈھ کی زوجیت میں ہے تو بڈھ کا نکاح سلیمان سے نہیں ہو سکتا، حدیث میں ہے،[2] لا یجمع بین المرأۃ وعمتھا ولا بین المرأۃ وخالتھا، عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع نہ کیا جائے اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو جمع کیا جائے، اس حدیث کو بخاری ومسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، دوسری حدیث میں[3] ہے، لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا، جس عورت کی پھوپھی یا خالہ نکاح میں ہے اس سے نکاح نہیں کر سکتا اور خالہ صرف اسی کو نہیں کہتے کہ اس کی ماں اور وہ دونوں ایک ماں باپ سے

---

[1] درمختار ص ۲۹۱، ۲۹۲، ج ۲، علی هامش الشامی، نعمانیہ، [2] مشکوٰۃ ص ۲۷۳، عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ، [3] نسائی ص ۸۰، ج ۲، باب جمع بین المرأۃ وعمتھا، وتحریم جمع بین المرأۃ وخالتھا عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ۔

ہوں، بلکہ اس کی تین صورتیں ہیں، دونوں ایک ماں باپ سے ہوں یا صرف باپ ایک ہو، ماں دو، یا ماں ایک ہو باپ دو، فتاوی عالمگیری

میں ہے[۱] واما الخالات فخالته لاب وام وخالة لاب وخالة لام، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مولوی سراج الدین صاحب ناگپوری، ۱۳ ر شعبان ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی ایک بیوی کو ایک لڑکی تھی، اس لڑکی کی نواسی جو آج موجود ہے، اس کا نام فاطمہ ہے، اور شخص مذکور کی دوسری بیوی کا ایک لڑکا ہے جس کا نام محمد عمر ہے اور فاطمہ کا باپ اپنی لڑکی کو محمد عمر سے منسوب کرنا چاہتا ہے، آیا یہ رشتہ ہو سکتا ہے یا نا جائز ہوگا؟،

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا اسی شخص مذکور کا ہے، اس صورت میں فاطمہ کی نانی اس لڑکے کی سوتیلی بہن ہوئی، لہٰذا باہم نکاح حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، وبنات الاخ، تنویر الابصار[۲] میں ہے، حرم اصلہ وفرعہ وبنت اخیہ وبنتھا، فتاوی عالمگیری میں[۳] ہے، وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ، اینٹا گڑھ مقام کھردا، جامع مسجد، مرسلہ جناب شاہ محمد یٰسین امام، ۲۳ ر صفر المظفر ۱۳۴۸ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید کا جس وقت عقد ہوا، ہوش وحواس درست تھا، زمانہ دو برس تک اب زمانہ چار برس کا ہوتا ہے کہ دماغ خراب ہو چکا، علاج وغیرہ سب کچھ ہوا، لیکن اس کے اچھے ہونے کی صورت دکھلائی نہیں دیتی ہے، اب اس کی بیوی بہت انتظار کر چکی ہے اس کا خیال بدلا ہوا ہے، زنا کا خوف ہے آیا دہ کیا کرے، دوسرا عقد کرے یا یوں ہی بیٹھی رہے، حالانکہ مسماۃ مذکورہ کے خسر وخوشدامن کہتے ہیں کہ جو جی چاہے کر سکتی ہو، کہاں تک انتظار کروگی، اب شرع شریف سے کیا حکم ہوتا ہے؟

الجواب: ہمارے مذہب میں جنون کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا، عورت صبر کرے، ہاں قاضی غیر[۴] حنفی جس کا مذہب یہ ہو کہ ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے، وہ اگر نکاح فسخ کر دے تو فسخ ہو جائے گا، مگر ہندوستان میں قاضی ہی نہیں، لہٰذا جدائی ناممکن ہے، درمختار میں[۵] ہے، ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الاخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن وخالف الائمۃ الثلثۃ فی الخمسۃ لو بالزوج ولو قضی بالرد صح، رد المحتار میں[۶] ہے، لیس لواحد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الاخر عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وھو قول عطاء والنخعی وعمر بن عبد العزیز وابی زیاد وابی قلابۃ وابن ابی لیلیٰ والاوزاعی والثوری والخطابی وداؤد والظاہری واتباعہ وفی المبسوط انہ مذہب علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم، البتہ اگر شوہر ہوش میں آنے کے بعد طلاق دے دے تو طلاق ہو سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

---

[۱] ص ۳، ج ۲، باب المحرمات، قسم اول، مجیدی [۲] ص ۲۸۰، ج ۲، علی ہامش الشامی، نعمانیہ فصل محرمات، [۳] ص ۴، ج ۲، باب المحرمات، قسم اول مجیدی، [۴] ص، ۸۰ ج ۲

دوبقیہ حاشیہ ص سو پر

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰)، کا، باب العنین، علیٰ حاشی الشامی، ۸ عالمگیریہ، ۹ ایضاً، ۱۰ بحر الرائق میں ہے، ان القاضی لو قضیٰ برد احد الزوجین بعیب نفذ قضاءہ اھ ج ۴، باب العنین، درمختار میں ہے، لو قضیٰ بالرد صح، اس کے تحت شامی میں ہے، ای لو قضیٰ بہ حاکم یراہ فافاد انہ مما یسوغ فیہ الاجتہاد وھذہ المسالۃ ذکرھا فی البحر، ص ۵۹، ج ۲، ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس حاکم کا یہ مذہب ہو کہ جنون سے فسخ نکاح کا حق عورت کو ہے وہ اگر فسخ نکاح کا حکم دیدے تو صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، اقول، ہمارا اصل مذہب یہی ہے کہ جنون، جذام، برص وغیرہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں، یہی امام اعظم امام ابی یوسف رحمہما اللہ کا مذہب ہے، یہی مختار مفتیٰ بہ من حیث الدلیل قوی ہے، اس لئے کہ نکاح سے جو مقصود ہے اس میں ان بیماریوں سے خلل واقع نہیں ہوتا، شوہر ان بیماریوں کے باوجود اس پر قادر ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ عورت کو ان بیماریوں کی وجہ سے گھن آتی ہے، وہ شوہر سے نفرت کرتی ہے تو محض گھن اور نفرت کی بنا پر فسخ نکاح کا حکم دینا، فتنہ عظیم کا دروازہ کھولنا ہے، ان امراض کے علاوہ اور بہت سی صورتیں ہیں، جن میں عورت کو شوہر سے نفرت ہو سکتی ہے گھن آسکتی ہے، مثلاً وہ بدخلق ہے، انتہائی بدصورت ہے، شوہر کی ناک کٹ گئی ہے، اس کے منہ یا بغل یا جسم سے بدبو آنے لگی، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ شوہر میں کوئی عیب نہیں ہوتا، اور عورت اس سے نفرت کرتی ہے، اس لئے فسخ نکاح کی بنیاد عورت کی نفرت یا گھن قرار نہیں دی جا سکتی، بنیاد وہی ہے، ادائگی حق پر عدم قدرت جیسا کہ عنین اور مجبوب میں ہے، اس لئے ان بیماریوں کی وجہ سے عورت کو حق فسخ نہیں دیا جا سکتا، مگر عالمگیری میں ہے، قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فھو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی، ص ۱۳۴، ج ۲، آخر باب عنین، مجیدی، فتاویٰ رضویہ میں ہے، ہمارے علماء میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (شوہر کے جنون کی حالت میں) جانب خیار گئے، اور حاوی قدسی میں حسب عادت برخلاف عامۂ متون و شروح و فتاویٰ اس کی نسبت "بہ ناخذ" لکھدیا، جیسا کہ اس سے عالمگیریہ میں منقول ہوا، فقیر کے فتاویٰ میں بتفصیل تام واضح کر دیا گیا ہے کہ ماخوذ بہ مختار و معتمد و اجب التعویل مذہب مہذب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، بایں ہمہ اگر جنون حادث ہے یعنی از نکاح شوہر مجنون نہ تھا، بعد کو پیدا ہوا اور حالت ضرورت بلا مکر و فریب و بیروی نفس سچی سچی واقعی متحقق ہے تو قول امام محمد پر عمل ممکن، مگر قول امام محمد یہ نہیں، کہ شوہر کو جنون ہو جائے، تو عورت بطور خود اسے فرقت کر کے دوسرے سے نکاح کرے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ عورت حاکم شرع کے حضور دعویٰ کرے، وہ ثبوت جنون لے کر روز نالش سے ایک سال کامل کی مہلت دے، اگر اس مدت میں شوہر اچھا ہو گیا، فبہا (اب تفریق نہیں ہو سکتی یہ عورت اس شوہر کی بیوی رہے گی) اور اگر (شوہر اچھا نہ ہوا اور عورت نے بعد انقضائے سال پھر دعویٰ نہ کیا، تو وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، اور اگر پھر رجوع لائی اور حاکم کو ثابت ہوا کہ شوہر ہنوز مجنون ہے تو اب وہ عورت کو اختیار دے گا، کہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو، اور اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہو گئی، یا کسی نے اسے اٹھا دیا یا حاکم خود اٹھ کھڑا ہوا، تو اب عورت کو اصلاً اختیار نہ رہا، وہ بدستور ہمیشہ اس مجنون کی زوجہ رہے گی، اور اگر مجلس بدلنے سے پہلے عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اب حاکم تفریق کر دے گا، اس وقت سے عورت طلاق کی عدت میں بیٹھے، بعدہ جس سے چاہے نکاح کرے، یہ اس صورت میں ہے کہ قاضی کو جنون ثابت ہوا اور اس کا مطبق ہونا ثابت نہ ہوا، (بلکہ حادث ہونا ثابت ہوا) اور اگر حاکم کو ثابت ہو جائے کہ واقعی مدتہائے دراز گذر گئیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور آرام نہیں ہوتا، جنون اس کا مطبق یعنی ملازم اور ممتد ہے، تو اب سال کی مہلت نہ دیگا

(بقیہ ص ۸۱ پر)

مسئلہ ،، از قصبہ سمیر پور علاقہ جودھ پور مرسلہ جناب حسین بخش صاحب ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک منکوحہ عورت کا نکاح شوہر سے طلاق دلوائے بغیر اس کے باپ نے دوسرے شخص سے پڑھوا دیا اس کے شوہر نے اسے طلاق دی نہ کوئی اس کا گواہ نہ تحریر آیا ایسا نکاح شریعت اسلامی میں جائز ہو سکتا ہے، بینوا توجروا ،

الجواب ،، شوہر والی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا، اس سے نکاح حرام قطعی ہے، قال اللہ تعالیٰ والمحصنات من النساء، یہ مسئلہ ایسا نہیں جسے علماء سے پوچھنے کی ضرورت ہو، مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ نکاح نہیں ہو سکتا، دوسرے کے پاس جب تک رہے گی زنا خالص ہوگا، اس عورت کا باپ اور نکاح کے وکیل و گواہ اور جتنے مجلس نکاح میں شریک ہوئے ان میں سے جسے معلوم تھا کہ وہ شوہر والی عورت ہے ان سب کو تجدید اسلام[۱] چاہئے، اور تجدید نکاح لازم، یعنی یہ سب لوگ خود اپنی اپنی عورتوں سے توبہ و تجدید اسلام کے بعد پھر نکاح پڑھوائیں اور جب تک توبہ نہ کریں مسلمان ان سے مقاطعہ کریں، میل جول سلام کلام سب ترک کر دیں، قال اللہ تعالیٰ، ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین، واللہ تعالیٰ اعلم ،

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰ کا) بلکہ فی الفور عورت کو اختیار دے گا، کہ چاہے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو بہر حال یہ تفریق بے حکم حاکم شرع نہیں ہو سکتی (عالمگیری کی عبارت گذر چکی) فی اجلہ سنۃ، اس کو ایک سال کی مہلت دے گا، اور آگے ہے، فہو کالجب، اور پہلے عالمگیری ہی میں ہے فالقاضی یفرق بینہما للحال، قاضی ان دونوں کے درمیان فوراً تفریق کریگا اس سے ثابت کہ بے قضائے قاضی تفریق نہیں ہو سکتی) جہاں قاضی شرع نہ ہو وہاں جو عالم دین سجا عالم تمام اہل شہر میں فقہ کا اعلم ہو، ایسے امور میں حاکم شرعی ہے، کما نص علیہ فی الحدیقۃ الندیۃ عن فتاوی الامام العتابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملخصاً، ص ۳۹۸،۴۹، ج ۵، کتاب الطلاق، حدیقہ ندیہ کی عبارت یہ ہے، اذا خلا الزمان عن سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیہم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعہم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمہم فان استووا اقرع بینہم، جب زمانہ سلطان (اسلام) سے خالی ہو جائے تو معاملات علماء کے سپرد ہیں، امت پر علما کی طرف رجوع لازم ہے اور علماء والی ہو جائیں گے،، اگر سب کا ایک پر جمع ہونا دشوار ہو تو ہر طرف کے لوگ اپنے علماء کی اتباع کریں، اگر کہیں علما کی کثرت ہو تو واجب الاتباع وہ ہے جو سب سے زیادہ علم والا ہو، اور اگر سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جائے، ص ۲۴۰، ج ۱ مصری، اور یہ مضمون قرآن مجید سے ثابت ہے، ارشاد ہے، یا ایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں، اس آیت میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں، ائمہ دین فرماتے ہیں یہی صحیح ہے، جیسا کہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں تصریح ہے، جنون کے ساتھ ساتھ جذام اور برص میں بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ عورت کو حق فسخ حاصل ہے، ہدایہ میں ہے، وقال محمد لہا الخیار دفعا للضرر عنہا ص ۳۹۸، ۳۹۹، ج ۲، باب العنین، مجیدی، لیکن ہمارے بعض علماء مثلاً صاحب حاوی قدسی نے صرف جنون کی حالت میں فرمایا ہے کہ عورت کو حق فسخ ہے جذام اور برص وغیرہ میں نہیں اس لئے حالت جذام اور برص میں حنفی کے لئے جائز نہیں کہ کسی بھی حال میں فسخ کا حکم دے فرق یہ ہے کہ جنون میں بہ نسبت جذام اور برص کے فسخ کی حاجت شدید ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اس لئے جنون پر جذام اور برص کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ مدار حکم

(بقیہ ص ۸۲ پر)

مسئلہ :۔ بہار شریعت میں یہ مسئلہ دیکھا گیا کہ اگر شب کو عورت اور لڑکی ایک جگہ سو رہے ہوں اور خاوند بغرض صحبت عورت کے پاس جا کر سہواً لڑکی کو چھو دے تو عورت نکاح سے باہر ہو جائے، یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سہواً لڑکی کو صرف چھو دینے میں وہ عورت کو کھو بیٹھا، آخر غلطی انسان کا شیوہ ہے، نیز کسی قسم کا فعل اس سے سرزد نہ ہوا، اور عورت حرام ہو گئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ یہ حرمت مصاہرت وطی و دواعی وطی دونوں سے ثابت ہوتی ہے یعنی مثلاً جس عورت سے جماع کیا یا اسے شہوت کے ساتھ چھوا، اس کی ماں حرام ہے اور یہ بھی کتب فقہ میں مصرح ہے کہ یہ افعال اگر غلطی سے ہوں جب بھی حرمت ہو جائے گی، مثلاً فرض کیجئے کہ کسی عورت کو اپنی عورت سمجھا اور اس سے جماع کیا، عورت کی ماں حرام ہو گئی، اگرچہ اس سمجھنے میں اس سے غلطی ہوئی، لہذا جب اپنی مشتہات لڑکی کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے اور یہ چھونا دواعی وطی میں سے ہے، لہذا موجب حرمت مصاہرت ہے، اب رہا آپ کا یہ کہنا کہ انسان سے غلطی ہوتی ہے، یہ درست ہے اور اس کا اثر یہ ہے کہ قصداً نہیں ہے تو گنہگار نہ ہوگا، مگر اس فعل کا جو اثر ہے یعنی حرمت وہ تو ثابت ہی ہوگی، مثلاً شیشہ پر اگر غلطی سے بھی پتھر مارے گا جب بھی ٹوٹے گا، آگ میں غلطی سے گرے گا جب بھی جلے گا، مگر غلطی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ مواخذہ اخروی نہ ہوگا، حدیث میں ہے، ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق[1]، اور حرمت مصاہرت بھی نکاح کے متعلقات سے ہے، لہذا اس میں قصد کا اعتبار نہیں، بہار شریعت میں یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، جو سوال میں درج ہے، بلکہ چند قیود کے ساتھ مقید ہے، ایک یہ کہ لڑکی مشتہات ہو، دوم یہ کہ شہوت کے ساتھ اسے چھوا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از کاسر ضلع کھیری المرسل عبدالمجید، ۵ ؍ جمادی الآخرہ ۱۳۴۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ مساۃ زینب ہے، بسبب امور خانگی میاں بیوی کے درمیان انبن ہو گیا، جس سبب سے زینب اپنے پدر کے گھر گئی اور زینب کے پدر نے زید کے ساتھ صلح کاری کی تجویز کی لیکن کچھ کارگر نہ ہوا، اس معاملہ میں تخمیناً سات سال گذر گئے، نہ بیوی زینب کو آباد کرتے ہیں اور نہ طلاق دیتے، بیوی مذکورہ اپنے ایام زندگی بڑی تکلیف کے ساتھ گذارتی ہے، اس لئے علمائے کرام کی خدمت میں عرض ہو جاتا ہے کہ اس عورت کے واسطے شرع محمدی کیا حکم دیتی ہے، جس سے وہ اپنے ایام تکلیف کو راحت میں بدلے اس لئے مہربانی فرما کر جواب کما حقہ موافق

(بقیہ حاشیہ ص ۸۱) جب مقیس مِن نسبت مقیس علیہ کے کم درجے کا ہو تو قدیہ حکم درست نہیں، لہذا اخات جنون میں عند الضرورت فسخ نکاح کا حکم درست اور جذام اور برص میں درست نہیں۔

[1] مسئلہ پہلے آچکا ہے وہاں ہم نے حاشیہ میں اس کی پوری تفصیل لکھدی ہے، ناظرین اسے دیکھ لیں، (حاشیہ ص ہذا) [1] مشکوٰۃ شریف ج ۲، ص ۲۸۴، پر عتاق کی جگہ رجعت ہے، ترمذی ابو داؤد کا حوالہ ہے، سب میں رجعت ہی کا لفظ ہے، علاوہ ان کتابوں کے ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے، اس میں بھی رجعت کا لفظ ہے، حاکم میں بھی یہی ہے، البتہ ملا علی قاری لکھتے ہیں، قال ابوبکر الغفاری وروی والعتق ولم یصح شیٔ منہ قال المنذری ان اراد انہ لیس شیٔ منہ علی شرط الصحیح فانہ صحیح وانہ ارادبہ انہ ضعیف ففیہ نظر، فانہ حسن کما قال الترمذی کذا ذکرہ میرک، ص ۸۰، ۴، ج ۳، مصری، مؤطا امام مالک میں ان الفاظ کے ساتھ ہے، ثلث لیس فیھن لعب النکاح والطلاق والعتق، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

شریعت و مذہب حنفی تحریر فرما کر ممنون و مرہون فرمائیے؟

الجواب: جب تک زید طلاق نہ دے یا موت واقع نہ ہو اور عدت نہ گذر جائے، اس وقت تک زینب کسی سے نکاح نہیں کر سکتی کہ وہ اب تک زید کی زوجہ ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، زید پر لازم ہے کہ زینب کو اچھی طرح رکھے یا طلاق دے، یہ صورت کہ نہ رکھتا ہے نہ طلاق دیتا ہے اور خواہ مخواہ اسے پریشان کرتا ہے ناجائز و حرام ہے، اللہ عز و جل فرماتا ہے، فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ، یعنی عورت کو معلق نہ چھوڑ دو، عورت کو چاہئے کہ وہ زید پر دعویٰ کرے حاکم[1] زید کو مجبور کرے گا کہ زینب کو رکھے یا طلاق دیدے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از ریاست بھاول پور محلہ موڑی دروازہ، مرسلہ مولوی محمد صادق صاحب معلم جامعہ عباسیہ، ۱۱ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ہندہ سے نکاح کیا، کچھ عرصہ بعد قبل زفاف زید مرزائی ہوگیا، ہندہ نے عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا، زید نے عدالت میں بیان کیا کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور مسیح موعود مانتا ہوں، میں مرزا صاحب کو اس معنی میں نبی مانتا ہوں جس معنی میں قرآن عظیم نے نبوت کو پیش کیا ہے، مرزا صاحب دیگر انبیا علیہم السلام کی طرح نبی تھے، ان پر دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح نزول جبرئیل علیہ السلام ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہ ہوئی، بلکہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی نبی ہو سکتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ (۱) کیا شرعاً زید ایسا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے مسلمان رہ جاتا ہے یا مرتد ہوگیا ہے، ؟ (۲) کیا شرعاً زید کا نکاح ہندہ سے باقی یا بوجہ ارتداد فسخ ہوگیا ہے، ؟

الجواب: جو شخص حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی جدید نبی کا قائل ہو، بلکہ اگر کسی کو نبوت ملنا جائز جانے وہ قطعاً کافر

---

[1] مراد یہ ہے کہ حاکم اسلام کے یہاں دعویٰ کرے، موجودہ کچہریوں کے حکام کے یہاں دعویٰ بے کار ہے، وہ قانونی طور پر مجبور ہیں کہ موجودہ حکومت کے قانون کے مطابق فیصلہ کریں، اور اب حکومت نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ اگر شوہر عورت کو تنگ کرتا ہے اور عورت اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو دعویٰ کے بعد حاکم فسخ نکاح کا خود حکم دیتا ہے، یہ حکم شریعت کے صراحۃً خلاف ہے، سوائے معدودہ چند صورتوں کے کسی بھی حالت میں مفقود مثلاً صورت مسؤلہ میں کسی بھی حاکم حتیٰ کہ حاکم اسلام کو بھی یہ اختیار نہیں کہ فسخ نکاح کا حکم کرے، اور اگر بالفرض کوئی حاکم حکم کرے بھی تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا، حکومت کے اس قانون سے غلط فائدہ حاصل کرنے کے لئے بہت سی عورتیں حکام سے فسخ نکاح کا حکم لے کر دوسرا نکاح کرلیتی ہیں، یہ قطعاً جائز نہیں، اس نام نہاد نکاح ثانی کے بعد شوہر ثانی سے جتنی خلوت ہوگی حرام ہوگی، جتنی ہمبستری ہوگی زنائے خالص ہوگی، جو اولاد ہوگی وہ اولادالزنا ہوگی، دعویٰ کرنا ہی ہے تو عورت نان، نفقہ کا دعویٰ کرے، اس صورت میں شوہر طلاق دینے پر مجبور ہوگا، اور اگر کوئی شریر ایسا ہو، کہ پھر بھی طلاق نہ دے اور نہ نان، نفقہ دے تو بحالت مجبوری وہ علمائے بلد کے یہاں درخواست کرے، اور یہ عالم معسر النفقہ کی صورت میں فسخ نکاح کا حکم دے سکتے ہیں، حالت طلبیہ میں اب ہمارے علما نے بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرتد ہے، اس کے کفر میں ہرگز شک و شبہ کی گنجائش نہیں، قرآن مجید نے ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، حدیث میں موجود ہے، الا[1] انہ لا نبی بعدی، کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور فرمایا، لو[2] کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب، جب صحابہ میں کوئی نبی نہ ہوا، خلفائے راشدین میں کسی کو نبوت نہ ملی، تو اب کون نبی ہو سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری[3] میں ہے، سمعت بعضہم یقول اذا لم یعرف الرجل ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء علیہم وعلی نبینا السلام فلیس بمسلم، یہاں تک اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا، دوسرے نے اس سے معجزہ طلب کیا، اگر مقصود تعجیز نہ ہو یہ بھی کافر ہو جائے گا، عالمگیری[4] میں ہے، ولو انہ حین قال ہذہ المقالۃ طلب غیرہ منہ المعجزۃ قیل یکفر الطالب، (۲) زید چونکہ مرتد ہو گیا، لہٰذا اس کا نکاح باطل ہو گیا، ہندہ پر اب اس کو کوئی حق نہیں، در مختار[5] میں ہے، ویبطل فیہ النکاح، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از مقام بسنی، ضلع چتور گڈھ، مرسلہ خدا بخش صاحب، ۱۶ر محرم الحرام ۱۳۵۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی منگنی زید سے کی، منگنی کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ زید غیر مقلد ہے، اب اس کے ساتھ ہندہ کا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں اور اس سے تعلق رکھا جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب :- جب کہ زید غیر مقلد ہے تو ہندہ کا اس سے نکاح کرنا ہرگز درست نہیں، کیونکہ غیر مقلدین پر بوجوہ متعدد کفر لازم ہے، اگر منگنی کر دی ہے، تو بھی اس کو توڑ دینا ضروری ہے، ورنہ سخت گناہ کا مرتکب ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :- از ہوڑہ بنیا پاڑہ، مرسلہ جناب حکیم ابو محمد عبد الرزاق صاحب، ۱۷ر جمادی الآخرہ ۱۳۵۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب و کلثوم دونوں حقیقی بہن ہیں، زینب کی شادی زید سے ہوئی اور کلثوم کی شادی عمرو سے، مگر کسی وجہ سے عمرو نے کلثوم کو تین طلاق دے دیا، اس کے بعد زینب کے شوہر سے کلثوم مل جل کر رہنا چاہی، لیکن زینب اس کے مخالف رہی، اب زید نے غصہ میں آکر زینب کو تین طلاق دیدیا، مگر زینب اس طلاق پر راضی نہ ہو کر گھر ہی میں رہی، الآخر دونوں بہنوں کی عدت گذر گئی، تب زید نے کلثوم سے شادی کر لیا اور زینب نے اپنی بہن سے صلح کر لی اور رہنے لگی، جس کا آج عرصہ بائیس سال ہوتا ہے، ان واقعات کے بعد کلثوم سے ایک لڑکی زبیدہ پیدا ہوئی، جس کی عمر سترہ برس کی ہے، چونکہ ان واقعات کو محلہ والے جانتے ہیں، اس لئے زبیدہ سے کوئی شادی کرنے پر راضی نہیں، زینب کی طلاق کا

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲، ص ۵۶۳، [2] مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۸، ج ۲، [3] ص ۲۸۲، ج ۲، مجیدی، [4] ایضاً اس کے بعد ہے، والمتاخرون من المشائخ قالوا ان کان غرض الطالب تعجیزہ وافتضاحہ لا یکفر، یعنی اگر کسی نے یہ کہا کہ میں پیغمبر ہوں، اور اپنی مراد یہ بتاتا ہے کہ میں پیغام لے جانے والا ہوں تو کافر ہے اور اس نے جب یہ بات کہی تو کسی نے اس سے معجزہ طلب کیا تو کہا گیا کہ یہ کافر ہے، اور مشائخ متاخرین نے فرمایا اگر معجزہ طلب کرنے والے کی نیت اسے عاجز اور رسوا کرنا ہو تو کافر نہیں، اس عبارت کا مفہوم یہ نکلا کہ اگر معجزہ طلب کرنے والے کی نیت اسے عاجز کرنا یا رسوا کرنا نہ ہو تو معجزہ طلب کرنے والا کافر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)
[5] ص ۳۰۱، ج ۲، باب المرتد ملخصاً

حال سوا دو تین آدمیوں کے کوئی نہیں جانتا، از روئے شرع بتایا جائے کہ زبیدہ سے عقد جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:- زید نے جب کہ زینب کو طلاق دیدیا، اور اس کی عدت گذر نے کے بعد کلثوم سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہے اور زبیدہ کلثوم کی جائز اولاد ہے، اس کو حرامی نہیں کہا جا سکتا اور اس زبیدہ سے نکاح جائز و درست ہے، اگر ناجائز اولاد ہوتی جب بھی نکاح درست ہوتا، اور یہ تو جائز اولاد ہے، زینب کو جب کہ طلاق دے چکا ہے تو اسے ہرگز اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، یہ بالکل حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- از شہر بلیا، درزی چوک بازار، مرسلہ محمد عمرو میاں، ۲۱ رجمادی الاولیٰ یوم جمعہ ۱۳۵۴ھ۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیا ہے اور بکر نے زید کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اور اس نکاح میں چند آدمی اور بھی شریک تھے، ان لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیا ہے، اب عمرو کہتا ہے کہ ایسے نکاح کی مجلس میں جتنے لوگ شریک تھے، سب کی عورتیں مطلقہ ہو گئیں؟

(۲) زید نے اپنی بیوی کو تین برس تک اس کے میکے میں چھوڑ دیا ہے اور خرچ وغیرہ بھی نہیں دیتا ہے اور نہ وہاں جاتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اس کی عورت تین برس کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- جب تک شوہر طلاق نہ دے اس کا نکاح دوسرے سے ہو سکتا ہی نہیں، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، اس نے نکاح حرام قطعی ہے، جو اس کو جائز کہے کافر ہے، کہ حرام قطعی کو حلال بتانا کفر ہے، نکاح کو شرع نے حل بضعہ کے لئے وضع کیا ہے، یہ عقد کرنا یا اس کا شاہد بننا یا اس میں شرکت کرنا بظاہر اس کو حلال جاننے کی دلیل ہے، لہذا جتنے لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ عورت منکوحہ ہے اور اس میں شریک ہوئے، سب لوگوں پر توبہ[1] لازم اور اپنی اپنی عورتوں سے تجدید نکاح بھی کریں۔

(۲) زید پر نفقہ واجب ہے، نہیں دیتا ہے گنہگار ہے، حق اللہ اور حق العبد میں گرفتار ہے، مگر اس کی وجہ سے عورت اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی، بکر غلط کہتا ہے، کہ دوسرا نکاح وہ عورت کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- مرسلہ عصمت اللہ، قصبہ مئو، محلہ گھاسی پورہ، ضلع اعظم گڈھ، ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ بنت محمد ایوب کہ جس کا نکاح ہو چکا ہے، کچھ عورتیں اس کو کسی حیلہ سے بھگا کر لائیں اور اس کا نکاح قصداً جبراً دوسرے سے پڑھا دیا، نکاح پڑھانے والا اور گواہ اور وہ عورتیں اور خود جبراً شوہر بننے والا ان سب کو اس بات کا اچھی طرح یقین تھا اور جانتے تھے کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شرع شریف اس کے نکاح اول میں

---

[1] اس حکم کی تفصیل حاشیہ میں گذر چکی ہے، اسے ضرور دیکھ لیا جائے

کوئی خرابی ہوئی یا نہیں اور نکاح ثانی میں شرکت کرنے والوں پر شرع کیا حکم دیتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: جب اس عورت کا نکاح ہو چکا ہے تو دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنت من النساء، وہ بدستور پہلے شوہر کی منکوحہ ہے، اس پہلے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی جن لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ عورت منکوحہ ہے اور باوجود علم اس جدید نکاح کے گواہ بنے یا نکاح پڑھایا ان سب پر توبہ لازم ہے، اور بعد توبہ یہ لوگ اپنے اپنے نکاحوں کی تجدید کریں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد منصور خاں ساکن بائیں، ضلع علی گڑھ ۱۴ر جمادی الآخرہ ۱۳۵۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کو اپنے گھر رکھا، اولاد بھی ہوئی، پھر زید کا انتقال ہو گیا، عورت دو سال تک شوہر کے مکان پر اور کبھی اپنے باپ کے مکان پر رہی یہ زمانہ تقریباً دو سال کا ہوا پھر کسی دوسرے شخص نے اس سے نکاح کر لیا بعد کو اس کے زوجہ کو معلوم ہوا کہ یہ عورت منکوحہ چار ماہ کی حاملہ ہے، اس لئے اس نے اس عورت کو اپنے گھر سے نکال دیا جب اس عورت کو بچہ پیدا ہو گیا تو اس نے اس عورت کو طلاق دیدی دریافت طلب یہ امر ہے کہ حمل کی صورت میں اس شخص کا نکاح اس عورت کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں اور بصورت صحت نکاح اس عورت کو بعد وضع حمل طلاق دیدینے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں، جب کہ اس شوہر نے اس عورت کو طلاق دی اور اس کی طلاق کو گیارہ ماہ گذر چکے، بینوا توجروا۔

الجواب: اگر زید کے مرنے سے دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا ہے تو یہ حمل زید کا قرار پائے گا، اور زمانۂ حمل میں نکاح صحیح نہ ہوگا، کہ اس صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہے، اور معتدہ سے نکاح صحیح نہیں اور اگر دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ بوقت موت شوہر حاملہ نہ تھی اور اس صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہ حمل زنا کا ہے اور جس عورت کو زنا سے حمل ہو اس سے نکاح صحیح ہے اگر چہ غیر زانی سے نکاح کیا جائے کما فی الدر المختار وغیرہ اور اس صورت میں جب کہ اس شوہر نے طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی ہو یعنی تین حیض آکر ختم ہو گئے، اب اس کا دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ غلام محی الدین صاحب اجمیر شریف محلہ لاکھن کوٹھڑی، ۴ر جمادی الآخرہ ۱۳۶۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایسا اتفاق ہو گیا ہے کہ ایک شخص نے ایک ایسی عورت سے نکاح کر لیا ہے جس کی ماں سے یہ شخص سونے کی حالت میں ناجائز طور پر بوس وکنار کر چکا تھا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس شخص کو اپنی منکوحہ کو چھوڑنا پڑے گا، یا نہیں اس سلسلہ میں یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اس مسئلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف فرما رہے ہیں یا اتفاق گذارش ہے کہ شخص مذکور نے اپنی گذشتہ حرکت ناجائز سے توبہ کر لی، اور سخت شرمندہ ہے، فقہ کی کتاب جوہرہ نیرہ جلد دوم ص ۵۹ کی عبارت

درج ذیل ہے جو مجھے ایک صاحب نے بتائی ہے، ان کا یہ فرمانا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کو یہ عبارت ضرور تحریر کر دینا" ثم اذا لم یدخل بالام حل لہ تزویج البنت فی الفرقۃ والموت لان الدخول الحکمی لا یوجب التحریم" ۔

اب کیا جناب کا ارشاد ہوگا، شخص مذکور کو اس پر عمل کرایا جائے گا؟

الجواب:۔ جب یہ شخص اس عورت کی ماں کو شہوت سے چھو چکا ہے اور اس کا بوسہ لے چکا ہے تو یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی، یہ اس کی محرمات میں ہو گئی، اور اس سے نکاح درست نہ ہوا کہ حرمت مصاہرت جس طرح نکاح سے ہوتی ہے اور وطی سے ہوتی ہے، شہوت کے ساتھ مس کرنے اور بوسہ لینے سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ یہ کام ناجائز طور پر ہوں، توبہ کرنے سے وہ گناہ جاتا رہے گا، جو اس کے ذمہ ہے، حرمت جو ثابت ہو چکی ہے، اس کا ازالہ نہیں ہوگا، اس صورت مذکورہ میں صاحبین کا خلاف نہیں ہے، وہ بھی حرمت مصاہرت کے قائل ہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وکما تثبت ھذہ الحرمۃ بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشہوۃ کذا فی الذخیرۃ سواء کان بنکاح او ملک او فجور عندنا کذا فی الملتقط[1]، جوہرہ نیرہ کی جو عبارت استفتا میں منقول ہے، اس کو اس صورت مذکورہ سے تعلق نہیں، اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ منکوحہ سے اگر محض خلوت[2] ہی ہوئی تو اس عورت کی لڑکی حرام نہیں ہوگی، کہ محض خلوت حرمت کے لئے ناکافی ہے کہ اس مسئلہ میں خلوت قائم مقام وطی نہیں، چنانچہ عالمگیری[3] میں اس صورت کو اس طرح بیان کیا، واصحابنا ما اقاموا الخلوۃ مقام الوطی فی حرمۃ البنات، درمختار[4] میں ہے، ولا تکون کالوطی فی حق بقیۃ الاحکام کالغسل ولا احصان وحرمۃ البنات، رد المحتار[5] میں ہے، قولہ وحرمۃ البنات ای لم یقیموا الخلوۃ مقام الوطی فی ذالک فلو خلا بزوجتہ بدون وطئ ولا مس بشہوۃ لم تحرم علیہ بنتہا بخلاف الوطی، اس عبارت سے واضح ہے کہ اگر مس بشہوت ہو تو قائم مقام وطی ہے اور حرمت ثابت ہو جائے گی، بلکہ خود جوہرہ نیرہ میں اس عبارت منقولہ کے ایک صفحہ بعد یہ مذکور ہے، ومن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امہا وابنتہا وکذا اذا مس امرأۃ بشہوۃ حرمت علیہ امہا وابنتہا، ان تصریحات سے ثابت ہے کہ صورت مذکورہ میں وہ عورت اس شخص پر حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

---

[1] ص ۲۷۴، ج ۲، باب المحرمات قسم ثانی مجیدی، [2] خلوت کے معنی ہیں تنہا ہونا جوہرہ نیرہ کی عبارت میں خلوت سے مراد یہ ہے کہ عورت مرد تنہائی میں صرف اکٹھا ہوئے، ایک نے دوسرے کو شہوت سے ہاتھ تک نہیں لگایا تو صرف ایسی تنہائی سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی یعنی اس عورت کے اصول و فروع اس مرد پر اور اس مرد کے اصول و فروع اس عورت پر حرام نہ ہوں گے، یہ مراد نہیں کہ تنہائی میں اکٹھا ہونے کے بعد وطی ہوئی یا ایک نے دوسرے کو شہوت سے چھوا تو بھی حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، سائل نے کم فہمی سے خلوت کے معنی جماع سمجھ لیا، یا شہوت کے ساتھ چھونا سمجھ لیا، اس بنا پر سوال کر بیٹھا، وطی یا شہوت کے ساتھ چھو لینے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت احناف کے یہاں متفق علیہ ہے، خواہ نکاح کے بعد ہو یا بغیر نکاح خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں ہو، اس کی تصریح خود جوہرہ نیرہ میں موجود ہے، جیسا کہ جواب میں جوہرہ نیرہ کی عبارت آگے آرہی ہے، [3] ص ۲۴۱،۲۴۲، ج ۲، علی ہامش الشامی بباب المحرمات نعمانیہ، [4] ص ۳۴۲، ایضاً

مسئلہ : مسئولہ ایس ایس منحیٰ، اجمیر شریف، ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ،

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین و مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ اگر زید کسی اجنبیہ کا اس اجنبیہ کے سونے کی حالت میں بوسہ لے، مگر زید کو بوسہ لیتے وقت شہوت کا یقین نہیں، یقین اس لئے نہیں کہ تقبیل سے قبل آلۂ تناسل میں استادگی تھی اور زیادتی جنبش آلۂ تناسل کی جس سے شہوت کا حال معلوم ہو وہ زید کو بالکل یاد نہیں، تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں، نوٹ: زید نے صرف ایک مرتبہ بوسہ لیا، اس میں زیادہ وقت بھی نہیں لگا ہے،،

الجواب : بوسہ لینے کی صورت میں اگر معلوم ہے کہ شہوت نہیں ہوئی، جب تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں، ورنہ حرمت ثابت ہو جائے گی اور چونکہ سوال میں جو صورت مذکور ہوئی وہ یہ ہے کہ شہوت کا یقین نہیں اور شہوت ہونا یاد نہیں، یہ نہیں ہے کہ شہوت کا نہ ہونا یاد ہے، لہذا حرمت کا حکم ہوگا۔ فتاوی امام قاضی خاں[1] میں ہے، ولو قبل الرجل ام امرأته تثبت الحرمة ما لم يظهر انه قبلها بغير شهوة وفي المس ما لم يعلم انه كان عن الشهوة لا تثبت الحرمة لان تقبيل النساء غالبا يكون عن شهوة۔ فتاوی عالمگیری[2] میں ہے، واذا قبلها ثم قال لم يكن عن الشهوة او لمسها او نظر الى فرجها ثم قال لم يكن بشهوة فقد ذكر الصدر الشهيد رحمة الله عليه في التقبيل يفتى بثبوت الحرمة ما لم يتبين انه قبل بغير شهوة وفي المس والنظر الى الفرج لا يفتى بالحرمة الا اذا تبين انه فعل بشهوة لان الاصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر كذا في المحيط، والله تعالى اعلم،

مسئلہ : مرسلہ شیخ رشید احمد ساکن موضع سمند پور، ضلع اعظم گڈھ، ۱۸ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ،

بعالی خدمت سلطان الواعظین عمدۃ العلماء المفسرین دام ظلکم بعد تحفۂ آداب و تسلیمات معروض ہیں کہ ایک شخص نے کسی عورت باکرہ سے نکاح کیا تقریباً پندرہ سولہ برس تک اپنے یہاں رکھا، جس سے دو بچے بھی مولود ہوئے، بعد مدت مابین طرفین کسی وجہ سے تنازع واقع ہوگیا شوہر نے اپنی عورت منکوحہ سے دست برداری حاصل کرنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک غیر شخص کے ساتھ اپنی عورت کو زنا کا الزام وارد کیا اور اپنے گھر سے نکال دیا، اب وہ عورت اپنی ماں کے پاس چلی گئی، بعد ازاں اس کے شوہر نے عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا کہ فلاں شخص ملزم کے ساتھ میری عورت مبلغ سو روپیہ نقد اور بارہ عدد زیورات لے کر بھاگ گئی، غرض کہ مقدمہ جاری ہوا دونوں میاں بیوی طلب کئے گئے ان سے پوچھا گیا، تم کس کی عورت ہو، عورت نے اسی شوہر حقیقی کو اپنا شوہر تسلیم کیا اور مرد نے عورت کو اپنی بیوی تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس میں شبہ ہو تو قاضی نکاح سے دریافت کر لیا جائے، قاضی سے جب پوچھا گیا کہ تم نے صیغہ عقد جاری کیا، کہا ہاں، مگر جب عورت مرد منکوحین کا نام پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ میں نام سے

---

[1] ص ۱۶۶، ج ۱، فصل المحرمات، [2] ص ۵، ج ۲، باب المحرمات، قسم ثانی۔

واقف نہیں اس اظہار پر از روے عدالت عقد فاسد سمجھا گیا اور عورت کی ایک طرفہ ڈگری ہوئی اور وہ شخص ملزم الزام زنا سے بری کیا گیا، اس عورت کی ماں فقط تنہا ہے بمشکل گذر اوقات کی صورت ہوتی ہے، اس عورت مذکورہ کا شوہر حقیقی نہ تو اس کو رکھنا ہی چاہتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے، اس صورت میں عدالت شرعیہ سے کیا حکم ہوتا ہے وہ عورت کسی غیر شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؛ بینوا توجروا،

الجواب: جب عورت اس کو اپنا شوہر بتاتی ہے، اور مرد بھی اس کو اپنی منکوحہ کہتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے علم میں بھی یہ بات ہے کہ یہ دونوں زوج وزوجہ ہیں تو فقط اتنی بات سے کہ نکاح خواں نے یہ کہدیا کہ مجھے نام معلوم نہیں، نکاح کو فاسد بتانا بالکل غلط فیصلہ ہے، جو ہرگز قابل اعتبار نہیں، وہ دونوں بدستور میاں بیوی ہیں اور عورت کو ہرگز یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کرے، جب تک شوہر سے طلاق حاصل نہ کرلے یا مرنہ جائے اور عدت پوری ہو جائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: (۱) کیا زوجہ کی لڑکی سے اس کی موجودگی میں نکاح ہو سکتا ہے،

(۲) زوجہ کے لڑکے کی بیوی طلاق کے بعد اس زوجہ کے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے،

الجواب: (۱) جس عورت سے نکاح کیا اور دخول بھی کر چکا، اس کی لڑکی حرام ہے نہ عورت کی موجودگی میں اس سے نکاح کر سکتا ہے اور نہ اس کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، وربائبکم التی فی حجورکم من نساءکم التی دخلتم بھن، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۲) اس سے نکاح ہو سکتا ہے، قال اللہ تعالیٰ، احل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں کافرہ عورت گذری ہیں یا نہیں، اگر گذری ہیں تو بعد عقد کافرہ ہوئیں یا پہلے ہی سے کافرہ تھیں، انبیاء کرام کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی عورتیں، دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتیں، کیونکہ وہ اپنی حیات تک انبیاء کرام ہی کی عقد میں رہتی ہیں، اگر بعد پردہ فرمانے کے کافرہ ہوئیں، تو اب عقد سے باہر ہو جائیں گی یا نہیں، اور دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں، مع حوالہ کے جواب کہ کس نبی کے عقد میں گذری ہیں؛

الجواب: انبیاء علیہم السلام کے نکاح میں کافرہ عورتیں بھی تھیں، حضرت نوح ولوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں، اگلی شریعتوں میں کافرہ سے نکاح کرنا جائز تھا، اس شریعت مطہرہ میں بھی کافرہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوا، ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأت نوح وامرأت لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین، واللہ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ محمد صابر بر مکان مولوی حکیم محمد طاہر رضوی، ٹیا برج، سڑک خام کلکتہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت ملا کے دو لڑکے عباس ملا اور غلام ملا، عباس ملا کی دو شادی ہوئی، ایک سے جمیلہ اور

دوسرے سے سلیمان ملا اور غلام ملا سے عنایت ملا پیدا ہوا، عنایت ملا کی شادی جمیلہ سے ہوئی، بہار ملا پیدا ہوا، اور بہار ملا کی شادی دوسرے خاندان میں ہوئی جس سے تسلیمہ پیدا ہوئی، اب تسلیمہ بیوی کا عقد سلیمان ملا سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: تسلیمہ بیوی سلیمان ملا کی بہن کی پوتی ہے اور بہن کی پوتی سے نکاح حرام، قال اللہ تعالیٰ، و بنت الاخ و بنت الاخت، بنات الاخت میں بہن کی پوتیاں بھی داخل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل فی مفقود الخبر

مفقود الخبر کا بیان

مسئلہ: معرفت سید ایوب علی صاحب بریلی، محلہ کسگران۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اپنے مکان سے بوجہ شرمندگی علت قمار بازی زید اور اپنی منکوحہ کو اطلاع دیئے بغیر سفر کو چلا گیا، عرصہ سولہ سال تک مفقود الخبر رہا، جب زید کو اپنے فرزند کے فوت ہو جانے کی خبر شہر لکھنؤ میں معلوم ہوئی، زید وہاں پہونچا، لوگوں سے جا بجا اپنا قصہ آبدیدہ ہو کر بیان کیا، اتفاق سے ایک شخص سے اس کا حلیہ قد و قامت، نام و پتہ اور جملہ باتیں تصدیق ہوگئیں، زید نے بریلی آکر جملہ احوال من و عن اپنے برادران سے ظاہر کیا، عرصہ آٹھ سال کے بعد اپنے فرزند کے فوت ہونے کے بیوہ بہو کا نکاح ثانی اس کے کہنے سے اور اپنی غربت کی وجہ سے کر دیا، نکاح خواں نے چودھری و نیز برادری کے لوگوں سے تصدیق کر کے نکاح پڑھایا، شرعاً یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر ثقہ نے خبر دی اور عورت کو اس کے خبر سننے کے بعد غالب گمان یہ ہوا کہ یہ خبر سچی ہے تو موت کی عدت گذارنے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے، درمختار میں ہے[1]، اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات ان اکبر رأيها انه حق فلا باس ان تعتد و تتزوج۔ اقول جب کہ خبر دینے والے نے یہ خبر دی ہے کہ اس شخص کو مرتے ہوئے اتنا زمانہ گذر چکا ہے کہ عدت وفات پوری ہو چکی تو اب معتبر خبر ماننے کے بعد جس سے ظن غالب ہو جاتا ہو، نکاح کر لینا جائز ہے کہ عدت پوری ہو چکی اور خبر پانے کے بعد عدت گذارنے کی ضرورت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از کلکتہ مرسلہ جناب مولوی محمد عبد العزیز صاحب، ۷ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی مقبول احمد ڈھائی سال سے مفقود الخبر ہے

---

[1] ص ۶۱۵ - ۶۱۶، ج ۲، باب العدۃ، نعمانیہ۔

اور ان کی بیوی موجود ہے اور اس مفقود الخبر کا وارث اس کی بیوی کو نان و نفقہ دیتا ہے، باوجود اس کے اس کی بیوی اسکے نکاح کو فسخ کر کے دوسری شادی کی خواہش مند ہے اگر دوسری شادی نہ ہو تو زنا کا از حد احتمال ہے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب تک مقبول احمد کی عمر سے ستر سال نہ گذر لیں، اس وقت تک وہ حکم احیاء میں ہے اور اس کی عورت نکاح نہیں کر سکتی ہے، اس عورت کو حکم ہے کہ صبر کرے، درمختار میں ہے[1] ولا یفرق بینہ وبینہا ولو بعد مضی اربع سنین واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۴۳۔ ۱۲۰ھ

مسئلہ: مسئولہ طفیل احمد اعظم گڈھی، مدرس مدرسہ کون یعقوب سیٹھ سلٹ نمبر ۹ بھنڈی بازار بمبئی ۳، محرم الحرام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا بعدہ زید کچھ ایسا غائب ولاپتہ ہوا کچھ خبر نہیں، نہیں کہا جاسکتا کہ وہ زندہ ہے یا مرگیا، اس کو مفقود ہوئے تقریباً پانچ سال سے زائد ہوتے ہیں، ابتداءً ایک سال کے بعد ایک جوڑا پارچہ اور مبلغ پانچ روپیہ آیا تھا، بعد ازاں چار برس سے زیادہ ہوتا ہے کہ بالکلیہ کچھ خبر نہیں، ایسی حالت میں مسماۃ مذکورہ کا عقد کیا جاسکتا ہے یا نہیں، بحوالہ کتب معتبرہ جواب شافی لکھا جاوے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زن مفقود کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک شوہر کی عمر ستر برس کی نہ ہو، اس وقت تک موت کا حکم نہ دیں گے، نہ اس کی عورت کو نکاح کرنا جائز، درمختار میں ہے، ولا یفرق بینہ وبینہا

---

[1] ص ۳۳۰، ج ۳، کتاب المفقود، نعمانیہ، [2] لیکن اگر شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی وجہ سے عورت دوسری شادی کرنے پر اتنی مجبور ہو جائے کہ دوسرا کوئی چارہ کار نہ ہو حالت ملجیہ پیدا ہو جائے، تو مذہب امام مالک رضی اللہ عنہ پر عمل کرنے کی اجازت ہمارے علمانے بھی دی ہے، شامی میں ہے، وقال فی الدر المنتقی لیس باولی لقول القہستانی لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ لا باس بہ علی ما اظن اھ قلت ونظیر ھذہ المسئلۃ عدۃ ممتدۃ الطہر، وقد قال فی البزازیۃ الفتوی فی زماننا علی قول مالک، ص ۳۳۰، ج ۳، ملخصاً اس دور پرفتن میں ہمارے علماء کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ اس خصوص میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب پر فتوی دیا جائے، مگر اس خصوص میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں، اول یہ کہ مذہب امام مالک رضی اللہ عنہ یہ نہیں، کہ شوہر کے غائب ہونے کے دن سے چار سال گذار کر شوہر کے وفات کا حکم دیا جائے، بلکہ یوم مرافعہ سے یعنی قاضی کے یہاں درخواست کرنے کے دن سے چار سال انتظار کرنا ضروری ہے، جیسا کہ فتاوی رضویہ ج ۵، ص ۵۰۰ پر کتاب مدونہ کے حوالے سے مذکور ہے، دوسرے یہ کہ اس کے لئے قضائے قاضی شرط ہے، درمختار میں ہے، انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فمالم ینضم الیہ

ولد بعد مضی اربع سنین، اور بہت ائمہ کرام وصحابۂ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب، لہٰذا حنفی کو اپنے مذہب سے خروج کی اجازت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الرَّضَاعَةِ

رضاعت کا بیان

مسئلہ: مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۲۱/ربیع الاول شریف بروز شنبہ ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا اس بچے کو ایک غیر عورت نے دودھ پلایا، تین سال کے بعد بکر کے یہاں جو کہ زید کا قریبی رشتہ دار ہے لڑکی پیدا ہوئی، زید کی یہ رائے ہوئی کہ اس لڑکی کی شادی میں اپنے لڑکے کے ساتھ کر دوں گا، لڑکی کے والدین بھی رضامند تھے، اتفاقاً وہی عورت جس نے تین سال پیشتر زید کے لڑکے کو دودھ پلایا تھا، اپنے مکان سے آگئی اور پس غیبت لڑکی کے والدین اور زید کے اور بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے لڑکی کو دودھ پلادیا اس عورت کو یہ علم نہیں تھا کہ ان لوگوں کا آپس میں کیا مشورہ ہو گیا ہے، جس وقت اس نے لڑکی کو دودھ پلایا تھا، اس کا وہ دودھ نہیں تھا، جو زید کے لڑکے کو پلا چکی ہے بلکہ دوسرے بچہ کا دودھ تھا زید عالمان دین مبین سے دریافت کرنا چاہتا ہے، کہ اب اس لڑکی کی شادی زید کے لڑکے کے ساتھ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وہ لڑکا اور لڑکی آپس میں رضائی بھائی بہن ہو گئے اور باہم نکاح حرام رضاعت میں یہ شرط نہیں کہ ایک ساتھ ایک زمانہ میں دونوں دودھ پئیں اور زمانہ کا فاصلہ نہ ہو نہ حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مرضعہ اپنے شوہر یا بچہ کے والدین سے اجازت حاصل کرے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں،[1] یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہ رضاع سے بھی حرام، درمختار میں ہے،[2] لا حل بین رضیعی امرأۃ لکونہما اخوین وان اختلف الزمن والاب، ردالمحتار میں ہے،[3] کان ارضعت الولد الثانی بعد الاول بعشرین سنۃً مثلاً وکان کل منہما فی مدۃ الرضاع. واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ ص ۹۱ کا) القضاء لا یکون حجۃ. ص ۳۳۱، ج ۳، کتاب المفقود. نعمانیہ. اس زمانے میں جب کہ یہاں حاکم اسلام نہیں، علمائے بلد جو مرجع فتویٰ ہوں اس خصوص میں قاضی کے قائم مقام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1] بخاری جلد ثانی، ص ۷۶۴، کتاب النکاح، مسلم باب الرضاع، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، کتاب النکاح، موطا، باب الرضاع، [2] ص ۴۰۸، ج ۲، باب الرضاع، [3] ص ۴۰۸، ج ۲، ایضاً،

مسئلہ: مسئولہ امیر اللہ محلہ نقش بندانی، شہر بریلی، ۷ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک لڑکی گیارہ سال کی ہے. زید کی ہمشیرہ کا لڑکا سولہ سال کا ہے زید اور زید کی ہمشیرہ ان دونوں کا آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں، مگر زید کی ہمشیرہ کے اس لڑکے کے بعد دو لڑکی اور پیدا ہوئی جب کہ لڑکے کی عمر چار سال کی تھی، زید کی لڑکی کو زید کی ہمشیرہ نے پانچ منٹ دودھ پلایا تو اب زید کی لڑکی اور زید کی ہمشیرہ کا لڑکا، ان دونوں میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس وقت لڑکی کو دودھ پلایا تھا، اس وقت اس کی عمر چھ ماہ کی تھی، لہذا یہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہوئے، حدیث میں ہے، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، ان دونوں کا باہم نکاح نہیں ہو سکتا، پانچ منٹ تو بہت ہوئے صرف ایک مرتبہ چوسنے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، ویثبت به وان قل کذا فی الدر المختار، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس بچے کے پیدا ہونے کے بعد دودھ پیا، صرف اسی سے رضاعت ہو، بلکہ زید کے بہن کی تمام اگلی پچھلی اولادیں سب اس لڑکی کے بھائی بہن ہیں، در مختار میں ہے، ولا حل بین رضیعی امرأۃ لکونہما اخوین وان اختلف الزمن والاب، رد المحتار میں ہے، کان ارضعت الولد الثانی بعد الاول بعشرین سنۃ مثلا و کان کل منہما فی مدۃ الرضاع، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: مرسلہ محمد الیاس نوادہ، ضلع گیا، ۲ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رابعہ ہندہ کی حقیقی بہن ہے، رابعہ نے حولین کے اندر ہندہ کا دو تین مرتبہ دودھ پیا ہے، رابعہ کی ماں اپنی رویت بیان کرتی ہے، رابعہ کی ایک بہن نے اپنی ماں اور مرضعہ ہندہ سے رضاعت کا حال سنا ہے خود نہیں دیکھا ہے ہندہ کے مرنے کے بعد اس کے باپ نے رابعہ کی ماں اور بہن سے رضاعت کا حال سنا، خود مرضعہ کی زبانی سننا یا نہ سننا یاد نہیں لیکن ان سب کے کہنے پر یقین کرتا ہے کہ پلایا ہوگا، اب ہندہ کے شوہر سے رابعہ کا عقد جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، ایسی صورت میں احتیاط واجب ہے یا اولیٰ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب: سائل نے یہ نہیں لکھا کہ شوہر ہندہ نے رضاعت کا اقرار کیا ہے یا نہیں اور اقرار کیا ہے تو اس پر ثابت رہا یا نہیں، اگر اقرار کیا اور ثابت رہا، یعنی مثلاً یہ کہا کہ بلاشبہ یا بیشک رابعہ نے میری زوجہ کا دودھ پیا یا یہ کہا کہ یہ بات صحیح ہے یا درست ہے یا سچ ہے یا اسی قسم کے کچھ اور لفظ کہے ہوں تو اب اس اقرار سے پھر نہیں سکتا اور نکاح ناجائز ہوگا، اور اگر اقرار نہ کیا ہو

یا اقرار کیا مگر ثابت نہ رہا یعنی اس قسم کے الفاظ سے مؤکد نہ کیا جب اس اقرار سے پھر گیا تو اس نکاح سے بچنا بہتر، حدیث میں ارشاد ہوا کیف وقد قیل۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے، ولو اقر الزوج بھذا قبل النکاح فقال ھذہ اختی من الرضاع او امی من الرضاع ثم قال اوھمت او اخطات جاز له ان یتزوجھا ولو قال ھو حق کما قلت لم یجز ان یتزوجھا ولو تزوجھا فرق بینھما ولو جحد الاقرار فشھد اثنان علی الاقرار فرق بینھما کذا فی السراج الوھاج درمختار میں ہے، قال لزوجته ھذہ رضیعتی ثم رجع عن قوله صدق لان الرضاع مما یخفی فلا یمنع التناقض فیه ولو ثبت علیه بان قال بعدہ ھو حق کما قلت ونحوہ ھکذا افسر الثبات فی الھدایة وغیرھا فرق بینھما ای ولو جحد بعد ذلک کذا فی رد المحتار، رد المحتار میں فتاوی شیخ الاسلام زکریا سے ہے، الثبات علیه لا یحصل الا بالقول بان یشھد علی نفسه بذلک او یقول ھو حق او کما قلت او ما فی معناہ کقوله ھو صدق او ثواب او صحیح او لا شک فیه عندی بالجملہ رضاع کا ثبوت اقرار سے ہوگا یا گواہان شرعیہ سے عالمگیری میں ہے، الرضاع یظھر باحد امرین احدھما الاقرار والثانی البینة، کذا فی البدائع۔ لہذا اگر اقرار نہ ہو تو ثبوت کے لئے گواہان شرعیہ کی ضرورت ہوگی یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت درکار ہوگی (جو سب کے سب عادل ہوں) درمختار میں ہے، والرضاع حجته حجة المال وھی شھادة عدلین او عدل وعدلتین، رد المحتار میں ہے، وھذا عند الانکار لانه یثبت بالاقرار مع الاصرار کما مر۔ لہذا اگر گواہان عدول سے ثابت نہ ہو نہ اقرار مع الثبات ہو بلکہ صرف والدۂ ہندہ کی شہادت ہو تو نکاح سے احتراز اولیٰ ہے۔ اگرچہ فتاوی خانیہ

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۷۴، ۲، پوری حدیث یہ ہے۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ابو اہاب بن عزیز کی لڑکی سے شادی کی، ایک عورت آئی اور اس نے کہا، میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے، اس پر عقبہ نے اس عورت سے کہا میں نہیں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے، اور نہ تو نے (اس کے پہلے) بتایا، انھوں نے ابو اہاب کے گھر والوں کے پاس آدمی بھیجا، اس نے ان سے پوچھا، ان لوگوں نے یہ بتایا ہم نہیں جانتے ہیں کہ اس عورت نے اسے دودھ پلایا ہے جس سے عقبہ نے شادی کی ہے، تو وہ مدینہ طیبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضور سے پوچھا (میں کیا کروں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے حالانکہ کہا گیا (کیسے تم اس عورت کو بیوی بنائے رہو گے، حالانکہ یہ کہا گیا کہ وہ تمہاری رضاعی بہن ہے) اس پر عقبہ نے اس عورت سے جدائی اختیار کرلی اور کسی اور سے نکاح کیا۔ [2] ص ۳۴۳، ج ۲، مجیدی کتاب الرضاع۔ [3] یعنی اگر مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ اقرار کرے پھر بعد میں کہے میں نے غلط اقرار کیا تھا، تو معتبر نہ ہوگا، اور اگر اقرار ہی سے انکار کرے تو اس اقرار کے ثبوت کے لئے گواہ بقدر نصاب شرط ہوں یعنی دو مرد عادل یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتیں اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے مذکورہ بالا اقرار کیا ہے

(بقیہ ص ۹۵ پر)

میں ہے کہ قبل نکاح اگر ایک ثقہ عادل نے رضاعت کی خبر دی تو نکاح ناجائز ہے مگر ترجیح روایت اولیٰ کو ہے کہ متون سے یہی ظاہر
لہٰذا وھی معتمد فی المذھب، ردالمحتار میں ہے[1] افاد انہ لایثبت بخبر الواحد امرأۃ کان او رجلا قبل العقد او
بعدہ وبہ صرح فی الکافی والنھایۃ، عالمگیری میں ہے[2] وان کان المخبر واحدا او وقع فی قلبہ انہ صادق
فالاولیٰ ان یتنزہ ویاخذ بالثقۃ وجد الاخبار قبل العقد او بعدہ ولا یجب علیہ ذالک کذا فی المحیط
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی حقیقی بہن ہے اس زید کی بہن نے اپنے حقیقی بھائی زید کی سب سے بڑی لڑکی کو اپنے سنجھلے لڑکے کا دودھ بعد ختم ایام رضاعت پلایا، اب زید کی بہن اپنے سب سے بڑے لڑکے کی شادی زید کی اس لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتی ہے جس کو اس نے دودھ پلایا تھا۔

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اس عورت نے جب زید کی لڑکی کو دودھ پلایا، اس وقت لڑکی پندرہ روز کی تھی (سوال میں مذکور) اور ختم ایام رضاعت سے مراد اس کے لڑکے کی رضاعت پوری ہونی ہے، لہٰذا وہ لڑکی دودھ پلانیوالی کی رضاعی لڑکی ہوئی اور اس کے سب لڑکوں کی بہن اس عورت کے کسی لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے نہیں ہو سکتا کہ رضاعی بہن ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کے ساتھ دودھ پیا ہو، بلکہ مختلف زمانہ میں ہو جب بھی رضاعت کا حکم ہے، درمختار میں ہے،
ولا حل بین رضیعی امرأۃ لکونھما اخوین وان اختلف الزمن والاب، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ ابرار احمد صاحب برقی چشتی از مونگیر محلہ توپ خانہ بازار بر مکان مولوی شرف الدین احمد وکیل۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوہر کو بغیر کسی عذر کے اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز ہے یا ناجائز، جواب اس کا صراحت کے ساتھ تحریر فرمائیں اور جو علماء وہاں موجود ہوں مہربانی فرما کر ان کی مہریں بھی فتوی پر ثبت کروا دیں گے، غایت لطف وکرم ہوگا، جواب سے جلد سرفراز فرمائیں، اشد ضرورت ہے، والسلام،

(بقیہ ص ۹۴ کا) لیکن اگر مذکورہ بالا طور سے اقرار کرنے کے بعد اب کہتا ہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا ہے، اور گواہ قابل قبول نہیں، تو حکم یہی دیا جائے گا کہ رضاعت ثابت نہیں، [1] ص ۴۱۲، ج ۲، باب الرضاع نعمانیہ [2] یہ عبارت ردالمحتار کی ہے، [3] ص ۴۱۲، ج ۲، [4] ص ۴۴، ج ۲، [5] ص ۴۱۳، [6] ایضاً، [7] ص ۴۱۳، [8] ص ۴۴-۴۵، ج ۲، کتاب الرضاع، مجیدی۔

الجواب: عورت کا دودھ پینے کے لئے صرف زمانہ شیر خواری ہے، اس زمانہ کے بعد ناجائز و حرام ہے، اگرچہ ماں اپنے بچے کو دودھ پلائے لہٰذا اپنی عورت کا دودھ پینا بھی ناجائز ہے، اگرچہ جب شوہر کی عمر ڈھائی برس سے زیادہ کی ہو تو اس دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی، مگر گناہ و ناجائز ہوگا، درمختار میں ہے[1]، ولم یبح الارضاع بعد مدتہ لانہ جزء آدمی والانتفاع بہ بغیر ضرورۃ حرام علی الاصح شرح الوھبانیۃ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: زید اور ہندہ دونوں دودھ کے شریک بھائی بہن ہیں، اب زید کا بھائی عمرو جو زید سے چھوٹا ہے وہ ہندہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، ایا جائز ہے یا نہیں، یا زید کا بڑا بھائی بکر کی شادی ہندہ سے ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ہندہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو اس کی ماں کی تمام اولادیں زید سے چھوٹی ہوں یا بڑی سب ہندہ کے بھائی بہن ہیں، جس طرح زید پر حرام ہے اس کے چھوٹے اور بڑے بھائی پر بھی حرام اور اگر زید نے ہندہ کی ماں کا یا دونوں نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا ہے تو زید پر حرام ہے، اس کے بھائیوں سے نکاح ہوسکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو بہنیں ایک کا لڑکا اور ایک کی لڑکی تھی وہ دونوں بہنیں برابر برابر سورہی تھیں اتفاق سے لڑکا لڑکی کی ماں کے پاس اور لڑکی لڑکے کی ماں کے پاس سوگئی، اس نے اپنا لڑکا سمجھ کر منھ میں دودھ دے دیا، اب نہ معلوم اس نے پیا یا نہیں یہ معاملہ کوئی دس منٹ رہا ہوگا، اس وقت لڑکی کی عمر دو سال اور لڑکے کی ایک سال تھی، مگر لڑکی کا دودھ اس معاملہ سے چار ماہ بیشتر چھوڑا دیا تھا اور اس لڑکے نے اپنی والدہ کی بیماری کے سبب لڑکی کی والدہ کا دودھ پیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں، اب اس لڑکے کے بڑے بھائی کے ہمراہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ معاملہ حلت و حرمت کا ہے اگر واقعہ کے خلاف ظاہر کیا جائے تو زندگی بھر حرام میں مبتلا ہوگا، اور اس کا وبال شدید ہے، مفتی کا کام صورت مستفسرہ کا جواب دینا ہے اگر سوال میں غلطی ہو تو مفتی کے حلال کہدینے سے حلال نہ ہوگا، اللہ عزوجل ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے کوئی شے اس سے مخفی نہیں، صورت غلط بنا کر فتوی حاصل کرنے سے مواخذہ اخروی سے نجات نہیں مل سکتی، اگر چہ لڑکے کی ماں کو ہوا کہ لڑکی نے دودھ پی لیا تو یہ لڑکی اس عورت کے تمام لڑکوں پر حرام ہوگئی، کہ یہ ان سب کی رضاعی بہن ہوگئی اگر چہ لڑکی کو اس سے قبل دودھ چھڑا دیا گیا ہو بشرطیکہ اس کی عمر اس وقت ڈھائی سال کے اندر اندر ہو، درمختار[2] میں ہے، فی الجوھرۃ انہ فی الحولین ونصف ولو بعد الفطام محرم وعلیہ الفتوی، اور اگر پستان اس کے منھ میں

---

[1] ص ۴۰۳، ج ۲، باب الرضاع ثانیہ، [2] ص ۴۰۲، ج ۲، باب الرضاع، ثانیہ۔

دیا، مگر یہ علم نہ ہوا کہ پیا یا نہیں تو اس صورت میں رضاعت ثابت نہ ہوگی کہ رضاعت کے لئے صرف پستان منھ میں لینا کافی نہیں، بلکہ دودھ پینا ضرور ہے اور یہاں دودھ پینے میں شک ہے، اور شک سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، درمختار میں ہے[1]، فلو التقم الحلمة ولم یدر أدخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا ولوالجیة، ردالمحتار میں ہے[2]، وفی القنیة لو ادخلت الحلمة فی فی الصبی وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشک، ہاں اس صورت میں اگر کیف وتدقیلی والی حدیث کے طور پر نکاح سے اجتناب کرتے تو بہتر ہے، اور احتیاط پر عمل نہ کیا اور نکاح کر دیا تو نکاح کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں[3] ہے، المرأة اذا جعلت ثدیها فی فم الصبی ولا تعرف امص اللبن ام لا ففی القضاء لا تثبت الحرمة بالشک وفی الاحتیاط تثبت، رہا یہ امر کہ لڑکے نے لڑکی کی ماں کا دودھ پیا ہے، اس سے یہ دونوں بھائی بہن ہو گئے اور ان میں نکاح حرام، مگر لڑکے کے بھائی پر لڑکی حرام نہ ہو گی، عالمگیری میں[4] ہے، وتحل اخت اخیہ رضاعا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: بچہ کسی عورت کا دودھ پی لیتا ہے تو اس عورت کی کسی اولاد سے اس بچہ کا عقد نہیں ہو سکتا، معلوم کرنے سے یہ نتیجہ ہوا کہ خون کا اثر ہوتا ہے، یہ وجہ ہے، احقر خیال کرتا ہے کہ خون اس میں بھی ہے کہ بہن کی ایک لڑکی اور بھائی کے ایک لڑکے کا عقد ہو جائے؟

الجواب: دودھ خون سے بنتا ہے لہذا دونوں میں شرکت ہو گئی اور بھائی کے بیٹے بہن کی بیٹی یا اس کے عکس میں خود ان لڑکوں لڑکیوں میں خون کی شرکت نہیں، بلکہ ان کے والد و والدہ میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از مرزاپور، ۸ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ کو ایام شیر خوارگی میں دوا میں اس کی ممانی کا دودھ ملا کر پلایا گیا تو ممانی کی لڑکی سے اس لڑکے کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: دوا میں عورت کا دودھ ملا کر بچہ کو پلایا تو اس کی تین صورتیں ہیں، اگر دودھ غالب ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہے اور دوا غالب ہے تو رضاعت نہیں اور دونوں برابر ہیں، جب بھی رضاعت ثابت ہے اور غلبہ کی شناخت یہ ہے کہ رنگ یا مزہ یا بو دودھ کا ہے تو دودھ کا غلبہ ہے اور رضاعت ثابت ہے، فتاویٰ عالمگیری میں[5] ہے، لو خلط اللبن المرأة بالماء

---

[1] ص ۳۰۵، ج ۲، باب الرضاع، [2] ص ۴۰۳، ج ۲، مجیدی کتاب الرضاع [3] ایضاً، [4] ص ۳۴۲، ج ۲ کتاب الرضاع، [5] ص ۳۴۳، ج ۲، کتاب الرضاع مجیدی

اوبالدواء اوبلبن البھیمۃ فالعبرۃ للغالب کذا فی الظہیریۃ وتفسیر الغلبۃ ان یری منہ طعمہ ولونہ وریحہ او احد ھذہ الاشیاء ولو استویا وجب ثبوت الحرمۃ لانہ غیر مغلوب کذا فی البحر الرائق،

وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از قصبہ فتح کھلڈا، ضلع بلڈانہ مالک برارسی پی محمد اسلم خان ولد محمد سرفراز خان صاحب ۱۲ رجب ۱۳۴۶ھ

کھانا کھاتے وقت اپنی منکوحہ عورت کا دودھ یا دوسری غیر منکوحہ عورت کا کھانے میں گر پڑا تو وہ منکوحہ عورت کا نکاح ٹوٹا یا نہیں، اور وہ غیر منکوحہ مذکورہ عورت سے اس مرد کا نکاح درست ہے یا نہیں، یا کچھ کفارہ دینا ہوگا؟ -

الجواب: رضاعت کی مدت ڈھائی سال ہے اس مدت کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، اگرچہ دودھ پینا ناجائز ہے، مگر نکاح نہیں ٹوٹتا اور عورت اجنبیہ ہو تو اس سے نکاح کرسکتا ہے، حدیث میں ہے[1]: الرضاعۃ من المجاعۃ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از کھرڈوہ ضلع چوبیس پرگنہ، ڈاکخانہ اینٹاگڈھ، مرسلہ جناب شاہ محمد صاحب امام مسجد، ۵ رجمادی الثانی ۱۳۴۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اس مسئلہ میں کہ زید کی حقیقی خالہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو کیا زید کے حقیقی بھائی کا نکاح زید کی اس خالہ کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے، یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب: اگر وہ زید کا حقیقی بھائی ہے یعنی دونوں کے باپ ماں ایک ہیں تو زید کی خالہ اس کے بھائی کی رضاعی بہن ہوئی، اور جس طرح نسبی بہن کی لڑکی سے نکاح حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ وبنات الاخت، اسی طرح رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح حرام، حدیث میں ہے، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک آزاد منش آدمی ہے، نماز روزہ قطعی نہیں کرتا، عقیدہ بھی درست نہیں زیادہ تر رافضیوں کے عقیدہ پر ہے اور بعض وقت تفضیلی خیالات معلوم ہوتے ہیں، بہرحال بدعقیدہ اور بدمذہب

---

[1] بخاری شریف، کتاب النکاح، باب من قال لارضاع بعد حولین، ص ۷۶۴، ج ۱، وایضاً کتاب الشہادات، مسلم، رضاع، نسائی نکاح، دارمی نکاح،، امام ترمذی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، قالت، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء فی الثدی وکان قبل الفطام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہی دودھ پلانا نکاح حرام کرتا ہے جو آنتوں کو پھاڑے، اور عورت کے پستان سے آیا ہو، اور دودھ چھڑانے کی مدت کے پہلے پہلے کا ہو، مشکوٰۃ، ص ۲۷۴، درمختار میں ہے، مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم، ص ۴۱۴، ج ۲، باب الرضاع نعمانیہ۔

آدمی ہے، اس کی عورت بھی قریب قریب اپنے خاوند کے خیالات کی پابند ہے، نماز روزہ وہ بھی نہیں کرتی، اس نے ایک سنی صحیح العقیدہ عورت کے بچے کو دودھ پلایا، آیا اس عورت کو بچہ کے دودھ پلانے کا احسان ماننا چاہئے، شرع شریف کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: وہ دودھ پلانے کا احسان مانے، جس طرح والدین اگرچہ معاذ اللہ کافر ہیں، مگر ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے، یہ بھی رضاعی ماں ہے، اس کے ساتھ احسان کرے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از موضع مدارپور، ڈاکخانہ کیشن پور، ضلع سارن، مرسلہ جناب اختر حسین صاحب ۱۱؍ صفر المظفر ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی تقدیرن نے مسماۃ جگیرن کا دودھ پیا، اب لوگ تقدیرن کا نکاح جگیرن کے دوسرے لڑکے سے کرنا چاہتے ہیں، نکاح درست ہے یا نہیں، اور یہ عذر کرتے ہیں کہ یہ لڑکا جگیرن کا دودھ پینے سے پہلے پیدا ہوا تھا؟

الجواب: تقدیرن اس لڑکی کی رضاعی بہن ہے اور رضاعی بہن سے نکاح حرام، قال اللہ تعالیٰ: واخواتکم من الرضاعة۔ یعنی رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے، حدیث میں ہے، یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، رضاعی بہن یا بھائی صرف وہی نہیں جس کے ساتھ دودھ پیا، بلکہ مرضعہ کی تمام اولادیں سب اس کے بھائی بہن ہیں، بلکہ مرضعہ کے شوہر جس کا یہ دودھ ہے اس کی تمام اولادیں اگرچہ دوسری عورت سے ہوں وہ بھی اس کے بھائی بہن ہیں، تنویر الابصار میں ہے[2]۔ ویثبت به وان قل امومیة المرضعة للرضیع وابوة زوج مرضعة لبنها منه له، درمختار میں ہے[3]، ولا حل بین رضیعی امرأة لکونهما اخوین وان اختلف الزمن والاب ولا حل بین الرضیعة وولد مرضعتها، ردالمحتار میں ہے، وشمل ایضاً ما لو ولدته قبل ارضاعها الرضیعة او بعده ولو بسنین، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از موضع مدارپور، ڈاکخانہ کشن پور، ضلع سارن، مرسلہ جناب شیخ اختر حسین صاحب۔

---

[1] یہ جواب علی سبیل الترقی ہے، تفضیلیوں پر حکم کفر نہیں، وہ گمراہ اہل سنت سے خارج ہیں، مطلب یہ ہوا، جب کافر ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے، تو تفضیلیہ ان جو کافر نہیں گمراہ ہے، اس کے ساتھ احسان کرنا، بدرجۂ اولیٰ روا ہے، تفضیلی ان رافضیوں کو کہتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی افضل ہیں، یہ عقیدہ گمراہی ہے کفر نہیں، تفضیلی دو رافض کے کفری عقائد کے معتقد کو نہیں کہتے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2] ص ۵۴۴، ۴۷، ج ۲۔ [3] ص ۸۴۴، ج ۲، باب الرضاع، ثمانیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کے مابین رضاعت ثابت ہو چکی تھی تاہم جاہلوں نے زور دیا کہ ایسا نکاح کیسے ناجائز ہے، بلکہ درست ہے تو مولانا محمد احمد صاحب امین سکندر پوری دام ظلہ نے فتویٰ دیا کہ یہ نکاح بالکل ناجائز و حرام ہوگا، مابین کے والدین نے انکار کیا اور سرکشی کیا کہ ایسا فتویٰ میں نہیں مانتا، بعدہ پھر علماء دین سے فوراً گذشتہ سال استفتیٰ کیا گیا تو چاروں جگہوں سے نکاح کے حرام ہونے کا فتویٰ آیا، اب زید کی والدہ ہندہ کو دودھ پلانے کی قسم کھاتی ہے کہ میں نے ہرگز ہندہ کو دودھ نہیں پلائی ہے، طرہ یہ ہے کہ پہلے اڑی رہی کہ ایسا نکاح تو جائز ہے، اس سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو قسم کا کیا اعتبار ہے، استفتیٰ لکھنے تک بھی دونوں کے والدین نے دودھ پلانے کی قسم نہ کھائی بلکہ ذکر تک نہ کیا، اب خدا اور رسول کے ساتھ فریب کر کے قسم کھاتی ہے اور باغی ہو کر زید کو ہندہ کے ساتھ نکاح کر دیا تو اس قسم کا نکاح درست و جائز ہوا یا نہیں، سر دست برادری سے برخواست کر دیا گیا ہے، وکیل مابین کی حالت سے واقف تھا مگر ان سے نکاح پڑھوانے سے پرہیز نہ کیا، مفصل مطلع کریں؟

الجواب: اگر گواہوں سے رضاعت ثابت ہے تو والدہ زید کا انکار کرنا یا قسم کھانا کوئی چیز نہیں ہے، نکاح ناجائز و حرام ہے، ان کو برادری سے علٰحدہ کر دیا، بہت اچھا کیا اور جب تک زید و ہندہ میں جدائی نہ ہو جائے اور یہ سب لوگ توبہ نہ کریں، تو انھیں برادری میں شامل نہ کیا جائے، وکیل جب کہ واقف تھا تو اسے بھی علٰحدہ کیا جائے اور جب تک توبہ نہ کریں اس کا بھی وہی حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ زید چھ ماہ کا تھا کہ اس کی والدہ فوت ہو گئی، اس کے بعد وہ اپنی ایک چچی کے دودھ سے پرورش پانے لگا، لیکن چونکہ چچی کو دو بچوں کا سنبھالنا دشوار تھا، مجبوراً زید کی دادی زید کو کبھی کبھی اپنے پاس رکھتی اور کسی وقت تسلی کے لئے اپنا پستان بھی اس کے منہ میں دے دیا کرتی زید کی دادی کی عمر اس وقت تقریباً چونسٹھ سال کی تھی، اگرچہ اس کا خاوند زندہ تھا، مگر اس کو دودھ بالکل نہیں آتا تھا، بچہ خالی پستان چوسا کرتا تھا، اب زید کی عمر سولہ سال کی ہو گئی ہے اور ارادہ ہے کہ اس کی شادی اس کی دوسری چچی کی لڑکی سے کر دیا جائے[1] (جس کو رضاعت سے کوئی تعلق نہیں) صرف یہ شبہ حائل ہے کہ کہیں دادی کا

[1] یہاں دو احتمال ہے زید کی دوسری چچی کی لڑکی زید کے چچا سے ہو، زید کی دوسری چچی کی لڑکی زید کے چچا کے علاوہ کسی اور سے ہو، اس دوسری شق پر مطلقاً نکاح جائز ہے، جس میں کوئی خدشہ نہیں، خواہ اس کی دادی سے رضاعت ثابت ہو یا نہ، خدشہ شق اول پر ہے کہ اگر زید کی دادی سے یہ رضاعت ثابت ہو جائے، تو زید اپنی دادی کا رضاعی بیٹا ہوگا اور اس کا چچا جو اس دادی کے بطن سے ہے، اس کا رضاعی بھائی (بقیہ ص ۱۰۱ پر)

خالی پستان منہ میں لینے اور چوسنے سے رضاعت نہ ثابت ہوگئی ہو، امید ہے کہ اس مسئلہ کو صاف طور پر بحوالہ کتب فقہ جلد تر حل فرما کر روانہ کریں گے؟۔

الجواب: جب کہ معلوم ہے کہ زید کی دادی کو دودھ نہ تھا خالی پستان منہ میں لیتا اور چوستا تھا اور دودھ نہیں نکلتا تھا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی، کہ خالی پستان بغیر دودھ کے چوسنے سے رضاعت نہیں ہوتی، بلکہ دودھ پینے سے ہوتی ہے، درمختار میں ہے[1]۔ هو مص من ثدی آدمیة ولو بکرا او میتة او آئسة، ردالمحتار میں بحر سے ہے[2] المراد بالمص الوصول الی الجوف من المنفذین وخصه لانه سبب للوصول فاطلق السبب واراد المسبب، نیز اسی میں نہر سے ہے، المص یستلزم الوصول الی الجوف لما فی القاموس مصصته شربته شربا رفیقا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: دودھ پلانے والی کو بغیر اپنے شوہر کی اجازت سے دوسرے کے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: شوہر سے اجازت لے کر پلائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از کلکتہ سیالدہ اپر سرکولر روڈ نمبر ۱۰، مرسلہ نور محمد باہر علی فروٹ مرچنٹس اینڈ جنرل آرڈر سپلائرس۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کی سگی ہمشیرہ ہندہ نے زید کی لڑکی کو بوجہ بیمار ہونے ماں کے اس کی لڑکی کو دودھ پلانا چاہا اور اس ارادہ سے لڑکی کو اپنے سینے سے لگایا جیسے ہی کہ اس نے سینے سے لگایا تھا کہ دوسرے لوگوں نے منع کیا فوراً سینہ سے جدا کر لیا، اور دودھ نہ پلایا، مگر یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ لڑکی نے دودھ پیا یا نہیں پیا اور اس لڑکی کی نسبت ہندہ کے لڑکے سے ہوتی ہے، لہذا از روئے شرع شریف ان دونوں کی شادی آپس میں ہوسکتی ہے یا نہیں، اس مسئلہ کو ہم نے کئی عالموں سے دریافت کیا تھا، بعض نے کہا ہوسکتا ہے اور بعض نے کہا نہیں ہوسکتا ہے، خلاصہ جواب سے مطلع کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر عورت نے لڑکی کے منہ میں پستان دیا اور اس کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ لڑکی نے دودھ پیا یا نہیں یعنی اس میں شک ہے، تو رضاعت وحرمت کا حکم نہیں دیا جاسکتا، درمختار میں ہے: فلو التقم الحلمة ولم یدر ادخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا، ہاں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اجتناب کیا جائے، کما فی عالمگیریہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۰) اس صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا، کہ اس صورت میں اس چچا کی لڑکی اس کی بھتیجی ہوئی، اور بھتیجی سے نکاح حرام، مگر چونکہ رضاعت ثابت نہیں اس لئے ان دونوں میں نکاح بلاشبہ جائز، جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے تحریر فرمایا، واللہ تعالیٰ اعلم، [1] ص ۴۰۳، ج ۲، باب الرضاع، نعمانیہ، [2] ایضاً۔

باب الولی

ولی کا بیان

مسئلہ ۱: از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ،

اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت جو نابالغہ ہو اور اس کا نکاح صرف ماں اپنی خوشی سے کردے اور وہ عورت اب بالغ ہو گئی ہے اور وہ اس نکاح کو منظور نہیں کرتی ہے، اب وہ عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں، اور عورت کا شوہر ایک سال یا ڈیڑھ سال سے باہر ہے نہ خرچ دیتا ہے نہ گھر آتا ہے؟

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ عورت نابالغہ کے دو بھائی جوان بھی تھے، مگر وہ دونوں بوقت نکاح یہاں موجود نہ تھے، ایک مرادآباد گیا تھا اور ایک کہیں اور تھا، مرادآباد کچھ اتنی دور نہیں کہ وہاں سے نہ آسکتا ہو یا اس کی اجازت و رائے نہ لی جاسکے اور کفو خاطب انتظار نہ کر سکے، لہٰذا اس صورت میں ماں کو لڑکی کے نکاح کرنے کی ولایت نہ تھی، یہ نکاح فضولی ہوا، بھائی کی اجازت پر موقوف تھا، اگر بھائی نے اجازت دی ہو تو جائز ہو گیا، اور رد کر دیا ہو تو رد ہو گیا، اور اگر کچھ نہ کہا ہو یہاں تک کہ لڑکی جوان ہو گئی تو اب اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے، اگر واقع میں بھائی نے اجازت نہ دی ہو اور نہ بلوغ کے بعد لڑکی نے جائز کیا ہو تو اب رد کر سکتی ہے، تنویر الابصار میں ہے، وللولی الابعد التزویج اذا کان الاقرب غائبا بحیث لا ینتظر الکفوء الخاطب جوابه ای جواب الاقرب فلو انتظره الخاطب لم ینکح الابعد وهذا اختیار اکثر المشائخ کما فی النهایة وفی الهدایة هو اقرب الی الفقه وفی المجتبیٰ والمبسوط والذخیرة هو الاصح وعلیه الفتویٰ کما فی الحقائق لان الکفوء لا یتفق کل الوقت، رد المحتار میں ہے[1]، وقال فی الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لو انتظر حضوره او استطلاع رایه فات الکفوء الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب اه، وفی البحر عن المجتبیٰ والمبسوط انه الاصح وفی النهایة واختاره اکثر المشائخ وصححه ابن الفضل وفی الهدایة انه اقرب الی الفقه وفی الفتح انه الاشبه بالفقه وانه لا تعارض بین اکثر المتاخرین واکثر المشائخ ای لان المراد من المشائخ المتقدمون وفی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الاقاویل وعلیه الفتویٰ اه وعلیه مشی فی الاختیار و النقایة ویشیر کلام النهر الی اختیاره وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیه اکثر المشائخ، رہا

[1] ص ۳۱۵، ج ۲، نعمانیہ، باب الولی،

خیار بلوغ اس کی نسبت سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی کو بالغ ہوئے چار ماہ ہوئے اور ناراضی آج ظاہر کرتی ہے، لہٰذا خیار بلوغ باطل ہوگیا، درمختار میں ہے[۱]، وبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارا عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الی آخر المجلس

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ انوار صاحب جفت فروش عقب کوتوالی ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ۔

ایک لڑکی کی عمر نو سال ہے، اس کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، اس کی ایک نانی ہے اور ایک باپ ان دونوں میں شرعاً کون ولی ہو سکتا ہے؟

الجواب: لڑکی کی پرورش کا حق اب باپ کو ہے نانی کو نہیں، البحرالرائق[۲] میں ہے، وعن محمد انہا تدفع الی الاب اذا بلغت حد الشہوۃ لتحقق الحاجۃ الی الصیانۃ، قال فی النقایۃ وھو المعتبر لفساد الزمان وفی نفقات الخصاف وعن ابی یوسف مثلہ وفی التبیین وبہ یفتی فی زماننا لکثرۃ الفساد وفی الخلاصۃ وغیاث المفتی والاعتماد علی ھذہ الروایات لفساد الزمان فالحاصل ان الفتوی علی خلاف ظاہر الروایات وقد ذکر ابو اللیث تسع سنین وعلیہ الفتوی، ماں اور دادی نانی کو لڑکی کا حق پرورش اس وقت تک حاصل ہے کہ جب تک مشتہاۃ نہ ہو اور جب مشتہاۃ ہوگئی تو حق پرورش جاتا رہا جس کی مقدار نو سال کی عمر ہے۔ درر میں ہے، یعنی انہا تدفع الی الاب اذا بلغت حد الشہوۃ لتحقق الحاجۃ الی الصیانۃ وھو الاحوط، جب لڑکی حد شہوت کو پہنچ جائے تو باپ کو دے دی جائے کہ اب اس کی حفاظت کی حاجت ہے اور یہی زیادہ احتیاط ہے۔ شرنبلالیہ میں ہے، قال فی المواہب وبہ یفتی وقال الکمال وفی غیاث المفتی الاعتماد علی روایۃ ہشام عن محمد لفساد الزمان وعن ابی یوسف مثلہ، رہی ولایت وہ تو باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو بھی نہیں، بھلا نانی کو کب ہوتی، تنویر الابصار[۳] میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ انوار صاحب جفت فروش عقب کوتوالی ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ۔

نابالغہ کے مال کا ولی کون ہو سکتا ہے؟

الجواب: مال کا ولی بھی باپ ہی ہے، ردالمحتار[۴] میں ہے، قولہ لا المال فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ، فقط، یعنی نابالغ کے مال کا ولی باپ ہے، وہ نہ ہو تو اس کا وصی وہ بھی نہ ہو تو دادا، اس کے بعد دادا کا وصی اس کے

[۱] ص ۲۱۰-۲۰۹، ج ۲، باب الولی، نعمانیہ۔ [۲] ص ۱۸۳، ج ۴، باب الحضانۃ۔ [۳] ص ۳۱۱، ج ۲، باب الولی۔ [۴] ایضاً۔

بعد قاضی اور اس کا نائب. واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ : مرسلہ نور محمد و عبد الرحمن صاحبان. از جینوڑ گڈھ. ۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمیٰ چاند محمد نے اولاد نہ ہونے سے ایک لڑکے (الہ بخش) کو متبنیٰ رکھا جب الہ بخش جوان ہوا تو چاند محمد سے علاحدہ ہوکر . . . . . دوسرے قصبہ میں جاکر آباد ہوا اور وہاں شادی بھی کرلی اس الہ بخش کی اولاد نہ ہوئی تو اس نے بھی اپنی ہی قوم سے ایک لڑکے کو جس کا نام رحیم بخش ہے، متبنیٰ رکھ لیا، عرصہ کے بعد چاند محمد سے اولاد ہوگئی، (نور محمد و عبد الرحمن) اور الہ بخش سے بھی اولاد ہوگئی، (عبد اللہ وفادار بخش اور ایک لڑکی فاطمہ) اس کے بعد الہ بخش فوت ہوگیا اس کی بیوی نے دوسرے گاؤں جاکر نکاح ثانی کرلی، یہ خبر سنتے ہی نور محمد وعبد الرحمن باپ کے متبنیٰ الہ بخش کے نابالغ اولاد کو اپنا بھتیجا سمجھ کر اور رحیم بخش نے ان کو اپنا بھائی بہن سمجھ کر اس عورت کے پاس جاکر ان لڑکوں اور لڑکیوں کو طلب کیا، عورت نے ان کو سپرد کرنے سے انکار کیا تب انھوں نے کچہری میں دعویٰ کیا کہ وارث ہم ہیں پرورش کا حق ہم کو ہے، حاکم نے ان نابالغوں کو زیر حوالات کیا. اس عورت نے ایک دوسری عورت سے کہ جس کے پاس اسی عمر کا ایک لڑکا تھا. اس نابالغہ لڑکی فاطمہ سے نکاح پڑھا دینے کی رغبت دلاکر اس کا فر حاکم کو کچھ روپیہ رشوت دلاکر یہ عرضی بھی دلادی کہ اس لڑکی کی منگنی میرے لڑکے سے ہورہی ہے، لہٰذا لڑکی مجھے سپرد کیا جائے حاکم نے لڑکی کو تو منگنی والی عورت کے سپرد کیا اور لڑکوں کو ان کی ماں کے سپرد کیا، اس عورت نے کسی جاہل فقیر بد دین کو جو کلمہ طیبہ تک نہیں جانتا تھا نابالغین کا نکاح پڑھانا کیا سمجھتا. اپنے لڑکے نابالغ کے ساتھ نکاح پڑھوالینا ظاہر کردیا، نور محمد وعبد الرحمن اور رحیم بخش کی کچھ نہ چلی لڑکی آٹھ سال اس کے یہاں رہی، اب جب سمجھنے لگی اور قریب بلوغ ہوئی ساس کی تکلیفوں سے پریشان ہوکر اپنے متبنیٰ بھائی رحیم بخش کے یہاں چلی آئی، شوہر کے یہاں جانے اور نکاح ثابت رکھنے سے انکار ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح نہ تو ماں نے پڑھائی اور نہ ان متبنیٰ چچا اور بھائی کی اجازت سے ہوا اور دونوں حقیقی بھائی اور لڑکی تاہنوز نابالغ یا قریب البلوغ ہیں، آیا یہ نکاح جائز سمجھا جائے یا لڑکی کی مرضی کے مطابق دوسرے آدمی سے نکاح پڑھا دیا جائے اور نکاح سابق کو فسخ سمجھا جائے شرع شریف کا جو حکم ہو، بحوالہ کتب تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب : سائل نے یہ نہیں بیان کیا کہ الٰہی بخش کے باپ دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد ہے یا نہیں، اگر ہو تو وہ لڑکی کا ولی ہوگا، اور ماں کو نکاح کردینے کا حق نہ ہوگا اور اس صورت میں یہ نکاح فضولی ہوگا کہ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر اس کے خاندان میں کوئی مرد نہ ہو تو ماں کو ولایت نکاح حاصل ہے، اگر ماں کی اجازت سے نکاح ہوا یا بعد نکاح اس نے

جائز کیا تو صحیح ہے، در مختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام، اور ان صورتوں میں کہ نکاح صحیح ہوگیا، ہر لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہے کہ بالغ ہونے ہی فوراً بلا توقف اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے تنویر الابصار میں ہے، ولہما خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء، اور نور محمد و عبد الرحمن و رحیم بخش کو لڑکی پر ولایت نہیں کہ یہ اس کے عصبہ نہیں کہ ان سے لڑکی کی کوئی قرابت سوال میں ظاہر نہیں کی گئی، اور ان کے باپ کے متبنیٰ کی لڑکی ہونا یا رحیم بخش کا لڑکی کے باپ کا متبنیٰ ہونا یہ کوئی رشتہ شرعاً نہیں، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذالکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لآباءھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفوراً رحیماً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری ہمشیرہ شروع جون ۱۹۱۲ء میں بیوہ ہوگئی اور اس کے ساتھ ایک لڑکی ہے، جس کی عمر اس وقت دو یا تین سال کی تھی، اس کے بیوہ ہو جانے پر اس کے شوہر کے بھائی نے جملہ سامان خانگی لے کر مکان سے نکال دیا، چنانچہ وہ بیوہ اس دختر نابالغہ کو لے کر میرے مکان چلی آئی تو میں نے اور میرے والدین نے اس کو اور اس کی لڑکی کو اپنی پرورش میں رکھ لیا، اور اپنی برادری کے چند اشخاص کو اس کی اطلاع کردی، ایک سال کے بعد میرے والدین نے اس اپنی بیوہ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا اور اس نابالغہ نواسی کو اپنے زیر پرورش رکھا، کچھ عرصہ کے بعد اس لڑکی کے چچا سے کہا گیا کہ تم اس لڑکی کو لے لو، اور پرورش کرو، وہ لینے سے انکار کرتے رہے اب سال گذشتہ اس لڑکی کے چچا نے ولی بنائے جانے کا دعویٰ و ولایت نکاح عدالت دیوانی میں مجھ پر اور لڑکی پر کیا، عدالت مذکور نے بتاریخ ۶ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو ڈسمس کر دیا، بعد کو مجبور ہو کر اپنے حقیقی بھانجے سے یہ دعویٰ کرایا، کہ اس کی لڑکی سے میرا نکاح ہوگیا ہے، یہ میری زوجہ ہے مجھے دلائی جائے، مگر کوئی ثبوت کافی نہ ہونے کی وجہ سے عدالت میں یہ دعویٰ بھی خارج کر دیا، اب وہ لڑکی بالغہ ہے، اس صورت میں لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر واقعی لڑکی کا نکاح نہیں ہوا ہے اور صورت واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا کیونکہ لڑکی کے چچا اس لڑکی کو نکاح کے لئے لینا چاہتے ہیں اور بعد خارج ہونے دعویٰ کے ان کا بھانجہ دعویٰ کرتا ہے کہ دس سال ہوئے

---

[۱] ص ۳۱۱-۳۱۲، ج ۲، باب الولی علی ھامش الشامیہ نعمانیہ۔ [۲] ص ۳۰۶، ج ۲، ایضاً۔

میرا نکاح اس لڑکی سے ہو چکا ہے، پھر ثبوت کی کافی شہادتیں نہ پیش کر سکا، اگر نکاح ہوا ہوتا تو بظاہر دس سال تک اس کے چچاؤں پر مخفی نہ رہتا کہ وہ ولایت نکاح کا دعویٰ کرتے، لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر واقعی نکاح نہیں ہوا ہے تو اب نکاح کر سکتے ہیں، کوئی ممانعت شرعی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد خورشید علی صاحب از ضلع حصار صدر دروازہ، ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی باختیار خود اپنا نکاح بلا اجازت والد پڑھوا لیتی ہے، مع مہر و گواہان کیا، یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز، اگر کفو میں کرے تو کیا حکم ہے اور غیر کفو میں کرے تو کیا حکم ہے، کفو سے مراد یہ ہے کہ جہاں اور جس قوم میں اس کی قوم کی لڑکیوں کا نکاح معیوب نہیں سمجھا جاتا اور غیر کفو سے مراد وہ نکاح ہے جو اس کی قوم معیوب سمجھے دو گواہ جواز نکاح کے لئے کافی ہونگے یا عام تشہیر، لڑکی کی حد بلوغت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عاقلہ بالغہ اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کفو سے کر سکتی ہے یہ نکاح صحیح و نافذ ہے، اولیاء کو نہ حق منع ہے نہ حق فسخ و اعتراض، قال اللہ تعالیٰ فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف، درمختار میں ہے[1] ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ، نیز اسی میں ہے، ھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون ورقیق لا مکلفۃ فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی، اور اگر غیر کفو سے عورت نے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح نہیں، درمختار میں ہے، ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان، کفو سے مراد وہ مرد ہے کہ مذہب و نسب و پیشہ و چال چلن میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیاء زن کے لئے باعث ننگ و عار ہو، جواز نکاح کے لئے دو گواہ کافی ہیں، لڑکی کم سے کم نو برس کی عمر میں بالغ ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس میں، مجمع الانہر میں ہے، و عندھما اذا تم خمس عشرۃ سنۃ فیھما وھو روایۃ عن الامام وبہ یفتی وادنی مدۃ لہ اثنا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مسمات از بریلی از محلہ ذخیرہ، ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا پدر مر گیا، ماں موجود ہے اور ہندہ نابالغہ تھی، جس کی عمر پونے چھ برس کی تھی، اس وقت ہندہ کا بہنوئی آیا اور ہندہ کو لیوا کر اپنے مکان گیا اور خود ولی بن کر ہندہ کا نکاح

---

[1] ص ۲۰۷، و ۲۰۸ باب الولی علی ہامش الشامیۃ نعمانیہ ج۲ ص ۲۹۶، ایضاً، ج۳ ص ۲۹۷، ایضاً۔

منشیا کے ساتھ کر دیا ماں اور بھائی کی اجازت کے بغیر جبریہ کر دیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا ایک بالغ بھائی تھا جو اس وقت پردیس میں تھا، اسے جب اس نکاح کی خبر ہوئی تو اپنی ناراضی ظاہر کی، لہٰذا یہ نکاح رد ہو گیا، کہ نکاح فضولی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اب اس کے بھائی کو دوسری جگہ نکاح کر دینے کا اختیار ہے یا ہندہ بالغ ہو کر اپنے کفو میں نکاح کر لے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مسئولہ محمد نظیر احمد صاحب تاجر عطر بازار چوک مراد آباد، یوپی، ۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں حضرات علما، دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد نیاز اللہ خاں نے انتقال کیا اور دو لڑکے ایک زوجہ سے اور چھ لڑکے اور ایک لڑکی دوسری زوجہ سے اور ایک زوجہ لاولد وارث چھوڑے جن میں سے ایک لڑکا بعد چھ ماہ کے انتقال کر گیا، اس مرحوم نے اپنی پہلی زوجہ کے مہر اور ایک لڑکی چھوڑی اور دوسری بیوی بیوہ چھوڑی۔ اب محمد نیاز اللہ خاں مرحوم کے تین لڑکے اور پانچ بچے نابالغ ہیں، ان تینوں بالغ لڑکوں نے سب سے پہلے حصہ مارنے کی نیت سے ۲۳ دن بعد عدت کے گھر سے نکال دیا اور عدالت سے مطلقہ ثابت کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے اور پانچ نابالغان کی آمدنی زر کرایہ و منافع جائداد برباد کر دیا، جو روپیہ مرحوم نے بوقت وفات لوگوں پر اپنا قرضہ چھوڑا تھا، وصول کر کے خراب کر دیا، فضول خرچی اس حد تک ہے کہ ہر ایک مقروض ہو گیا، حتیٰ کہ دو دو دکانیں بابت ڈگری منافع نیاز اللہ خاں کی نیلام کرا دیں، اور خود اپنے نام خرید لیں، حالانکہ روپیہ مجتمع یا فتنی موجوم موجود تھا، لہٰذا روپیہ وصول کر کے خورد برد کر دیا، اس طرح ان دوکانوں سے ان نابالغان کا حق ساقط کرا دیا، ایک باغ کی مٹی فروخت کر کے باغ کو بے حیثیت کر دیا، اور چند درخت خشک بھی ہو گئے، ایک مکان توڑ پھوڑ کر اپنی دو دوکانوں میں اس کا کچھ عملہ لگا لیا، باقی فروخت کر دیا، نابالغوں کی نہ تعلیم کی طرف توجہ ہے نہ ان کی پرورش عمدہ طور پر ہے، کیا ایسی حالت میں ان نابالغوں کی ولایت کے قابل رہے یا اس کی ولایت ناجائز ہے، خدائے تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے،

الجواب:۔ اولاً تو یہ لوگ اپنے نابالغ بھائیوں کے اموال کے ولی نہیں کہ ولایت مال، باپ یا دادا یا ان کے وصی یا قاضی یا نائب قاضی کے لئے ہے بھائی اگرچہ خورد برد نہ کرے ولی نہیں، رد المحتار میں ہے، الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ فقط اھ، ثانیاً اگر یہ لوگ ولی ہوتے بھی تو اب کہ ان یتیموں کے اموال یہ برباد کر رہے ہیں، اور حرام طور پر اپنے تصرف میں لا رہے ہیں، ہرگز اس قابل نہیں کہ ولی ہو سکیں، اور جو کچھ ان کے اموال تلف کئے ہیں، سب کا تاوان ان کے

ذمہ لازم، قال اللہ تعالیٰ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ محمد کفایت اللہ صاحب، محلہ شاہ آباد، بریلی، ۲۴ رجب ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور تین نابالغ لڑکے اور ایک بالغ لڑکی اور چند بھائی چھوڑے، مرض موت میں نابالغ بچوں کا ولی اپنی عورت کو کیا، آیا ولایت بمقابلہ حقیقی چچا کے جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: ولایت نکاح ان نابالغوں کی چچا کو ہے، اس وقت تک کہ سب نابالغ رہیں اور جب ان لڑکوں میں کوئی بالغ ہو جائے تو یہی بالغ لڑکا اپنے نابالغ بھائیوں کا ولی ہوگا، تنویر الابصار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ بلا توسطۃ انثی علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریۃ وتکلیف، اور مال کی ولایت اس صورت میں ماں کو ہے، جب کہ باپ نے اسے اس کی وصیت کی کہ ولایت مال باپ کے بعد اس کے وصی کے لئے ہے، یہاں تک کہ باپ کا وصی دادا پر بھی مقدم ہے، نہ کہ چچا، رد المحتار میں ہے، الولی فیہ (ای المال) الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ، تنویر الابصار میں ہے، ووصی ابی الطفل احق بمالہ من جدہ وان لم یکن وصیہ فالجد، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ واجد اللہ صاحب ساکن محلہ صوفی ٹولہ شہر کہنہ بریلی، ۵ رشوال ۱۳۴۱ھ

شرع شریف کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بنی رضا کی لڑکی اور لڑکا بسبب تنگ دستی ایک مدت سے اپنے تایا کے یہاں پرورش پاتے تھے، بنی رضا نے ایک روز لڑکی کو اپنے مکان پر بلا کر یہ کہا کہ شہر چل، تیری پھوپھی کی طبیعت اچھی نہیں ہے، اس کو دیکھ آئیں (پھوپھی رشتہ کی تھی نہ کہ سگی) تو دھوکہ سے اس لڑکی کو شہر لے جا کر اپنی سالی کے لڑکے کے ہمراہ نکاح ہونیکا اذن مانگا، لڑکی یہ بات سن کر حیران تھی اور بولی میں تو اس کے ہمراہ نکاح نہیں چاہتی ہوں، تو اس کے ماموں نے اس کے سر پر تھپڑ مارا، وہ رونے لگی، ہمراہیوں نے رونے کی آواز سن کر کہا کہ اذن دے دیا، اس کے بعد لڑکی کو گھر لے آئے گھر آتے ہی لڑکی اپنے تایا کے یہاں چلی گئی، اور سب حال کہہ سنائی، اس کے دوسرے روز اس کا بڑا بھائی آیا، اور اس نے اپنی بہن سے سب حال دریافت کیا، تو اس کے بھائی نے جب دیکھا کہ اس کے ماں باپ لڑکی کو بلاتے ہیں اور اس کے مصنوعی نکاح شدہ خاوند کے مکان پر بھیجنا چاہتے تو اس کے بڑے بھائی (طفیل احمد) نے اپنے تایا کو مقدمہ کرنے پر مجبور کیا، غرض مقدمہ شروع ہو گیا، اور محلہ والے یہ بات دریافت کرنے کو کہ آیا یہ نکاح واقعی ہوا ہے یا نہیں، لڑکی کے تایا کے مکان پر مع

---

[1] ص ۳۱۱ - ۳۱۲، ج ۲، باب الولی علی ھامش الشامیۃ نعمانیہ۔ [2] ص ۴۲۲، ج ۵، باب الوصی علی ھامش الشامیۃ مصری۔

ہر دو طرف کے وکیل مقدمہ کے ساتھ حاضر ہوئے اور لڑکی سے دریافت کیا تو لڑکی نے بلا کسی مبالغہ کے اپنے ہاتھوں اور سر پر کلام پاک رکھ کر قسم کھائی کہ مجھ کو لے جاکر مکان میں بٹھایا اور کہا کہ نکاح کا اذن دے جب میں نے حیران ہوکر انکار کیا تو میرے ماموں نے زور سے میرے سر پر تھپیڑ مارا، میں رونے لگی، تو جو چند اشخاص اس امر میں شامل تھے کہا، اذن دیدیا، بس نکاح ہوگیا، مگر میں نے نہ اذن دیا نہ میرا نکاح اس کے ساتھ ہوا ہے، اور نہ میں اس کے مکان پر جانا چاہتی ہوں، اس نے جب پہلی بیوی کو جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے تھے، طلاق دیدی، تو میں اس کے مکان پر نہیں جاؤں گی، یہ تو میرا بھائی ہے، اور عدالت میں جب مقدمہ ہوا تو وہ نکاح مصنوعی ثابت ہوا، اور اس کے تایا اور بھائی اس کے ماں باپ اور خاوند سے مقدمہ جیت گئے، پھر ان لوگوں نے اپیل کی، ابھی مقدمہ خارج نہ ہوا تھا، کہ اس کا بھائی اس لڑکی کو نہ معلوم کس وجہ سے دھوکہ دے کر اس کے ماں باپ کے مکان پر لے گیا اور وہیں پر اس کے مصنوعی خاوند کا مکان بھی ہے، دو روز کے بعد اس کے ماں باپ نے اس لڑکی کو اس کے مصنوعی خاوند کے یہاں اسی ناجائز نکاح پر خود بھیجدیا، اب معلوم کرنا یہ ہے کہ وہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو ان کے ساتھ ملنے والے اور لڑکی کی پہلے ہی نکاح شدہ دعوت میں جو کہ اسی نکاح کی وجہ سے اہل محلہ اور لوگوں کے لئے قائم کی گئی ہے شریک ہونا واجب ہے یا ناواجب اور اگر نکاح درست ہے تو کس طرح اور اگر ناواجب ہونے پر بھی جو ان لوگوں سے ملے تو اس کے واسطے شرع شریف اور علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟۔

الجواب:۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی وقت نکاح بالغ تھی۔ اور یہی ظاہر بھی ہے کہ نابالغہ سے اذن لینے کی کیا ضرورت۔ لہذا جب لڑکی نے وقت طلب اذن صاف انکار کر دیا اذن نہ ہوا، اور بغیر آواز رونا بھی اذن ہے، مگر یہاں تو طلب اذن اور گھر والوں کی جدائی پر رونا نہیں، بلکہ مار کھانے کی وجہ سے روئی اور وہ بھی آواز سے روئی، اور ایسا رونا اذن نہیں، تنویر الابصار میں ہے[1]، فان استأذنہا ہو فسکتت او ضحکت غیر مستہزئۃ او تبسمت او بکت بلا صوت فہو اذن، اور بوقت نکاح بھی وہ برابر انکار ہی کرتی رہی، لہذا یہ نکاح نہ ہوا، اب عورت

[1] ص ۲۹۸، ج ۲، ن، علی ہامش الشامی، اس کے تحت درمختار میں ہے، فلو بصوت لم یکن اذنا ولا ردا حتی لو رضیت بعدہ انعقد سراج وغیرہ فما فی الوقایۃ والملتقی فیہ نظر، اس کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں، ای بمخالفتہ لما فی المعراج ولا یخفی ما فیہ فانما فی الوقایۃ والملتقی ذکر مثلہ فی النقایۃ والاصلاح والمتون مقدمۃ علی الشروح وفی شرح الجامع الصغیر لقاضیخان

کو اس کے پاس رخصت کرنا اور عورت کا وہاں جانا حرام، بلکہ ماں باپ اور خود لڑکی کا اپنے کو زنا کے لئے پیش کرنا ہے اور اس خوشی میں دعوت کھانا زنا کی خوشی میں دعوت کھانا ہے، یہ دعوت بھی ناجائز اور اس کا کھانا بھی ناجائز، لڑکی پر فرض ہے کہ فوراً وہاں سے چلی آئے، یوں ہی اس کے باپ اور بھائی پر لازم ہے کہ اپنی لڑکی یا بہن کو زنا کے لئے نہ دیں، اور اگر یہ نہ مانیں تو اہل محلہ ان سے میل جول ترک کریں،

مسئلہ: مسئولہ شیخ امانت اللہ ساکن محلہ بہاری پور، بریلی، ۲۰ / ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح دس، گیارہ سال کی عمر میں ہوا اور اس کے والدین کی اجازت سے پڑھایا گیا، وہ نکاح درست ہوا یا نہیں، اب وہ کس حالت سے علٰحدہ ہو سکتی ہے آیا طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ لڑکی وقت نکاح نابالغہ تھی اور باپ کی اجازت سے نکاح ہوا، لہٰذا یہ نکاح لازم ہوگیا، بغیر طلاق یا موت جدائی نہیں ہو سکتی، تنویر الابصار میں ہے[۱]، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفوان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منہما سوء الاختیار، واللہ تعالیٰ اعلم، -

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۹) وان بکت کان ردا فی احد الروایتین عن ابی یوسف وعنہ فی روایۃ یکون ردا، قالوا ان کان البکاء عن صوت وویل لایکون ردا وان کان عن سکوت فہو ردا، اہ وبہ ظہر ان اصل الخلاف فی ان البکاء ہل ہو رد، اولا، وقولہ قالوا الخ توفیق بین الروایتین فمعنی لایکون ردا انہ یکون ردا کما فہمہ صاحب الوقایۃ وغیرہ وصرح بہ ایضاً فی الذخیرۃ حیث قال بعد حکایۃ الروایتین وبعضہم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فہو رد والافہو رضا، وہوالاوجہ وعلیہ الفتوی الاکیف والبکاء بالصوت والویل قرینۃ علی الرد وعدم الرضا، فقد ظہر لک ان ما فی المعراج ضعیف لایعول علیہ، اس کا حاصل یہ ہوا کہ صاحب درمختار نے فرمایا تھا کہ آواز سے رونا نہ اذن ہے نہ رد، علامہ شامی نے تحقیق فرمائی کہ اس موقع پر آواز سے رونا رد ہے، توقف نہیں، اسی کی تائید عالمگیری سے بھی ہوتی ہے، فرمایا، والصحیح ان البکاء اذا کان بخروج الدمع من غیر صوت یکون رداوان کان مع الصوت والصیاح لایکون ردا، کذا فی فتاوی قاضیخان، وہوالاوجہ وعلیہ الفتوی، کذا فی الذخیرۃ، ص ۱۱، ج ۲، مجیدی۔ ذخیرہ کا حوالہ صاف بتا رہا ہے کہ لایکون ردا کا مطلب رد ہے، اس لئے کہ ذخیرہ کی عبارت ابھی شامی سے گذری کہ اگر رونا آواز کے ساتھ ہو تو یہ رد ہے، اذن طلب کرتے وقت کنواری بالغہ کا سکوت یا بلا آواز رونا اذن اس وقت ہے جب کہ اجازت لینے والا ولی اقرب ہو، یا اس کا قاصد یا اس کا وکیل اور اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے یا اس کے قاصد یا اس کے وکیل نے اذن طلب کیا تو سکوت اذن نہ ہوگا، درمختار میں ہے، فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرت لسکوتہا، بل لابد من القول او ہو فی معناہ، ولی بعید کے تحت ہے، کالاخ مع الاب اذا لم یکن الاب غائبا غیبۃ منقطعۃ، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

[۱] تنویر الابصار ص ۳۰۳، ۳۰۴، علی ہامش الشامیہ، -

مسئلہ: مرسلہ عبدالعزیز محلہ سکراول قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد، ۲۵ رذی الحجہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ چھ ماہ کی تھی کہ اس کا باپ مرگیا جب تین سال کی ہوئی تو زید مسماۃ مذکورہ کا چچا ولی ہوکر اپنے بھانجہ مسمی بکر کے ساتھ عقد کر دیا اور بکر کے والدین زندہ نہ تھے، اس وجہ سے بکر کا ولی بھی زید ہی بنا اور بوقت عقد بکر کی عمر چار برس کی تھی، اب فی الحال ہندہ سن بلوغ میں آکر نکاح مذکورہ کو منظور نہیں کرتی اور بکر کے یہاں جانے سے انکار کرتی ہے، تو آیا ہندہ اپنا دوسرا عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: چچا کا نکاح کیا ہوا ہے تو ہندہ کو خیار بلوغ حاصل ہے، بالغ ہوتے ہی فوراً اگر اپنے نفس کو اختیار کرے اور اس نکاح کو نامنظور کرے تو قاضی کے یہاں نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور اگر تھوڑا توقف کیا تو خیار جاتا رہا۔ درمختار ص۲۴۲ میں ہے، لهما خيار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده لا بشرط القضاء وبطل خيار البكر بالسكوت عالمة بالنكاح ولا يمتد الى اخر المجلس. رد المحتار میں ہے، اى اذا بلغت وهى عالمة بالنكاح او علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ فى حال البلوغ او العلم فلو سكتت ولو قليلا بطل خيارها ولو قبل تبدل المجلس، اور یہاں چونکہ قاضی موجود نہیں، لہذا ایسے معاملات میں وہاں سب سے بڑا جو سنی عالم ہو اس کی طرف رجوع کی جائے، کہ وہ بمنزلۂ قاضی ہے اور بکر کا کوئی بھائی یا چچا یا پردادا وغیرہ کی اولاد میں کوئی مرد ہو تو وہ بکر کا ولی ہوگا، زید ولی نہ ہوگا، کہ ولایت نکاح عصبہ کے لئے ہے، عصبہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ولی نہیں ہو سکتا، اور عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے، ماں بھی نہ ہو تو بہن، پھر ماں کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں غرض یہ کہ زید جو بکر کا ماموں ہے، اس وقت ولی ہو سکتا ہے، جب اس سے مقدم کسی کو ولایت نہ ہو، اور اگر کوئی ایسا موجود تھا، جو زید پر ولایت میں مقدم تھا، اور زید نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف تھا، اگر ولی نے جائز کر دیا، جائز ہو جائے گا، رد کر دیا باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے، الولی فی النكاح العصبة بنفسه بلا توسط انثى على ترتيب الارث والحجب فان لم يكن عصبة فالولاية للام ثم للاخت لاب وام ثم للاخت لاب ثم لولد الام ثم لذوى الارحام العمات ثم الاخوال، اور اگر ولی نے نہ جائز کیا نہ رد کیا، یہاں تک کہ بکر بالغ ہوگیا تو اب خود اسی بکر کی اجازت سے نکاح کا نفاذ ہوگا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ حسب رواج زمانہ نکاح خواں نے جو لڑکی کی جانب سے وکیل تھا، ایجاب کیا اور زید نے بکر کی طرف سے قبول کیا اور اگر صرف زید ہی نے ایجاب وقبول کیا تو نکاح ہوا ہی نہیں کہ ایک شخص دونوں طرف سے نکاح کا متولی اس وقت ہو سکتا ہے، جب کسی جانب سے

فضولی نہ ہوا اور جب بکر کا کوئی عصبہ یا زید پر مقدم دوسرا ولی موجود ہو تو زید فضولی ہوگا اور طرفین کا متولی نہ ہوسکے گا ہدایہ میں ہے، الواحد لا یصلح فضولیا من الجانبین او فضولیا من جانب و اصیلا من جانب۔ درمختار میں ہے، و یتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی ولو من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح۔ ردالمحتار میں ہے، فاذا کان فضولیا منہما او کان فضولیا من احدھما و کان من الآخر اصیلا او وکیلا او ولیا لم یصح عندھما الا ان یجیز الآخر بل یبطل۔ لہٰذا اگر واقعہ یہ ہے تو فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ اگر ولی کی اجازت پر موقوف تھا اور ولی نے جائز کر دیا ہو تو فسخ ہوسکتا ہے۔ یعنی اسی صورت سے جو اوپر مذکور ہوئی۔[1]

مسئلہ: مسئولہ مسیح اللہ ٹھیکہ دار۔ از محلہ قانون گویاں، بریلی ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، جب کہ لڑکا نابالغ ہے۔ یعنی پندرہ یا سولہ سال کا ہے اور لڑکی بالغہ ہے۔ یہ نکاح و دین مہر جائز ہے یا ناجائز۔ اور لڑکا صاحب جائداد ہے، لیکن اس کی طرف سے ولی ایک مسماۃ ہے، جو رشتہ میں دادی ہوتی ہے۔ لڑکے کا باپ بھی باحیات ہے اور جائداد لڑکے کا دادا تحریر کر گیا ہے اور لڑکے کے ولی سے دین مہر میں کچھ جائداد لکھائی جائے تو وہ جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نکاح ہونے کے لئے بالغ ہونے کی شرط نہیں، نابالغ کا نکاح بھی ولی کر سکتا ہے اور ولی دادی اور وہ بھی رشتہ کی نہیں ہوسکتی، جب کہ باپ موجود ہے۔ اگر لڑکا نابالغ ہے تو ولایت نکاح اس صورت میں صرف باپ کو ہے، اور جب کہ لڑکے کی عمر پندرہ سال کی ہے تو بالغ ہے۔ اس کے نکاح کے لئے ولی کی بھی حاجت نہیں، اور دین مہر میں جائداد بھی لکھ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد لطیف الرحمٰن مدرسہ جامع العلوم محلہ کندھولی گنج، ضلع مظفر پور، یکم محرم الحرام ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بلا رضائے والدین زید کی والدہ کے ماموں نے اپنے گھر بیجا کر اور زید کے ماموں کو زید کی طرف سے ولی بنا کر کر دی۔ جب اس کو معلوم ہوا تو زید کے والد سخت رنج ہوئے اور جب یہ معلوم ہوا

[1] یعنی ہندہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔ اگر ہندہ نے بالغ ہوتے ہی اپنے نفس کو اختیار کر لیا، تو قاضی کے یہاں درخواست دے کر یہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے، بکر کو بھی یہ حق حاصل ہوگا، کہ بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو نافذ کرے یا رد کر دے، اور بکر کو یہ حق صرف علی الفور ہی یا مجلس تک محدود نہ ہوگا جب چاہے، قبول کرے یا رد کرے، جب تک قبول یا رد نہ کرے گا، اس کو یہ حق باقی رہے گا، درمختار میں ہے، وخیار الصغیر و الثیب اذا بلغا لا یبطل بالسکوت بلا صریح رد او دلالۃ ۔۔۔ ولا یبطل بقیامہ عن المجلس فیبقی حتی یوجد الرضا ص ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۲، ۲۵، ۱۸ ملخصاً شامی۔

کہ زید کی والدہ کی خفیہ ترکیبیں تھیں، اس پر سخت غصہ ہوئے یہاں تک کہ گھر سے نکال دیا، اور جب زید کپڑا پہن کر سسرال سے آیا تو کپڑا اتروا کر جلانا چاہا، لیکن لوگوں نے ان سے کپڑے لے کر سسرال بھجوا دیا، اسی طرح تین چار سال تک رنج رہے، لیکن لوگوں نے جہالت کی باعث یہ سمجھایا کہ جب عقد ہوچکا تو رنج ہونے سے ٹوٹ نہیں سکتا، آخر رنج سے کیا فائدہ، زید کے والد کو سمجھا کر راضی کر لیا، دو تین سال بعد رخصتی بھی ہوگئی، اب اس صورت میں کہ زید نابالغ تھا اس طرح عقد کرا دینا جائز ہوگا، یا نہیں، اور زید نے نابالغیت کی حالت میں ڈر کر ایجاب کیا تھا، یعنی اس کو لوگوں نے ڈرایا کہ اگر قبول نہ کروگے تو تمہارے والد کو باندھ دیں گے، (جیسا کہ لڑکوں کے ڈرانے کا طریقہ ہے) ان سب صورتوں کو خیال کرتے ہوئے فرمائیں کہ زید کا عقد جائز ہوا یا نہیں، اگر جائز ہوا تو کس طرح اور نہیں تو کیوں باحوالہ لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید کا ولی اس کا والد ہے، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ یہ نکاح کہ زید کے ماموں نے زید کا کیا اس کے والد کی اجازت پر موقوف تھا، اگر والد زید نے اس نکاح کو رد کر دیا تو رد ہوگیا اور لازم ہے کہ زید فوراً اس عورت کو علٰحدہ کر دے، مجمع الانہر میں ہے، و وقف تزویج الفضولی علی الاجازۃ ای اجازۃ من لہ العقد بالقول او الفعل فان اجاز ینفذ و الا لا، اور خود زید کا ایجاب یا قبول کرنا عقد نکاح کو لازم نہ کرے گا، بلکہ اس صورت میں بھی باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، درمختار میں ہے، و ھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر نہایۃ۔ پھر شلبیہ علی الزیلعی ردالمحتار میں ہے، لو باع الصبی مالہ او اشتری او تزوج او زوج امتہ او کاتب عبدہ او نحوہ توقف علی اجازۃ الولی، اور اس وقت جب کہ اس نکاح کی خبر پہونچی والد زید نے انکار کر دیا ہو تو اب بعد میں اگرچہ راضی ہو جائے، اگرچہ اجازت دے کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ نکاح رد کرنے سے جاتا رہا، باقی نہ رہا کہ اجازت سے ٹھیک ہو جائے، بلکہ اب نکاح جدید کی حاجت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ فدا حسین خواجہ قطب، بریلی، ۶ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں از روئے شرع شریف کیا فرماتے ہیں، کہ ایک لڑکی جس کی عمر بوقت نکاح آٹھ سال تھی اور اس کا باپ بقضاء الٰہی نکاح سے پہلے فوت ہوگیا تھا، اب اس کی حقیقی والدہ اور دوسرا باپ موجود ہے، اس لڑکی کا نکاح ایک ایسے شخص سے ہوا جو محض گونگا اور بہرا ہے، نیز ماں کی رضامندی سے اس لڑکی کا نکاح نہیں ہوا تھا اور اس لڑکے کی عمر چھبیس ۲۶ سال کی ہے اور لڑکی کی عمر اس وقت تیرہ سال کی ہے، کسی بات کا اس کو امتیاز نہیں، محض بچہ ہے، لڑکی کے چچا نے کل

اقرار نکاح و مہر کیا تھا، اب وہ مرگیا اب عرصہ قریب ایک سال کا ہوا چند اشخاص نے اس لڑکی کے والدین کو سمجھا کر اس گونگے لڑکے کے ہمراہ بھیجدیا تھا، قریب ایک ہفتہ تک وہاں رہی بعدہٗ اس کو مار کر نکال دیا، وہ پیلی بھیت سے پیادہ پا دو یوم میں بریلی آئی نہایت پریشان حال جس کو تمام لوگوں نے دیکھا تھا، اور دو کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس کے پاس کوئی حبہ آنہ پیسہ کا نہ تھا۔

الجواب: تیرہ سال کی عمر میں بلوغ و عدم بلوغ دونوں امر کا احتمال ہے۔ لہذا لڑکی اب تک نابالغہ ہے، تو جس وقت بالغ ہو اسی وقت فوراً بلا وقفہ اگر اس نکاح کو جو اس کے چچا نے کردیا ہے نامنظور کرے اور اپنے نفس کو اختیار کرے تو قاضی کے یہاں دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور اگر کچھ دیر کرے گی تو فسخ کرانے کا اختیار نہ رہے گا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ وهذا عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ ويشترط فيه القضاء، درمختار میں ہے، ويبطل خيار البكر عالمة باصل النكاح ولا الى اخره المجلس لانه كالشفعة، اور یہاں چونکہ قاضی نہیں، لہذا اس شہر میں جو سب سے بڑا سنی عالم فقیہ ہو اس کے پاس دعویٰ کرے اور شہادت پیش کرے کہ بالغ ہوتے ہی فوراً میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا وہ عالم فسخ کردے گا، اور اگر لڑکی بالغ ہونے کے بعد شوہر کے یہاں گئی یا اب بالغ ہوگئی اور وقت بلوغ نکاح کو توڑنا نہ چاہا تو اب کچھ نہیں کرسکتی، ہاں اگر جس وقت شوہر کے یہاں گئی نابالغہ تھی، اور اسی حالت میں شوہر نے وطی کرلی کہ یہ بکر نہ رہی تو بالغ ہونے کے بعد جب تک اس کے قول یا فعل سے اس نکاح پر راضی ہونا نہ پایا جائے، نکاح فسخ کراسکتی ہے اور اس صورت میں یہ شرط نہیں کہ اسی وقت فوراً ہی جدائی کی خواہش ظاہر کرے درمختار میں ہے، وخيار الصغيرة والثيب اذا بلغا لا يبطل بالسكوت بلا صريح رضا او دلالة عليه كقبلة ولمس ودفع مهر، ردالمحتار میں ہے، شمل ما لو كانت ثيبا في الاصل او كانت بكرا ثم دخل بها ثم بلغت كما في البحر وغيره، عالمگیری میں ہے، ويبطل هذا الخيار في جانبها بالسكوت اذا كانت بكرا ولا يمتد الى اخر المجلس حتى لو سكتت كما بلغت وهي بكر بطل الخيار وان كانت ثيبا في الاصل او كانت بكراً الا ان الزوج قد بنى بها ثم بلغت عند الزوج لا يبطل خيارها بالسكوت ولا بقيامها عن المجلس وانما يبطل خيارها اذا رضيت بالنكاح صريحا او يوجد منها فعل يستدل به على الرضا كالتمكين من الجماع او طلب النفقة او ما اشبه ذلك اما لو اكلت طعامه او خدمته كما كانت فهي على خيارها، والله تعالىٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مسئولہ نور محمد صاحب امام مسجد بکرا منڈی، ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سفر میں گیا اور اپنے گھر میں اپنی بیوی مسماۃ مریم اور ایک نابالغہ لڑکی مسماۃ کلثوم کو چھوڑا مسماۃ مریم نے اپنی نابالغہ لڑکی کلثوم کا نکاح بکر سے کر دیا، جب زید سفر سے واپس آیا اور سنا کہ میری لڑکی کلثوم نابالغہ کا نکاح بکر سے ہو گیا ہے تو زید نے کہا ہم اس نکاح کو منظور نہیں کرتے۔ اس صورت میں نکاح ثابت رہا یا نہیں ثابت نہ رہنے کی صورت میں مسماۃ کلثوم اپنا مقررہ دین مہر پائے گی یا نہیں، بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟،

الجواب :۔ اگر زید کا کوئی بھائی یا بھتیجا یا چچا وغیرہ ہم عصبات وہاں موجود ہوں جب تو مریم کو اصلاً ولایت نکاح نہیں، اگر کرے گی ان کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور اگر انھوں نے اب تک جائز نہ کیا ہو اور باپ نے آکر رد کر دیا تو رد ہو گیا، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام، اور عصبات کی اجازت پر موقوف ہونا اس وقت ہے کہ زید کی غیبت، غیبت منقطع ہو، اور اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں ولی ہے اور ماں کا کیا ہوا نکاح اس وقت صحیح و تام ہو گا جب کہ زید کی غیبت غیبت منقطع ہو، اور اصح وارجح واوجہ و مختار و مفتی بہ یہ ہے کہ غیبت منقطعہ سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے آنے یا اس کی رائے لینے کا انتظار کیا جائے گا، تو کفو خاطب فوت ہو جائے گا یعنی بکر اتنا انتظار نہیں کر سکتا کہ زید آجائے یا آدمی یا خط کے ذریعہ سے اس کی رائے دریافت کر لی جائے تو بصورت دیگر عصبہ نہ ہونے کے مریم اپنی لڑکی کلثوم کا نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں، اور اگر انتظار کا موقعہ تھا اور انتظار نہ کیا اور نکاح کر دیا تو زید کے رد کر دینے سے رد ہو گیا، ردالمحتار میں ہے، اختلف فی حد الغیبۃ فاختار المصنف تبعا للکنز انہا مسافۃ القصر ونسبہ فی الہدایۃ لبعض المتاخرین والزیلعی لاکثرہم قال وعلیہ الفتوی اھ وقال فی الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات الکفو الذی حضر فالغیبۃ منقطعۃ والیہ اشار فی الکتاب الی اٰخرہ وفی البحر عن المجتبی والمبسوط انہ الاصح وفی النہایۃ واختارہ اکثر المشائخ وصححہ ابن الفضل وفی الہدایۃ انہ اقرب الی الفقہ وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقہ وانہ لاتعارض بین اکثر المتاخرین واکثر المشائخ ای لان المراد من المشائخ المتقدمون وفی شرح الملتقی عن الحقائق انہ اصح الاقاویل وعلیہ الفتوی الی اٰخرہ وعلیہ مشی فی الاختیار والنقایۃ ویشیر کلام النہر الی اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیہ اکثر المشائخ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مرسلہ عبدو بھائی وچاند بھائی، از احمد آباد گجرات، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغ لڑکی کا نکاح دادی نے کر دیا، بالغ ہونے کے بعد تین سال تک اپنے شوہر کی زوجیت میں رہی اور اس لڑکی کو دادی نے شوہر کے مکان پر نہیں بھیجا لڑکی کی دادی نے غیر مردوں سے ساز کیا، اور جن مردوں سے ساز کیا انھیں میں سے ایک شخص کے ساتھ بغیر طلاق اور بغیر اطلاع شوہر کے دادی نے اس لڑکی کا نکاح پڑھوا دیا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب :۔ سائل نے یہ نہیں لکھا کہ لڑکی کا کوئی عصبہ یعنی باپ، دادا، پر دادا یا ان کی اولاد میں کوئی تھا یا نہیں، اگر عصبہ میں کوئی نہ تھا تو لڑکی کی ماں بھی تھی یا نہیں، اگر عصبہ تھا یا یہ نہ تھا تو ماں تھی جب تو دادی کو نکاح کرنے کا کوئی حق نہ تھا کہ ولی عصبہ ہے، پھر ماں پھر دادی، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب، اور اس صورت میں قبل بالغ ہونے لڑکی کے اس عصبہ یا ماں نے اس نکاح کو جائز کیا یا رد کیا یا کچھ نہ کیا یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہوگئی، اگر جائز کر دیا تو جائز ہوگیا، رد کر دیا تو باطل ہوگیا اور اگر کچھ نہ کیا تو لڑکی نے بعد بلوغ جائز کر دیا، تو جائز ہوگیا، رد کر دیا تو باطل ہوگیا، اور اگر عصبہ میں باپ یا دادا کا جائز کیا ہوا ہے تو خیار بلوغ بھی نہیں، اور کسی دوسرے ولی کا جائز کیا ہوا تھا تو خیار بلوغ حاصل تھا اگر وقت بلوغ فوراً لڑکی نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو فسخ کرا سکتی ہے ورنہ نہیں، اور اگر نہ عصبہ تھا نہ ماں تھی دادی نے اپنی ولایت سے نکاح کیا تو نکاح ہوگیا، مگر خیار بلوغ حاصل تھا، اگر اس کے شرائط پائے گئے تو فسخ کرا سکتی ہے ورنہ نہیں، بالجملہ اگر نکاح جائز ناقابل فسخ ہوا یا فسخ نہ کرایا تو دوسرے سے نکاح نہیں ہوسکتا اور سوال سے یہی ظاہر ہے کہ اگر فسخ کراتی تو شوہر کو ضرور اطلاع ہوتی اور تین برس تک بعد بلوغ اس کی زوجیت میں کیونکر رہتی تو اگر واقعہ یہی ہے تو دوسرا نکاح نہ ہوا، بلکہ حرام و زنا خالص ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مرسلہ رحمت اللہ از بنارس، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنی لڑکی کا عقد جب کہ وہ نابالغہ تھی اس کے چچا نے کر دیا تھا، اور اسی نابالغی کی حالت میں اس کی رخصتی بھی ہوئی تھی واپسی کے بعد آج تک شوہر کے مکان نہیں گئی، عند البلوغ اس نے اپنے لڑکپن کے نکاح کو ناپسند کر کے دو آدمی کے سامنے فسخ کر دیا، چنانچہ ۱۵ ارجون ۱۹۱۹ء کو

وہ بالغہ ہوئی اور سولہ جون کو بذریعہ نوٹس رجسٹری اپنے شوہر کو فسخ نکاح کی اطلاع کر دی تو شرعاً یہ نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں، اور اس لڑکی کا اب دوسرا نکاح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی فوراً بلا توقف اپنے نفس کو اختیار کیا تو دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اگر کچھ بھی توقف کیا تو خیار بلوغ جاتا رہا اور فسخ نکاح وہ خود نہیں کر سکتی، بلکہ فسخ کرنا قاضی کا کام ہے، درمختار میں ہے۔ ولہما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ، ردالمحتار میں ہے، اذا کان المزوج للصغیر والصغیرۃ غیر الاب والجد فلہما الخیار بالبلوغ او العلم بہ فان اختارا الفسخ لایثبت الفسخ الا بشرط القضاء، نیز درمختار میں ہے، ویبطل خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح فلا یمتد الی آخر المجلس ہاں اگر لڑکی قبل بلوغ ثیب تھی، اور چونکہ اس کی رخصت ہو چکی تھی، لہٰذا ثیب ہونے کا بھی احتمال ہے تو اب اس کا خیار سکوت اور توقف سے باطل نہ ہوگا، جب تک صراحۃً یا دلالۃً رضامندی نکاح ظاہر نہ کرے گی، خیار حاصل رہے گا، درمختار میں ہے، وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لایبطل بالسکوت بلا صریح رضا او دلالۃ علیہ ولا یبطل بقیامہا عن المجلس لان وقتہ العمر فیبقی حتی یوجد الرضاء، ردالمحتار میں ہے، قولہ والثیب شمل ما لو کانت ثیبا فی الاصل او کانت بکرا ثم دخل بہا ثم بلغت کما فی البحر وغیرہ، بالجملہ اگر عورت نے صور مذکورہ کے موافق فسخ کرا لیا ہے تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ سید ضمیر الدین، محلہ گندہ نالہ، بریلی ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً نو سال کی تھی، اس کے والدین اس کا عقد ایک شخص کے ساتھ کر دیا، اس بات کا اطمینان دلانے اور حلف اٹھانے پر کہ اس کے پاس کوئی دوسری بیوی نہیں ہے حسب دستور رخصتی وغیرہ کی رسم بھی ادا کی گئی، مگر جب وہ لڑکی اپنے خاوند کے مکان پر پہونچی تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس ایک اور بیوی ہے، لڑکی چونکہ نابالغہ تھی اس وجہ سے تخلیہ کی نوبت نہیں آئی اس لڑکی کے والدین فوراً اس کو واپس لائے اور اس کے خاوند اور والدین کے باہم مصالحت کی باتیں شروع ہو گئیں، مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اب وہ لڑکی تقریباً سترہ سال کی ہو گئی ہے، اس کے والدین اگرچہ مصالحت کی باتیں کرتے تھے مگر لڑکی بذات خود اپنے شوہر کے ہمراہ جانے پر کبھی راضی نہ ہوئی، اور تقریباً پانچ سال سے اس کے شوہر نے خاموشی اختیار کر لی، قبل بلوغت اس کو والدین

مجبور اگر رخصت کرنے پر آمادہ بھی ہوتے، مگر کچھ ایسے واقعات پیش آجاتے تھے کہ اس کی نوبت نہیں پہونچی اب بالغ ہونے پر لڑکی نے قطعی طور پر انکار کر دیا کہ میں اس شخص کے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہوں، اگر کوئی مجبور کرے گا تو نتیجہ اچھا نہیں ہوگا چونکہ اب اس لڑکی کے رہنے سے والدین کو سخت تکلیف ہے اور بے عزتی کا خوف ہے، لہٰذا یہ بات دریافت طلب ہے کہ اس لڑکی کا عقد دوسرے شوہر سے بلا طلاق لئے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۔

الجواب: باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے نابالغہ کو بالغہ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں بغیر طلاق لئے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ رحمت حسین خاں صاحب، محلہ بڑی ٹولہ شہر کہنہ بریلی، ۹ رجمادی الاولی ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا نکاح بحالت نابالغی اس کی مادر حقیقی نے زید کے ساتھ بخوشی و رضامندی باہمی باجازت خود کر دیا، ہندہ کے دادا کے بھائی موجود تھے۔ مگر انھوں نے کوئی ناراضگی ظاہر نہیں کی، نکاح کے عرصہ ۱½ سال بعد رخصتی کر دی، ایک سال زید کے یہاں رہ کر ہندہ اپنی ماں کے یہاں چلی گئی، اب بھی نابالغ ہے، لیکن اس کی ماں اور دادا کے بھائی اور منکوحہ سب زید سے ناراض ہیں، کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، کہ ہم رخصت نہیں کریں گے پس یہ نکاح صحیح ہوا تھا اور قائم رہا اور ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا ۔

الجواب: جب ہندہ کے دادا کا بھائی موجود ہے تو ماں کو کچھ اختیار نہیں کہ ولایت نکاح اولاً عصبہ کو ہے، درمختار میں ہے۔ الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ۔ یہ نکاح کہ مادر ہندہ نے کیا، ہندہ کے دادا کے بھائی کے اذن پر موقوف ہے، اگر جائز کر دیگا جائز ہو جائے گا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، لہٰذا اگر پیشتر کبھی جائز کر دیا ہو تو اب اسے رد کرنے کا کچھ اختیار نہیں اور اگر اب تک محض سکوت کیا تھا، اس نکاح کے متعلق کچھ نہ کہا تھا، اب رد کر دیا تو رد ہو گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ شاہ منیر خاں، میر گنج، ضلع بریلی ۱۴ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل کے حقیقی چچا فوت ہوئے انھوں نے دو لڑکیاں چھوڑیں جو نابالغہ ہیں، سائل کی چچی نے بلا رضامندی میرے والد مسمیٰ علی جان کے لڑکی جس کی عمر تخمیناً دس یا گیارہ سال کی ہوگی اس کا نکاح

ؔ سوال میں مذکور ہے، کہ ڈیڑھ سال بعد رخصتی کر دی اگر یہ رخصتی لڑکی کے دادا کے بھائی کی رضامندی سے ہوئی، تو یہ دلالۃً نکاح کو منظور کرنا ہے، اور اگر یہ رخصتی دادا کے بھائی کے رضامندی کے بغیر ہوئی، تو اسے رخصتی کے بعد بھی قبول یا رد کرنے کا حق رہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کر دیا، یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں اور ولی اس لڑکی کا کون ہے، ماں ہے یا اس کا چچا حقیقی؟،

الجواب:۔ نکاح کا ولی لڑکی کا چچا ہے، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبة بنفسه، اور یہ نکاح کہ لڑکی کی ماں نے بغیر اجازت اس کے چچا کے کر دیا ہے، چچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر جائز کر دے گا، جائز ہو گا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ:۔ مسئولہ احمد حسین محلہ شاہدانہ بریلی، ۲۴ر شوال ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات ذیل میں؟

(۱) مسماۃ سروری جس کی عمر اب پندرہ سال کی ہے، تقریباً چار ماہ سے ماہواری شروع ہو چکی ہے، یہ میری حقیقی ہمشیرہ ہے، اور میں اس کا حقیقی بھائی ہوں، عرصہ ہوا باپ مر گئے ماں زندہ ہے میں دہلی میں بسلسلہ روزگار رہتا تھا، میری ماں نے بلا علم اور بلا اجازت و مرضی کے عرصہ پانچ سال ہوا، شادی کر دی، لیکن اس وقت لڑکی دس سالہ نابالغہ تھی،

(۲) جب کہ مادر نے نکاح کی تاریخ مقرر کر دی تھی کہ دولھا اور اس کے گھر والے نکاح کے لئے آئے، لیکن میرے گھر پر کسی قاضی نے نکاح نہیں پڑھایا، تو مجبوراً میری ماں اور میری ہمشیرہ سروری کو دولھا کے باپ وغیرہ اپنے گھر لے گئے، اور وہیں نکاح پڑھوا دیا، وہیں کے لوگ گواہ ہو گئے، جس کے نام وغیرہ کو میری ماں نہ جانتی ہے نہ ان سبھوں کو پہچانتی ہے؟

(۳) مسماۃ سروری کو نکاح کے بعد دو سال تک جب اس سے گھر کا کام کاج نہ ہو سکا، مار مار کر اور سر کے بال کتر کر نکال دیا، اب تین سال سے ماں کے پاس موجود ہے؟ ۔

(۴) امور بالا کے جواب میں کیا مسماۃ سروری کا نکاح جائز تھا یا نہیں اور دوسری جگہ اس کی شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) مسماۃ سروری کے تایا زاد بھائی ننھے و سجن آئے اور رضامندی ظاہر نہ کی اس پر لڑکی کی ماں کو مع لڑکی بہلا کر باپ کے گھر لے گئے اور وہاں نکاح کر دالیا، ؟ ۔

الجواب:۔ عصبہ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہو سکتی، درمختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبة بنفسه، اگر بھائی حقیقی یہاں موجود نہ تھا اور اس کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا، تو چچا زاد بھائیوں سے اذن لیا جاتا، اور جب کہ بغیر ان سے اذن لئے نکاح پڑھوایا تو ان کی یا بھائی کی اجازت پر موقوف تھا، جائز کر دیا تو جائز ہو گیا، رد کر دیا تو باطل، اور اگر

اب تک انھوں نے کچھ نہ کیا ہو تو اب لڑکی کے بالغ ہونے پر خود اس کی اجازت پر موقوف ہے، چاہے جائز رکھے یا رد کرے
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از آگرہ پلٹن ۱/۴ مرسلہ سید گلاب شاہ جمعدار، ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمد و شرع متین اسلام کہ میرا اسماۃ بہتان بیوی بنت سید ستار علی شاہ مرحوم کا عقد مسمی سید ستار شاہ ولد سید ماہلی شاہ کے ساتھ جو الف شاہ ولد سید مہتاب شاہ نے بحیثیت ولی ایجاب و قبول کر کے جب کہ میں نابالغہ تھی، کر دیا تھا، اب میرے سن بلوغت کو پہونچ کر قائم رہ سکتا ہے، درانحالیکہ میں سائلہ مسمی سید ستار جو ایک آنکھ سے کانا ہونے کے علاوہ اپنے معاش کا کوئی جائز اور مستقل وسیلہ بھی نہیں رکھتا ہے اور اس کے ساتھ کسی وقت خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی ہو) کو اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کرتی ہوں اگر بوقت عقد شرعی میں بالغہ ہوتی تو اس کو اپنا شوہر بنانا ہرگز ہرگز منظور نہ کرتی، مجھ مستفیثہ کی عمر اس وقت تقریبًا چودہ سال ہے، جب میرے ولی نے میرا عقد ۱۹۱۹ء میں کیا تو تقریبًا میں دس سال کی نابالغہ تھی اور اب میں اس ماہ میں بموجب احکام شرعی بالغہ ہوگئی ہوں، مگا ہی فسخ عقد کا خیال جو اس سے قبل بھی دل میں جاگزیں تھا، اظہار کر کے ملتمس ہوں کہ براہ کرم صحیح فتویٰ سے آگاہ فرمائیں تاکہ میں صحیح معنوں میں اپنے کو سید ستار شاہ کی زوجہ نہ سمجھوں؟ بینوا توجروا۔

شجرۂ ولی سائلہ۔

سید بہادر شاہ

- سید مہتاب شاہ
  - سیدہ سجادہ بی بی — زوجہ سید ابن حیات شاہ والدہ سائلہ
  - سیدہ امینا بی
  - سید الف شاہ — ولی مذکور
- سید حیات شاہ
  - ۱ سید اکبر شاہ
  - ۲ سید ستار علی شاہ — والد سائلہ بہتان بی بی
  - ۳ سید فرزند علی شاہ
  - ۴ سیدہ حسن بی بی
  - ۵ سیدہ فاطمہ بی بی

میرے والد سید ستار علی شاہ کی وفات سے قبل میرے حقیقی چچا قضا کر چکے تھے، لہذا میرا خیال ہے کہ سید الف شاہ میرا ماموں بھی ہے، اور صحیح وارث تھا۔

الجواب: جو نکاح باپ اور دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے کیا ہو اس میں عورت کو خیار بلوغ حاصل ہے کہ بالغہ ہونے کے ساتھ فورًا بلا تاخیر اپنے نفس کو اختیار کرے پھر اس نکاح کو فسخ کرا لے، مگر فسخ نکاح کیلئے قضاء قاضی شرط ہے صورت مسئولہ میں جب بہتان بیوی نے بالغ ہوتے ہی فورًا اپنے نفس کو اختیار کیا اور نکاح سے ناراضی ظاہر کی تو اب دعویٰ کر کے

فسخ کرا سکتی ہے اور خیار بلوغ کے لئے خلوت صحیحہ تو کیا وطی بھی مانع نہیں اور یہاں تو خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی، درمختار میں ہے،

ولھما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ سید محمد علی صاحب، سوار رسالہ ریاست ٹونک، راجپوتانہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین حسب ذیل مقدمہ کے فیصلہ میں، زید کی دختر نا کدخدا عمر دس سال بحالت نابالغ زید کے سالہ کی اجازت سے بکر کے ساتھ عقد ہوا اور بکر کا اقرار تھا کہ وہ بدچلن نہیں ہے نہ دوسری عورت ہے، اور اگر ایسا ہو تو نکاح ساقط، بعد میں معلوم ہوا کہ عورت بد خو بغیر نکاح اور ایک بچہ حرام کا اس کا موجود ہے، اور اقرار وداعگی پانچ ماہ کا تھا جس کو عرصہ قریب ۳ سال کے ہوا، زید کی دختر جب سن بلوغ کو پہونچی اور حالات مندرجہ اور معلوم ہوئے، وداعگی اور بکر کے یہاں جانے سے قطعی انکار کرتی ہے، کیا ایسی صورت میں اس کا انکار مانا جاوے اور نکاح مسدود ہو یا رہا، براہِ کرم شرعی حکم سے آگاہی بخشی جاوے؟

الجواب: سوال سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ لڑکی کا باپ زندہ تھا یا نہ تھا، اگر نہ تھا تو اس لڑکی کا بھائی یا چچا یا دادا یا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد تھا یا نہ تھا، یہ بھی نہ تھے تو ماں نانی دادی تھیں یا نہ تھیں غرض عصبہ وذوی الفروض نہ ہوں، اس وقت ولایت نکاح ذوی الارحام کے لئے ہوتی ہے اور ان میں بھی ماموں کا مرتبہ پھوپھی کے بعد ہے، درمختار میں ہے، ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال، بالجملہ ماموں سے مقدم اگر کوئی ولی تھا اور نکاح کی اجازت اس سے نہ لی گئی تو اس کی اجازت پر موقوف تھا، جائز کر دیا تو جائز ہو گیا، رد کر دیا تو باطل ہو گیا اور اگر اس نے کچھ نہ کہا، یہاں تک کہ لڑکی بالغہ ہو گئی تو اب خود اسی لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے، قولاً فعلاً جس طرح جائز کرے گی جائز ہو جائے گا، رد کرے گی باطل ہو نگا، درمختار میں ہے، لو زوج الابعد حال قیام الاقرب ھو توقف علی اجازتہ ولو تحولت الولایۃ الیہ لم یجز الا باجازتہ بعد التحول، خلاصہ یہ ہے کہ اگر نکاح نافذ ہو چکا تھا تو لڑکی کو صرف خیار بلوغ حاصل تھا جب کہ غیر اب وجد نے جائز کیا ہو اور یہ بالغہ ہوتے ہی بلا توقف اپنے نفس کو اختیار کرے، پھر قاضی کی طرف رجوع کر کے فسخ کرا سکتی ہے، اور کچھ بھی توقف کرے گی یہ خیار جاتا رہے گا، درمختار میں ہے، وبطل خیار البکر بالسکوت ان لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولا یمتد الی اخر المجلس وان جھلت بہ، اور اگر لڑکی نے بلوغ کے بعد خود اس نکاح کو جائز کیا تھا تو اب کچھ نہیں کر سکتی، رہا اس کا اقرار کہ بدچلن نہیں ہے نہ دوسری عورت ہے، ایسا ہو تو نکاح ساقط، ظاہر یہ ہے کہ قبل نکاح اس کا

اقرار کیا ہوگا، ایسا ہے تو اس قول کا کچھ اعتبار نہیں، کہ یہ تعلیق ہے اور تعلیق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک ضروری ہے، کما ہو مذکور فی عامۃ الکتب۔ اور اگر وقت عقد یہ اقرار تھا یعنی ایجاب و قبول میں یہ قول داخل تھا جب بھی مجرد اس قول سے طلاق ثابت نہیں ہو سکتی کہ نکاح ساقط ہونا اضافت سے خالی ہے، معلوم نہیں کہ اس عورت کا نکاح ساقط کر دیا ہے یا دوسری کا، سوال بہت مجمل ہے، ہر صورت میں متعدد شقوق ہیں اور سب کے حکم جداگانہ، چند شقیں لکھ دی گئی ہیں، واقعہ کے مطابق جو صورت ہو اس پر عمل کیا جاوے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد علی الدین احمد چشتی فاروقی، از محلہ درگاہ پورہ، تعلقہ قندھار شریف، ضلع نانڈیڑ، ریاست نظام حیدر آباد، دکن۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ حمیدہ نابالغہ کے والدین انتقال کر گئے اور وہ اپنے حقیقی پھوپھا عمرو کے زیر پرورش رہی اس کے حقیقی پھوپھا عمرو نے نابالغہ حمیدہ کا عقد اپنے قرابت دار بعیدہ بکر سے کر دیا، نابالغہ حمیدہ اپنے شوہر کی تکالیف و عدم نباہ سے ناراض تھی، چنانچہ نابالغہ حمیدہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی یعنی پہلی مرتبہ اپنے حیض کے خون کو دیکھ کر چند لوگوں کے روبرو باشہد باللہ، کہہ دی کہ "میں اپنے اس عقد و شوہر سے ناراض و منکر ہوں، میرے پھوپھا کو میرا عقد کروا دینے کا کسی قسم کا حق نہ تھا، لہذا میرا عقد فسخ ہوگیا میرا شوہر مجھ پر حرام ہے، ایسی صورت میں حمیدہ مذکورہ کا عقد بکر سے کیا، فسخ ہو جائے گا، کیا اس کو بغیر اس کے شوہر کے طلاق کے نکاح ثانی کر لینا جائز ہے،

(نوٹ) مخفی مباد کہ جو نکاح حمیدہ کا بزمانہ نابالغی اس کے پھوپھا عمرو نے بکر سے کروا دیا، نابالغہ کے غیر کفو میں ہے، یعنی حمیدہ اور اس کے شوہر بکر میں پہلے سے کسی قسم کی بھی قرابت داری نہیں اور نہ دونوں کا کفو مساوی اور ایک ہے براہ کرم جواب باصواب مع حوالہ کتب و اقوال مفتی بہ سے جلد نوازیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سوال بہت مجمل ہے یہ نہیں لکھا کہ حمیدہ کا کوئی ولی شرعی وقت نکاح تھا یا نہیں، اگر اس کے دادا پر دادا کی اولاد میں کوئی تھا تو اس کی اجازت سے نکاح ہوا تھا یا نہیں، اگر بغیر اجازت نکاح ہوا تو نکاح کی خبر پا کر اس نے سکوت کیا یا جائز کیا، غرض اس میں صور متعددہ ہیں اور احکام میں بھی اختلاف، اگر حمیدہ کا کوئی ولی تھا اور قبل عقد یا بعد عقد اس نے اجازت دی یا حمیدہ کا پھوپھا اس کا ولی بھی ہے تو نکاح نافذ ہوگیا، صرف حمیدہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا کہ بالغ ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے علیحدگی چاہی تو قاضی کے پاس دعوی کر کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے، شوہر کے طلاق دینے کی کچھ

ضرورت نہ ہوگی، تنویر الابصار میں ہے، لہما ای لصغیر و صغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ بشرط القضاء، اور اگر حمیدہ کے لئے کوئی ولی شرعی ہو مگر اس نے عقد کو رد کر دیا تو باطل ہوگیا کہ یہ عقد فضولی تھا اور اس کا یہ حکم ہے، کہ اجازت پر موقوف ہوتا ہے، جائز کر دینے سے جائز ہوتا ہے اور رد کرنے سے باطل، اور اگر ولی نہ ہو یا ہے، مگر اس نے اب تک نہ جائز کیا نہ رد، تو حمیدہ کو بالغہ ہونے کے بعد خود اختیار ہے کہ چاہے اسے رد کر کے باطل کر دے یا اجازت دے کر نافذ کر دے اور اگر اس صورت میں رد کرے گی تو انکار کرتے ہی عقد باطل ہو جائے گا، قاضی کے پاس دعویٰ کرنے یا فسخ کرانے کی کوئی حاجت نہیں، رد المحتار[1] میں ہے، قولہ اما اذا کان ای وجد سلطان او قاض فی مکان عقد الفضولی علی المجنونۃ او الیتیمۃ فیتوقف ای ینفذ باجازتہا بعد عقدھا او بلوغہا لان وجود المجیز حالۃ العقد لایلزم کونہ من اولیاء النسب۔ اور بر تقدیر رد کرنے کے جس سے چاہے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے کہ پہلا نکاح اب باقی نہ رہا، اگر بکر حمیدہ کا کفو نہ ہو یعنی مذہب و نسب و پیشہ اور چال چلن میں اتنا کم ہے کہ اس سے نکاح اولیاء حمیدہ کے لئے باعث ننگ و عار ہو تو مذہب مختار میں یہ نکاح بالکل صحیح نہ ہوا کہ ایسا نکاح تو باپ دادا کے سوا اگر کوئی ولی بھی کرتا تو صحیح نہ ہوتا نہ کہ فضولی، درمختار میں ہے! وان کان المزوج غیرھما لا یصح النکاح من غیر کفوء او بغبن فاحش اصلاً، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

مسئلہ: از اسٹیٹ پالن پور نارتھ گجرات، مرسلہ حکیم محسن رضا لکھنوی، بی بی اینڈ سی آئی ریلوے،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ باوجود بالغ ہونے کے اس کی ماں نے بغیر دریافت و رضامندی ہندہ کے زید سے اس کا نکاح کرا دیا، زید فاسق و فاجر ہے، نان و نفقہ بھی نہیں دے سکتا، نماز روزہ کا مانع رہتا ہے، اب لڑکی اس کے مکان سے چلی آئی ہے، دوسری بات ہندہ کا باپ بجرہ میں تھا، ان کی بغیر رضامندی کے یہ نکاح ہوا، قاضی شہر جائز و ناجائز کا خیال نہ دار دکر کے نکاح پڑھ دیا ہے، اب کیا صورت ہے نکاح صحیح ہوا یا نہیں، کیونکہ بالغہ ہندہ انکار کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ میری ماں کو ان لوگوں نے یہ کام بہکا و بھولا کے کرا دیا میں نے زبان سے اقرار نہیں کیا، بینوا توجروا۔

الجواب: ہندہ بالغہ ہے، تو اس پر ولایت اجبار کسی کو نہیں، ماں نے بغیر اس کی اجازت کے اگر نکاح کر دیا، تو یہ نکاح فضولی ہوا، جو ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا، اور جب ہندہ کی رخصتی ہوئی اور اس نے انکار نہ کیا، بلکہ اس کے مکان پر چلی گئی اور رہی بھی اور غالباً خلوت بھی ہوئی ہوگی، تو یہ سب امور دلیل اجازت ہیں، اگرچہ ہندہ نے قول سے اجازت نہ دی، مگر اپنے فعل سے اس نکاح کو جائز کر دیا، اب اس کو انکار کرنے کا کوئی حق باقی نہ رہا، یہ اس صورت میں ہے کہ زید

[1] ص ۲۲۷، ج ۲۔ ن آخر باب الکفاءۃ،

ہندہ کا کفو ہو یعنی مذہب، نسب، چال چلن، پیشہ وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیا ہندہ کے لئے باعث ننگ و عار ہو اور اگر کفو نہ ہو تو بغیر صریح اجازت ولی کے نکاح نہیں ہو سکتا، اگرچہ خود ہندہ راضی بھی ہو، کما ھو مصرح فی الدر المختار، وھو تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ:۔ از اجمیر شریف، ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ،

عقد ہو جانے کے بعد بغیر اجازت شوہر والدین لڑکی کو کہیں لے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر لڑکی چھوٹی ہے اور وہ اپنے والدین کے یہاں رہتی ہے، تو والدین اسے اپنے ساتھ لیجا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ:۔ از ہوڑہ محلہ بابو تالاب، مرسلہ جناب غلام نبی و محمد خدا دین، ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے جس سے نکاح کیا ہے، اس کے پاس دوسرے خاوند سے ایک لڑکی بھی ہے، جس کی شادی کا پیام آتا ہے خصوصاً اس کی خالہ کے یہاں سے، لیکن زید نفی میں جواب دیتا رہا، زید کی عدم موجودگی میں بیوی کی اجازت سے شادی کر دی گئی، درست ہوا یا نہیں، لڑکی نابالغہ ہے ؟ بینوا توجروا، ۔

الجواب:۔ نابالغہ کا نکاح ولی کی اجازت سے ہوتا ہے، اگر بغیر اجازت ولی نکاح کیا گیا تو اجازت ولی پر موقوف رہے گا، ولی اجازت دے گا تو جائز ہوگا اور رد کرے گا تو باطل ہو جائے گا، اگر اس لڑکی کا کوئی عصبہ بھائی چچا یا دادا پردادا وغیرہ اصول کی اولاد میں کوئی مرد ہے تو وہ اس کا ولی ہے کہ اس کی اجازت درکار ہے اور عصبات میں سے کوئی ولی نہ ہو تو ماں ولی ہے، سوتیلا باپ اگر عصبہ ہے تو اس کے لئے ولایت ہو سکتی ہے ورنہ اس کی اجازت کی کچھ حاجت نہیں، صورت مسئولہ میں اگر عصبہ موجود نہ ہوں تو ماں کو نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، شوہر سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اگر وہ انکار بھی کرے جب بھی ماں نکاح کر سکتی ہے، اس کو منع کرنے کا حق حاصل نہیں، در مختار میں ہے، الولی فی النکاح العصبۃ ثم الام، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ:۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۹ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی ہندہ کا نکاح بلا اجازت زید کی لڑکی کا بحالت نابالغی زید کے تایا کے لڑکے یعنی اس نابالغہ کے تایا زاد چچا نے زبردستی عمرو سے کرا دیا، جب ہندہ کے والد زید کو اطلاع ملی

اس نے علی الفور کہدیا کہ ابھی میری لڑکی نابالغہ ہے، اس کا نکاح کہیں بھی مجھے منظور نہیں لڑکے کے تایازاد چچانے اس فسخ عقد کو تسلیم نہ کرتے ہوئے، ہندہ کو جبراً عمرو کے گھر لے جانا چاہا، ہندہ کے والدین اور بھائی وغیرہ لے اسے نہ لے جانے دیا اور لڑکی نے بھی وہاں جانے سے انکار کر دیا، آخرش فریق ثانی نے دعوی کر دیا، اثنائے مقدمہ میں لڑکی بالغ ہوئی، وقت بلوغ چند گواہوں کے سامنے اپنے تایازاد چچا کا کیا ہوا عقد فسخ کر دیا اور نکاح کے وقت سے لڑکی اب تک اپنے والدین کے گھر ہے، جس سے یہ فرضی نکاح کیا تھا، اس کے گھر کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے، اب سوالات طلب مندرجہ ذیل امور ہیں؟

(۱) ولی اقرب بغیر والدین کے ہوتے ہوئے تایازاد چچا لڑکی کا عقد بلا اجازت والدین کر سکتا ہے یا نہیں،

(۲) اگر ولی بعید مثل تایا یا تایازاد چچا کے نابالغہ لڑکی کا کوئی عقد کر دے جس میں والدین کی رضامندی تو درکنار انھیں خبر بھی نہ ہو تو اس عقد کے فسخ کرنے کا والدین کو بھی حق حاصل ہے یا نہیں،

(۳) اگر والدین کو اس نکاح کے فسخ کا مجاز نہ ہو تو وقت بلوغ لڑکی اس نکاح کے فسخ کی مجاز ہے یا نہیں؟

(۴) والدین کے ہوتے ہوئے بلا اجازت والدین نابالغہ لڑکی کے نکاح کا کس کو مجاز ہے براہ کرم ہر سوال کا جواب مفصل مدلل عنایت ہو،

(۵) اگر لڑکی کی والدہ یا بھائی بلا رضامندی و اطلاع والد اذن نکاح دیدے تو کیا یہ نکاح قابل فسخ نہ رہے گا،

بینوا توجروا۔

الجواب: یہ مسئلہ بہت واضح ہے، چنداں تفصیل کی حاجت نہیں، اگر یوں ہی نکاح ہو جایا کرے تو جس کا جی چاہے جس کی لڑکی سے نکاح کر لیا کرے اسے کوئی اختیار ہی نہ رہے، یہ نکاح کاہے کو ہے زبردستی کسی کی لڑکی اٹھالے جانا ہے، نابالغہ کے نکاح کے لئے ولی شرط ہے، درمختار میں ہے، وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون، والد کے ہوتے ہوئے تایازاد چچا کو نکاح کرنے کا حق نہیں، اس کا مرتبہ تو باپ سے کئی درجہ بعد کو ہے کیونکہ باپ نہ ہو تو ولایت دادا کے لئے ہے، وہ بھی نہ ہو تو بھائی کو ہے، بھائی نہ ہو تو بھائی کی اولاد ذکور کو ہے، یہ بھی نہ ہو تو چچا کو یہ بھی نہ ہو، تو ان کی اولاد ذکور کو یہ بھی نہ ہو تو باپ کے چچا تایا کو یہ بھی نہ ہو تو ان کے لڑکوں کو لہذا جس کا مرتبہ باپ سے اتنے درجہ کے بعد ہو وہ کب باپ کی موجودگی میں نکاح کر سکتا ہے، باپ کے ہوتے ہوئے تو دادا اور بھائی بھی نکاح نہیں کر سکتے، نہ کہ باپ کے چچا کا لڑکا، درمختار وغیرہ عامہ کتب فقہ میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب

بالجملہ یہ نکاح جو باپ کے نایازاد بھائی نے کر دیا ہے، ہندہ کے باپ زید کی اجازت پر موقوف تھا کہ جائز کر دے تو جائز ہو جائیگا رد کر دے تو باطل، پس جب کہ زید نے نکاح نامنظور کر دیا تو یہ نکاح باطل ہو گیا، اب زید یا خود ہندہ بھی بعد بلوغ اسے جائز کرنا چاہے تو عود نہیں کر سکتا کہ الباطل لا یعود، صورت مسئولہ کے جواب کے لئے اتنا کافی ہے، مگر سائل نمبر وار جواب چاہتا ہے لہذا ہر نمبر کا جواب علٰحدہ علٰحدہ ذکر کیا جاتا ہے،

(۱) ولی اقرب بھی باپ کے ہوتے ہوئے ولی ابعد یعنی باپ کے چچا یا اس کے لڑکے کو ولایت نہیں ہے، اگر اس ولی ابعد نے کر دیا تو باپ کی اجازت پر موقوف تھا اور اس کے رد کر دینے سے باطل ہو گیا، درمختار میں ہے، فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ؛

(۲) عقد فسخ کرنا اس وقت ہوتا ہے، جب کہ وہ تمام بھی ہو جائے یہ عقد تو عقد موقوف ہے کہ بلا اجازت والد تمام ہی نہ ہوگا، اور جب باپ نے رد کر دیا وہ عقد موقوف جاتا رہا، اس کے فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ نامنظور کرنے سے باطل ہو گیا،

(۳) ہم نے پہلے بیان کر دیا کہ نابالغہ کا نکاح صحیح ہونے کے لئے ولی شرط ہے، اور جب باپ موجود ہے تو وہی ولی ہے، اس نے جب نامنظور کر دیا تو باطل ہو گیا، اب وہ موقوف نکاح بھی باقی نہیں، لڑکی بالغ ہو کر فسخ جب کرتی کہ نکاح ہو بھی اور اب تو کچھ رہا ہی نہیں پھر فسخ کس چیز کو کریگی، ہاں اگر باپ نے اپنے قول و فعل سے نہ رد کیا ہوتا نہ جائز کیا ہوتا، یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہو جاتی، تو اب خود اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوتا اور رد کرنے سے باطل ہوتا اور یہاں تو پہلے ہی معدوم ہو چکا ہے،

(۴) باپ کے ہوتے ہوئے کسی کو اختیار نہیں،

(۵) یہ نکاح بھی والد کی اجازت پر موقوف رہے گا اور اس کے نامنظور کرنے کے بعد جاتا رہے گا، کیونکہ بھائی کا مرتبہ باپ اور دادا کے بعد ہے اور ماں کا مرتبہ تو تمام عصبات کے بعد ہے، تنویر الابصار میں ہے، فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر لڑکی رضامند نہ ہو اور لڑکی بالغ ہو تو باپ کو کیا شرعی طور پر اختیار حاصل ہے کہ بلا رضامندی لڑکی کا نکاح کر دے؟

الجواب: ولایت اجبار کہ وہ چاہے یا نہ چاہے نکاح صحیح نافذ ہو جائے یہ صرف نابالغ پر ہے بالغ و بالغہ پر ولایت اجبار نہیں، بلکہ ان سے اجازت لینی ہوگی، اجازت دیں تو نکاح کر سکتا ہے ورنہ نہیں، اور بغیر اجازت نکاح کر دیا تو اجازت

پر موقوف ہوگا جائز کرے تو جائز ہے رد کردے تو باطل، البتہ کنواری کا سکوت بھی اذن سمجھا جائے گا، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور نے فرمایا، لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یا رسول اللہ وکیف اذنہا قال ان تسکت، اور اس مضمون کی بکثرت احادیث صحاح ستہ میں مذکور ہیں، ابوداؤد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی، ان جاریۃ بکرا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک کنواری لڑکی حاضر خدمت اقدس ہوئی اور عرض کی اس کے باپ نے اس کا نکاح کردیا ہے اور اسے ناپسند ہے، حضور نے اسے اختیار دیا یعنی تو چاہے تو نکاح کو جائز کردے، نہ چاہے تو رد کردے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از بمبئی مدنپورہ، حسینی باغ کے روبرو، غلام حسین کی چال پہلا منزلہ، مرسلہ فاطمہ زوجہ ولی محمد صاحب ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح اس کی نابالغی میں اس کی والدہ نے کر دیا، ہندہ جوں بالغہ ہوئی اور خون دیکھی اسی وقت ہندہ نے اس نکاح کو فسخ کیا، ہندہ کے گواہ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں، ہندہ بعد بلوغ اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے یا نہیں، اگر فسخ کی تو عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: نابالغہ کا ولی عصبہ ہوتا ہے وہ نہ ہو تو ماں ولی ہوتی ہے، لہٰذا ہندہ کا نکاح جو اس کی ماں نے کیا اگر عصبہ کی موجودگی میں تھا تو عصبہ کی اجازت پر موقوف تھا کہ یہ نکاح فضولی ہوا، اگر ولی نے جائز کر دیا ہو تو جائز ہوگا اور رد کر دیا ہو تو باطل ہوگیا اور اب تک ولی نے جائز نہ کیا تو خود ہندہ کے رد کرنے سے باطل ہوگیا، اور اگر عصبہ کا جائز کیا ہوا ہو یا ماں خود ولی ہو اور عصبہ باپ دادا کا غیر ہو تو اس نکاح میں خیار بلوغ حاصل ہوگا بالغ ہوتے ہی جب کہ نکاح کو نامنظور کیا تو دعویٰ کرکے فسخ کراسکتی ہے اور اگر خلوت نہیں ہوئی ہے تو عدت بھی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از کراچی، مرسلہ مولوی ظہور الحسن درس صدر کراچی، ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ خالد نے اپنی لڑکی ہندہ عاقلہ بالغہ کی منگنی زید سے کی ہندہ کو اس منگنی کا اچھی طرح علم تھا، خالد اور بکر کے درمیان لڑائی ہوئی اور سرکاری آدمیوں نے خالد کے طرفداروں کو گرفتار کرنا شروع کیا، خالد نے اس سخت مشکل کو دفع کرنے کی لالچ میں ہندہ کا نکاح بکر سے کیا، ہندہ کو اس کا مطلق علم نہیں، ہندہ سوئی ہوئی تھی

ہندہ کی بھاوج نے بیدار کر کے کہا کہ فلاں فلاں شخص (شاہدوں کے نام لے کر) تجھ سے پوچھنے آئے ہیں کہ تیرا وارث کون ہے، بکر کے ساتھ نکاح کا ذکر نہ تھا نہ اس سے قبل گھر میں شادی یا نکاح وغیرہ کی بات چیت تھی، ہندہ نے سمجھا شاید سرکاری تحقیق ہو رہی ہے، اس خیال سے ہندہ نے جواب دیا کہ میرا وارث میرا باپ ہے، جس وقت ہندہ کو یہ علم ہوا کہ میرا نکاح بکر سے کر دیا گیا ہے اسی وقت ہندہ نے انکار کیا اور کہا کہ میرا نکاح اس سے ہوگا جس سے میری منگنی ہوئی ہے، بکر سے نکاح ہونے کا نہ مجھے علم ہے نہ میں قبول کرتی ہوں اور آج تک ہندہ انکار پر قائم ہے آیا اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکر سے جائز ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو شرعاً ہندہ کو زید سے نکاح کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: جب کہ ہندہ بالغہ ہے تو اس کے باپ خالد کو اس پر ولایت اجبار حاصل نہیں کہ چاہے وہ راضی ہو یا ناراض ہو جس سے چاہے اس کا باپ نکاح کر دے ایسا نہیں، بلکہ اس کا اذن ضروری ہے، درمختار میں ہے، ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ، البتہ اگر نکاح کی خبر سن کر اور یہ معلوم کر کے کہ میرے باپ نے فلاں سے نکاح کر دیا ہے، ساکت رہتی تو یہ دلالۃً اذن ہوتا، اور نکاح صحیح ہو جاتا، حدیث میں ہے، واذنها صماتها. مگر جب کہ صراحۃً اس نے انکار کر دیا تو نکاح باطل ہو گیا کہ اب اس نکاح کو ہندہ جائز کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتی ہے، لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کو اختیار ہے کہ زید سے نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱): مرسلہ عبدالحمید پورہ کوٹھی، ڈاکخانہ شمیر نگر، ضلع گیا، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح نابالغیت میں چچا حقیقی نے کیا اب کہتی ہے کہ میں راضی نہیں ہوں، بالغ ہونے پر میں نے انکار کر دیا میں اس کو پسند نہیں کرتی ہوں، یہ مسئلہ چند جگہوں سے دریافت کیا گیا ہر ایک جگہ سے جواب آیا تھا کہ قاضی یا حاکم مجاز یا جو عالم دیندار قرب و جوار میں ہوں لوگ اس کو مانتے ہوں، ان کی طرف رجوع کیا جائے اگر فسخ کا حکم دیں تو نکاح کر سکتی ہے، مسئلہ مذکورہ سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے زعم میں آکر حاصل یہ ہے کہ ناکح و حضار مجلس وغیرہ جان بوجھ کر ہندہ کا نکاح کرایا، اب بدوں رجوع کئے اور بلا فسخ نکاح ہندہ کا نکاح کر دیا گیا، آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں اگر ناجائز ہوا تو قاضی گواہ و حضار مجلس کے لئے کیا حکم ہوگا، ان کی بیویاں ان پر حرام ہوں گی یا نہیں، عمل ماقبل باطل ہوئے یا نہیں، ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں، ان لوگوں سے سلام و کلام جائز ہے یا نہیں، از روئے شرع شریف جو حکم ہو صادر فرمایا جائے؟ -

(۲) اگر از روئے شرع شریف قاضی، گواہان وحضار مجلس کے نکاح باطل ہوئے تو کون سی صورت ہوگی کہ ان لوگوں کی بیویاں ان پر حلال ہوسکیں؟

الجواب:- (۱-۲) ہندہ کا نکاح نابالغی میں جب کہ چچا نے کیا تو اسے خیار بلوغ حاصل تھا کہ بالغ ہوتے ہی فوراً بلا توقف اپنے نفس کو اختیار کرکے نکاح فسخ کرا سکتی تھی، مگر خود عورت ہی فسخ کرے یہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لئے قضاء قاضی شرط ہے جب تک قاضی فسخ نہ کرے، وہ نکاح باقی رہتا ہے اور اس کے احکام جاری ہوتے ہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے، وان زوجھا غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ وھذا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ ویشترط فیھا القضاء بخلاف خیار العتق کذا فی الھدایۃ فان اختار الصغیر او الصغیرۃ الفرقۃ بعد البلوغ فلم یفرق القاضی بینھما حتی مات احدھما توارثا ولو اراد الزوج ان یطأھا لم یفرق القاضی بینھما کذا فی المبسوط۔

اس عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جب تک قاضی تفریق نہ کرے وہ دونوں زوج وزوجہ ہیں، لہٰذا بغیر تفریق ہندہ کسی دوسرے سے اپنا نکاح نہیں کرسکتی ہے، اگر نکاح کردیا گیا ہے تو یہ نکاح ناجائز ہے کہ منکوحہ غیر سے نکاح نہیں ہوسکتا، جو لوگ اس سے واقف تھے اور اس نکاح میں شریک ہوئے سخت گنہ گار ہوئے ان پر توبہ لازم ہے اور اپنی اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں، بطلان نکاح اور حبط عمل کا حکم نہیں دیا جاسکتا کہ یہ وہاں ہے جہاں کفر قطعی ویقینی ہو، یہاں تجدید کا حکم ہے اگر یہ لوگ تائب ہوکر تجدید نکاح کرلیں فبہا ورنہ ان سے میل جول ترک کیا جائے اور ان کو امام نہ بنایا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- مرسلہ حاجی لیاقت علی خاں صاحب محلہ سوداگران بریلی، ۲۹ر جمادی الآخر ۱۳۵۹ھ۔

زید کا نکاح بکر کی لڑکی کے ساتھ جب کہ لڑکی کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی بہ موجودگی وباجازت بکر ہوا، نکاح کو چار سال سے زیادہ ہوگئے ہیں، رخصتی کی رسم ابھی باقی ہے، بغیر کسی رنجش کے اس درمیان میں فریقین کی جانب سے اچھا اور بہتر برتاؤ رہا، اب رخصتی کے بغیر چار سال سے زیادہ اس حالت میں گذر جانے کے بعد لڑکی نے بموجب قانون جدید انفساخ نکاح جو ۱۹۳۹ء میں گورنمنٹ سے پاس ہوا ہے ایک نوٹس میعادی پندرہ یوم اپنے شوہر کو دیا کہ بموجب قانون جدید میں انفساخ کرتی ہوں، اس لئے کہ میں بروقت نکاح نابالغ تھی، میرے کسی جائز ولی نے نکاح نہیں کرایا، اور اب میری عمر سترہ سال

ہے اور قانون جدید کے مطابق اٹھارہ سال ناکتخدا بالغ ہوں اور فسخ نکاح کرا سکتی ہوں، لہذا تم ایک ایسا اقرار نامہ جس سے انفساخ نکاح کا جواز ظاہر ہو مصدق بہ رجسٹری کرا دو اور مجھ سے دست بردار ہو جاؤ اور مجھے اپنی زوجہ منکوحہ نہ سمجھو ورنہ بعد گذرنے میعاد میں عدالت میں تم پر نالش کر دوں گی، اور بموجب قانون جدید انفساخ نکاح کرا لوں گی اور تم زیر بار ہرجاو خرچہ کے ہو گے، زید کسی طرح طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو، بیان فرمائیں؛

الجواب: جب کہ یہ نکاح لڑکی کے باپ نے کیا ہے تو لازم ہو گیا اور اس نکاح کو فسخ نہیں کیا جا سکتا، نابالغہ بکر کا نکاح باجماع ائمہ اربعہ باپ اپنی ولایت سے کر سکتا ہے، تنویر الابصار متن درمختار میں ہے، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفوء ان کان الولی ابا او جدا، جب یہاں عورت کو خیار بلوغ حاصل ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جاتا تو کسی حاکم کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق ہی نہیں ہے اور اگر بزعم خود کسی نے فسخ کر دیا تو نکاح بدستور باقی رہے گا، فسخ نہیں ہوگا، اس فسخ سے عورت کو یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ دوسرے سے نکاح کر سکے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بابُ الکفوء
کفو کا بیان

مسئلہ: مرسلہ حافظ عبد العزیز صاحب از ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح عمرو کے نابالغ لڑکے کے ساتھ کر دیا، اب لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہوئے اور لڑکا مبتلا بمرض برص ہو گیا، لڑکی یہ کہتی ہے میں شوہر کے گھر نہیں جاؤں گی اور اپنا نکاح فسخ کرا لوں گی تو اس صورت میں از روئے شرع شریف لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں اور در صورت عدم فسخ لڑکی کے ماں باپ رخصت نہ کریں تو وہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں، مع عبارت کتب فقہ تحریر فرمائیں گے۔

الجواب: برص کوئی ایسا امر نہیں کہ اس سے سالم ہونا کفاءت میں شرط ہو اور اس کا ہونا سبب فسخ نکاح ہو، درمختار میں ہے، ولا بعیوب یفسخ بہا البیع، ردالمحتار میں ہے، ای ولا یعتبر فی الکفاءۃ السلامۃ من العیوب التی یفسخ بہا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر بحر۔ کفاءت میں ان عیوب سے سلامت کا اعتبار نہیں،

جس سے بیع فسخ ہوا کرتی ہے، جیسے جذام اور جنون اور برص، اور گندہ دہنی اور گندہ بغلی، ہاں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس مسئلہ میں خلاف ہے کہ ان کے نزدیک جذام و جنون و برص سے سالم ہونا کفارت میں شرط ہے، جب کہ یہ اس مقدار پر ہوں کہ عورت کو اس مرد کے ساتھ رہنے کی طاقت نہ ہو، امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں، ولا تعتبر فی الکفاءۃ عندنا السلامۃ من العیوب التی یفسخ بہا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر الا عند محمد فی الثلثۃ الاول اعنی الجنون والجذام والبرص اذا کان بحال لا تطیق المقام معہ، مگر یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بلا ضرورت قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدول نہ کیا جائے گا اور یہ امر کہ کہاں ضرورت ہے کہاں نہیں، یہ علمائے سابقین طے کر چکے ہیں، جہاں اصحاب فتویٰ قول صاحبین پر فتویٰ دیں گے، وہاں قول صاحبین پر عمل ہوگا، ورنہ قول امام ہی پر عمل ہوگا، نیز سوال سے یہ ظاہر ہے کہ وقت عقد یہ مرض نہ تھا بعد میں لاحق ہوا تو اگر مان بھی لیا جائے کہ برص کفارت کے منافی ہے، جب بھی بعد عقد نکاح اس میں مبتلا ہونے سے حق فسخ حاصل نہ ہوگا کہ کفو میں جن امور کا اعتبار ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ وقت عقد ان میں سے کوئی مفقود نہ ہو اور بعد میں اگر اس کا زوال ہو تو اس کی وجہ سے فسخ عقد کا حق حاصل نہ ہوگا، درمختار میں ہے، والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضر زوالھا بعدہ فلو کان دقتہ کفوا ثم فجر لم ینفسخ، ردالمحتار میں فرمایا، قولہ ثم فجر الاولی ان یقول ثم زالت کفاءتہ لان الفجور یقابل الدیانۃ وھی احدی مایعتبر فی الکفاءۃ، لہٰذا لڑکی کے والدین کو محض اس وجہ سے روکنے کا حق حاصل نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہل سنت، ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ،

کفو کے لئے کیا شرط ہے؟

الجواب:۔ کفارت بالغین[1] میں صرف زوج کی جانب معتبر ہے عورت کی جانب سے نہیں یعنی اگر عورت میں کسی امر کی کمی ہے تو اس کی وجہ سے فسخ وغیرہ کا خیار نہ ہوگا، اور کفارت میں ان امور کا لحاظ ہے، نسب، حریت، اسلام، یعنی جو شخص خود مسلمان ہوا اس عورت کا کفو نہیں جس کا باپ بھی مسلمان ہے، دیانت، مال، پیشہ، علامہ حموی نے ان امور کو ایک شعر میں جمع

[1] نابالغ اور نابالغہ میں کفارت دونوں طرف سے معتبر ہے، اس بنا پر اگر کسی نابالغ لڑکے کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی ولی نے اپنی ولایت سے کسی ایسی لڑکی سے کیا، جو اس لڑکے کی کفو نہ ہو، اس سے کم درجہ کی ہو، تو نکاح صحیح نہ ہوا، شامی میں ہے، تقدم ان غیر الاب والجد لو زوج الصغیر او الصغیرۃ غیر کفو ولا یصح ومقتضاہ ان الکفاءۃ للزوج معتبرۃ ایضا، ص ۳۱۷ ج ۲، شروع باب کفارۃ۔

فرمایا ہے،

ان الکفاءۃ فی النکاح تکون فی — ستۃ لہا بیت بدایع قد ضبطہ

نسب واسلام کذا الدین حرفۃ — حریۃ ودیانۃ ومال فقط،

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہل سنت، ۱۳ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ،

غیر کفو میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر غیر کفو میں برضائے والدین دولہا و دولھن ونیز ان کے شادی ہوجائے تو درست ہے یا نہیں، جیسے خان شیخ ہیں، نداف وشیخ یا سید وشیخ، غرض کہ مختلف قوم اسلام سے ہو تو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: شیخ سے مراد غالبًا وہ شیوخ ہیں جو قریشی ہیں، یعنی صدیقی، فاروقی، عثمانی، عباسی وغیرہم یہ سادات کے کفو ہیں، کہ تمام قریش باہم کفو ہیں، اور پٹھان ان شیوخ کے کفو نہیں، تو نداف کیونکر ہوگا اور انصار قریش کے کفو نہیں تو سادات کے بھی نہیں، عرب کی مختلف قومیں سوا قریش کے سب باہم کفو ہیں، اور قریش کا کفو سوا قریش کے دوسرا نہیں، اور عجم کی قوموں میں نسب کے علاوہ باقی امور مذکورہ کا کفارت میں لحاظ کیا جائے گا، اور عجمی قوموں کا اکثر مدار پیشہ پر ہے تو یہ خیال کیا جائے گا کہ پیشہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیائے زن کے لئے باعث عار ہو، عورت اگر خود غیر کفو سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے، ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان، یہ اس صورت میں ہے، جب کہ عورت کا کوئی ولی ہو اگر ولی نہ ہو اور عورت نے غیر کفو سے نکاح کرلیا تو صحیح ہے، یونہی اگر ولی ہو اور وہ غیر کفو سے نکاح پر راضی ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، جب بھی صحیح ہے ردالمحتار میں ہے، ھذا (ای عدم جواز النکاح) اذا کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفیدہ الرضا بعدہ، بحر، واما اذا لم یکن لہا ولی فھو صحیح

---

[1] خانیہ میں ہے، فقریش بعضہم اکفاء لبعض کیف کان حتی ان القرشی الذی لیس بہاشمی یکون کفوا للہاشمی وغیر القرشی من العرب لایکون کفوا للقرشی، والعرب بعضہم اکفاء لبعض والانصاری والمہاجری فیہ سواء، والموالی لایکونون اکفاء للعرب، بعض قریش بعض کے کفو ہیں حتی کہ قریش غیر ہاشمی، ہاشمی کا کفو ہے، عربی غیر قریشی، قریشی کا کفو نہیں، بقیہ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، انصاری ومہاجری سب برابر ہیں، عجمی عربی کے کفو نہیں، پٹھان اور نداف دونوں قومیں عجمی ہیں، اس لئے یہ سادات یا کسی شیخ کے کفو نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امجدی)

نالکن مطلقا اتفاقا کمایاتی لان وجہ عدم الصحۃ علی ہذہ الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء واما ہی فقد رضیت باسقاط حقہا فتح، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالب علم مدرسہ اہل سنت، ۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ،

ہندہ قوم سیدہ کو بکر قوم شیخ کا حرام حمل قرار پایا تھا حمل ساقط کرادیا، اب وہ بکر زانی ہندہ سیدہ زانیہ سے نکاح کرلے تو جائز ہے یا نہیں اور اسقاط حمل کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر زانی زانیہ کا کفو ہے تو نکاح جائز ہے ورنہ بغیر رضا اولیا کے جائز نہیں، کمابینا، اور حمل ساقط کرنا گناہ ہے، قہستانی میں ہے، انہا تاثم ممنیہ التوبۃ والاستغفار، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ نصرت حسین صاحب معروف بہ فقیر بخش، وزیرآبادی، ۵؍ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبیلہ قریش میں اولاد اصحاب کبار و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک ہی کفو ہیں یا نہیں اور یہ کہ دختران سادات کا نکاح اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کی اولاد سے جائز ہے یا نہیں، نیز بروئے احادیث صحیحہ و کتب معتبرہ مسئلہ ہذا کے متعلق عرب و ہند میں قبیلہ قریش کا کیا رواج رہا؟ بینوا توجروا،

الجواب: قریش سب باہم کفو ہیں، لہٰذا جو اصحاب کرام قرشی تھے، ان کی اولاد کا نکاح دختران سادات کرام سے ہوسکتا ہے، درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے، قریش بعضہم اکفاء بعض، ردالمحتار میں ہے، اشاربہ الی انہ لاتفاضل فیما بینہم من الہاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرہم ولہذا تزوج علی وہو ہاشمی ام کلثوم بنت فاطمۃ لعمر وہو عدوی قہستانی فلو تزوجت ہاشمیۃ قرشیا غیرہاشمی لم یرد عقدہا وان تزوجت عربیا غیر قریشی لہم ردہ کتزویج العربیۃ عجمیا بحر، وقولہ لم یرد عقدہا ذکر مثلہ فی التبیین وکثیر من شروح الکنز والہدایۃ وغالب المعتبرات، قریش ہند میں رہتے ہوں یا عرب میں سب کا ایک حکم ہے کہ اس مسئلہ میں عجم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی عربی قبیلہ کی طرف نسبت نہ رکھتے ہوں، ردالمحتار میں ہے، المراد بالعجم من لم ینتسب الی احدی قبائل العرب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ حکیم محمد عثمان صاحب از چوک مسجد، آگرہ، ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ،

حضرات علمائے دین مسئلہ ذیل میں از روئے قانون شرع کیا فرماتے ہیں، یہ کہ زید مرض قبیح متوارثہ از قسم جذام و برص

اسود وغیرہ کے مکروہ وقبیح مرض میں مبتلا تھا اور اس نے کسی نوع وحیلہ سے اپنے اس مرض قبیح اور مکروہ کو بہ نیت فریب دہی ہندہ یا اس کے ولی سے مخفی و پوشیدہ رکھا اور ہندہ واس کے ولی کو فریب و دھوکہ دیکر اپنا نکاح ہندہ سے بولایت ولی کرلیا اور زید کو اس فریب دہی سے ہندہ واس کے ولی بالکل لاعلم رہے اور بہ سبب لاعلمی زید کو ہر طرح پاک وصاف منزہ و مبرا سمجھ کر ہندہ کے ولی نے ہندہ کا نکاح زید سے کر دیا، مگر ہنوز اپنے ہی گھر تھی اور علٰحدہ رہی نیز خلوت صحیحہ بھی واقع نہیں ہوئی کہ زید کا سارا فریب کھل گیا، اس سبب سے ہندہ اور اس کے ولی نے بالاعلان فسخ نکاح کر دیا جس کو چند سال گذر گئے ہنوز ہندہ ابتدا سے ہمیشہ اپنے ہی گھر پر برابر علٰحدہ رہتی چلی آرہی ہے، ایسی حالت میں ہندہ کو حسب منشاء خود یا بولایت ولی کسی اور سے عقد نکاح کرلے کا حق واختیار کامل حاصل ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ امراض برص وجذام وغیرہا سے سالم ہونا شرط کفاءت نہیں، درمختار میں ہے، ولا بعیوب یفسخ بہا البیع، رد المحتار میں ہے، ای ولا یعتبر فی الکفاءۃ السلامۃ من العیوب التی یفسخ بہا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر بحر، فتح القدیر میں ہے، ولا یعتبر فی الکفاءۃ عندنا السلامۃ من العیوب التی یفسخ بہا البیع کالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر، لہٰذا زید کا امراض مذکورہ میں مبتلا ہونا باعث فسخ نکاح نہیں، نیز سوال سے ظاہر کہ زید نے اس امر کو ہندہ واولیاء ہندہ سے مخفی رکھا نہ یہ کہ ان امراض سے اپنی براءت ظاہر کی ہو تو اگر ان امراض سے سالم ہونا شرط کفاءت ہوتا جب بھی حق فسخ حاصل نہ تھا، درمختار میں ہے، لو زوجوہا برضاہا ولم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرہم بہا وقت العقد فزوجوہا علی ذلک ثم ظہر انہ غیر کفء کان لہم خیار ولوالجیہ، صورت مسئولہ میں نہ ہندہ اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے نہ دوسری جگہ بغیر طلاق یا موت زوج نکاح کرسکتی ہے،

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب افسر مدرس مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ ۸ر ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کفاءت نسب شرعاً کن کن امور میں قابل اعتبار ہے؟

(۲) ایک شخص زید نے ایک عورت نومسلمہ سے جس کا باپ مشرک ہے نکاح کیا اس کی اولاد ہوئے وہ اولاد اور ایک شخص والدین کی جانب سے صدیقی ہے، ان میں کون از روئے نسب افضل ہے اور اگر ایک شخص سید ہو کہ جس کی ماں نومسلمہ ہو تو اس کی لڑکی کا کفو عربی النسل غیر قریشی ہوسکتا ہے یا نہیں اور قریشی اس کا کفو ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ عربی النسل غیر قریشی باعزت سمجھا جاتا ہے اس جگہ وہ شخص کہ جس کی ماں مشرکہ ہے بعد میں مسلمان ہوگئی اور باپ سیّد ہے باعزت از روئے نسب ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص جس کے والدین سید ہیں اور ایک شخص کا باپ سید ہے، وہ اس کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) غالباً سائل کی مراد یہ ہوگی کہ کفارت نسب میں کن کن امور کا اعتبار ہے، اگر یہی مقصد ہے تو جواب یہ ہے کہ مرد باعتبار نسب ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیاء زن کے لئے باعث ننگ و عار ہو، مگر جہاں نص سے ایک قوم کا دوسری کے لئے کفو ہونا ثابت ہو اگرچہ کہیں کا عرف اسے کفو نہ سمجھے تو غیر کفو نہ ہوگا، مثلاً بعض جگہ کے سادات کرام اپنی لڑکیاں قرشی غیر سید کو دینا ننگ جانتے ہیں، بلکہ اپنے خاندان کے سوا دوسرے سادات کو بھی دینا ان کے یہاں معیوب ہے، اس ننگ و عار کا اعتبار نہیں، عامہ کتب میں ہے، القریش اکفاء، علامہ سید ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں، لاتفاضل فیما بینھم من الہاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم ولہذا زوج علی وھو ہاشمی ام کلثوم بنت فاطمۃ لعمر وھو عدوی قہستانی فلو تزوجت ہاشمیۃ قرشیا غیر ہاشمی لم یرد عقدھا وان تزوجت عربیا غیر قرشی لھم ردہ کتنزوجہ العربیۃ عجمیا بحر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) سائل نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ زید کس خاندان کا شخص ہے، اگر سید ہے تو بیشک اس کی اولاد کو صدیقی پر نسباً فضیلت ہے اور اگر وہ بھی صدیقی ہے تو دونوں نسباً برابر ہیں، اگرچہ جس کی ماں صدیقیہ ہے اس کو اس شخص پر کچھ مزیت ہے جس کی ماں نومسلمہ ہے، مگر اس کی وجہ سے یہ شخص صدیقی ہونے سے خارج نہ ہوگا کہ نسب میں صرف باپ کا اعتبار ہے، ماں سے نسب نہیں سوا اولاد بنات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے یہاں نسب ماں سے ہے، فتاویٰ خیریہ میں ہے، فان العلماء رحمھم اللہ تعالیٰ ذکروا ان من خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ینسب الیہ اولاد بناتہ ولم یذکروا مثل ذالک فی اولاد بنات بناتہ فالخصوصیۃ للطبقۃ العلیاء فقط فاولاد فاطمۃ الاربعۃ الحسن والحسین وام کلثوم وزینب ینسبون الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واولاد الحسن والحسین ینسبون الیھما فینسبون الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واولاد زینب وام کلثوم الی ابیھم عمر وعبد اللہ لاالی الام ولا الی ابیھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانھم اولاد بنت بنتہ لا اولاد بنتہ یجری الامر فیھم علیٰ قاعدۃ الشرع الشریف فی ان الولد یتبع اباہ فی النسب لا امہ وانما خرج اولاد فاطمۃ وحدھا للخصوصیۃ التی ورد الحدیث بھا وھی مقصورۃ

علی ذریۃ الحسن والحسین، نیز اسی میں ہے، اما اھل النسب فمخصوص بالاباء، اور سید کی ماں اگرچہ تو مسلمہ ہے، غیر قرشی اس کا کفو نہیں، صرف قرشی ہی اس کا کفو ہے، کما مر۔

(۳) غیر قرشی کو قرشی غیر ہاشمی پر بھی نسباً فضیلت نہیں اگرچہ غیر قرشی عربی النسل ہو اور اگرچہ قرشی کی ماں تو مسلمہ ہو نہ کہ اولاد رسول سے نسب میں بڑھ جائے، کہ یہ نسبت جزئیت غیر کو کب مل سکتی ہے، اگرچہ علم وغیرہ دیگر فضائل میں دوسرا بڑھ جائے یا مال وغیرہ کسی وجہ سے باعزت مانا جائے، مگر اس سے نسب بدل نہیں سکتا، اس شخص کا تو باپ سید ہے، جس سے نسب کا اعتبار ہے، جس کی ماں سیدہ ہو اور باپ سید نہ ہو، اس کو بھی فی الجملہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت سے شرف حاصل ہو جاتا ہے، فتاوی خیریہ میں ہے، سئل فی ابن الھاشمیۃ بل ھو ھاشمی ام لا واذ اقلتم لا ھل یثبت لہ شرف ام لا واذا قلتم نعم ھل یثبت فی اولادہ ام لا اجاب لاشبھۃ فی ان لہ شرفا ما ولکن الاولاد اما اھل النسب فمخصوص بالاباء والقائل بھذا قد نھج المنھج الواضح اتبع الوجہ اللائح اذ بادنی نسبۃ الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یثبت الشرف والسیادت فاذا ثبت ھذا القدر لابن الھاشمیۃ ثبت لاولادہ و اولاد اولادہ الی آخر الدھر لوجود نسبۃ ما من النسب۔

(۴) کفو ہے کہ دونوں قرشی بلکہ ہاشمی بلکہ سید ہیں کہ جب باپ سید ہے تو بیٹا بھی سید ہی ہے، اگرچہ ماں غیر قوم کی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مولوی عبد العزیز امام مسجد کلس داخلی بیر ضلع ہزارہ، ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد جاہل اور بے دین فاسق کے ساتھ نیک صالحہ تقوی دار عورت کا عقد ہو سکتا ہے یا نہ، اگر لاعلمی سے ہو جائے تو موقوف ہے یا نہ، اگر نکاح فاسد ہے تو وہ بلا اجازت دوسری جگہ نکاح کروانے کی مستحق ہے یا نہ؟

الجواب: بے دین مرد سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا کہ مسلمان عورت کے نکاح کے لئے مرد مسلمان ہونا ضرور ہے، اور مرد فاسق صالحہ کا کفو نہیں کہ عورت اگر بطور خود بغیر اجازت ولی اس سے نکاح کرلے گی تو مذہب مفتیٰ بہ میں نکاح ہوگا ہی نہیں، اور اگر ولی کی اجازت سے ہوا تو ہو جائے گا کہ یہ اس کا حق تھا، اس نے خود ہی زائل کر دیا، در مختار میں ہے، فلیس فاسق کفوا الصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاھر، نیز اسی میں ہے،

ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان، اور اگر پہلے اس کا فاسق ہونا معلوم نہ تھا اب معلوم ہوا یا پہلے فاسق نہ تھا اب فاسق ہو گیا تو نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا، ہاں اگر غیر فاسق ہونا مشروط تھا یا مرد نے کفو ہونا ظاہر کیا تھا اور اب معلوم ہوا کہ وقت عقد فاسق تھا تو ولی کو اختیار ہے، درمختار میں ہے، ولو زوجوا ھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفایۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفائۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذالک ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار ولوالجیہ، ردالمحتار میں نوازل سے ہے، لوزوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکرانہ یشرب المسکر فاذا ھو مدمن لہ وقالت بعد ما کبرت لاارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفہ الاب بشربہ وکان غلبتہ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل لانہ انما زوج علی ظن انہ کفوء اھ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماں نے اپنی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دیا، اور چچازاد بھائی رضامند نہیں تھا انکار کرتا تھا اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب: جب چچازاد بھائی موجود ہے تو یہی ولی ہے، بغیر اس کی اجازت کے غیر کفو سے نکاح نہیں ہو سکتا، بہ یفتی لفساد الزمان کذا فی الدر، بلکہ کفو میں بھی اس کی اجازت پر موقوف ہوتا جب کہ لڑکی نابالغہ ہو کہ نکاح فضولی اجازت ولی پر موقوف رہتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از سنواس ریاست اندور مرسلہ مولوی غلام جیلانی، ۶ر صفر المظفر ۱۳۴۳ھ۔

حرامی لڑکے کو لڑکی دینا جائز ہے یا نہیں، وہ وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: ولد الزنا کفو نہیں، اگر کوئی اسے اپنی لڑکی دے تو نکاح ہو سکتا ہے وہ اپنی ماں کا وارث ہو سکتا ہے باپ تو اس کا ہے نہیں جس کا وارث ہو سکے، حدیث میں فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از ہوڑہ کرشان پارا مرسلہ حکیم ابو محمد عبد الرزاق آروی امام مسجد ۲۰۳، ۲۷ر صفر المظفر ۱۳۴۳ھ۔

ہندہ نے بروقت نکاح خود زید سے یہ شرط کیا کہ اگر تم ہماری برادری (ہم قوم ہم ذات) کے ہو تو نکاح ہے ورنہ نہیں بعد نکاح دو تین سال کے زید اس کی برادری کا نہیں نکلا، اب ہندہ اس کے شامل رہنا نہیں چاہتی ہے، تو اس شرط پر بغیر طلاق نکاح فسخ ہو گیا یا طلاق کی ضرورت ہے، اگر فسخ ہو گیا تو عدت بھی ہو گی یا نہیں، اور طلاق دینے کی ضرورت پر عدت ہو گی یا نہیں، کیونکہ نکاح معلق بہ شرط ہے؟۔

الجواب:۔ سائل نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ زید ہندہ کا کفو بھی ہے یا نہیں، اگر کفو ہے یعنی مذہب و نسب و پیشہ اور چال چلن میں اتنا کم نہیں کہ اس سے نکاح اولیاء ہندہ کے لئے باعث ننگ و عار ہو اگرچہ اس کی برادری کا نہ ہو مثلاً ہندہ سیدانی ہے اور وہ صدیقی جب تو نکاح صحیح و تام ہوگیا، ہندہ و اولیاء ہندہ کو ہرگز حق فسخ نہیں، اور اگر کفو نہ ہو اور بروقت نکاح کفو ہونا بیان کیا اور اسی شرط پر نکاح ہوا تو حق فسخ حاصل ہے، درمختار میں ہے، اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرہم بہا وقت العقد فزوجوہا علی ذالک ثم ظہر انہ غیر کفو کان لہم الخیار و لو الجیہ، یہ حکم بربناء قول متقدمین ہے اور مختار متاخرین یہ ہے کہ غیر کفو سے نکاح صحیح ہی نہیں ہوتا، درمختار میں ہے، ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان، لہٰذا اس صورت میں فسخ وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں، کہ فسخ کا حکم نکاح جائز کے لئے ہے اور یہ ناجائز ہے، اور وطی ہو چکی ہو تو بعد متارکہ عدت واجب ہوگی کہ نکاح فاسد میں بھی عدت کا وجوب ہے، کذا فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۔

مسئلہ:۔ از ریاست بہاولپور دربار معلیٰ حضرت سجادہ نشین چاچران شریف مرسلہ مولانا مولوی سراج احمد صاحب ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی اللہ بخش مسماۃ عزیزن کو مفرور کرکے بغیر رضا والد لڑکی بالغہ مذکورہ کے اپنا نکاح پڑھایا، اب والد منکوحہ دعوی تنسیخ نکاح بدیں وجہ دائر کیا ہے کہ میں متقی نمازی روزہ دار زمیں دار ہوں اور اللہ بخش ناکح فاسق بے نمازی میرے قریبی عصبہ کا چرواہا ہے، اس لئے بوجہ غیر کفو و عدم رضا ہندہ یہ نکاح باطل ہے کیا شرعاً یہ نکاح باطل ہے اور چرواہا ہونا عرف عام میں ایک ذلیل پیشہ ہونے کے علاوہ شرعاً بھی کوئی نص اس میں وارد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ کفاءت کا مدار عرف پر ہے کہ اگر ناکح میں اتنی کمی ہو کہ اولیاء زن کے لئے باعث ننگ و عار ہو تو کفو نہیں ردالمحتار میں ہے، وفی الفتح ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ، اور ناکح جب کہ چرواہا ہے اور منکوحہ کا باپ زمیں دار تو اتنی کمی ضرور ہے کہ عرفاً عار ہو، ردالمحتار میں ہے، وفی البنایۃ عن الغایۃ الکناس والحجام والدباغ والحارس والسائس والراعی والقیم ای البلان فی الحمام لیس کفوا لبنت الخیاط، اور جب خیاط کا کفو نہیں تو زمیں دار کا بھی نہ ہوگا کہ زمیں دار خیاط سے کم نہیں یوہیں جب کہ ناکح فاسق ہے اور یہ صالح و متقی تو وہ اس کا

کفو نہیں، درمختار میں ہے، فلیس فاسق کفوا للصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاہر، اور جب کہ عورت نے غیر کفو سے نکاح کیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ نکاح ناجائز ہے، درمختار میں ہے، ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: از بلیا درزی چوک، بازار، مرسلہ محمد عمرو صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی سے بکر کے لڑکے کی نسبت لگی، نکاح کا دن مقرر ہوا، تاریخ مقررہ پر بذریعہ خط لڑکی کے باپ زید کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ بکر کا لڑکا جس سے زید کی لڑکی سے نسبت لگی ہے، حرامی ہے، مگر جو شخص نسبت لگانے میں درمیانی تھا، زید کو اطمینان دلایا کہ یہ بات بالکل غلط ہے، لڑکا حرامی نہیں ہے، شام کو زید کے گھر بارات آئی، اور لڑکی کا نکاح ہوگیا، مگر زید نے چونکہ نکاح ہونے سے پہلے لڑکے کا حرامی ہونا سنا تھا، لڑکی کو رخصت نہیں کیا، اب لڑکی کے باپ کو پانچ سات روز کے بعد تحقیق ہوا کہ واقعی لڑکا حرامی ہے، اس جھگڑے کے سبب لڑکی اب تک اپنے میکہ میں ہے، مگر اب لڑکی بھی بالغہ ہے، اور وہ بھی کہتی ہے کہ میں حرامی کے ساتھ نہیں رہونگی، اور نہ اس کے یہاں جاسکتی ہوں، اور اگر لڑکی نکاح کے وقت بالغہ ہوئی تو کیا حکم ہے،

(۲) حرامی لڑکے کا نکاح حلالی لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) حرامی لڑکے کا نکاح حرامی سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) سوال میں دو متناقض باتیں ذکر کی ہیں، اس کو بکر کا لڑکا بھی بتایا اور حرامی[1] بھی کہا، اگر وہ حرامی بمعنی ولد الزنا ہے تو ثابت النسب نہیں کہ ولد الزنا کا نسب ثابت نہیں، حدیث میں فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، بہرحال جس سے نکاح ہوا اگر وہ ولد الزنا ہو تو وہ لڑکی کا کفو نہیں، جو ثابت النسب ہے اور جب کہ بوقت نکاح اس کو صحیح النسب ظاہر کرتے ہوئے نکاح ہوا تو لڑکی اور اس کے اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا شرعاً حق حاصل ہے، درمختار میں ہے، لو تزوج علی انہ فلان ابن فلان فاذا ھو لقیط او ابن زنا کان لہا الخیار، نیز اسی میں ہے، اخبرھم بہا وقت العقد

[1] غالباً سائل نے اپنے شک یا ظن یا افواہ کی بنا پر ایسا لکھا، عوام کا حال یہ ہے کہ وہ محض شک و شبہ کی بنا پر بھی حرامی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، مثلاً کوئی پردیس تھا گھر آیا، پھر پردیس چلا گیا، پردیس جانے کے بعد چھ مہینہ پر اس کے عورت کے لڑکا پیدا ہوا، یا پردیس جانے کے مثلاً سال بھر پر لڑکا پیدا ہوا تو عوام ایسے لڑکوں کو حرامی کہنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ حرامی نہیں بلکہ ثابت النسب ہیں، جیسا کہ حدیث اسی فتویٰ میں مذکور ہے، الولد للفراش، لڑکا اس کا ہے، جس کی وہ بیوی یا باندی ہے غالباً اسی قسم کی کوئی بات ہوگی کہ لوگوں نے بکر کے لڑکے کو حرامی کہدیا ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم، (امجدی)

فزوجوها علی ذالك ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) نکاح جائز ہو سکتا ہے اور جب کہ لڑکی کے اولیاء نے جان بوجھ کر اجازت دی ہو تو فسخ کا اختیار نہیں ہے ورنہ فسخ کرا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

یہ اس وقت ہے کہ باپ یا دادا نے نکاح کیا ہو جن کا سوء اختیار معلوم نہ ہو اور اگر ان کا سوء اختیار ثابت ہو چکا ہو یا باپ دادا کے سوا دوسرے ولی نے نکاح کیا ہو تو یہ نکاح صحیح نہیں، درمختار میں ہے، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفوان کان ولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا ان کان المزوج غیرهما لا یصح النکاح من غیر کفوا وبغبن فاحش اصلا، واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب المهر

مہر کا بیان

مسئلہ: مسئولہ عبدالغنی متعلم مدرسہ منظر اسلام بریلی، ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کی لڑکی کو نکاح کرنے کے ارادہ سے زید نے عمرو کو براتیوں کی مہمان داری کے لئے کچھ روپیہ دیا آیا یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: براتیوں کے کھلانے کے لئے یا اپنے عزیز و اقرباء و احباب کے کھلانے یا ان کے یہاں مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کے کچھ روپیہ لیا تو یہ لینا دینا جائز ہے، فتاویٰ خیریہ میں ہے، سئل فی رجل خطب من اخر اخته ودفع له شیئا من ملا کا و دراهم ایضا من عادة اهل الزوجة اتخاذ طعام به ولم یتم امر النکاح هل للخاطب ان یرجع فیه ام لا اجاب نعم له ان یرجع بذالك بشرط عدم الاذن منه فان اذن لهم باتخاذه والطعمه للناس صار کانه اطعم الناس بنفسه طعاما له وفیه لا یرجع واللہ اعلم۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روپیہ بطور رشوت نہیں دیا جاتا ورنہ واپسی کو اس سے مشروط کرتے کہ روپیہ دیا اور نکاح نہ ہوا اور اجازت خرچ کرنے کی نہ دی ہو، بلکہ اگر بطور رشوت ہوتا تو بہر حال واپس کر سکتا کہ وہ دینا لینا حرام ہے لہذا خود اسی فتاویٰ خیریہ میں فرمایا، سئل فی امراءة ابی اقاربها

ان یزوجوھا الا ان یدفع لھم الزوج کذا فعدھم بہ ھل یلزم ام لا اجاب لا یلزم ولو دفع فلہ ان یاخذہ قائما او ھالکا لانہ رشوۃ کما فی البزازیۃ وغیرھا، درمختار میں ہے، اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم فلا یزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ، ردالمحتار میں ہے، عند التسلیم ای بان ابی ان یسلمھا اخوھا او نحوہ حتی یاخذ شیئا وکذا لو ابی ان یزوجھا فللزوج الاسترداد قائما او ھالکا لانہ رشوۃ بزازیہ، جب یہ روپئے اولیاء زن نے اپنے لئے نہیں لئے کہ دے گا تو لڑکی دیں گے، نہ دے گا تو نہ دیں گے تو رشوت نہیں، لہذا اپنے دینے میں حرج بھی نہیں، اور صورت مسئولہ میں تو لڑکی کے باپ نے مانگا بھی نہیں، بلکہ زید نے خود براتیوں کے کھلانے کے لئے دیا ہے اسے رشوت سے کچھ علاقہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: مسئولہ فیض بخش صاحب، گندہ نالہ، بریلی ۱۳؍ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کا نکاح ہندہ مریضہ سے ہوا اور مہر بارہ سو روپیہ قرار پایا جس میں کچھ زیورات بوقت نکاح دے گئے، جو تعداد مہر سے کم تھے، اور یہ کہا گیا کہ اس کی کمی شوہر کے ذمہ ہے، ہندہ سے بوجہ مرض خلوت صحیحہ اور بوس وکنار نہیں ہوا اور ہندہ کا انتقال ہو گیا، اس کے ورثہ میں صرف والدین اور شوہر ہیں، پس ترکہ ہندہ کا کس طرح تقسیم ہو گا، زیور کی بابت صرف بیان مرد کا یا اس کا حلف کہ یہ زیور مہر میں دیا کافی ہو گا یا نہیں ہو گا، تو مرد سے ثبوت لیا جائے گا یا کیا؟ ۔

الجواب: شوہر پر پورا مہر واجب الادا ہو گیا، اگرچہ خلوت نہ ہوئی ہے، ہدایہ میں ہے، ومن سمی مھرا عشرۃ فما زاد فعلیہ المسمی ان دخل بھا او مات عنھا لانہ بالدخول یتحقق تسلیم المبدل وبہ یتأکد البدل وبالموت ینتھی النکاح نہایۃ والشئ بانتھائہ یتقرر دیتأکد فیتقرر بجمیع مواجبہ، درمختار میں ہے، ویتأکد عند وطی او خلوۃ صحۃ او موت احدھما، اور زیور جو مہر کہہ کر دئے مہر میں شمار ہوں گے اور عورت کے ورثہ اگر اس میں خلاف کرتے ہوں تو گواہ سے ثابت کریں ورنہ شوہر کا بحلف بیان کرنا کہ میں نے مہر میں دئے، کافی ہے اور زوج کا قول معتبر ہے، درمختار ص ۵۰۰ میں ہے، ولو بعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جھۃ عند الدفع غیر جھۃ المھر، فقالت ھو ھدیۃ وقال ھو من المھر او من الکسوۃ او عاریۃ فالقول لہ بیمینہ والبینۃ لھا، فتاوی عالمگیری میں ہے، ومن بعث الی امرأتہ شیئا فقالت ھو ھدیۃ فقال ھو من المھر فالقول قولہ فی غیر المھیئ للاکل، اب ترکہ ہندہ جو کچھ ہو یہ زیور اور بقیہ مہر اور اس کے

علاوہ جو شے اس کی ملک میں تھی، چھ سہام پر منقسم ہو کر تین سہام شوہر اور ایک ماں اور دو باپ کو ملیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ مسئولہ فیض بخش صاحب، گندہ نالہ، بریلی، ۱۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ،

نکاح کے وقت جو زیور ہر دو طرف سے چڑھایا جاتا ہے وہ دنیاوی زیبائش کے واسطے اس کی ملکیت ہر دو طرف اپنی اپنی رہتی ہے، یعنی فروخت کرنا، رکھنا اپنا اپنا اختیار ہوتا ہے ہمارے یہاں جملہ اہل برادران میں یہی قاعدہ ہے، اگر ان میں سے کوئی لاولد مر جائے تو ہر دو طرف کی چیز اپنے اپنے ورثہ کو دے دی جاتی ہے، چنانچہ چند عرصہ کے بعد ہندہ کا انتقال ہو گیا، اب وہ زیور کس طرح تقسیم ہونا چاہئے؟

الجواب :۔ اگر اس قوم میں یہ رواج ہے کہ جو کچھ زیور دیا جاتا ہے، عورت کو اس کی مالک نہیں کیا جاتا تو دینے والے کی ملک ہے، عورت سے واپس لے سکتا ہے اور بعد انتقال عورت وہ زیور ترکہ میں شمار نہیں کیا جائے گا،

واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ مسئولہ مولوی اکبر علی متعلم مدرسہ خاص، ۱۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور رخصت نہیں کی بعد کو معلوم ہوا کہ لڑکا بہت بدچلن زانی اور بدکار ہے لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے اول مہر ادا کیا جائے، جب رخصت کی جائے ہر چند لڑکی کو سمجھاتے ہیں، لڑکی راضی نہیں ہے، لڑکی کا باپ لڑکی کو چھوڑانا چاہتا ہے، لڑکی کے رضامند نہ ہونے کے سبب سے اس صورت میں مہر بھی ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب :۔ اگر قبل خلوت صحیحہ طلاق دے دے گا تو نصف مہر لازم آئے گا، اللہ عز وجل فرماتا ہے، وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ :۔ مسئولہ بابو حفیظ الرحمٰن صاحب از رائی کھیت، ۲۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ مسئولہ میں کہ زید کی زوجہ سے زید کے ماں باپ نے جبر واکراہ سے زید کی زندگی میں دین مہر معاف کروا دی، جب کہ شاہد بجز اس گھر کی عورتوں کے دوسرا نہ ہو کیا یہ معافی شرع شریف جائز قرار دے سکتی ہے، اگر ہو سکتی ہے تو کس کتاب کے حوالہ سے؟

(۲) اگر عورت کسی وجہ سے اپنے شوہر کو برضا ورغبت دین مہر معاف کر دے اور چند دن کے بعد اپنا دین مہر

چاہے اور شوہر نہ دے تو شریعت مطہرہ کی رو سے وہ دین مہر کا مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر واقعی جبر و اکراہ سے معاف کرایا کہ اس نے زدوکوب وغیرہ کی دھمکی دی اور انھیں مارنے وغیرہ پر قدرت بھی تھی کہ عورت کو صحیح اندیشہ تھا کہ اگر معاف نہ کرے گی تو جو کہتے ہیں کر گزریں گے تو معاف نہ ہوا اور اگر جبر و اکراہ سے یہ مراد ہے کہ انھوں نے بار بار عورت سے کہا اور اس پر ناراض ہوئے یا عورت کو ناراضی کا خوف ہوا اور معاف کر دیا تو یہ اکراہ نہیں، اور ایسا ہوا تو مہر معاف ہو گیا، ردالمحتار میں ہے، ولابد من رضاها ففی هبته الخلاصة خوفها بالضرب حتی وهبت مهرها لم یصح لو قادراً علی الضرب اھ، عالمگیری میں ہے، وان حطت عن مهرها صح الحط کذا فی الهدایة ولابد فی صحة حطها من الرضا حتی لو کانت مکرهة لم یصح ومن ان لا تکون مریضة مرض الموت هکذا فی البحر الرائق، اور معاف کرنے کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر عورت معافی سے انکار کرتی ہو تو اب شوہر یا اس کے وارثوں کو گواہوں سے ثابت کرنا ہوگا اور صرف عورتوں کی شہادت معتبر نہیں، بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، اور گواہوں میں وہ شرائط بھی ہوں جو معاملات کے اثبات کے لئے ضرور ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب برضا و رغبت معاف کر دیا تو معاف ہو گیا، اور اب وہ مستحق نہ رہی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مولیٰ بخش محلہ بہاری پور، بریلی، ۲۲ رشعبان ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ رواج ہے کہ عورتوں کے واسطے جو زیور پہننے کی غرض سے شوہر کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ملکیت شوہر کی ہے یا نہیں؟

(۲) بالغ شوہر کے والد سے جو مہر طلب کیا جاتا ہے، شوہر کے والد کے ذمہ مہر دینا قائم ہوتا ہے یا نہیں، حالانکہ لڑکا بالغ ہے زوج و زوجہ کے والدین کے درمیان ایک اقرارنامہ برادری تحریر کرا کے فیصلہ کر دیا تھا، آمد و رفت کی بابت جس اقرارنامہ کی نقل شامل سوال ہے، دونوں نے بخوشی منظور کر لیا تھا، زوجہ کا والد بھیجنے پر کافی رضامند تھا مگر زوجہ کے والد نے اب یہ عذر پیش کیا کہ لڑکی بالغہ ہے، خود مہر طلب کرتی ہے، حالانکہ لڑکی اپنے شوہر کے یہاں بیس یوم رہ چکی ہے وہ کہتی ہے کہ میرا مہر ادا کر دو تو جاؤں گی ورنہ نہیں، ایسی حالت میں یہ امر دریافت طلب ہے کہ لڑکی کا والد اس کے ولی ہونے سے انکار کرے اور اس معاملہ کو لڑکی کے سپرد کرے اور لڑکی بغیر مہر وصول کئے نہ آوے، شریعت میں جائز ہے یا نہیں، نکاح کو عرصہ تین سال ہوا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) جو زیور صرف پہننے کے لئے دیئے گئے عورت کو اس کا مالک نہیں کیا گیا وہ شوہر کی ہی ملک ہے، عورت صرف پہن سکتی ہے ان کو نہ بیع کر سکتی ہے نہ دوسرے کو دے سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) شوہر کے باپ کے ذمہ مہر نہیں ہے بلکہ مہر شوہر پر واجب ہے عورت کا مہر کل یا جزء اگر معجل[1] نہ تھا تو وہ شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہیں کر سکتی ہے، اس کو اپنے نفس کے روکنے کا حق حاصل نہیں اور اگر معجل تھا تو اس کے وصول کرنے تک اپنے کو روک سکتی ہے، شوہر اس کو اپنے یہاں لانے پر مجبور نہیں کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ حاجی علی حسین صاحب، ساکن باغ احمد علی خاں بریلی۔ ۱۱ر شوال ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شرع شریف میں کم از کم مہر کی کیا مقدار ہے اور زیادہ کی کیا۔ اور کتنا مہر ہونا بہتر ہے؟

الجواب: کم سے کم مہر کی مقدار دس[2] درہم شرعی ہے، اس سے کم نہیں ہو سکتا، اور زیادہ کے لئے شریعت نے کوئی حد نہیں رکھی، جو باندھا جائے گا وہی لازم ہوگا۔ اور بہتر یہ کہ شوہر اپنی حیثیت ملحوظ رکھے کہ یہ اس کے ذمہ دین ہے یہ نہ سمجھے کہ کون دیتا ہے کون لیتا ہے، اگر یہاں نہ دیا تو آخرت کا مطالبہ سر پر رہا، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنی ازواج مطہرات و بنات مکرمات کا مہر پانچ سو[3] درہم باندھا اگر چاہے تو یہ مقدار رکھے کہ سنت بھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] باعتبار میعاد کے مہر کی تین قسمیں ہیں۔ معجل۔ مؤجل۔ مطلق۔ معجل یہ کہ خلوت سے پہلے ادا کرنا طے ہوا ہو، اس کا حکم فتویٰ میں مذکور ہوا۔ مؤجل یہ کہ ادائیگی کے لئے کوئی وقت مقرر تھا، اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک میعاد نہ پوری ہو، عورت اپنے آپ کو نہیں روک سکتی، میعاد پوری ہونے پر اسے اختیار ہے چاہے تو اپنے آپ کو روک لے۔ مطلق یہ کہ نہ فوراً ادا کرنے کی شرط ہے، اور نہ ادائیگی کی کوئی میعاد مقرر ہے، اس کا حکم بھی فتویٰ میں مذکور ہوا کہ مطلقاً کبھی بھی اپنے آپ کو نہیں روک سکتی۔ اس کی ادائیگی موت یا جدائی کے بعد واجب ہوتی ہے، مگر ہمارے ملک کا عموماً یہ عرف ہے کہ مہر مؤجل سے یہ سمجھتے ہیں کہ موت یا جدائی کے بعد وصول کرنے کا حق ہوگا۔ اس لئے اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد مقرر نہیں کی تو بھی عورت کو اپنے آپ کو روکنے کا حق نہ ہوگا۔ (بہار شریعت، ص ۶۶ - ۶۷، ج ۷، امجدی) [2] دس درہم کی مقدار دو روپیہ بارہ آنے ۹ ۳/۵ پائی کے ہم وزن چاندی ہے۔ فتاوی رضویہ ص ۳۱۸، ج ۵۔ [3] پانچ سو درہم کے ایک سو اکیالیس روپیہ بھر چاندی ہوئی، یہ مہر ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا جملہ ازواج مطہرات کا تھا، ان کا مہر ایک روایت کی بنا پر چار ہزار درہم تھا۔ کما فی سنن ابو داؤد۔ اور دوسری روایت کے مطابق چار ہزار دینار تھا جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے۔ اور ان کا یہ مہر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں تھا بلکہ شاہ حبشہ سیدنا نجاشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا۔ فتاوی رضویہ ص ۳۱۸، ج ۵

مسئلہ: مسئولہ محمد بخش، محلہ شاہدانہ، بریلی، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کی شادی ہوئی جو کہ تین سال سے اپنے مکان پر بیٹھ رہی اور دومرتبہ اپنے شوہر کے مکان بھی ہو آئی ہے، جس کا مہر پانچ سو روپیہ قرار پایا تھا، جس میں نصف معجل اور نصف غیر معجل تھا، اب وہ مسماۃ چاہتی ہے کہ میرا مہر مجھ کو ملنا چاہئے، مجھ کو جانے سے کوئی انکار نہیں ہے، لہذا اس کو اپنا مہر مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جتنا مہر معجل ہے اسے وصول کرنے کے لئے عورت اپنے نفس کو روک سکتی ہے، اگرچہ عورت اپنی خوشی سے شوہر کے یہاں جا چکی ہو بلکہ شوہر کے پاس رہ چکی ہو، درمختار میں ہے، ولہا منعہ من الوطی ودواعیہ شرح مجمع، والسفر بہا ولو بعد وطئ وخلوۃ رضیتہا لان کل وطأۃ معقود علیہا فتسلیم البعض لا یوجب تسلیم الباقی لاخذ ما بین تعجیلہ من المہر کلہ او بعضہ، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، کل موضوع دخل بہا او صحت الخلوۃ وتأکد کل المہر لو ارادت ان تمنع نفسہا لاستیفاء المعجل لہا ذالک عندہٗ، بلکہ اگر معجل میں سے ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا ہے، تو اس کے لینے کے لئے عورت اپنے کو روک سکتی ہے اور شوہر کو دینا پڑے گا، اسی فتاویٰ ہندیہ میں سراج وہاج سے ہے، فان اعطاہا المہر الا درہما واحدا فلہا ان تمنعہ عن نفسہا ولیس لہ استرجاع ما قبضت کذا فی السراج الوہاج، لہذا صورت مسئولہ میں عورت نصف مہر کا فی الحال مطالبہ کر سکتی ہے اور جب تک وصول نہ کرے شوہر اسے رخصتی پر مجبور نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ محمد بخش ساکن محلہ شاہدانا شہر کہنہ، بریلی، ۲؍ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ۔

یہ فتویٰ صحیح ہے یا نہیں اور ہم کل برادری اس پر کاربند ہو سکتے ہیں یا نہیں اور جو شخص اس فتوے کو جو پشت سوال پر مندرج ہے نہ مانے اس کو اہل برادری بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: یہ فتویٰ محض غلط ہے، سوال میں نہ مہر معجل ہے نہ غیر معجل، اگر غیر معجل قرار دے کر جواب دیا، تو یہ کہنا کہ چونکہ

---

[1] کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تین سال کا ہوا شادی کرے ہوئے پہلی رخصت میں ایک شبانہ روز رہ کر چلی گئی، دوسری رخصت میں بیس روز رہ کر چلی گئی، اس کے بعد باہمی جھگڑے پیدا ہوئے اب وہ اپنا مہر گھر بیٹھے طلب کر سکتی ہے، اس وجہ پر برادروں نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو لڑکی والا اپنی لڑکی کو بلا عذر شرعی کے روک نہیں سکتا، اور نہ لڑکے والا بلا عذر شرعی کے لڑکے کی بیوی کو روک سکتا ہے، اب لڑکی نے یہ عذر رکھا کہ میرا مہر دلوایا جائے، لہذا کس شکل پر وہ مہر لے سکتی ہے؟ الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ عورت نے دو مرتبہ اپنے نفس کو خاوند

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۶)

عورت نے دو مرتبہ اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کر دیا ہے، لہٰذا اب مطالبہ مہر کے لئے نفس کو روک نہیں سکتی ہے" ہرگز صحیح نہیں، کہ جب غیر معجل ہے تو نفس کو سپرد کیا ہو یا نہ کیا ہو، بہر حال مطالبہ مہر کے لئے نفس کو روک نہیں سکتی، پھر یہ سپرد کرنے کی قید بیکار و بیجا ہے، ہدایہ میں ہے، ولو کان المہر کلہ مؤجلا لیس لہا ان تمنع نفسہا لاسقاطہا حقہا بالتاجیل، تو جب میعاد مقرر کے لئے یہ حکم ہے تو جس میں میعاد کا وجود ہی نہ ہو جیسے یہاں، تو بدرجۂ اولیٰ مطالبہ کے لئے نفس کو روکنے کا حق تھا ہی نہیں، شوہر کو تسلیم نفس کیا ہو یا نہ کیا ہو، پھر تسلیم کی شرط عجب ہے، اور اگر مہر معجل سمجھ کر جواب دیا جب بھی غلط ہے کہ تسلیم نفس کرنے سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک عورت کو جو روکنے کا حق تھا باطل نہیں ہوتا، ہدایہ میں ہے، وللمرأۃ ان تمنع نفسہا حتی تاخذ المہر و تمنعہ ان یخرجہا حتی یوفیہا المہر کلہ ای المعجل منہ وان دخل بہا فکذلک الجواب عند ابی حنیفۃ اھ ملتقطاً، کنز الدقائق میں ہے ولہا منعہ من الوطی والاخراج للمہر وان وطیہا، بحر الرائق میں ہے، ای للمرأۃ منع نفسہا من وطی الزوج واخراجہا من بلدہا حتی یوفیہا مہرہا وان کانت قد سلمت نفسہا للوطی فوطیہا، تبیین الحقائق میں ہے، واعلم ان المہر المذکور ھٰہنا ما تعورف تعجیلہ نیز اسی میں ہے، اما اذا نصا علی تعجیل جمیع المہر او تاجیلہ فہو علیٰ ما شرطا حتی کان لہا ان تحبس نفسہا الی ان تستوفی کلہ فیما اذا شرط تعجیل کلہ ولیس لہا ان تحبس نفسہا فیما اذا کان کلہ مؤجلا لان التصریح اقوی من الدلالۃ فکان اولی، ملتقی الابحر میں ہے، وللمرأۃ منع نفسہا من الوطی والسفر حتی یوفیہا قدر ما بین تعجیلہ من مہرہا کلا او بعضا وھذا قبل الدخول وکذا بعدہ، غرر الاحکام میں ہے، لہا منعہ من الوطی والسفر بہا بعد وطی او خلوۃ رضیتہا لاخذ ما بین تعجیلہ،

اور طرفہ یہ کہ مفتی نے اس کے بعد لکھا "اب مہر معجل ہو گیا"، یعنی اب تک مہر معجل نہ تھا، لڑکی نے جب دو بار تسلیم نفس کر دیا تو اب معجل ہو گیا، حالانکہ غیر معجل کبھی معجل نہیں ہو سکتا یہ بالاتفاق باطل محض ہے، پھر جب خود کہا کہ اب مہر معجل ہو گیا، تو لڑکی کو مطالبہ کا حق کیوں فی الحال نہیں، کیا مہر معجل اسی کو کہتے ہیں، جس میں مطالبہ کا فی الحال حق نہ ہو، اگر یہ کہتے کہ چونکہ دو بار تسلیم نفس کر چکی ہے، لہٰذا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے تو اولاً یہ امام اعظم کے مذہب کے خلاف، ثانیاً، آپ تو یہ کہتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵ کا) کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا اب مطالبہ مہر کے لئے نفس کو روک نہیں سکتی ہے، اب مہر معجل ہو گیا ہے آخر زفت مدت طاوند کے مطالبہ کا حق ہے، فی الحال نہیں، البتہ خاوند کو اختیار ہے جس وقت چاہے مہر ادا کر دے عورت کی طرف سے حق مطالبہ نہیں رہا، ہکذا فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم محمد یسین،

کہ اب معجل ہوگیا اور معجل ہونے کے بعد عورت نے تسلیم نفس نہیں کی تسلیم نفس تو پہلے کر چکی تھی جب کہ بقول آپ کے معجل نہ تھا تو تسلیم نفس حق مطالبہ کو کیوں ساقط کرے گی، پھر یہ کہنا کہ "فی الحال مطالبہ کا حق نہیں رہا"، باطل باطل ہے، غرض یہ مسئلہ اپنے اوہام تراشیدہ پر مبنی ہے، حنفیہ کے خلاف، اور طرہ یہ کہ آخر میں لکھدیا کذا فی کتب الفقہ، حالانکہ کتب فقہ متون و شروح و فتاویٰ کا حکم وہ ہے جو پیشتر مذکور ہوا کہ مہر معجل کے مطالبہ کا ہر وقت عورت کو اختیار ہے، بالجملہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے، اس پر عمل نہ کیا جائے، اور جس نے اس فتویٰ کو نہ مانا اس نے اچھا کیا اور اہل برادری اگر ایسے شخص کو جس نے غلط مسئلہ کو نہ مانا بند کردیں تو بیجا ظلم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب، محلہ جسولی، بریلی، ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مہر معجل و مؤجل کی ادائیگی کا کیا حکم ہے، اور مہر درجہ اول کی تعداد کتنی ہونی چاہیے اسی طرح درجہ دوم اور درجہ سوم کی؟ بینوا توجروا،

الجواب: مہر معجل کا مطالبہ عورت ہر وقت کر سکتی، رخصت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی جب تک پورا وصول نہ کرلے اپنے کو شوہر کے یہاں جانے سے یا شوہر کو وطی و بوس و کنار سے روک سکتی ہے، اور مہر مؤجل وہ جس کی ادا کے لئے کوئی وقت مقرر ہے مثلاً چھ ماہ یا سال بھر کی میعاد ہو، مگر عرف میں مہر مؤجل سے مراد مہر مؤخر ہوتی ہے، یعنی جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہو، مہر میں کمی کی جانب حد مقرر ہے، دس درم سے کم نہیں ہوسکتا اور زیادہ کے لئے کوئی حد معین نہیں، نہ شریعت میں درجہ اول و دوم و سوئم وغیرہ درجات پر مہر کی تقسیم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مرزا محمد اسمٰعیل بیگ نیج ناتھ پارہ رائے پور ممالک متوسط، ۱۸ رصفر المظفر ۱۳۴۲ھ ،

زید نے اپنے دو بیٹیوں بکر و عمر کی شادی کر دی بعد انتقال زید بکر اور عمر و متحد رہے اور زید کے سرمایہ نیز اپنی مشقت سے جائداد پیدا کی اور اپنی بیبیوں کو زیورات بنوا کے دیا عمر و کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی نے عقد ثانی کر لیا، عمر و کے انتقال کے وقت اس کی بیوہ نے رواجاً مہر بھی معاف کر دیا، اب بکر بیوہ عمرو سے وہ زیورات واپس مانگتا ہے، آیا یہ درست ہے یا کیا؟ بینوا توجروا، ۔

الجواب: زوجہ عمرو نے جب مہر معاف کر دیا تو معاف ہوگیا اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی، البتہ اپنا حصہ شرعی کہ ربع یا ثمن ہے اس کی حقدار ہے، اگر عمرو کی کوئی اولاد بر وقت انتقال نہ ہو تو ترکہ میں بعد امور متقدمہ علی المیراث اس کا چہارم حصہ

ہے اور اولاد ہو تو آٹھواں، رہے زیور اگر عمرو نے صراحۃً عورت کو زیور کا مالک کر دیا یا وہاں کا عرف ایسا ہو کہ عورت کو جو زیور بنا کر دیتے مالک ہی کرتے ہیں تو عورت کی ملک ہے، بکر واپس نہیں لے سکتا اور صرف پہننے کے لئے دیا اور مالک نہ کیا تو عمرو کی ملک تھا بعد انتقال ترکہ میں شمار ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مولوی نجیب الرحمٰن صاحب، ساکن موضع ہوار گھاٹ ضلع پٹنہ، ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ

زید نے ہندہ سے یہ سمجھ کر نکاح کیا کہ اس کا شوہر نہیں ہے کچھ زمانہ کے بعد ہندہ کا پہلا شوہر آگیا ہندہ زید پر مہر کا دعویٰ رکھتی ہے شرعاً زید پر مہر واجب ہے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا مہر کیوں واجب ہوگا مگر ہندہ اور زید کو کسی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ ہندہ کا شوہر مرگیا تھا حالانکہ وہ زندہ ہے؟

الجواب: یہ نکاح فاسد ہوا جب کہ یہ جان کر نکاح کیا ہو کہ بے شوہر والی ہے، ردالمحتار میں فساد نکاح کی صورتوں میں ایک یہ صورت بھی مذکور ہے ونکاح امرأۃ الغیر بلاعلم بانہا متزوجۃ، اور نکاح فاسد میں اگر شوہر نے جماع کر لیا ہے تو مہر مثل و مہر مسمیٰ میں جو کم ہو اس کی مستحق ہے، یعنی بوقت نکاح جو مہر مقرر ہوا اگر وہ مہر مثل سے کم یا برابر ہے، جب تو وہ لازم ہے ورنہ مہر مثل درمختار میں ہے، ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئہا ولم یزد مہر المثل علی المسمی لرضاء بالحط ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد ولو لم یسلم او جہل لزم بالغا ما بلغ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ عبدالرزاق خاں صاحب رضوی شہر دہلی، مقام رسینہ و ے کلوز روڈ کوٹھی نمبر ا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنی شادی کسی نیک بیوی سے کی اور شادی کے چار ماہ بعد بیوی انتقال کر گئی اور زید اپنا مہر اس بیوی سے نہ بخشوا سکا اب کون سی ایسی شکل ہے کہ اس کا مہر معاف ہو عورت کی ماں اور بھائی زندہ ہے، کس صورت سے معاف کرایا جائے اور اس وقت شرعی مہر عورتوں پر کتنی بندھائی جاتی ہے، اور زیادہ سے زیادہ کتنا ہوتا ہے، اگر لڑکے کی اتنی حیثیت نہ ہو تو کیا کیا جائے، مثلاً پانچ ہزار باندھے، اور اتنی حیثیت نہیں ہے تو کیا حکم ہے اور اس شخص کا جبراً ایک ہزار مہر باندھا ہے؟

الجواب: جب کہ عورت مرگئی اور مہر معاف نہیں کیا تو اب یہ عورت کا ترکہ ہے اور اگر اولاد یا باپ نہ ہو صرف ماں اور بھائی ہے تو چھ سہام میں سے دو سہام ماں کے ہیں، اور ایک بھائی کا اور تین حق شوہر اب معاف کرنا اس کی ماں

اور بھائی کے اختیار میں ہے، اگر یہ دونوں معاف کر دیں تو معاف ہو سکتا ہے اور چاہیں تو بقدر اپنے حصہ کے وصول کر سکتے ہیں کہ وہ شوہر کے ذمہ دین واجب الادا ہے، مہر کی تعداد کمی کی جانب مقرر ہے کہ دس درہم سے کم نہیں ہو سکتا، اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں، دس درم یا زیادہ جو باندھا گیا وہی مہر ہے، اگرچہ شوہر کی حیثیت اتنے کی نہ ہو، درمختار میں ہے، ویجب الاکثر منہا ان سمی الاکثر، ردالمحتار میں ہے، ای بالغا ما بلغ، وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی ممتاز علی صاحب از کان پور، ۱۳ شعبان ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقد ہندہ سے ہوا، عرصہ تک آپس میں میل جول رہا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپس میں نا اتفاقی ہوئی اور ہندہ کو طرح طرح کی تکلیفیں ہونے لگیں، چنانچہ ہندہ نے زید کو اس مضمون کا نوٹس دیا کہ میرا مہر معجل ۲۵ ہزار جو تمہارے ذمہ ہے ادا کر دو ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی، زید نے اپنی سبکی سمجھ کر ہندہ کو اس بات پر راضی کیا کہ پنچایت میں اس کا تصفیہ ہو جائے، ہندہ نے اس کو منظور کر لیا، پنچایت کی جس میں تین مسلمان شخص تھے، یہ فیصلہ کیا کہ زید کی جائداد جو تخمیناً پچیس ہزار کی ہے، ہندہ کو دے دی جائے، زید کو پچیس ہزار مہر کا اقرار تھا، پنچوں نے یہ فیصلہ کر کے عدالت میں داخل کر دیا، عدالت نے اس فیصلہ کو منظور کر کے ہندہ کو ڈگری دے دی، چنانچہ اس کے بعد برابر اس جائداد پر ہندہ کا قبضہ رہا، اور بیع بھی کرتی رہی، زید پر کچھ قرضہ تھا ہندہ نے اس جائداد کے ایک جز کو ضمانت میں دے دیا، جب زید قرضہ نہ دے سکا، تو ہندہ نے اس جائداد کا ایک جز فروخت کر کے اپنے شوہر کا قرضہ ادا کیا، زید نے اپنے ایک بیان میں یہ بھی ظاہر کیا کہ دین مہر کے مقابلہ میں ہندہ کو جو جائداد میں نے دی ہے، وہ قرض ہے، لیکن اسی مجلس اور اسی بیان میں یہ بھی کہہ دیا کہ قرض سے میری مراد یہ ہے کہ مجھ پر فرض ہے، اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، زید کے پاس اس جائداد کے علاوہ اور بھی تھوڑی سی جائداد تھی اس کو فروخت کر کے زید کا قرضہ ادا کیا گیا، بعدہ زید کے لڑکے عمرو کا انتقال ہوا، زید کے چچازاد بھائیوں نے دعویٰ کیا کہ زید سے جو جائداد ہندہ کو دین مہر کے مقابلہ میں دی گئی ہے، وہ فرضی ہے (حالانکہ زید کی موجودگی میں جائداد کا ایک جز ہندہ کے نام سے زید کے ایک چچازاد بھائی نے رہن رکھا تھا) اس لئے عمرو کے انتقال کے بعد ہم لوگوں کو چچازاد بھتیجہ کے ترکہ سے حصہ ملنا چاہئے (کیونکہ یہی لوگ عمرو کے عصبہ تھے، بھائی وغیرہ اور کوئی عصبہ نہ تھا) لہٰذا یہ مقدمہ عدالت میں گیا، عدالت نے دونوں فریق کو سمجھا کر پنچایت سے تصفیہ کرانے کو کہا لہٰذا پنچایت میں دو ہندو شخص نے اس فیصلہ کو جو اس سے قبل کی پنچایت میں ہوا تھا، فرضی قرار دے کر صرف ایک جز

میں بچاؤں کو حصہ دلوا دیا، اس کے بعد ہندہ نے اس جائداد کو اپنی چار لڑکیوں کو ہبہ کر دیا لیکن یہ ہبہ کئی وجوہ سے شرعاً ناجائز قرار پایا، لہذا دریافت طلب یہ ہے کہ کوئی شخص ہندہ کو پچیس ہزار کی جائداد کا دین مہر میں دیا جانا فرضی بتلا دے درانحالیکہ اس کے پاس اس کا کچھ ثبوت نہ ہو اس شخص کا یہ قول معتبر ہوگا اور کیا کسی مہر خواہ کو اس کا مہر دے دینا بھی فرضی ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو شرعاً اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: ہندہ کا مہر جب زید کے ذمہ واجب الادا تھا اور ہندہ نے زید سے مطالبہ کیا اور دونوں نے پنچایت میں فیصلہ کرانا چاہا، پنچوں نے بعوض پچیس ہزار مہر معجل زید کی جائداد کو دلوا دی تو اب ہندہ ہی اس جائداد کی مالک ہوگئی، زید کا اس جائداد سے کچھ تعلق نہ رہا، زید کا کسی بیان میں اسے فرضی کہنا ہندہ کے لئے اصلاً مضر نہیں، اگرچہ فرضی کے جو معنی اس نے بیان کئے نہ بھی بیان کرنا مہر واجب الادا کے بدلے کسی جائداد کو دینا ہرگز فرضی نہیں ہو سکتا، اولاً تو خود زید نے بطور خود دیا نہیں کہ فرضی کا احتمال ہو سکے، بلکہ یہ پنچائتی فیصلہ ہے جس سے زید و ہندہ دونوں نے تسلیم کیا۔ فیصلہ کا فرضی ہونا عجب بات ہے، ثانیاً، زید نے خود دیا ہوتا اور فرضی ہی سمجھ کر دیتا جب بھی فرضی نہ ہوتا کہ جو شئی مطالبہ واجبہ کے بدلے دی جائے وہ فرضی نہیں ہو سکتی ورنہ قرض خواہوں کو قرضے وصول کرنا محال ہو جائے، ثالثاً، زید خود کہہ رہا ہے کہ فرضی بمعنی فرض ہے تو اس کے کلام کو دوسرے معنی پر حمل کرنا خلاف انصاف ہے، رابعاً، دینے کے بعد اب لاکھ مرتبہ اسے فرضی قرار دے فرضی نہیں ہو سکتا اگرچہ دیتے وقت فرضی کی نیت بھی ہو کہ عقود میں لفظ کا اعتبار ہے۔ نیت کا نہیں اس جائداد میں زید کے چچازاد بھائیوں کا اصلاً حق نہیں یہ فیصلہ باطل محض و صریح ظلم ہے اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ کاروائی فرضی ہوئی اور یہ قابل اعتبار بھی ہے، جب بھی ان کو ترکہ نہیں پہونچ سکتا کہ دین مہر منجملہ دیون ہے، اور دیون میراث پر مقدم پہلے ہندہ اپنا کل مہر وصول کرے گی، پھر جو بچے اس میں میراث جاری ہوگی، اور پچیس ہزار کی کل جائداد تھی اب تو فروخت ہو کر اتنے کی رہی بھی نہ ہوگی تو ساری جائداد مہر معجل ہی کے مطالبہ کے لئے کافی نہیں پھر اگر کچھ غیر معجل ہے تو یہ ویسا ہی باقی رہا الغرض یہ فیصلہ بہمہ وجوہ باطل محض ہے زید کے چچازاد بھائیوں کو اس جائداد سے کچھ نہیں پہونچتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ منا ولد امیر اللہ، محلہ بہاری پور، بریلی۔ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی شادی ہوئی جس کو عرصہ تین سال ہوا ایک سال آنے

جانے میں ختم ہوا اور اس سختی سے ختم ہوا کہ گویا جان کے لالے پڑ گئے، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس لڑکی کو کوٹھری کے اندر بند کیا اور بہت مار لگائے یہاں تک کہ لڑکی کے بدن پر نیل پڑ گئے، اسی حال میں ایک شخص لڑکی کی ماں سے آکر کہا لیکن ماں نہیں گئی، پھر خبر پائی کہ لڑکی کو بہت تنگ کیا جا رہا ہے، تب اہل محلہ کے ساتھ لڑکی کی ماں گئی، ماں نے حالت سن کر کہا لڑکی کو میرے شامل کر دو انھوں نے کہا کہ لڑکی کو لے جاؤ جب ماں نے لڑکی کو دیکھا تاب نہ آئی اور لڑکی کو لے کر وہاں سے چل دی اور کوتوالی میں آکر فوراً رپٹ لکھوائی اور شوہر کو تار دیا کہ ایسا معاملہ ہے تم فوراً گھر چلے آؤ جب لڑکی کو مکان پر لائی تو سبھوں نے لڑکی کی چوٹ دیکھی لڑکی سے چوٹ وغیرہ کی حالات پوچھے گئے تو لڑکی نے بتایا اور جس شخص نے ماں کو خبر کی تھی اس سے معلوم ہوا تھا کہ اسٹامپ پر نہیں سادے کاغذ پر انگوٹھا لگایا گو یا مار کی یہی ابتدا ہے لڑکی انکار کرتی تھی وہ انگوٹھا لگاتا تھا، اسی بنا پر لڑکی دو سال تک اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی رہی اس اثنا میں کوئی بلانے بھی نہیں آیا یہاں تک کہ دو سال کے اندر لڑکی کا انتقال ہوگیا، چونکہ ماں باپ کا دل پکا ہوا ہے، اب لڑکی کے ماں باپ لڑکی کا جہیز اور مہر لینا چاہتے ہیں؟۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں جب کہ عورت سے سادے کاغذ پر انگوٹھے کا نشان لیا گیا اس کا کچھ اعتبار نہیں، اگر اس کاغذ پر اب شوہر وغیرہ مہر کی معافی لکھائیں تو اس سے مہر معاف نہ ہوگا اور اب چونکہ لڑکی کا انتقال ہو گیا لہذا مہر واجب الادا ہے، عورت کے ورثہ وصول کر سکتے ہیں، بلکہ اگر سادہ کاغذ نہ بھی ہوتا اور اس کاغذ میں مہر کی معافی لکھی ہوتی اور اس جبر و تشدد زد و کوب سے انگوٹھے کا نشان لیا گیا تو معاف نہ ہوا کہ اکراہ کے ساتھ مہر معاف نہیں ہو سکتا، رد المحتار میں ہے، ولابد من رضاها ففی هبة الخلاصة خوفها بضرب حتی وهبت مهرها لم يصح لو قادرا علی الضرب الخ، اور جہیز عورت کی ملک تھی اس کے مرنے کے بعد وراثت جاری ہوگی ہر وارث کو بقدر سہام فرائض ملے گا، رد المحتار میں ہے، کل احد یعلم ان الجهاز للمرأة، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: بید ر دولت علی محلہ ملوک پور بریلی، ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری ہمشیرہ کا عقد جس کو عرصہ دو سال ہوا مسمی امیر جان کے ساتھ ہوا وہ لڑکا نامرد ہے دس ہزار مہر دین ہے، جس میں نصف معجل اور نصف غیر معجل ہے اور وہ لڑکا دیگر شخص کے مکان پر رہتا ہے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ اس کی معشوقی میں ہے کوشش کی گئی کہ اس فعل بد سے باز آجائے اور اپنا گھر

سمجھے، لیکن ناکامیابی رہی اور اب لڑکی کی جان کا اندیشہ ہے۔ ایسی حالت میں کتنا مہر واجب ہے، از روئے شرع شریف جو حکم عالی ہو فرمایا جائے؟

الجواب:- نصف مہر کہ معجل ہے، اس کا مطالبہ عورت ہر وقت کرسکتی ہے اور نصف غیر معجل ہے اس میں تفصیل ہے اگر خلوت صحیحہ ہوچکی ہے یعنی دونوں ایک مکان میں تنہا جمع ہوئے ہوں اور کوئی مانع حسی یا طبعی یا شرعی نہ ہو، اگرچہ شوہر نے جماع نہ کیا ہو تو بعد طلاق یہ نصف بھی لے سکتی ہے اور اگر خلوت صحیحہ بمعنی مذکور نہ ہوئی ہو تو بعد طلاق پورے مہر کا نصف ہی لے سکتی ہے، یعنی اب تک کچھ وصول نہ ہوا ہو تو نصف لے گی اگر کچھ وصول ہوچکا ہو تو نصف میں جتنا باقی ہے وہ پائے گی اور اگر نصف وصول کرچکی ہے تو اب کچھ نہ پائے گی، اور نصف سے زیادہ وصول ہوا ہو تو نصف پر جتنا زائد ہے واپس کرے اور اگر طلاق نہ ہوئی بلکہ دونوں میں سے کوئی مرگیا تو بہرحال پورا مہر واجب الادا ہوگا، عالمگیری میں ہے، المهر يتاكد باحد معان ثلثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين، نیز اسی میں ہے۔ والخلوة الصحيحة ان يجتمع فى مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطى حسا او شرعا او طبعا كذا فى فتاوى قاضى خان، نیز اسی میں ہے، وخلوة العنين والخصى خلوة صحيحة كذا فى الذخيرة، تنویر الابصار میں ہے، والخلوة بلا مانع حسى وطبعى وشرعى كالوطى ولو مجبوبا او عنينا او خصيا فى ثبوت النسب وتاكد المهر اه ملتقطا، والله تعالىٰ اعلم۔

مسئلہ:- از اندور کچی مسجد رانی پورہ معرفت محمد عبداللہ پیش امام مرسلہ رحمت بی بی، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

(۱) اگر بیوی نے شوہر متوفی کو مرتے وقت اپنی دین مہر معاف کیا پھر اگر واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے یا نہ؟

(۲) اگر بیوی نے جبر و اکراہ سے دین معاف کیا تو اس کو مل سکتی ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

الجواب (۱):- جب عورت نے مہر معاف کردیا تو معاف ہوگیا اب نہیں لے سکتی اور شوہر کی بیماری کو اس میں کچھ دخل نہیں، ہاں اگر عورت اپنے مرض الموت میں معاف کرے تو حکم وصیت میں ہے، درمختار میں ہے، صح حطها لكله او بعضه عنه قبل او لا، ردالمحتار میں معافی کی شرائط میں ایک شرط یہ لکھی، وان لا تكون مريضة مرض الموت،

(۲) اگر واقع میں جبر و اکراہ کیا گیا مثلاً مارنے کی اسے دھمکی دی گئی اور اکراہ کرنے والا اس پر قادر بھی تھا، عورت کو گمان ہوا کہ معاف نہ کردوں تو مارے گا، ایسی صورت میں معاف نہ ہوا کہ اس میں رضا شرط ہے اور اکراہ کی

صورت میں رضا موجود نہیں، ردالمحتار میں ہے، ولابد من رضاها ففی هبة الخلاصة خوفها بضرب حتی وهبت مهرها لم یصح لو قادرا علی الضرب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از مدرسہ مطلع الاسلام موضع جادلی ضلع درنگ، آسام، مرسلہ دیدارالدین احمد قادری رضوی، ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کابین کسے کہتے ہیں، اور لڑکی کی شادی کے وقت جو دولھن کے ولی یا ماں باپ کابین لے لیتے ہیں وہ کابین شرعاً کیسی ہونی چاہئے اور اس میں جو شرائط لکھواتے ہیں کہ ان شرائط کو لفظ بہ لفظ ناکح کو اقرار کرانا چاہئے یا نہیں، اب ان میں اگر شرائط طلاق لکھوالیں تو وہ شرائط پائے جانے سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں اگر واقع ہوگی تو وہ شرائط ایجاب وقبول کے وقت مذکور ہونا چاہئے یا نہیں، اگر بغیر اقرار کرائے اور مذکور کئے مطلق نکاح پڑھادیں اور نکاح ہوجانے کے بعد دولھا کو سنایا جائے اور دستخط لے لی جائے تو اس صورت میں کوئی شرائط پائے جانے سے اس عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں اور اس عورت کا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا بسند الکتاب والدلیل۔

الجواب: کابین مہر کو کہتے ہیں، مہر جو کچھ مقرر ہوا اگر کل یا بعض اس میں کا معجل ہے یا کسی مقدار خاص کا قبل رخصت لینا وہاں کا عرف ہو تو عورت یا اس کے اولیاء معجل یا اس معروف کو قبل رخصت وصول کرسکتے ہیں، تنویر الابصار میں ہے، ولها منعه من الوطی والسفر بها ولو بعد وطی وخلوة رضیتها لاخذ ما بین تعجیله او قدر ما یعجل لمثلها عرفا، کابین نامہ میں جو شرائط لکھے ہوں وہ یا تو شوہر نے لکھوائے ہوں یا بعد لکھنے کے اس کی تصدیق کی اور اقرار کیا ہو ورنہ شوہر پر اس کا کچھ اثر نہ ہوگا اگر کسی شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہونا مرقوم ہے اور قبل نکاح اس کو شوہر نے لکھوایا تو طلاق واقع نہ ہوگی، مگر اس صورت میں کہ نکاح کرنے کو طلاق کے لئے شرط کیا ہو اس لئے کہ تعلیق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک ضرور ہے، تنویر میں ہے، شرطه الملک او الاضافة الیه، اور اگر عقد یعنی ایجاب وقبول میں وہ شرط داخل کی یا بعد عقد شوہر نے وہ لکھی یا اس کا اقرار کیا تو شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہوگی جس صورت میں طلاق ہوگی اگر وطی یا خلوت ہوچکی ہے تو اس میں عدت گزر لے پر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ کفایت حسین صاحب حنفی رضوی قادری بریلوی، ساکن صالح نگر بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ووارثان انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین، مسائل ذیل میں کہ شروع نسبت منگنی سے نکاح تک اکثر یہ معاہدے ہوتے رہے ہیں کہ ایک مکان لڑکی کے نام لکھوایا ما ہوار کی رقم، لڑکی کے نام اور زیور وغیرہ تحریر کر دو بعض جگہ تحریر ہو بھی جاتے ہیں اور بعض موقعہ پر رجسٹری بھی ہو جاتی ہے، ایسے معاملوں میں سخت سخت حجتیں ہوتی ہیں، اور لڑکی رجسٹری کے لئے کچہری تک جاتی ہے ایسے واقعات میں حکم شرع کیا ہے،

(۲) نکاح میں مہر کی بابت سخت حجت اور جھگڑے ہوتے ہیں اور وہ مہر وارث خود یا لڑکی سے کہلواتے ہیں، کہ لڑکے کی حیثیت سے کبھی ممکن نہیں ہو سکتا، اگر لڑکا یا وارث قبول نہیں کرتے تو نکاح نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت میں نکاح کرنا چاہیئے یا نہیں؟

(۳) قاعدہ ہے کہ اگر لڑکی والے نہیں مانتے تو لڑکا وارث سمجھ لیتے ہیں کہ ہمیں کہیں دینا تھوڑا ہی ہے، کون دیتا ہے اور کون لیتا ہے، جو یہ کہیں وہی مان لو جھگڑا تو ختم ہو جائے، کیا یہ خیال جائز ہے؟

(۴) چونکہ بعض اوقات مہر کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے بعد طلاق یا عند طلب مہر زوجہ طلب کر بیٹھے؟

(۵) اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ مہر بالغہ کے نکاح میں یہی وارث یا غیر آدمی طے کر لیتے ہیں، اکثر لڑکی تک نوبت نہیں پہونچتی، کوئی کہتا ہے کہ ہم اتنا مہر باندھ رہے ہیں اور کوئی یہ بھی نہیں کہتا، کیا یہ جائز ہے اور اس میں حجت کرنا؟

بینوا توجروا۔

الجواب: جائز معاہدے مثلاً مکان لکھوانا یا زیور کا طلب کرنا جائز ہے اور اس کی رجسٹری بھی کرائی جا سکتی ہے، رجسٹری میں لڑکی کو جانے کی کیا ضرورت ہے اور فرض بھی کیا جائے تو پردہ کے ساتھ جا سکتی ہے۔

(۲) بہتر تو یہی ہے کہ اتنا مہر ہو جو شوہر ادا کر سکے اور اگر اس کی وسعت سے زیادہ ہو تو یہ نیت ضرور رکھے کہ خدا مجھے عطا فرمائے اور میں ادا کر دوں نہ یہ کہ کون دیتا ہے کون لیتا ہے اور اگر مہر کی استطاعت نہ ہو اور نفس پر قابو ہو تو بہتر نکاح نہ کرنا ہے اور اس صورت میں روزہ کی کثرت کرے، حدیث میں فرمایا، من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔

(۳) یہ خیال ناجائز ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

(۴) بعد طلاق یا مہر معجل جب عورت طلب کرے تو دینا ہی پڑے گا اس کا حق ہے نہ دینے کا کیا معنی۔

(۵) لڑکی کا تو ہاں کہنا دشوار ہوتا ہے وہ خود مہر کیونکر طے کرے گی دوسرے لوگ یعنی اس کے اولیا و اقربا طے کر سکتے ہیں، مگر جو طے ہو جائے اسے خبر کر دیں تاکہ وہ اپنی رضامندی ظاہر کر سکے، یا ولی و وکیل نے اگر اختیار عام لے لیا ہے کہ جو مقدار طے کر دے عورت کو منظور ہے تو اس وقت خبر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از قصبہ جھالو، ضلع بجنور، محلہ سادات مرسلہ جناب، سید ابن علی صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا جس کی عمر اندازاً نکاح کے وقت ۱۳-۱۴ سال کی تھی، اس وقت ولی لڑکی نے دین مہر کا ضامن لڑکے کے باپ اور بھائی کو بنایا، بھائی اور باپ نے برضامندی اپنی ضمانت دین مہر کی قبول کی تھی، اور اسی شرط پر آپس میں عقد نکاح منعقد ہوا تھا بعد کو لڑکے نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، آیا اس صورت میں دین مہر ضامنان یعنی باپ اور بھائی ادا کریں گے یا کون؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب،

الجواب: تیرہ چودہ سال کی عمر میں احتمال ہے کہ بالغ ہو یا نابالغ بہر حال ضمان صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے کہ ولی ضامن سے مطالبہ کرے یا اپنے شوہر سے کہ شوہر اگرچہ وقت نکاح نابالغ بھی ہو تو اب جب کہ طلاق دی ہے نابالغ نہیں اور نابالغ بھی ہوتا جب بھی باپ سے بوجہ ضمان مطالبہ کر سکتی ہے، تنویر الابصار میں ہے، ولا یطالب الاب بمہر ابنہ الصغیر الفقیر اذا زوجہ امرأۃ الا اذا ضمنہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: ایک لڑکا جس کی عمر تخمیناً سولہ سال چھ ماہ تھی اب بروقت نکاح دین مہر کا ضامن لڑکے کا ولی یعنی باپ اور بھائی ہوا اور اسی شرط پر آپس میں عقد نکاح منعقد ہوا بعد کو شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، اس صورت میں زوجہ اپنا دین مہر شوہر سے وصول کرے گی یا اپنے ضامنان یا شوہر و ضامنان ہر دو سے، بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب: جب لڑکے کے باپ اور بھائی مہر کے ضامن ہوئے تو عورت کو اختیار ہے کہ چاہے مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے یا اس کے بھائی یا باپ سے کہ یہ ضمان صحیح ہے اور لڑکا سولہ برس کی عمر میں بالغ تھا، بلکہ اگر نابالغ ہوتا جب بھی یہ ضمان صحیح ہے اور ضامن سے مطالبہ کر سکتی ہے، درمختار میں ہے، وصح ضمان الولی مہرھا ولو المرأۃ صغیرۃ وولی عاقد الانہ سفیر وتطالب ایا شاءت من زوجہا البالغ او الولی الضامن، رد المحتار میں ہے، قولہ صح الخ ای

سواءً کان ولی الزوج اوالزوجۃ صغیرین کانا اوکبیرین اما ضمان الکبیرمنہما فظاھرلانہ کالجنبی ثم ان کان بامرہٖ رجع والالا واماولی الصغیرین فلانہ سفیر ومعبر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از اجمیر شریف ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

لڑکی کے والدین نے عقد کے قبل اپنے داماد سے کار ضروری کے لئے مبلغ سو روپیہ قرض کے طور پر مانگا داماد نے سو روپیہ مہاجن سے لاکر دیدیا بیاج پر۔ جس وقت لڑکی کے والدین نے اپنے قبضہ میں روپیہ کر لیا تو اپنے خیال سے یہ فرماتے ہیں کہ پچاس روپیہ مہر ہیں اور پچاس روپیہ شادی خرچ، روپیہ دینے سے قبل اس کا نہ ذکر تھا نہ وعدہ۔ قرض مانگا تھا قرض لے کر دیا گیا۔ لہٰذا خسر کو یہ دین داماد کو ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جو روپیہ قرض لیا تھا وہ واجب الادا ہے، سودی قرضہ ہی لینا حرام تھا، اس گناہ سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مصباح الحسن، ریاست،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین احمدی ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو اس اقرار کے ساتھ اپنے عقد میں قبول کیا کہ علاوہ مہر کے مبلغ صعہ روپیہ قرضہ شوہر اول کا ادا کرے گا اور اس عقد کے بعد زید اور ہندہ ساتھ رہنے لگے تین ماہ بعد ہندہ کے بطن سے ولد حرام پیدا ہوا اور ہندہ نے اپنے برادر کفیل کے مکان میں وضع حمل کیا کیونکہ زید کو یہ علم ہو جانے پر کہ وہ حاملہ ہے، جس کا اس کو بوقت نکاح علم نہ تھا، اس کے دل میں رنج ہوا اور کشیدگی اختیار کی، لیکن پھر بعد فراغت حمل زید نے کفیل سے رخصت کا تقاضہ کیا اور انکار پر اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر کے اجلاس میں درخواست دے کر ہندہ کو رخصت کرا لیا ہے اور اپنے گھر لے آیا ہے اور مثل زن وشوہر کے تعلق قائم ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا زید اقرار کے موافق ایفاء معاہدہ کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں علاوہ مہر کے صعہ شوہر اول کا قرض ادا کرنے کا اقرار کیا ہے، یعنی نکاح میں یہ شرط قرار پائی ہے کہ زید قرضہ بھی ادا کرے گا، لہٰذا یہ رقم زرمہر سے خارج ہے، مگر چونکہ زید نے اس کی ادا کی ذمہ داری لی ہے، اس وجہ سے اس کو کفیل اور ضامن قرار دیا جائے گا، کہ شوہر اول کے قرض خواہ اب زید سے مطالبہ دین کریں گے، اور چونکہ یہ کفالت مدیون کے وفات کے بعد ہوئی ہے لہٰذا اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت میں کفالت

صحیح ہے اور دوسری صورت میں صحیح نہیں ہے اگر وہ دین جو شوہر اول پر تھا اس کے مرنے سے ساقط ہو چکا ہے یعنی حالت افلاس میں اس کا انتقال ہوا ہے ادائے دین کے لئے کوئی ترکہ از قبیل نقد وجنس نہیں چھوڑا ہے اور نہ اس کی زندگی میں اس دین کی کسی نے کفالت کی تھی، اور نہ کوئی چیز رہن رکھی تھی، تو اب زید کی کفالت بھی لازم نہ ہوگی، یعنی اس سے جبراً یہ دین وصول نہیں کیا جاسکتا اور اگر شوہر اول نے مال یا کفیل یا رہن چھوڑا تھا تو زید کی کفالت صحیح ولازم ہے یہ ؏ کی رقم ادا کرنی پڑے گی، درمختار میں ہے، ولا تصح بدین ساقط ولو من وارث عن میت مفلس الا اذا کان بہ کفیل او رھن معراج، او ظھر لہ مال فتصح بقدرہ ۱۴۷ بوملتی او تحفۃ دین بعد موتہ فتصح الکفالۃ، ہدایہ وغیرہ میں بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس باب میں یہی قول بیان کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ صاحب اولاد اپنی حیات میں چند عزیز مردوں اور عورتوں کے سامنے وقتاً فوقتاً زبانی اپنے برادر حقیقی کی نسبت کہتی ہے اور پھر تحریر کر دیتی ہے جس سے مافی الضمیر کا صاف پتہ چلتا ہے، چونکہ مرحومہ سیدھی سادھی شریفانہ دینی تعلیم رکھتی تھی، لہذا مضمون بناوٹ اور انشا پردازی سے پاک وصاف ہے، محض صداقت بھرے بلاکم وکاست چند جملے ہیں جو اس کے دینی ودنیوی معاملات پر ساری ہیں۔ وھو ھذا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، (۱) بعد سلام کے سب سے پہلے اپنے بزرگوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ میں نے مہر اللہ کے واسطے معاف کیا اس سے زیادہ اللہ ورسول معاف کرے، آپ سب گواہ رہیں۔

(۲) اور بھائی صاحب پر جو جو حقوق ہیں میں نے سب معاف کئے اللہ کے واسطے مگر بھائی صاحب اتنا حق مجھے ضرور دیں کہ باغ میں کسی جگہ دفنائیں باقی اور سب معاف،

(۳) اب ان کی (شوہر سے خطاب) خدمت میں عرض ہے کہ بچوں کو اپنے سے کبھی علٰحدہ نہ ہونے دیں، مجبوری اور بات ہے (تقسیم سامان) مشین ننھی (لڑکی کا عرف) کی ہے، اس کو دی جائے میں مجبور ہوں نہ بیٹھا جاتا ہے نہ قلم پکڑا جاتا ہے، اس لئے عزیز نفیسی سے (چھوٹی بہن کا نام) لکھوا رہی ہوں کپڑا جس قدر ہے بغیر سلا ہے، سب بر جیسی (لڑکی کا نام) ہے سلا ہوا کپڑا جا ہے اللہ کے واسطے دو بار کھو زیور سب بر جیس کا ہے باقی میرا کہا سنا سب معاف کر دیں۔ والسلام،

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا مرحومہ جب کہ اپنی ملکیت زبانی اور تحریری حیات میں بھائی کے حق معاف

کرتی ہے تو یہ حقیقت ہوئی یا ہبہ اور اس میں بروئے شرع شریف کس پر اور کیا عمل ہونا چاہیے؟

الجواب: عورت نے چونکہ مرض الموت میں مہر معاف کیا ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، لہٰذا مہر معاف نہیں ہوا کہ اس کے لئے مرض الموت نہ ہونا شرط ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لابد فی صحۃ حطھا من الرضا حتی لو کانت مکرھۃ لم یصح ومن ان لاتکون مریضۃ مرض الموت ھکذا فی البحر الرائق۔ ردالمحتار میں ہے لابد من رضاھا وان لاتکون مریضۃ مرض الموت، اور مسماۃ نے اپنے بھائی کو جو حقوق معاف کئے ہیں، اس میں یہ تفصیل ہے کہ جتنے حقوق غیر مالیہ ہیں وہ سب معاف ہوگئے اور حقوق مالیہ میں دو صورتیں ہیں اگر وہ حقوق مالیہ عورت کے مورث کا ترکہ ہے، جس کی وہ عورت حقدار تھی اور بھائی نے اب تک نہیں دیا ہے، اس کو معاف کرتی ہے تو معاف نہ ہوا عورت کے ورثہ شوہر و اولاد اس کے بھائی سے وصول کر سکتے ہیں، فتاویٰ بزازیہ میں ہے، ذکر صدر الاسلام ابرأ احد الورثۃ الباقیین ثم ادعی وجحد باقی الورثۃ الترکۃ لایسمع ان اقروا بالترکۃ امروا بالرد علیہ۔ اور اگر حقوق مالیہ اس قسم کے نہ ہوں تو اگر یہ کل مال مسماۃ کے ترکہ کا ثلث یا ثلث سے کم ہے تو معاف ہوگیا، اور اگر اس کے متروکہ کے ثلث سے زاید ہے تو بقدر ثلث معاف اور باقی حق ورثہ ہے جو اس کے ذمہ واجب الاداہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ محمد اسمٰعیل ولد الفو ڈونا نگی ڈنکن روڈ لاہوری، دربار ہوٹل، ۲۷۲ بمبئی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوال میں کہ ہمارے علاقوں میں بہت دنوں سے رسم چلی آرہی ہے کہ لڑکی کا والد نوشہ کے پاس سے مہر کے پیسے لے کر لڑکی کو زیور وغیرہ بنا کر دیتے ہیں اس میں مہر کے جتنے پیسے ہوتے ہیں، اس میں بھی کم و بیش لگاتے ہیں یہ کسی کو معلوم نہیں کیونکہ ہماری طرف معلوم نہیں کہ مہر پر ہمارا کتنا حق ہے اور مہر کیا ہے اور لڑکی کا والد اپنا نام بڑا کرنے کے لئے یہ زیور بنوا کر سب لوگوں کے سامنے دیتے ہیں، اور لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ نے یہ زیور دیا ہے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں، اس طرح کے مسائل اپنی عقل سے نکال کر لوگوں کو بتانے والے شخص پر کیا حکم ہے؟

الجواب: لڑکی کا والد اس کے مہر کا روپیہ لے کر اگر اس کے زیور بنوا کر لڑکی کو دیدے تو حرج نہیں مہر کی مالک لڑکی ہوتی ہے اور اس کو مل گئی اور اس میں سے کچھ دینا اور کچھ رکھ لینا ناجائز ہے، اٹکل سے مسائل بتانا ناجائز ہے حدیث میں فرمایا، اتخذ الناس رؤساجھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ جناب غلام نبی صاحب اشرفی قصبہ مبارک پور، اعظم گڈھ، ۵ا محرم الحرام ۱۳۶۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی خالدہ رخصت ہو کر زید کے گھر آئی رات میں زید اپنی بیوی کے پاس گیا، جہاں خالدہ تنہا تھی، مگر جب زید نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بیوی اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ زن و شوہر کے تعلقات برتے جائیں، چنانچہ وہ سو گیا صبح کو اس کمرہ سے نکلا پھر چند ماہ کے بعد زید نے طلاق دے دی، اور اس کے ساتھ نصف مہر بھی بھیج دیا، مگر چند ماہ کے بعد سے سسرال والے مدعی ہیں کہ خلوت صحیحہ ہوئی اور پورا مہر ملنا چاہیئے اور زید کو اس سے انکار ہے، ان جھگڑوں کو سن کر زید نے اپنی طرف سے چند عورتوں کو خالدہ کے پاس بھیجا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ لڑکی اب رخصتی کے پندرہ ماہ بعد بھی بالغ ہوئی یا نہیں تو عورتوں نے آکر بتایا کہ کم و بیش دو سال میں ابھی جاکر بالغ ہوگی تو صورت مسئولہ میں دریافت ہے کہ زید پورا مہر ادا کرے یا نصف واضح رہے کہ یہ رخصتی محض رسمی طور پر ہوئی تھی رخصتی سے پہلے خالدہ کے والدین رخصتی کرنے پر راضی نہ تھے، مگر جب یہ کہا گیا کہ زید کے والدین حج کرنے جارہے ہیں، تو مجبور ہو کر رخصت کر دیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

الجواب: سوال کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سائل نے خلوت صحیحہ سے جماع اور وطی مراد لیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ خلوت صحیحہ کا یہ مطلب ہے کہ زوج و زوجہ دونوں کا اجتماع ہو اس طرح پر کہ وطی سے شرعاً یا طبعاً یا حساً کوئی مانع نہ پایا جاتا ہو یہ خلوت وطی کے حکم میں ہے، یعنی جس طرح وطی کرنے کے بعد طلاق دینے میں پورا مہر واجب ہوتا ہے، اسی طرح اس خلوت کے بعد بھی پورا مہر واجب ہوگا، اگرچہ وطی نہ ہوئی ہو، وقایۃ الروایہ میں ہے، وخلوۃ بلامانع وطی حسا او شرعا او طبعا کمرض او صوم رمضان واحرام بفرض او نفل وحیض ونفاس تؤکدہ، عالمگیری میں ہے، الخلوۃ الصحیحۃ ان تجتمعھما فی مکان لیس ھناک مانع یمنع من الوطی حسا او شرعا او طبعا کذا فی فتاوی قاضی خاں، نیز اسی عالمگیری میں ہے، والمھر یتوکد باحد معان ثلثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ و موت احد الزوجین سواء کان مسمی او مھر المثل حتی لا یسقط منہ شئی بعد ذالک الا بالابراء من صاحب الحق کذا فی البدائع،

پس صورت مستفسرہ میں اگر وہ لڑکی اتنی چھوٹی تھی جس سے جماع نہیں کیا جاسکتا ہے تو خلوۃ صحیحہ نہیں ہوئی کہ صغر بھی موانع خلوت صحیحہ سے ہے اور اگر جماع کے قابل تھی تو اگرچہ نابالغہ تھی خلوت صحیحہ ہو جائے گی، عالمگیری

میں ہے، ولا تصح خلوة الغلام الذی لایجامع مثلہ ولا الخلوة بصغیرة لایجامع مثلہا،

..صحیح یہ ہے کہ نابالغہ سے خلوت صحیحہ کے متعلق عمر کی کوئی قید نہیں، بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس سے جماع کیا جاسکتا ہے یا نہیں یعنی اس میں اس کی طاقت ہے یا نہیں اور اس جیسی لڑکی سے جماع کیا جاتا ہے یا نہیں، درمختار میں ہے، ومن الحسی رتق وقرن وعقل وصغر ولو بزوج لایطاق معہ الجماع، ردالمحتار میں ہے، قال فی البحر وفی خلوة الصغیرة الذی لایقدر علی الجماع قولان وجزم قاضیخان بعدم الصحة فکان ھو المعتمد ولذا قید فی الذخیرة بالمراھق قولہ لایطاق معہ الجماع وقدرت الاطاقة بالبلوغ وقیل بالتسع والاولی عدم التقدیر کما قدمناہ

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حُقُوقُ الزَوجَین

شوہر وعورت کے حقوق

مسئلہ: جوڑی پٹی دیناج پور، مرسلہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ انصاری صاحب، ۵ رصفر المظفر ۱۳۴۸ھ

بیوی کے اوپر شوہر خلاف شرع لاکھوں زیادتیاں کیا کرے، یعنی بیوی کو مارنا، پیٹنا مغلظات بکنا کھانے پینے میں تکلیف دینا، خود شراب پینا بدمست رہنا، رنڈی بازی کرنا وغیرہ وغیرہ ان تمام حالتوں میں تاوقتیکہ بیوی طلاق نہیں لے لیتی وہ ہمیشہ شوہر کی مطیع رہے یا نافرمانی کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زوج وزوجہ دونوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے حقوق رکھے ہیں ہر ایک پر لازم ہے، کہ دوسرے کے حقوق کی پابندی کرے ورنہ جس طرح عورت حقوق ادا نہ کرنے میں ماخوذ ہوگی شوہر بھی ماخوذ ہوگا حدیث میں ہے، لایجلد احدکم امرأتہ جلد العبد، تم میں کا کوئی شخص عورت کو کوڑے نہ مارے جیسے غلام کو مارتا ہے رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نیز فرمایا، خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی، تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی بی بی کے ساتھ بھلائی کریں اور میں سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے حق میں اچھا ہوں، رواہ الترمذی والدارمی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حکیم بن معاویہ قشیری اپنے باپ معاویہ بن حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا، قلت یارسول اللہ ما حق زوجة احدنا علیہ قال ان تطعمہا اذا طعمت

وتکسوھا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجہ، میں نے عرض کی یا رسول اللہ عورت کے شوہر پر کیا حقوق ہیں، فرمایا کہ، تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور تو پہنے تو اسے بھی پہنائے اور چہرہ پر نہ مار، رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ، بالجملہ ایسی احادیث بکثرت ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں کی مراعات ضروری ہے، اور خوش خلقی سے پیش آنا اہل ایمان کا کام ہے رہا یہ کہ صورت مذکورہ میں عورت کیا کرے، اس کے لئے یہی حکم ہے کہ اطاعت کرے اور نہ کر سکے تو طلاق لے کر پیچھا چھوڑائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از اودے پور میواڑ، مرسلہ جناب اختر صاحب، ۱۰ ار شعبان ۱۳۴۹ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ صالحہ کو بیجا تشدد اور بہت زدوکوب کرتا ہے، جس کی وجہ سے صالحہ کی زندگی خطرہ میں رہتی ہے، صالحہ کسی حیلہ سے اپنی والدہ کے مکان پر چلی گئی ہے، اور چاہتی ہے کہ اب شوہر کے پاس واپس نہ جائیں، کیا ایسی صورت میں صالحہ کو از روئے شریعت حق حاصل ہے کہ اب وہ شوہر کے مکان پر نہ جائے اور اپنی والدہ کے پاس رہے، اور کیا شوہر کو حق حاصل ہے کہ وہ صالحہ کو جبراً اپنے گھر واپس لے جائے؟

الجواب: اگر واقعی زید اپنی زوجہ صالحہ پر بیجا تشدد کرتا ہے اور اس قدر زدوکوب کرتا ہے، جس کی شرع نے اجازت نہیں دی ہے اور شوہر کا مکان اتنے فاصلہ پر ہے کہ صالحہ کے گھر والے اس کی اعانت نہیں کر سکتے تو اس صورت میں زید جبراً صالحہ کو اپنے گھر نہیں لے جا سکتا اور جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، کہ صالحہ کی زندگی خطرہ میں ہے، اگر یہ واقعہ ہے تو زید کے گھر اسے مجبوراً بھیج کر کیونکر زندگی خطرہ میں ڈالی جا سکتی ہے، قرآن میں جہاں یہ بیان ہوا کہ شوہر عورتوں کو اپنے گھروں میں رکھیں، اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم، وہاں یہ بھی فرمادیا کہ مرد عورتوں کو ایذا نہ دیں ولا تضاروھن، کہ اپنے گھر میں لے جا کر انھیں بیجا تکلیف پہونچائیں، ردالمحتار میں ہے، لو علم المفتی انہ یرید نقلھا من محلۃ الی محلۃ اخری فی البلد بعیدۃ عن اھلھا القصد اضرارھا لا یجوز لہ ان یفتیہ علی ذالک، واللہ تعالیٰ اعلم،

باب الجھاز
جہیز کا بیان

مسئلہ :- مرسلہ سید کار دولی، از مراد آباد، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ میرے نکاح میں جو سامان جہیز میرے خسر نے اپنی دختر کو دیا تھا اس کا ایک کاغذ مجھ سے تحریر کرایا تھا، اس میں لکھا تھا کہ یہ کل سامان برائے خرچ دیا جاتا ہے، حفاظت سے رکھنا اب میری بیوی کا انتقال ہوگیا یہ سامان میرے خسر واپس مانگتے ہیں پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ میرے خسر یہ سامان واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- جہیز میں جو کچھ سامان ملا تھا سب کی مالک عورت تھی بعد انتقال عورت وہ سب اس کے ترکہ میں ہے تمام ورثہ کو بقدر حصص ملے گا، اور وہ تحریر کہ لکھائی گئی، اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ داماد اسے ضائع نہ کرے نہ یہ کہ لڑکی بھی مالک نہیں، ردالمحتار میں ہے، کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ اذا طلقھا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا، درمختار میں ہے، جھز ابنتہ ثم ادعی ان ما دفعہ لھا عاریۃ وقالت ھو تملیک او قال الزوج ذالک بعد موتھا لیرث منھا وقال الاب او ورثتہ بعد موتہ عاریۃ فالمعتمد ان القول للزوج ولھا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جھاز الاعاریۃ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الطلاق

طلاق کا بیان

مسئلہ: مرسلہ احمد یار صاحب چشتی از شیر و ضلع ڈیرا غازی خان، ڈاکخانہ مانہ احمدانی، ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین متین درصورت ناکح نابالغ و منکوحہ بالغہ بتاخیر از دواج امکانی زنا و فرار وغیرہ از و اگر مفسدات بشریہ بظہور آیند موجب وبال دارین و شرمساری شود دریں صورت مذکورہ طلاق صغیر جائز است یا نہ، ہم چنیں طلاق مراہق جائز است یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: طلاق صغیر صحیح نیست، اگرچہ مراہق باشد، در تنویر الابصار وغیرہ عامہ متون مذکور است، لا یصح طلاق الصبی، در درمختار فرمود، ولو مراھقا، و احتمال زنا را بوقوع طلاق صغیر و عدم وقوع ہیچ تعلق نیست، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ ملا قاسم میاں عیسیٰ میاں، صدریہ والا از دھوراجی کاٹھیاوار گھانی کوٹھ، ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بن بکر نے جھوٹے ٹیلی گراف اور جھوٹے خط اپنے داماد عمر ابن صالح کی طرف سے جماعت میں پیش کرکے اپنی لڑکی ہندہ کو طلاق لے لی، باوجود اس کے شوہر کے طلاق نہ دینے اور خط اور ٹیلی گراف جماعت میں جعلی ثابت ہونے کے اس کا انفصال کورٹ سے مقدمہ چلا کر جھوٹے گواہ پیش کرکے طلاق ثابت کرلی کورٹ نے حنفی اور سنی کی گواہی کی ضرورت نہیں کرکے طلاق ثابت کرا لی، یہ طلاق عند الشرع جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب شوہر خط اور ٹیلی گراف سے انکار کرتا ہے، تو اب جب تک گواہان عادل سے یہ ثابت نہ ہولے کہ یہ خط اسی شوہر نے لکھا ہے یا ٹیلی گراف اسی نے دیا ہے، یا کسی کو اس کا وکیل کیا، یا یہ کہ میں نے اپنی فلاں عورت کو طلاق دے دی تو ٹیلی گراف سے اس سے اطلاع کردے، غرض جب تک گواہوں سے ثابت نہ ہو طلاق کا حکم نہیں

دیا جاسکتا اور وہ عورت بدستور اس کی زوجہ قرار پائے گی کہ الخط یشبہ الخط، رد المحتار میں فتح القدیر سے ہے، اما الکتاب فصحیح بلا اشہاد وانما الاشہاد لتمکن المرأۃ من اثبات الکتاب اذا جحدہ الزوج، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ عزیز الدین منڈن پوری از موضع مونڈیا جاگیر ضلع بریلی، ۲۵ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج اگر اپنی زوجہ کے حقوق تمام وکمال ادا کرتا ہو کیا شریعت مطہرہ اس سے طلاق دینے پر مجبور فرماتی ہے، جو لوگ اسے طلاق دینے پر مجبور کریں ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بغیر کسی وجہ شرعی کے طلاق دینا ممنوع ہے اور اللہ عزوجل کو ناپسند ہے، حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، ابغض الحلال الی اللہ الطلاق رواہ ابوداؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دوسری روایت یوں ہے، ما احل اللہ شیئاً ابغض الیہ من الطلاق، یعنی کوئی حلال چیز اللہ عزوجل کے نزدیک طلاق سے زیادہ ناپسند نہیں، امام ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں، والاصح حظرہ الا لحاجۃ للادلۃ المذکورۃ ویحمل ولفظ المباح علی ما ابیح فی بعض الاوقات اعنی اوقات تحقق الحاجۃ المبیحۃ، اصح یہ ہے کہ بغیر حاجت طلاق ممنوع ہے کہ دلیلوں سے یہی ثابت ہے، اور مباح سے مراد یہ کہ بعض وقت مباح ہے، یعنی جس وقت حاجت پائی جائے، یہ کلام تو زوج کے متعلق تھا کہ بغیر حاجت اسے طلاق دینا ناجائز، رہا عورت کا طلاق طلب کرنا اگر بغیر ضرورت شرعیہ ہو تو حرام ہے حدیث میں ارشاد فرمایا ہے، ایما امرأۃ سئلت زوجہا طلاقا فی غیر ما باس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ، جو عورت اپنے شوہر سے بغیر ضرورت طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیخ محقق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لمعات میں فرماتے ہیں، ای فی غیر شدۃ وضرورۃ تدعوہا وتلجئہا الی المفارقۃ، یعنی طلاق طلب کرنے کی اس وقت عورت کو اجازت ہے کہ ایسی ضرورت پائی جائے کہ اسے جدائی پر مجبور کرے، دوسری حدیث میں ہے، ایما امرأۃ اختلعت من زوجہا بغیر نشوز فعلیہا لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین، جو عورت اپنے شوہر سے خلع طلب کرے اور شوہر کی جانب سے کوئی بدخلقی نہ ہو تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب آدمیوں کی لعنت، اور جب شوہر حقوق زوجیت تمام وکمال ادا کرتا ہے تو جو لوگ طلاق پر مجبور کرتے ہیں، وہ گنہگار ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر الی قولہ فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ، شیاطین کافر ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں جس سے

مرد اور اس کی عورت میں جدائی ڈالتے ہیں، حدیث شریف میں ارشاد ہوا لیس منا من خبب علی امرئ زوجتہ، جو شخص کسی مرد سے اس کی عورت کو برگشتہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں، رواہ ابو داؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الصغیر والاوسط بنحوہ عن ابن عمر وابو یعلی بسند صحیح والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی اکبر علی طالب علم درجہ اول، ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی چھپ کر بھاگ گئی، تین سو قدم تک نکل گئی تھی پھر لوگ جمع ہو گئے اور اس کو شوہر کے گھر پہونچا دیا، اس کا شوہر پردیس میں تھا جب آیا اور اس قصہ کو سنا تو یہ کہا کہ میری بیوی نکاح سے باہر ہو گئی دوبارہ نکاح ہونا چاہئے تو اب شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب: عوام کا یہ خیال غلط ہے کہ عورت بے اجازت شوہر اگر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے لہذا شوہر کا یہ کہنا کہ میری بیوی نکاح سے باہر ہو گئی اگر اسی خیال غلط کی بنا پر ہے تو کچھ نہیں، ورنہ یہ لفظ خود الفاظ طلاق سے ہے، جب باہر نہ ہوئی تھی تو اب اس کہنے سے باہر ہو گئی۔ اگر طلاق کی نیت سے کہا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ صفدر حسین صاحب از بریلی محلہ ذخیرہ، ۱۰ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلاق دیتے وقت عورت کا موجود رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر غیبت میں طلاق دی تو طلاق ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب: بوقت طلاق عورت کا وہاں ہونا کچھ ضرور نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ طلاق کی عورت کی طرف اضافت کرے، مثلاً یہ کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو طلاق دی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: ایک مسلمان مرد کی عورت جو آوارہ پھرتی ہے اور اپنے شوہر کا حکم نہیں بجالاتی، بلکہ دوسرے مردوں سے یارانہ کر لیا ہے تو اب مرد اس عورت کو طلاق دے کر مہر ادا کرے یا نہیں کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسی عورت کو بالاتفاق طلاق دینا جائز ہے، بلکہ ایسی عورت کو طلاق دینا ہی بہتر ہے، درمختار میں ہے، بل یستحب لو موذیۃ، ردالمحتار میں ہے، اطلقہ فشمل الموذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا، اور بصورت طلاق مہر ادا کرنا لازم ہوگا، اگر مدخولہ ہے تو کل مہر اور غیر مدخولہ ہے یعنی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی ہو تو نصف مہر، اور عورت معاف کر دے

کل یا جز، تو اتنا معاف ہو جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ حبیب اللہ ساکن نواده شیخان شہر کہنہ بریلی، ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے شوہر کے یہاں سے بلا اجازت غیر جگہ چلی گئی اور ایک رات رہی اس کے بعد ہندہ کے رشتہ دار نے ہندہ کو اپنے یہاں لے گیا، اس پر اہل محلہ شوہر کو برادری سے خارج کرتے ہیں اور حقہ پانی بند کرتے ہیں، تو اس صورت میں برادری سے خارج کرنا اور حقہ پانی کا بند کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس عورت کو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ عورت اگر بغیر اجازت شوہر کہیں چلی جائے تو طلاق ہو جاتی ہے، یہ غلط ہے، اور شاید اہل برادری کا شوہر کو بند کرنا اسی بنا پر ہو، صورت مسئولہ میں شوہر کا کوئی ایسا قصور ثابت نہیں ہوتا جس سے اس کو برادری سے خارج کیا جائے اور اس عورت کو طلاق دینا ضروری نہیں، شوہر اس کو رکھ سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ عبدالرحیم ساکن پیلی بھیت محلہ فیل خانہ، ۲۸ر شوال ۱۳۷۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دوسرے کی عورت کو اپنی نفسانی غرض کی وجہ روپوش کر دیا، اور کسی طرح ظاہر نہیں کرتا ہے، جب اس سے یہ کہا گیا کہ ہم شوہر سے طلاق دلوا دیتے ہیں تو اس سے نکاح کر لینا تو اس نے ظاہر کرنے اور عورت کو حاضر لانے کا اقرار کیا اور شوہر سے طلاق نامہ لکھوایا گیا جو درج ذیل ہے، مگر اس طلاق نامہ سے اصل مقصود یہ تھا کہ کسی طرح وہ شخص اس عورت کو حاضر لائے اور طلاق نامہ پر شوہر کا نشان انگوٹھا لے لیا گیا، شوہر نے طلاق وغیرہ کے الفاظ نہیں کہے، لہذا سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

نقل طلاق نامہ،

میں کہ غلام حسین ولد بھورے ساکن موضع ڈھنکولا کا ہوں جو کہ میرا نکاح مسماۃ بتولن بنت حبیب ساکن موضع جنڈوئی کے ساتھ ہوا تھا، اب باہم میرے اور مسماۃ مذکورہ کے نااتفاقی رہتی ہے، اس وجہ سے میں اس کو اپنی زوجیت میں رکھنا پسند نہیں کرتا ہوں، اور بوجہ نااتفاقی آج کی تاریخ سے رفع نزاع باہمی کے مسماۃ مذکورہ کو طلاق دے کر اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ آئندہ مجھے مسماۃ مذکورہ سے کسی وقت کچھ سروکار نہ ہوگا، مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہے کہ جس جگہ چاہے اپنا نکاح کر لیوے اور مسماۃ مذکورہ نے مجھ سے اپنا دین مہر بذریعہ رسیدی ٹکٹ تاریخ امروز میں وصول پا لیا، لہذا یہ طلاق نامہ لکھ دیا تاکہ سند ہو،

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ کاتب طلاق نامہ نے لکھنے کے بعد پڑھ کر شوہر کو سنا دیا اور شوہر نے سن کر نشان لگایا، لہذا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل استکتب من رجل آخر الی امرأته کتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فاخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امرأته فاتاها الکتاب واقر الزوج انه کتابه فان الطلاق یقع علیها، مگر اس طلاق نامہ سے دو ہی طلاقیں واقع ہوں گی ایک لفظ صریح ہے اور دوسرا کنایہ یعنی یہ لفظ کہ مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہے، جس جگہ چاہے اپنا نکاح کر لیوے، اور یہ لفظ کہ مجھ کو مسماۃ مذکورہ سے کسی وقت کچھ سروکار نہ ہوگا، الفاظ طلاق سے نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل قال لامرأته، مرا بکار نیستی ونوی به الطلاق لا یقع. لہذا شوہر بغیر حلالہ اس سے نکاح کر کے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مبارک حسین خلف محمد خاں مراد آباد، محلہ نواب پورہ، ۳۰ر شوال ۱۳۴۱ھ،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ علی حسین کا نکاح میری ہمشیرہ خورشید کے ساتھ ہوا تھا، قریباً تین سال تک انتظام رخصت نہ ہو سکا، اس وجہ سے تاہنوز یکجائی نہ ہو سکی تھی کہ میرے نام علی حسین کا بذریعہ ڈاک بمبئی سے اپنے قلم کا لکھا ہوا اور اس کا خاص انگوٹھا لگا ہوا خط حسب ذیل الفاظ میں آیا جس کے شاہد بمبئی میں دو مسلمان بھی ہیں:

"برادر عزیز بعد سلام علیک، واضح ہو کہ ہم خیریت سے ہیں اور خیر و عافیت آپ کی چاہتے ہیں، دیگر احوال یہ ہے کہ ہم نے بہت سی باتیں آپ لوگوں میں اس قسم کی دیکھی کہ ہمیں بہت سخت ناگوار گذریں بعد نکاح میرے والد رخصت کرنے آئے لیکن آپ نے رخصت نہ کیا اور نکاح کو بھی قریباً چار سال ہوئے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ہم تحریر نہیں کر سکتے ہیں، لہذا یہی تحریر میری تلاق (طلاق) اب میں شادی کرنا نہیں چاہتا ہوں، اب آپ اپنی ہمشیرہ کی کہیں اور تجویز کیجئے، بخدا خدا کو حاضر و ناظر کر کے یہ صاف اور ٹھیک تحریر کرتا ہوں، آپ کو اس پر یقین ہونا چاہئے، دیگر اب اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں اور یہ میں نے سوچ سمجھ کر لکھا ہے، اب مجھے شادی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اب میں اپنا حق ادا کر چکا ہوں اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کو مانیں یا نہ مانیں" ایک دوسرا پرچہ جو اس خط کے ساتھ ہے، اس کی عبارت حسب ذیل ہے، دیگر اس بات کی خبر میری والدہ کو ہونی چاہیئے، بال بچوں کو دعا، خالہ صاحبہ کو سلام، دیگر ہماری اور آپ کی محبت میں فرق نہیں آسکتا، مگر ہاں اس رشتہ کو میں منظور نہیں کرنا چاہتا، آپ اس بات کو منظور کر لیں گے، زیادہ تحریر کرنا فضول ہے اس

خط کے موصول ہونے کے بعد بمبئی میں دو آدمیوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ خط میرا ہی ہے، اور میں نے طلاق دی ہے، ان دونوں شخصوں نے ایک تیسرے آدمی سے اس کی تصدیق کی اس تیسرے شخص نے مراد آباد آکر مجھ سے کہا، اب علی حسین خود آکر اس خط کے لکھنے اور بھیجنے سے انکار کرتا ہے، مگر خط ملانے کے لئے نہ اپنی تحریر دیتا ہے نہ انگوٹھا کا نشان نہ حلف لیتا ہے، نہ قسم کھاتا ہے، ایسی حالت میں یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز، اور شرعاً طلاق جائز ہے یا نہیں، خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، بینوا توجروا۔

الجواب: جو خط علی حسین نے لکھا اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس پر طلاق کا حکم دیا جائے، ایک جگہ یہ ہے کہ یہی تحریر میری طلاق اس تحریر کو طلاق کہا ہے اور تحریر طلاق نہیں ہو سکتی نیز یہ کہ عورت کی طرف اضافت طلاق نہیں، اور بغیر اضافت حکم نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ یہ نہ کہے کہ میری مراد اپنی زوجہ کو طلاق دینا ہے، فتاویٰ خانیہ میں ہے، لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیھا، بحر الرائق میں ہے، لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا، ہاں اگر لوگوں نے جب اس سے دریافت کیا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اس نے کہا میں نے طلاق دی ہے تو اس لفظ سے طلاق واقع ہو گئی، اگر گواہوں[1] سے ثابت ہو جائے تو طلاق کا حکم دیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ نھنے شہر کہنہ بریلی محلہ کانکر ٹولہ، ۱۲، ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت مسماۃ ہندہ کو اہل محلہ نے چند مرتبہ بتلایا کہ یہ بدچلنی کرتی ہے حالانکہ کسی نے بچشم خود اس کو زنا یا حرام کرتے کراتے نہیں دیکھا، اس پر اس کے خاوند زید نے مسماۃ ہندہ کو سخت سست برا بھلا کہا اور تنبیہ و تادیب کی اخیر مرتبہ پھر مسماۃ ہندہ کو اہل محلہ نے ایک شخص کے یہاں رات کو جاتے ہوئے پکڑا اور کہا کہ یہ بدفعلی کے لئے گئی تھی، اور یہ جایا کرتی ہے، اس پر اس کے شوہر زید نے بہت برا بھلا کہا اور سختی کی اور کہا مجھ کو تجھ سے کام نہیں ہے، اس پر عورت کہتی ہے کہ میں نے کوئی بدچلنی نہیں کی اور اگر کوئی قصور مجھ سے ہو گیا ہے تو میں توبہ اور عہد کرتی ہوں، چونکہ کسی آدمی نے زید کے سامنے عورت کی بدچلنی اور حرام کاری کا چشم دید ثبوت نہیں دیا، ایسی صورت میں کیا زید پر فرض یا واجب ہے کہ عورت کو طلاق دے دے یا عورت سے یہ کہہ دینا کہ تو میرے کام کی نہیں، طلاق

---

[1] بشرطیکہ یہ گواہ عادل ثقہ متدین قبول شہادت کے لائق ہوں اور بقدر نصاب ہوں یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ہوں، قرآن مجید میں ہے واشھدوا ذوی عدل منکم، اور فرمایا، فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء، واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں شمار ہو سکتا ہے یا عورت کو طلاق نہ دینے پر زید گنہ گار یا اسلام سے خارج ہو سکتا ہے یا محض عورت کی بد چلنی سے جس کا کوئی چشم دید ثبوت نہ ہو بلکہ برادری کے خوف سے عورت توبہ اور عہد بھی کر چکی ہو، اس کا خاوند زید باوجودیکہ تنبیہ اور سختی کرتا رہا ہو، شرعاً مجرم اور گنہ گار ہے اور اس قابل ہے کہ وہ برادری سے علٰحدہ کر دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بندہ کو ایسی جگہ جانا کہ لوگوں کو بدگمانی کا موقعہ ملے ناجائز ہے، حدیث میں ہے، اتقوا مواضع التھم، اور لوگوں کو خواہ مخواہ بدگمانی بھی حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم، حدیث میں فرمایا ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث، اگر واقعہ یہی ہے کہ زید نے فقط اتنے ہی لفظ کہے کہ مجھ کو تجھ سے کام نہیں ہے تو اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، رجل قال لامرأتہ مرا بکار نیستی، ونوی بہ الطلاق لا یقع، شوہر پر طلاق دینا واجب[1] نہیں۔ ہاں اگر عورت میں بدچلنی کے آثار پاتا ہو تو طلاق دے دینا بہتر ہے، پھر بھی اگر نہ دے تو گنہ گار نہیں، جب کہ شوہر ایسے افعال سے منع کرتا اور بقدر وسعت تنبیہ کرتا ہے۔ درمختار میں ہے، بل یستحب لو موذیۃ، ردالمحتار میں ہے، الطلقہ فتشمل الموذیۃ لہ اولغیرہ بقولھا او بفعلھا ط، اور شوہر کی جب یہ حالت ہے کہ عورت کے حرکات پر راضی نہیں اور اسے روکتا ہے اور بقدر وسعت اس کا انتظام بھی رکھتا ہے تو اسے برادری سے خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ، شیخ محمد یعقوب علی موضع سام پور ڈاکخانہ سلیم پور گورکھپور، ۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ بایں لفظ طلاق دیا کہ خدا اور رسول کو درمیان دے کر طلاق دیا طلاق۔ طلاق۔ طلاق، پڑ گئی یا نہ پڑی اور اگر طلاق پڑی تو کے طلاق۔ اس واقعہ کو دو سال ہوئے بوجہ لاعلمی رجعت نہیں کی گئی، اگر طلاق پڑی تو رجعت کی کیا صورت ہے؟

الجواب: طلاق دیتے وقت جتنے الفاظ زبان سے نکلے پورے بغیر رد و بدل کے لکھئے پھر جو حکم شرع ہوگا، اطلاع دی جائے گی۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ محمد بخش محلہ بانس منڈی بریلی، ۹ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ

مجھ غریب کی گزارش یہ ہے کہ ایک لڑکی جس کو عرصہ تین برس ہوا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر مکان چلی آئی ہے،

---

[1] درمختار میں ہے، ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ص ۲۸۳، ج ۲۔

اب اس کا خاوند نہ اس کو بلانے آتا ہے نہ وہ لڑکی جانے پر آمادہ ہے، بلکہ خاوند یہ کہتا ہے کہ جب وہ میری اجازت کے بغیر چلی گئی تو اب مجھ کو بلانے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ لڑکی میرے نکاح سے باہر ہے، جہاں لڑکی کا جی چاہے نکاح کرلے، تو کیا واقعۃً لڑکی نکاح سے باہر ہے؟ اگر لڑکی نکاح سے باہر ہے تو اس کا نکاح کہیں اور کر دیا جائے؟ کیونکہ لڑکی بہت جوان ہے؟

الجواب:- عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ بغیر اجازت شوہر اگر عورت چلی جائے تو نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، یہ بالکل غلط ہے، شوہر نے جو یہ لفظ کہے کہ وہ لڑکی میرے نکاح سے باہر ہے، جہاں لڑکی کا جی چاہے نکاح کرلے، یہ دونوں الفاظ کنایہ سے ہیں، اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے طلاق دینے کی ہے تو نکاح سے باہر ہوگئی، بعد عدت نکاح کر سکتی ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لوقال لھا لا نکاح بینی و بینک او قال لم یبق بینی و بینک نکاح یقع الطلاق اذا نوی، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ:- مرسلہ عبد السبحان درزی جامع مسجد چنار ضلع مرزا پور، ۲ صفر المظفر سنہ ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی منکوحہ کو مختلف اور متعدد لوگوں کے ساتھ زنا کرنے پر مجبور کر کے یہ فعل قبیح کرا دیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں نقدی یا کوئی شے لے کر خود فائدہ اٹھاتا ہے اور زوجہ کی تکرار کرتا ہے، اس وقت منکوحہ ایک سال سے فرار ہو کر دوسری جگہ مقیم ہے تاکہ اس فعل بد سے بچے اور دوسرے شخص سے نکاح کرلیوے زید کسی نوع سے طلاق نہیں دیتا ہے عورت کے پاس بجز اپنے بیان حلفی اور ایک شخص کے جو اس سے اکثر زنا کر چکا ہے اور اب بھی تعلق رکھتا ہے کوئی دوسری عینی شہادت نہیں، کیا ایسی صورت میں مذکورہ عورت کا نکاح اس کے دیوث شوہر زید کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے اور کیا بغیر طلاق کے بنظر خوف خدا انھیں لوگوں میں سے کسی ایک کے ساتھ عورت نکاح کر سکتی ہے، جو پہلے اس کے ساتھ زید کی ترغیب سے زنا کر چکا ہو، یا ہنوز حرام تعلق رکھتا ہو، بینوا توجروا،

الجواب:- اس فعل شنیع و امر فظیع کے کرنے یا کرانے سے وہ عورت نکاح سے باہر نہ ہوئی، البتہ عورت پر لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو اپنے کو حرام سے بچائے اور زید اگر باز نہ آئے تو طلاق حاصل کرے، بغیر طلاق لئے دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: مسئولہ علی مروان خاں صاحب، ساکن بریلی، مورخہ ۹ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

میرا ایک عزیز مسمی عبد الستار اپنی اہلیہ کو لینے کی غرض سے سسرال گیا لڑکی کی نانی نے عذرات پیش کئے۔ مگر عبد الستار نے اصرار کیا نوبت باینجا رسید کہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کہا چل مگر لڑکی کی نانی اس وقت بھی مانع ہوئی نتیجہ یہ نکلا کہ عبد الستار ناراض ہوکر چلا آیا اور باہر آکر ایک نابالغ لڑکے سے جو لڑکی کا ماموں ہوتا ہے، کہا کہ اگر اس وقت نہ بھیجا تو میں طلاق دے دوں گا، ایسی صورت میں احکام شریعت کیا ہیں؟ آیا طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر واقعی میں یہی لفظ کہے تھے کہ طلاق دے دونگا تو طلاق نہ ہوئی کہ یہ طلاق دینا نہیں ہے، بلکہ آئندہ طلاق دینے کا اظہار ہے اور محض اس ارادہ یا وعدہ پر طلاق نہیں ہوتی، لان ھٰذا اللفظ متعین لاستقبال لا یقع به الطلاق کما فی الفتاوی الخیریۃ وغیرھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ جناب محمد شکر اللہ خاں نقشبندی رضوی اعظمی انجمن اصلاح عقائد، گرانڈ ٹریک روڈ ہوڑہ، کلکتہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو عرصہ پانچ برس کا ہوا کہ والدین کی اجازت سے کسی غیر جگہ گیا اور وہیں زید کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے حصول اولاد غیر ممکن ہے۔ اور اس جگہ زید مقروض بھی ہوگیا، اور زید اپنے مکان یعنی ماں باپ کے پاس عورت مذکورہ کو اس وجہ سے نہیں لے جاتا ہے کہ عورت کی عمر زید کی عمر سے دوگنی ہے، زید چاہتا ہے کہ اس عورت کو طلاق دے دے، بشرطیکہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو اور عورت مذکورہ اکثر شوہر کی نافرمانی بھی کرتی ہے، جو شرعاً خلاف ہے بہر صورت اطاعت والدین فرض، ایسی حالت میں زید کو کیا کرنا چاہیئے،؟

الجواب: جب اس نے نکاح کرلیا ہے تو اسے گھر بھی لے جاسکتا ہے اور یہ کہ اس کی عمر زیادہ ہے، یہ گھر لے جانے سے مانع نہیں، پھر اگر واقع میں عورت بوڑھی ہے، اس سے اولاد کی امید نہیں ہے تو طلاق دے سکتا ہے، یوں ہی اگر شوہر کی نافرمانی کرتی ہے تو شوہر کو اختیار ہے، درمختار میں ہے، وایقاعہ مباح عند العامۃ لاطلاق الآیات اکمل وقیل لا ابح حظر الا لحاجۃ کریبۃ وکبر، وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مستری امام الدین صاحب، سگنل ترک باسی کیولری، برگیڈ چھاونی سیالکوٹ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی زید عرصہ نو سال کا ہوا کہ ایک عورت مساۃ ہندہ سے نکاح

کیا اس عرصہ میں اس نے نہ ہندہ کو آباد کیا نہ نان ونفقہ کا ہی کفیل ہوا ہندہ کے والد نے نان ونفقہ کے وصول کے لئے اس پر دعویٰ کیا، مسمیٰ زید نے اس کو عدالت میں تسلیم کرلیا، اور آیندہ کے لئے اقرار نامہ لکھ دیا، مگر پھر وہی کیفیت رہی، اب ہندہ کے والد نے چند احباب کے ذریعہ اسکو سمجھانا چاہا، مسمیٰ زید کوڑہ میں کسب معاش کیا کرتا تھا، بجائے آبادی کے اس نے اپنے خسر کے نام دو خطوں میں ہندہ کو طلاق بھیجدی، ہندہ کے والد نے عدالت میں مہر کا دعویٰ دائر کر دیا، دعویٰ دائر کرنے سے پہلے ایک رجسٹری نوٹس دی گئی جس کو زید نے وصول کیا، دعویٰ کرنے پر وہ طلاق والا خط پیش کیا گیا، عدالت نے زید کو چھ ماہ تک بذریعہ سمن واشتہار طلب کیا، مگر وہ روپوش ہوگیا، طویل انتظار کے بعد عدالت میں ایک طرفہ فیصلہ کرتے ہوئے طلاق تسلیم کی اور مہر کی ڈگری ہندہ کو دے دی، اب مسمیٰ زید طلاق والے خطوں سے انکاری ہے، کہ میرے نہیں اور نہ میں تمام عمر آباد کروں گا اور نہ طلاق دوں گا، تو کیا طلاق مذکور شرعی طلاق ہے یا نہیں اور سرکاری عدالت کے فیصلہ پر ہندہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب:۔ تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے جب کہ مرسومٰ ہو یا نیت طلاق ہو کہ القلم احد اللسانین مگر جب شوہر اس تحریر سے منکر ہے تو حکم طلاق کے لئے ثبوت ضرور ہے اور محض اس کا سا خط ہونا کام نہ دے گا کہ الخط یشبہ الخط، اگر گواہوں سے ثابت ہو کہ یہ خط اسی نے لکھے ہیں تو طلاق مانی جائے گی، اور کچہری کے محض ایک طرفہ ڈگری دینے یا طلاق مان لینے سے شرعاً یہ طلاق قابل اعتبار نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مرسلہ حاجی محمد ابراہیم صاحب مبارک پور، اعظم گڈھ، ۶ رشعبان ۱۳۴۲ھ،

گذارش یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو بذریعہ ڈاک طلاق لکھ کر بھیج دیا ہے اور جس نے طلاق دیا ہے، اس کی عمر ۱۴ برس کی ہے اور اس کی عورت اسی روز اس کے مکان پر گئی تھی جس روز نکاح ہوا انھوں نے منہ دکھائی میں اسی روز وہ ایک چیز دی تو وہ چیز شوہر کی ہوتی ہے یا لڑکی کی پھر دوبارہ نہیں گئی اور اس لڑکی کا مہر کیا ہوتا ہے، اور کس کا ہوتا ہے اس بارے میں جو علمائے دین نے فرمایا ہے تحریر فرمادیں؟

ؔ مرسوم سے مراد یہاں یہ ہے کہ خط کے مضمون پر مطلع ہونے کے بعد اس پر شوہر نے دستخط کئے ہوں اور نیت طلاق سے مراد یہ ہے کہ اس نے کسی کاغذ پر یہ لکھا کہ میری فلاں بیوی یا فلانا بنت فلانا کو میں نے طلاق دی، اور اس پر دستخط نہ کئے ہوں، اور خط بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے لکھا ہو، ایسا نہ ہو کہ مثلاً اپنے خط کی تحسین کے لئے کہیں یہ عبارت نقل کی یا حروف مشاقی کے لئے عبارت لکھی تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوئی اگر یہ لکھنا ایقاع طلاق کے لئے نہیں صرف مشاقی کے لئے ہے واللہ تعالیٰ اعلم امجدی۔

الجواب: اگر وہ نابالغ[1] ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور بالغ ہے اور اس نے طلاق لکھ کر بھیجی تو طلاق ہوگئی، مگر جب کہ خط سے انکار کرے اور گواہوں سے ثابت نہ ہو کہ یہ اسی کا خط ہے تو حکم طلاق نہیں دیا جا سکتا، اگر طلاق واقع ہوئی اور خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو پورا مہر واجب اور خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو نصف مہر اور جو زیور وغیرہ عورت کو رونمائی میں ملا، اس کا مالک وہی عورت ہے، مگر جب کہ دیتے وقت تصریح کر دی ہو یا وہاں کا چلن یہ ہو کہ فقط پہننے کے واسطے دیتے ہیں، عورت کو مالک نہیں کرتے تو شوہر واپس لے سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد فصیح اللہ کوٹال پوکھر ضلع دمکا ۲۴ر شوال المکرم ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت بیماری غصہ ہو کر زبردستی اپنے بیٹے عمرو سے کہا تم اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دو، اس پر عمرو نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا، بعدہ زید نے اپنے بھائی بکر کو بلا کر بیان کیا کہ ہمارے بیٹے عمرو نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق دے دیا بعدہ چند روز میں زید انتقال کر گیا، انتقال کے بعد بکر نے اپنے بھتیجہ عمرو سے کہا تم اپنی بیوی کو بغیر حلالہ نہیں رکھ سکتے، اس پر عمرو نے جواب دیا ہم نے تو اپنی بیوی کو دو طلاق دیا ہے مجھ کو حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس پر بکر نے کہا تو جھوٹا ہے، تیرا باپ ہم سے کہہ گیا ہے کہ ہمارے بیٹے عمرو نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیا ہے، عمرو نے کہا ہمارے باپ نے غلط بیان کیا ہے، ہم نے تو صرف دو طلاق دیا ہے، طلاق کے وقت ایک عورت بھی موجود تھی، اس کے بیان سے بھی معلوم ہوا کہ دو طلاق دیا ہے اور اٹھ کھڑا ہوا اور یہ

---

[1] بلوغ کی اقل مدت لڑکے کے لئے بارہ سال ہے، اور لڑکی کے لئے نو سال، اس کا مطلب یہ ہے کہ بارہ سال کا لڑکا اور نو سال کی لڑکی اگر یہ کہے کہ میں بالغ ہوں، تو مان لیا جائے گا، اگر وہ بلوغ کی وجہ بھی بتائے یا ان دیار میں اس عمر کے لڑکے یا اگر لڑکی کا دعویٰ ہے تو اس عمر کی لڑکی بالغ ہوں، اور اس عمر سے کم اگر کہیں کہ ہم بالغ ہیں تو نہ مانا جائے گا، تنویر و درر میں ہے، ادنی مدتہ لہ اثنا عشرۃ سنۃ ولہا تسع سنین فان راھقا بان بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبہما الظاہر، اس کے تحت شامی میں ہے، ھو معنی قولہ الاتی وھو ان یکون بحال یحتلم مثلہ، قال شیخ الاسلام وانما یقبل قولہ مع التفسیر وکذا الجاریۃ اقرہ بحیض اھ والظاہر ان المراد بقولہ وانما یقبل مع التفسیر ای تفسیر ما بلغ بہ من احتلام او احبال فقط بلا ھذا الاستقصاء، اکثر مدۃ بلوغ دونوں کے لئے پندرہ ۱۵ سال ہے، فحتی یتم لکل منہما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی، خواہ علامات بلوغ پائی جائیں خواہ نہ پائی جائیں، اس پر دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنگ احد میں شریک ہونا چاہتے تھے، جب کہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں واپس کر دیا، اور غزوۂ خندق میں جب وہ پندرہ سال کے ہو گئے تو شریک فرمایا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کہا ہے میں نے اپنی بیوی کو بائن طلاق دی ہے یعنی دو طلاق دیا ہے، اور یہ کہہ کر بھاگ گیا لہذا صورت مذکورہ میں کس کے قول پر فتویٰ ہوگا، اور عمرو کس طرح اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، بینوا بالحدیث توجروا یوم الحساب۔

الجواب: جب تک گواہوں سے تین طلاق کا ثبوت نہ ہو تین طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا، بکر کا بیان کہ زید نے اس سے تین طلاق دینا بیان کیا تھا یہ کوئی ثبوت نہیں، ہاں اگر واقع میں عمرو نے تین طلاقیں دی ہوں تو عمرو پر لازم ہے کہ بغیر حلالہ اس عورت کو نکاح میں نہ رکھے کہ اللہ عزوجل عالم الغیب والشہادۃ ہے، اس سے کچھ مخفی نہیں گواہوں کا نہ ہونا قیامت کے دن اسے مفید نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: محلہ ملوک پور بریلی، مسئولہ عوض خاں، ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھ کو نشہ پلا کر طلاق نامہ کی ایک تحریر لے لی گئی اور مجھ سے یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ اس بات کی رسید ہے کہ میں اپنی زوجہ کو کبھی اپنے ماں باپ سے ملنے کو نہ روکوں گا، اور جب بلائیں گے، میں بھیج دوں گا، اب میں نے ناجائز فعلوں سے توبہ کر لی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ نشہ اس نے خود پیا تھا کسی نے پلایا نہیں، نہ پینے پر مجبور کیا، لہذا اگر نشہ میں اس نے طلاق دی تو واقع ہوگئی، درمختار میں ہے، ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران. فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وطلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر او النبیذ وھو مذھب اصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ. کذا فی المحیط، ہاں اگر جس پرچہ پر دستخط کرائے اس کو دوسرا کاغذ ظاہر کیا اور یہ شخص بے پڑھا تھا کہ نہ جان سکا، اور سائل کا بیان صحیح ہے تو حکم طلاق نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از محلہ کانکر ٹولہ بریلی، ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۳ھ مسئولہ عبد النبی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد و عمرو چچا بھتیجہ دونوں شکل میں داڑھی منڈے ہیں، بھتیجہ کی بیوی سے چچا نے زنا کیا رات میں ان کا بھتیجہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور صحبت کرنا چاہی تو عورت نے کہا تم ابھی میرے پاس سے گئے ہو اور پھر آگئے اس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا اور کہا سچ بتا دوسرا شخص کون تھا، جب اس نے تشدد کیا تو معلوم ہوا کہ چچا صاحب تھے، جب بھتیجہ نے اپنی بیوی کو مارنے کا ارادہ کیا تو چچا نے افیون کھالی، اب چچا بھتیجہ آپس میں ایک ہیں، ان دونوں کے بارے میں کیا حکم ہے، اور جو اولاد ہوئی اس کے لئے کیا حکم ہے۔؟

الجواب :- بھتیجے کا تو اس میں کچھ قصور نہیں اور عورت نے اگر اسے اپنا شوہر سمجھا تھا جیسا کہ صورت سوال سے یہی ظاہر ہے تو وہ بھی بری ہے، البتہ چچا نے زنا کیا، اس پر وبال ہے وہ گنہ گار اور مستحق نار و فاسق فاجر ہے مگر بھتیجے کا نکاح نہیں ٹوٹا، جو اولاد ہوگی وہ بھتیجے ہی کی ہوگی، حدیث میں فرمایا، الولد للفراش وللعاهر الحجر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- چہ می فرمایند علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ مسمیٰ قبول ولد محمد بعمر دو نیم سال بہ مسماۃ حلیمہ بعمر بست سال بالغہ بیوہ نکاح کردینی منجانب قبول مذکور پدرا و محمد ایجاب و قبول نمود و مسماۃ مذکورہ برغبت کمال و رضا خود بروبرو گواہان در مجلس عام بزبان خود منظور کرد و اکنوں بعد شش ماہ مسماۃ حلیمہ مذکورہ نیز دراں یک سال کہ نکاح بہ مسمیٰ قبول ولد محمد بعمر دو نیم سالہ کردہ بود می خواہد کہ شوہر من صغیر دو نیم سالہ مرا طلاق دہد آیا طلاق ناکح صغیرہ دو نیم سالہ در شرع شریف بہ ثبوت آیات قرآن شریف و علماء و فقہاء و بقول ائمہ دین جائز است یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- ایں نکاح کہ بعمر دو نیم سال با زن بست سالہ واقع شدہ است جائز و صحیح است، اکنوں تا وقتیکہ مسمیٰ قبول شوہر مسماۃ حلیمہ بالغ نہ شود طلاق ناممکن است کہ طلاق را بلوغ شوہر شرط است نابالغ طلاق را اہل نیست در در مختار است، واهله زوج عاقل بالغ، در تنویر فرمودہ، لا یقع طلاق الصبی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از بریلی دفتر ٹی، ایس، آفس ڈاکخانہ آئی زٹ نگر، مسئولہ بابو سید مشتاق علی، ڈسپیچر، ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح زید کی خالہ نے اپنی بیٹی ہندہ کے ساتھ بلا خوشی اور بلا موجودگی اپنے شوہر کے کردیا، مگر رخصت نہیں کی، زید بعد نکاح پردیس چلا گیا اور پردیس میں ایک بدچلن عورت سے ناجائز تعلق ہوگیا، زید کے بھائی نے سمجھایا کہ اپنی نکاحی بی بی کو چھوڑ کر جو کہ تمہارے خالہ کی لڑکی ہے اور اس سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا، تو زید نے جواب دیا کہ ہندہ میری بہن ہے اور میں بہن کے برابر خیال کرتا ہوں، میری خالہ کیوں اس کی جوانی خراب کرتی ہیں کہیں اور شادی کیوں نہیں کردیتیں، میں بھی خود شریک ہوکر اور کھڑا ہوکر ہندہ کا نکاح کردوں گا وہ اب میری بہن جیسی تھی ویسی ہی ہے، اور ایک مرتبہ طلاق تحریر کر کے رکھا، تو زید کے بھائی نے اس خیال سے کہ یہ خالہ کو پہنچ نہ جائے پھاڑ کر پھینک دی، آیا ہندہ کی والدہ کا بلا مرضی و بلا موجودگی اپنے شوہر کے ہندہ کا نکاح کردینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا یہ کہنا کہ وہ میری بہن ہے میری خالہ کیوں نہیں کہیں اور نکاح کردیتیں، اور میں خود شریک ہوں گا، کہاں تک نکاح کو قائم رکھتا ہے، مفصل طور پر جواب مع مہر و دستخط عنایت ہو جلد عنایت ہو۔

الجواب: سائل نے یہ تحریر نہیں کیا کہ ہندہ وقت نکاح بالغہ تھی یا نابالغہ اگر بالغہ تھی تو اس سے اذن لیا گیا تھا یا نہیں، اور نابالغہ تھی تو باپ اس کا کہاں تھا، کتنے فاصلہ پر تھا اسی شہر میں تھا یا کہیں اور گیا تھا، اور ہندہ کا کوئی بھائی چچا یا دادا پر دادا کی اولاد میں کوئی مرد موجود تھا یا نہیں اور اگر تھا تو اس سے اجازت لی گئی یا نہیں، اور زید نے جو طلاق تحریر کی اس کی عبارت کیا تھی، ان امور کا جواب آنے پر سوال کا جواب دیا جائے گا۔

مسئلہ: از جاوَد ضلع نیمچ محلہ نیگن پورہ، مرسلہ نور محمد عبد الکریم، ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق ساتھ خطاب کے دی، اور کہا کہ تو اب میرے کام کی نہیں ہے، اور تو میرے مکان سے چلی جا، ہندہ نے جواب میں کہا کہ کہاں جاؤں؟ زید نے کہا میری طرف سے کہیں جا، چاہے تیرے باپ کے یہاں جا، مگر میرے مکان میں نہیں رہنے دوں گا، جب ہندہ نے کہا کہ تم نے مجھ کو طلاق دے دی تو میرا مہر مجھ کو دے دو، زید نے کہا کہ مہر تیرا جو تیرے پاس زیور ہے وہ میں نے تجھ کو دیا، ہندہ نے کہا اس پر تمھارا باپ دعویٰ کرے گا، کہ زیور تو میرا ہے۔ زید نے کہا کہ اس بات کی تحریر طلاق نامہ لکھ دوں کہ نہ میں دعویٰ کروں گا نہ میرے باپ دعویٰ کریں گے، ہندہ نے کہا کہ لکھ دو، زید نے اس مضمون کی تحریر ہندی میں لکھ دی جس کی اردو میں نقل تحریر طلاق نامہ یہ ہے،

میری طرف سے طلاق ہے، افتمال مہر کے بالعوض جس کا کسی طرح کا دعویٰ جھگڑا نہیں جو کرے جھوٹا میرے والد کریں تو جھوٹا، دستخط علاء الدین یہ تحریر لے کر ہندہ اپنے باپ کے یہاں گئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھ کو طلاق دے دی، اور یہ طلاق نامہ بھی لکھ دیا۔ ہندہ کا باپ ہندی پڑھا ہوا تھا، اس نے طلاق نامہ کو پڑھ کر کہا کہ اس میں تو ایک طلاق لکھی ہے، تجھ کو کتنی طلاق دی۔ ہندہ نے کہا کہ تین طلاق دی ہیں، ہندہ کے باپ نے کہا کہ پھر جا اور اس سے کہہ کہ جب تو نے تین طلاق دی ہے، تو تحریر میں بھی تین طلاقیں لکھ، زبان سے تو تین طلاقیں دی ہیں، اور تحریر میں ایک طلاق لکھی ہے، زید نے ہندہ سے کہا کہ اچھا تین طلاق کا طلاق نامہ اور دوسرا لکھ دوں، زید نے دوسرا طلاق نامہ لکھ دیا، جس کی نقل یہ ہے، میری طرف سے طلاق، طلاق، طلاق ہے، رقمال مہر میں گئی ہیں کسی قسم کا دعویٰ کروں تو جھوٹا میرے والد کریں تو جھوٹا میرا کچھ اختیار نہیں میں چھوڑ چکا ہوں، دستخط علاء الدین،

لیکن اس تحریر میں نہ نام لکھا، نہ خطاب ہے، اور ہندہ کو خطاب کے ساتھ طلاق دینے کا ہندہ کی طرف سے کوئی

گواہ نہیں ہے، مگر زید تحریر طلاق نامہ کا اقراری ہے، اس صورت بالا مذکورہ میں کیا حکم ہے،

صورت دوم یہ ہے کہ زید کا چچا زید کو لے کر ایک دیگر قصبہ جہاں ایک مولوی صاحب رہتے تھے گیا، اور ان مولوی صاحب سے کہا کہ اس زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی ہے، زید سے مولانا نے دریافت کیا تم نے ایک طلاق دی ہے، زید نے کہا ہاں، پھر مولانا نے فرمایا کتنا عرصہ ہوا، زید نے کہا چھ ماہ، مولانا نے فرمایا اس کی عدت گزر گئی نکاح دوہرا لو، اس حال کی خبر زید کے خسر کو ہوئی، زید کا خسر مولانا کے پاس پہونچا، اور عرض کیا کہ زید ایک طلاق کو غلط کہتا ہے ایک طلاق تو ایک تحریر میں لکھی ہے، اور ایک دوسری تحریر لکھ کر دی ہے، اس میں تین طلاق لکھی ہے، اور اول سے آخر تک جو حال گذرا تھا وہ سب من وعن مولانا کے سامنے بیان کیا، جب دوسری مرتبہ زید اور اس کے چچا مولانا کے پاس گئے، تو مولانا نے زید سے فرمایا کہ تو کہتا تھا کہ میں نے میری بیوی کو ایک طلاق دی ہے، اور تیرا خسر کہہ گیا ہے کہ تین طلاق دی ہے اور تین طلاق کی تحریر بھی لکھ دی ہے، سچ کہہ تو نے تیری بیوی کو کتنی طلاق دیں، زید نے کہا ہاں صاحب سچ تو یہ ہے کہ میں نے میری عورت کو تین طلاقیں دی ہیں، اسی طرح سے ایک اور شخص کو زید کے باپ اپنے مکان پر بلا کر لے گیا، اور زید سے کہا کہ اس کے ساتھ سچ سچ کہہ دے، زید سے اس شخص نے دریافت کیا کہ تحریر طلاق نامہ میں تین طلاق کی اور ایک طلاق کی تم نے تیری عورت کو لکھ کر دیا ہے، یہ بھی سچ ہے، کہا ہاں سچ ہے، اس گفتگو کو زید کے باپ نے سن کر بہت رویا اور یہ کہا مجھے نہیں معلوم کہ اس نے ایسا ظلم کیا، بلا وجہ ماں باپ کے یہاں آنے جانے پر زیور کے بارے میں ایسا کرے گا، اس قسم کے اور بھی گواہ ہیں، اس صورت دوم میں زید سے دریافت کرنے پر زید کا تین طلاق کا اقرار کرنا اور دریافت پر ہاں کہنے پر طلاق ہوئی یا نہیں، اور زید پر عورت ہندہ بلا حلالہ حلال ہے یا حرام اس کا جواب قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے مع عبارت اور ہر عبارت کا ترجمہ اردو میں مفصل جواب عطا ہو، بینوا توجروا۔

الجواب: جب اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہو گئیں، خواہ یوں کہے کہ تجھ کو میں نے تین طلاقیں دیں، یا یوں کہ لفظ طلاق کو تین مرتبہ ذکر کیا ہو، فتاوی عالمگیری بیان طلاق بدعی میں مذکور ہے، الذی یعود الی البدعۃ ان یطلقھا ثلاثا فی طہر واحد بکلمۃ واحدۃ او بکلمات متفرقۃ فاذا فعل ذالک وقع الطلاق وکان عاصیا، وقوع طلاق کے لئے گواہ ہونا بھی ضرور نہیں، گواہ نہ بھی ہوں جب بھی طلاق پڑ جاوے گی اور تین طلاقیں دی ہیں تو عورت حرام ہو جاوے گی، اور جب کہ زبان سے تین طلاقیں دے چکا ہے تو تحریر میں ایک لکھے یا تین لکھے تام وغیرہ

لکھے یا نہ لکھے بہرحال تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر زید طلاق دینے سے انکار کرتا ہوا اور وقت طلاق کے کوئی نہ تھا کہ گواہی دے تو جن کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے، اس کی شہادت سے بھی طلاق ثابت ہو جاوے گی، یوں ہی اگر پوچھنے پر اس نے ہاں کہہ دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوگئیں، جب کہ اقرار کرنے اور ہاں کرنے کے گواہ موجود ہوں، درمختار میں ہے، لو قیل له طلقت امرأتك فقال نعم او بلى بالهجاء طلقت بحر۔ نیز یہ بات قابل غور ہے کہ بظاہر سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زید طلاق سے انکار نہیں کرتا بلکہ انکار کرتا ہوگا تو تین سے انکار کرتا ہوگا اور جب کہ عدت گذر چکی ہے اور اب نکاح کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کا لوگوں کے سامنے اقرار کرنا کہ زید نے اسے تین طلاقیں دی ہیں، اسے زید پر حرام کر رہا ہے[1] اگرچہ زید تین طلاق سے انکار کرے مگر ہندہ کو بغیر حلالہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے بالجملہ صورت مسئولہ میں ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہو چکی اور جب تک حلالہ نہ ہو باہم نکاح نہیں ہو سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے، فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: میں کہ غلام صابر نور محمد ولد رحیم خاں قوم پٹھان ساکن آگرہ حال موجود اجمیر شریف جو کہ میری شادی مسماۃ اختری بیگم دختر احمد بخش ٹکٹ ماسٹر کے ساتھ ہوئی تھی جس کو عرصہ قریب تین سال کا ہوگیا، جو کہ بوجہ ناچاقی وجھگڑے کے میرے ساتھ نہیں رہتی ہے، اس لئے یہ اقرار نامہ میں لکھ دیتا ہوں تاکہ میں اپنی زوجہ کے شامل رہوں اس میں یہ شرائط قرار پائی ہیں، جس کو میں بخوشی و راضی منظور کرتا ہوں، تفصیل شرائط یہ ہیں، اول میں اپنی زوجہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دونگا دوسرے مارپیٹ نہیں کروں گا اور نہ کسی قسم کی ضرب جسمانی پہونچاؤں گا، تیسرے روٹی کپڑے کی تکلیف نہ دوں گا، بلکہ روٹی کپڑے کے واسطے مبلغ دس روپیہ ماہوار برابر دوں گا خواہ بسبب ملازمت دوسرے شہر میں رہوں لیکن مبلغ دس روپیہ ماہ بماہ پہنچاتا رہوں گا، چوتھی زوجہ کو اس کے رشتہ داروں کے یہاں آنے جانے سے ہرگز نہ روکوں گا، پانچویں زوجہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح یا تعلق ناجائز ہرگز نہ کروں گا، اور نہ خانہ انداز کروں گا، چھٹی زوجہ کو اس کے والدین کے یہاں سے عرصہ دو سال تک ہرگز نہ لیجاؤں گا، اور بعد انقضائے میعاد بھی اس کے والدین کی مرضی یا اس کی اجازت سے اجمیر شریف سے باہر لے جاؤں گا، اگر میں شرائط مندرجہ بالا کے خلاف عمل میں لاؤں تو اول یہ میری زوجہ کو اختیار ہوگا کہ بذریعہ عدالت مبلغ دس روپیہ ماہوار میری ذات و جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے جس طرح چاہے مجھ سے علٰحدہ رہ کر وصول کرلیوے، اور وارثوں کو کسی طرح کا حیلہ نہ ہوگا، دوم یہ کہ اگر میری زوجہ روپیہ وصول

[1] درمختار میں ہے، وفی البزازیۃ قالت طلقنی ثلثا فقال اما دت تزوجی نفسک مامنہ لیس لھا ذلک ان کانت سمعت ... ام الکتاب ... ص ۳۲۲ ج ۲، علی ہامش الشامیہ مصریہ۔

نہ کرے یا نہ کر سکے تو میری پابند نہ رہے گی، میری جانب سے اس تحریر کے ذریعہ سے اس کو طلاق سمجھی جاوے گی، اور وہ اپنا شرع دوسری جگہ کر سکے گی، میرا کوئی دعوی یا حق شرعی نہ ہوگا اس پر، لہذا یہ اقرار نامہ بدرستی ہوش و حواس اپنے کے لکھ دیا ہے کہ سند رہے، اور بوقت ضرورت کام آئے، تحریر بتاریخ ۲ر جولائی ۱۹۲۲ء بگفتہ غلام صابر لوز محمد ولد رحیم خاں کے تحریر کر دیا حرف بحرف پڑھ کر سنا دیا؟

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ شوہر نے شرائط مندرجہ کے خلاف عمل کیا تحریر لکھنے کے بعد سے نہ اس نے نفقہ دیا نہ اس کے مکان پر رہا بلکہ اس کے مکان پر گیا بھی نہیں، لہذا اس صورت میں بموجب تحریر ہذا عورت کو دس روپئے ماہوار کے حساب سے وصول کرنے کا اختیار تھا مگر چونکہ عورت نے وصول نہ کیا تو جب دونوں شرطیں متحقق ہوگئیں تو جزا کا بھی ترتب چاہیئے مگر شوہر کے یہ الفاظ کہ میری جانب سے اس تحریر کے ذریعہ سے طلاق سمجھی جاوے گی، الفاظ طلاق سے نہیں، یہ لفظ بیکار ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے، امرأة قالت لزوجها مرا طلاق دہ فقال الزوج دادہ گیر، او کردہ گیر، ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع ولو قال دادہ انگار او کردہ انگار لا یقع وان نوی، شوہر کا یہ لفظ کہ وہ اپنا شرع دوسری جگہ کر سکے گی یہ کنایہ طلاق ہے کہ شرع کرنا عرف میں بمعنی نکاح کرنا ہے اور یہ کنایہ ہے عالمگیری میں ہے، ولو قال تزوجی ونوی الطلاق او الثلث صح وان لم ینو شیئا لم یقع کذا فی العتابیہ، لہذا شوہر کی نیت معلوم ہونے پر طلاق یا عدم طلاق کا حکم ہو سکتا ہے، اگر وہ حلف سے بیان کرے کہ اس لفظ سے میری نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا اور اگر بہ نیت طلاق یہ لفظ لکھے گئے یا دستخط کرتے وقت اس کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ اس سے طلاق ہو جاوے گی، تو طلاق واقع ہو گی، واللہ تعالی اعلم،

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زبردستی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں اگر واقع ہو جائے تو کس مذہب میں حنفیہ میں یا شافعیہ میں، بینوا توجروا بسند الکتاب والدلیل،

الجواب: حنفیہ کے نزدیک حالت اکراہ یعنی زبردستی میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا، ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق، درمختار میں ہے، ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکرھا، واللہ تعالی اعلم،

مسئلہ: جناب عبد الجلیل صاحب از سکندر پور ضلع بلیا، ۲۰ر جمادی الآخرہ ۱۳۴۶ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں اس کی طلاق نافذ ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو کیا اس کا باپ یا ولی اس کی جانب سے طلاق دینے میں مختار ہے یا نہیں خواہ لڑکے کی رضا سے یا بغیر رضا خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس نکاح کے باقی رکھنے میں خوف مضرت ہو، مثلاً لڑکی بالغہ ہوگئی اور لڑکے کے بلوغ میں چار پانچ سال کی دیر ہے، اور خوف ہے کہ شاید لڑکی اپنے نفس پر صبر نہ کر سکے اور اسے لغزش ہو جائے، اس صورت میں جب کہ لڑکا اور اس کے ولی میں سے کوئی شخص طلاق دینے کا مجاز نہیں نہ ان کی طلاق نافذ ہوسکتی ہے اور لڑکی کی جانب سے بھی احتمال لغزش ہو کوئی صورت نکاح کے فسخ کی ہوسکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب:۔ نہ تو نابالغ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی یا باپ نہ رضامندی سے نہ بغیر رضامندی کے کہ یہ اس کو ضرر پہونچاتا ہے، اور اس کا کسی کو حق نہیں، درمختار میں ہے، لا یقع طلاق الصبی و لومراھقا او اجازہ بعد البلوغ، حدیث میں ہے، الطلاق لمن اخذ بالساق، اگر دونوں میں عمر کا اتنا تفاوت تھا تو پہلے سے نکاح ہی کیوں کیا تھا جواب اندیشہ پیدا ہوا لڑکی صبر کرے اور یہ کوئی نادر بات نہیں اکثر لڑکیوں کی شادی اٹھارہ بیس برس کی عمر یا اس کے زائد میں ہوتی ہے، اگر باپ دادا کے غیر کا نکاح کیا ہوتا تو خیار بلوغ حاصل ہوتا، مگر بظاہر سوال سے ایسا نہیں معلوم ہوتا اور ہو بھی تو اب جب کہ بالغ ہوچکی ہے اور اب تک اپنے نفس کو اختیار نہ کیا تو اب خیار بلوغ کی بھی صورت باقی نہ رہی کوئی صورت نکاح فسخ ہونے کی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از ہوڑہ، ایم، سی، گھوش لائن نمبر ۲۴/۱۴ بالونالاب مرسلہ جناب محمد وزیر علی خاں صاحب ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی سسرال گیا اور اپنے خسر سے اپنی بیوی کی رخصتی چاہی انھوں نے کہا آج رہو کل صبح رخصت کر دوں گا، مگر زید کہنے لگا ابھی رخصت کر دو خسر نے کہا رات زیادہ ہوگئی ہے ابھی رخصت نہیں کروں گا تو فوراً زید نے غصہ میں آکر کہا تمھاری لڑکی کو طلاق ہے، اتنے میں زید کی بیوی سامنے آنکلی، اس وقت زید اس کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا، تم کو طلاق ہے، طلاق ہے، حتیٰ کہ اس لفظ کو تقریباً دس مرتبہ تک تکرار کیا، بعد ازاں پنچایت ہوئی، اس میں اس نے قول کا اقرار کیا، کیا اس کی بیوی نکاح سے نکل گئی اور اس پر طلاق واقع ہوئی تو کون سی طلاق؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور مدخولہ ہے تو تین طلاقیں پڑیں اور

تین سے زائد جتنی مرتبہ کہا یہ گناہ ہوا، بلکہ ایک مجلس میں تین بار طلاق دینا بھی گناہ ہے، اگرچہ واقع ہو جائیں گی، حدیث میں ہے، اخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عزوجل وانا بین اظہرکم الحدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں، حضور غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کرتا ہے، مؤطا میں ہے، ان رجلا قال لعبد اللہ بن عباس انی طلقت امرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تری علی فقال ابن عباس طلقت منک بثلث وسبع وتسعون اتخذت بھا ایات اللہ ھزوا، ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دے دیں آپ کے نزدیک مجھ پر کیا حکم ہے، ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاقوں سے مطلقہ ہو گئی اور ستانوے سے تو نے کتاب اللہ کے ساتھ ٹھٹھا کیا، اس صورت میں مغلظہ طلاق ہوئی بغیر حلالہ اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں طلاق دے تو وہ طلاق نافذ ہو گی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: بیشتر طلاق غصہ ہی میں دی جاتی ہے ایسے غصے میں جس سے عقل زائل نہ ہو جو طلاق دی جاتی ہے واقع ہوتی ہے، واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ: از ناگور شریف علاقہ جودھپور مرسلہ جناب احمد بخش صاحب ۵ صفر المظفر ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو دو تین بار کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑا اور وہ عورت ابھی نابالغہ ہے اور لڑکا بھی ہوشیار تو نہیں ہے نابالغ ضرور ہے، اور یہ دونوں طلاق وغیرہ نہیں سمجھتے ہیں، اس لڑکی کے وارث کہتے ہیں طلاق ہو گئی ہے یہ کہہ کر لڑکی کو لے گئے اور لڑکا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور اپنے رشتہ داروں کو لینے کے لئے بھیجا تو وہ بھیجنے سے انکار کرتے ہیں اور کہنے لگے اگر تم کو لے جانا ہے تو ایک اپنی لڑکی اس کے عوض میں ہم کو دو تو البتہ ہم بھیج دیں، از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔؟

الجواب: یہ لفظ کہ میں نے تجھ کو چھوڑا الفاظ طلاق سے ہے اور عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے، لہذا بغیر نیت بھی اس سے طلاق ہوتی ہے، پھر اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق واقع ہو گی اور ایک ہی سے بائن ہو جائے گی، اور یہ شوہر اس عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اور اگر مدخولہ ہے اور دو بار کہا ہے تو دو ہوں گی اور تین بار کہا ہے،

تو تین ہوں گی اور اگر تین بار کہا ہے تو بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، ورنہ حلالہ کی ضرورت نہیں، بلکہ عدت میں رجعت کر سکتا ہے اور بعد عدت رجعت نہیں کر سکتا مگر نکاح کر سکتا ہے، یہ حکم اس وقت ہے کہ شوہر بالغ ہو اور اگر نابالغ ہو تو طلاق کا اہل نہیں ہے، اس کے طلاق دینے سے طلاق نہ ہوگی، درمختار میں ہے، لا یقع طلاق الصبی ولو مراهقا لڑکی والوں کا یہ کہنا کہ اس کی عوض اپنی لڑکی ہم کو دو تو ہم بھیج دیں گے یہ باطل محض ہے، اگر طلاق نہیں ہوئی ہے تو کسی طرح اس لڑکی کو بغیر حکم شرع روک نہیں سکتے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان دین متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا وہ ہندہ چند روز تک زید کے مکان پر آتی جاتی رہی، بوجہ نزاع ہندہ کا زید کے مکان پر آنا جانا بند ہوگیا، ہندہ نے اپنے میکے میں زنا کرانا شروع کیا اور زید بھی پرائی عورتوں پر دست درازی کرنے لگا، زید کی یہ حالت دیکھ کر اہل محلہ نے کہا تم اپنی بیوی کو بلا کر رکھو یا اسے طلاق دے دو، مگر زید نے اہل محلہ کے کسی بات پر عمل درآمد نہ کیا، جس کے سبب اہل محلہ نے زید کے ساتھ ترک معاملہ کر دیا تب زید نے دوسرے محلہ والوں سے مراسم پیدا کئے اور ہندہ عمرو کے ساتھ زنا کراتی رہی، جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے، تیسرے کی امید ہے، اہل محلہ نے زید سے کہا تم اس کو طلاق دے دو مگر وہ طلاق نہیں دیتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کے ساتھ دنیاوی امور بجا لانا اور اس کو فاجر وفاسق اور دیوث کہنا از روئے شرع شریف کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زید پر واجب ہے کہ ہندہ کو اپنے یہاں رکھے اور اس کے نفقہ وغیرہ کی خبر گیری کرے اسے معلق چھوڑ دینا کہ نہ خود رکھے نہ اسے طلاق دے کہ کسی اور سے نکاح کر لے یہ جائز نہیں مگر جب کہ زید ہندہ کو رکھنا چاہتا ہو اور ہندہ آنے سے انکار کرے تو زید پر مواخذہ نہیں، کہ زید نے اسے معلق نہ چھوڑا اور اس صورت میں زید پر طلاق دینا بھی واجب نہیں، کہ عورت اگر شوہر کے یہاں نہ جائے تو شوہر پر طلاق دینا واجب نہیں ہوتا، رہا ہندہ کا زنا کرانا اگر زید اس کے اس فعل سے ناراض ہے اور اسے یہ بات بری معلوم ہوتی ہے کہ لوگ ہندہ کے اس فعل پر مطلع ہوں اور اسے اپنی بے عزتی اور بے آبروئی تصور کرتا ہے اور وہ اپنی طاقت کے موافق اسے منع کرتا ہے اور اسے روکتا ہے، مگر ہندہ اپنی خباثت کی وجہ سے باز نہیں آتی تو زید دیوث نہیں، کہ دیوث وہ ہے کہ اپنی اہل کے فواحش پر مطلع ہو کر منع نہ کرے اور اگر زید اس کو ان حرکات سے باوجود قدرت منع نہیں کرتا تو بیشک دیوث ہے، اور اس پر بھی مواخذہ ہے،

قال اللہ تعالیٰ، یاایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا، اور اس صورت میں اس سے میل جول اسلام کلام منع ہے، قال اللہ تعالیٰ، فلاتقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو زبردستی مار مار کر یہ کہلا دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا ایسی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی، تنویر الابصار میں ہے، ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو عبدا او مکرھا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ حافظ عبدالعزیز صاحب بھوجپوری،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی ہندہ زید کی بلا اجازت اپنی بہن کے ہمراہ اپنے والد کے مکان کو چلی گئی تھی جس سے زید بہت ناخوش ہوا اور غصہ میں یہ کہا کہ میں نہیں رکھوں گا اور اسی ناراضی میں کئی مہینہ تک بلا کر نہ لائے وہ خود اس خوف سے نہ آئی کہ شاید مجھے ماریے، پیٹیں زید کو لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اس کی خطا معاف کردو اور اس کو بلالو، مگر زید نے نہ مانا، اور یہ کہا کہ میں نہیں لاؤں گا اور نہیں رکھوں گا اور یہ بھی کہا کہ تم اس سے مہر معاف کرادو میں طلاق دے دوں گا، بلکہ دو شخصوں نے ہندہ کے پاس جاکر اس سے کہا کہ تم مہر معاف کردو وہ تجھے طلاق دے دیں گے، ہندہ اس بات پر راضی نہ ہوئی اور انکار کردیا اس دوران میں ہندہ اپنے باپ ہی کے مکان پر رہی، کئی مہینہ کے بعد لوگوں نے زید کو پھر سمجھایا کہ خطا معاف کرنا خدا کی خوشنودی کا باعث ہے، تب زید نے ہندہ کے لانے کا اقرار کیا اور بلالائے چنانچہ اس وقت ہندہ زید ہی کے مکان پر ہے، کیا زید کے اس قول سے کہ نہیں رکھوں گا، طلاق دے دوں گا، ہندہ پر زید کی طلاق واقع ہوگئی زید ایک مسجد کا پیش امام بھی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی، اور پھر اس کو رکھ لیا، لہٰذا زید لائق امامت نہ رہا، اس کو امامت سے معزول کردیا جائے، اس کی امامت جائز نہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زید کے والد اور بھائی کی امامت بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ ایک چولھے کا پکا کھانا کھاتے ہیں، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید باوجود اپنے اس قول وفعل کے قابل امامت رہا یا نہیں، اور ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں اور بالفرض اگر زید قابل امامت نہ رہا تو زید کے والد اور بھائی بھی قابل امامت

ہیں یا نہیں، ان کی امامت شرعًا جائز ہے یا نہیں، بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب: صورت مستفسرہ میں ہندہ زید کی بدستور زوجہ ہے، ان الفاظ سے جو زید نے کہے طلاق واقع نہیں ہوئی، زید نے دو لفظ استعمال کئے ہیں، ان میں پہلا لفظ نہیں رکھنا ہے یہ الفاظ طلاق سے ہی نہیں اور دوسرا لفظ چونکہ صیغہ مستقبل ہے، اس سے بھی طلاق نہیں ہوئی، مستقبل تو محض ارادہ پر دلالت کرتا ہے کہ آئندہ میں ایسا کروں گا وہ تحقیق پر دلالت ہی نہیں کرتا اس سے طلاق کیونکر واقع ہو سکتی ہے، اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ آئندہ میں طلاق دوں گا اور جب آئندہ زمانہ میں طلاق نہ دی تو طلاق نہ ہوئی، مستقبل تو مستقبل ہے صیغہ مضارع جو حال اور استقبال دونوں کے لئے ہوتا ہے، اس سے بھی طلاق نہیں ہوتی، جب تک معنی حال میں غالب نہ ہو جائے، فتاویٰ خیریہ میں ہے، صیغۃ المضارع لایقع بھا الطلاق کما صرح بہ الکمال ابن الھمام الا اذا غلب فی الحال، ردالمحتار کی عبارت بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے، وکذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک، کمافی البحر، اسی وجہ سے کتب میں جتنے الفاظ طلاق ذکر کئے گئے، ان میں کوئی بھی مستقبل کا صیغہ نہیں ہے، اور زید کے کلام میں یہ مستقبل بھی معلق بالشرط ہے کہ جب مہر معاف کر دے گی تو یہ طلاق دے گا مگر نہ ہندہ نے مہر معاف کیا نہ زید نے طلاق دی پھر طلاق کیونکر ہو سکتی ہے کہ یہاں تو شرط ہی پائی نہیں گئی، بلکہ اگر وہ مہر معاف کرتی جب بھی طلاق دینے سے طلاق پڑتی، اس کلام سے طلاق نہیں پڑتی اور اس سے کہا جاتا کہ تو نے مشروط وعدہ کیا تھا، اور شرط پائی گئی لہذا وعدہ پورا کر یعنی طلاق دے دے، اور یہاں شرط پائی نہیں گئی، لہذا اس سے طلاق دینے کو کہا بھی نہیں جا سکتا، جو شخص یہ کہتا ہے کہ طلاق ہو گئی وہ غلط کہتا ہے، اور مسئلہ سے ناواقف ہے اور باوجود ناواقفی کے مسئلہ بیان کرتا ہے، یہ اس کی جرأت ہے جس سے بچنا ضروری ہے، اور جب طلاق ہی نہ ہوئی تو اس پر یہ متفرع کرنا کہ زید لائق امامت نہ رہا یہ بھی غلط ہے کہ اولًا طلاق ہی نہیں ہوئی تو زید کو ہندہ کا رکھ لینا کون سا جرم ہے، کہ زید لائق امامت نہ رہے، ثانیًا طلاق ہوتی بھی تو رجعی، بائن مغلظہ اس کی قسمیں ہیں، اس کہنے والے کو دیکھنا پڑتا کہ یہاں کون سی طلاق ہے، اور عورت کو رکھ لینا کہاں جرم ہے اور کہاں نہیں ان امور سے ناواقف ہوتے ہوئے ان بعض لوگوں کا حکم دینا سخت غلطی ہے، پھر یہ کہنا کہ زید کے بھائی باپ بھی لائق امامت نہ رہے کہ ایک چولھے کا پکا ہوا کھاتے ہیں، یہ بنائے فاسد علی الفاسد ہے اور بلا وجہ قطع رحم کا حکم دینا ہے، الحاصل اس وجہ سے زید کی امامت میں کوئی نقصان نہیں، پھر اس کے باپ بھائی کی امامت میں کیونکر اس وجہ سے نقصان آئے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- از کلکتہ ۱۶ مسجد پانچوں خاں مان لائن مرسلہ محمد رفیق صاحب ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسماعیل اپنے داماد کی نسبت چاہتا ہے کہ ہمارے گھر رہے اور لڑکی بھی ہمارے گھر رہے مگر داماد سسرال میں رہنا پسند نہیں کرتا ہے اس بنا پر زبردستی لڑکے سے ایک تحریر کرا لیا ہے کہ ہماری لڑکی کو تم اپنے گھر لے جاؤ گے اور مارپیٹ کرو گے یا گھر سے نکال دو گے تو لڑکی پر تین طلاق ہو جائے گی کیا اس قسم کی زبردستی تحریر سے اگر شوہر اپنی بیوی کو گھر لے جائے اور مارپیٹ کرے یا گھر سے نکال دے تو تین طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- زبردستی سے اگر مراد اکراہ شرعی ہے کہ اس کو جان جانے یا عضو کاٹے جانے کا صحیح اندیشہ تھا اور تحریر لکھ دی تو اس تحریر سے طلاق واقع نہیں ہوئی، ردالمحتار میں ہے، وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکراہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولاحاجۃ ھٰھنا کذا فی الخانیۃ، اور اگر زبردستی سے مراد محض اصرار سے کہنا یا ذرا ڈانٹا جو حد اکراہ شرعی کو نہ پہونچا ہو تو اس زبردستی کا کوئی اعتبار نہیں اور طلاق شرط کے پائے جانے سے واقع ہو جائے گی، وہو تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ سکینہ کا شوہر عرصہ چار پانچ برس سے چھوڑ کر علحدہ ہے اور کسی قسم کی خبرگیری نہیں کرتا ہے اب تک مسماۃ چوڑی بیچ کر اوقات بسر کرتی رہی، اب مجبور ہو کر ہائی کورٹ میں استغاثہ دائر کیا کہ میرا شوہر چار پانچ برس سے نان و نفقہ نہیں دیتا، ہائی کورٹ کے حاکم نے نائب قاضی کو حکم نافذ کیا کہ ان کو ائری کر کے رپورٹ دو، نائب قاضی نے تحقیق اور انکوائری کی اور شوہر سکینہ سے دریافت کیا، اس نے جواب دیا کہ ہم کو بیوی سے کام نہیں اور کچھ بہکی بہکی باتیں کر کے خاموش ہو گیا قاضی نے رپورٹ دی کہ ٹھیک مسماۃ سکینہ کا شوہر آوارہ ہے اور اپنی بیوی کی خبرگیری نہیں کرتا اور اس پر دو مسلمان گواہ لے کر حاکم کو دے دیا اس کے بعد حاکم ہوڑہ نے تفریق کا حکم دیا اور اجازت دی کہ مستغیثہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے تو از روئے شرع بتایا جائے کہ اس عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں، علاوہ اس کے شوہر مذکور کے دماغ میں کچھ خلل بھی ہے امید کہ مسماۃ کی خلاصی کے لئے کوئی صورت بتائی جائے، بینوا توجروا،

الجواب:- یہ حکم تفریق شرعاً باطل و ناجائز ہے[1]، البتہ اگر اس کی حالت دماغی کبھی کبھی درست رہتی ہو تو ایسی

---

[1] اس تفریق کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں شوہر پر تین الزام ہے، پہلا یہ کہ وہ مستغیثہ کو نان نفقہ نہیں دیتا، معلق چھوڑے ہوئے ہے، دوسرا
(بقیہ ص ۱۸۶ پر)

حالت میں اسے کہا جائے، اگر طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ اگر بیوی کا اپنا اپنا مطالبہ جو میرے ذمہ باقی ہے نہ بتلاوے یا نہ لے تو ہم طلاق مغلظہ دیتے یا دے دیتے یا دے دیں گے، ان تینوں میں نہ معلوم کیا کہا لیکن دے دیتے ہیں یا دے دیا نہیں کہا اس کہنے کے بعد زید کو پورا جملہ یاد نہیں رہا، جو عورتیں وہاں موجود تھیں وہ کہتی ہیں کہ زید نے یہ کہا اگر اپنا مطالبہ نہیں لے گی تو طلاق دے دیں گے جس پر بیوی بھی گواہ ہے اور نہ زید نے یہ کہا کہ ابھی اپنا مطالبہ نہ لے لیجدہٗ ایک بیوی نے اپنا مطالبہ بتلایا اور زید نے ایک ہفتہ کے اندر دے دیا اور دوسری زوجہ نے کہا میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے، اب ان صورتوں میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، دونوں بیبیوں کے بارہ میں یعنی

(بقیہ ص ۱۸۵ کا) یہ کہ وہ آوارہ بدچلن ہے، جیسا کہ نائب قاضی کے رپورٹ میں تصریح ہے، تیسرا یہ کہ وہ دماغی بیمار ہے، کبھی کبھی اس کا دماغی توازن خراب ہو جاتا ہے، اگر ان تینوں الزام کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی انگریزوں کے مقرر کردہ حاکم تو کچھ نہیں، اگر قاضی شرع جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر ہو، وہ بھی اگر تفریق کرے گا وہ تفریق باطل ہوگی، شریعت نے طلاق کا حق صرف شوہر ہی کو دیا ہے، حدیث میں ہے، انما الطلاق لمن اخذ بالساق، قرآن کریم نے فرمایا، بیدہ عقدۃ النکاح، شریعت نے صرف چند مخصوص صورتوں میں قاضی اسلام کو تفریق کا حق دیا ہے، اور ان مخصوص صورتوں میں یہ صورت مذکورہ نہیں، علاوہ ازیں اگر ہائی کورٹ کا جج غیر مسلم ہو، تو اس کی تفریق مطلقاً باطل ہے، اگرچہ بالفرض وہ صورت ہو جس میں شریعت نے تفریق کا حکم حاکم اسلام کو دیا ہو، قرآن کریم میں فرمایا گیا، لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المومنین سبیلا، اس سب سے قطع نظر اگر سوال میں غور کیا جائے تو صریح تعارض موجود ہے سائل نے شروع میں یہ لکھا، سکینہ کا شوہر عرصہ چار پانچ سال سے چھوڑ کر علٰحدہ ہے اور کسی قسم کی خبر گیری نہیں کرتا، اب تک مسماۃ چرخی بیچ کر اوقات بسر کرتی رہی، اور آخر میں سائل نے لکھا، اس کے شوہر مذکورہ کے دماغ میں کچھ خلل بھی ہے، سائل کی ان دونوں باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سکینہ کا شوہر چونکہ دماغی خلل کا بیمار ہے، اس لئے سکینہ کی خبر گیری نہیں کرتا، اور نائب قاضی کی رپورٹ میں یہ ہے کہ سکینہ کا شوہر آوارہ بدچلن ہے، اگر واقعی سکینہ کا شوہر آوارہ بدچلن تھا تو سائل اس کو ضرور لکھتا، بات صرف اتنی رہی ہوگی کہ دماغی خلل کی وجہ سے وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہوگا تو جب سوال ہی میں تطابق نہیں، تو تفریق کا حکم کیسے صحیح ہوگا، جو شوہر اپنے زوجہ کو نان نفقہ نہیں دیتا اور اس کی خبر گیری نہیں کرتا اس کے بارے میں اب علماء اہل سنت نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا ہے کہ بحالت مجبوری قاضی شرع تفریق کر سکتا ہے اور یہ بارہا بتایا جا چکا ہے کہ عالم علمائے بلد جو سنی صحیح العقیدہ مرجع فتویٰ ہو، قاضی شرع کے قائم مقام ہے، خاص اس قسم کے معاملات کے فیصلہ کے لئے حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی نے محلہ سلطان گنج پٹنہ میں ادارہ شرعیہ قائم فرمایا ہے، اس قسم کی مزوراتوں میں مسلمان اس ادارے کی طرف رجوع کریں، نائب قاضی نے شوہر نے یہ کہا ہے، ہم کو بیوی سے

(بقیہ ص ۱۸۷ پر)

جس بیوی نے اپنا مطالبہ بتایا اور لیا اور جس بیوی نے کہا ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے، کیا حکم ہے، اور زید کی نیت طلاق کی نہیں تھی محض تہدید کے طور پر تھا، نیز بیوی کے علاوہ دو عورتوں کی شہادت گذر چکی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کہ اولاً اس کو خود شک ہے کہ کیا الفاظ بولے تھے۔ اور گواہوں سے بھی ایسے لفظ کا ثبوت نہیں جس سے طلاق واقع ہو، درمختار میں ہے، علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شك اطلق ام لا ثانیاً جو لفظ اس نے استعمال کیا وہ تین لفظوں میں دائر ہے، اگر وہ لفظ دے دیں گے ہے، جیسا کہ زوجہ اور دوسری عورتیں بیان کرتی ہیں تو یہ ایک وعید ہے، اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آئندہ طلاق دینے کی دھمکی ہے، نہ کہ فی الحال طلاق دینا اور اس سے طلاق نہیں ہوئی، فتاویٰ خیریہ میں ہے، صیغۃ المضارع لا یقع بہا الطلاق کما صرح بہ کمال ابن الہمام الا اذا غلب فی الحال، اور اگر وہ دیتے یا دے دیتے ہے، اگرچہ اردو محاورہ کے بالکل خلاف ہے، کہ ایسی جگہ یہ لفظ بولا جائے، جب بھی طلاق نہ ہوگی کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاق نہیں دی اور کبھی یہ لفظ تمنی کے لئے بولا جاتا ہے، بہرحال دونوں عورتوں میں سے کسی کی طلاق نہ ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ فقیر اللہ و سلامت اللہ کلا تھ مرچنٹ، مبارک پور، اعظم گڈھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مسئولہ ذیل میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے نان و نفقہ دینے کے بارہ میں اقرار نامہ لکھا جو درج ذیل ہے، اس کے بعد زید بمبئی چلا گیا زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو شروع شروع مبلغ پانچ پانچ روپیہ تین مرتبہ اور مبلغ دس روپیہ ایک مرتبہ سات ماہ کے اندر بمبئی سے روانہ کیا اور اب چھ ماہ سے زید نے ہندہ کے لئے نان و نفقہ کے واسطے خرچ نہ بھیجا اور نہ خود بمبئی سے آیا اور نہ ایسی سبیل مقرر کی جس سے ہندہ کا نان و نفقہ چل سکے زید کو بمبئی گئے ہوئے قریب قریب چودہ ماہ ہوتے ہیں، حالانکہ زید نے صرف ایک سال اور ماہ بماہ خرچ اور بوجہ علالت و مجبوری تین ماہ کا اقرار کیا تھا زید اپنے اقرار کے مطابق نہ تو سال کے اندر آیا اور نہ ہر ماہ میں خرچ روانہ کیا تو ایسی صورت میں ہندہ اس کے نکاح میں باقی رہی یا نہیں؟ بینوا بالدلیل۔

دبقیہ ص ۱۸۶) کا، کام نہیں، یہ جملہ طلاق کنائی کا بھی نہیں، اگر شوہر بدرستی حواس بھی کہتا تو طلاق واقع نہ ہوتی، عالمگیری میں ہے، رجل قال لام ولدہ ما انکاد نیستی و نوی بہ الطلاق لا یقع، یہ جملہ، وہ میرے کام کی نہ رہی، یا وہ میرے کام کی نہیں، کنایہ طلاق سے ہے، جیسا کہ فتاویٰ رضویہ حصہ پنجم ص ۵۲۸، اور بہار شریعت حصہ ہشتم میں تصریح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اقرارنامہ: ہم کہ ذاکر حسین ولد ہدایت اللہ قوم شیخ ساکن محلہ لزادہ متعلقہ قصبہ مبارکپور کے ہیں، چونکہ میں پنچ لوگوں کے سامنے اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ میں بمبئی ایک سال کے لئے جاتا ہوں اور اپنی بیوی مسماۃ نجیدن کو ہر ماہ میں خرچ خانگی نان ونفقہ کے واسطے بھیجا کروں گا، اگر میں اپنے اقرار اور معاہدہ کے مطابق نہ کروں گا، خدانہ خواستہ اگر میں بیمار پڑ گیا تو ایک ماہ کے بعد تیسرے ماہ تک خرچہ ضرور روانہ کروں گا اگر اس اقرار کے خلاف ہوگا، طلاق سمجھا جاوے گا، اس لئے چند کلمہ بطریق اقرار نامہ کے لکھ دیتا ہوں کہ وقت پر کام آوے۔

الجواب: صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوئی کہ اولاً طلاق سمجھا جاوے گا یہ الفاظ طلاق سے نہیں، اگر یہ لفظ الفاظ طلاق سے ہوتا تو تحقق شرط سے وقوع طلاق کا حکم دیا جاسکتا، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، امرأۃ قالت لزوجها طلاق دہ فقال دادہ انگار او کرده انگار لا يقع وان نوى، ثانیاً تحریر زوج اضافت سے خالی ہے، یعنی اپنی عورت کا مطلقہ ہونا اس میں نہیں تحریر ہے، بلکہ یہ لفظ مطلق ذکر کرتا ہے کہ طلاق سمجھا جاوے گا یہ نہیں ظاہر کرتا کہ کس کو طلاق ہے اور حکم وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے، کما ہو مصرح فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ مسئلہ طلاق کے اہم مسائل میں سے ہے، طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت عورت کی طرف ہو، اور اگر یہ شرط ملحوظ نہ ہو تو لازم آئے گا کہ جو بھی لفظ طلاق کسی طرح بولے، اس کی عورت کو طلاق واقع ہو جائے اور یہ بداہت کے خلاف ہے، اس لئے طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کی طرف اضافت ضروری ہے، خواہ صراحۃً اضافت مذکور ہو جیسے کسی نے کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا، یا بیوی کا نام لے کر کہا میں نے فلاں کو طلاق دیا، یا عورت سے مخاطب ہو کر کہے، میں نے تجھے طلاق دیا، یا عورت کی طرف اشارہ کر کے کہے اس کو طلاق دیا، خواہ تقدیراً، مثلاً عورت نے سوال کیا مجھے طلاق دے شوہر نے کہا میں نے طلاق دی یا کسی نے اس سے کہا اپنی بیوی کو طلاق دے یا فلانی کو طلاق دے، اس نے کہا میں نے طلاق دی، فان السوال معاد فی الجواب، یا اضافت نیت میں ہو، مثلاً شوہر نے کہا، یہی ہے، کہ میں نے طلاق دیا، اور اس کی نیت بیوی ہی کو طلاق دینے کی ہوتی ہے اور یہی صورت کثیر الوقوع ہے، سیکڑوں بار کا میرا یہ تجربہ ہے کہ شوہر نے صرف یہی کہا، میں نے طلاق دیا اور پوچھنے پر اس نے اقرار کیا کہ بیوی ہی کو طلاق دی، اس لئے کہ طلاق بیوی کے علاوہ کسی اور کو نہیں دی جاتی، عوام اس کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، اس لئے اگر لفظ میں نیت نہ ہو لفظاً نہ تقدیراً، تو نیت میں اضافت ضرور ہوتی ہے، اس لئے اس قسم کے مسائل میں شاید باید ہی کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ نیۃً بھی اضافت کا تحقق نہ ہو، بلکہ یہ صرف اس صورت میں ہوگا، کہ سائل اضافت طلاق کے مسئلے سے بخوبی واقف ہو، ورنہ لفظ میں اضافت خواہ نہ ہو، نیت میں اضافت ضرور ہوتی ہے، بہرحال اگر لفظ میں نیت نہیں نہ صراحۃً نہ تقدیراً، اور نہ نیت پر کوئی قرینہ ہے اور شوہر یہی کہتا ہے کہ میری نیت عورت کی طرف طلاق کی اضافت کی نہ تھی

مسئلہ :- از بانس منڈی بریلی مسئولہ محمد اسحاق صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کچھ عرصہ سے رقت وضعف باہ ومرض جریان میں مبتلا ہے، علاج برابر جاری ہے، اطبا کی بھی رائے ہے کہ صحت ہوجائے گی، ایسی صورت میں زید کی زوجہ اور اس کے اقربا یہ چاہتے ہیں کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق دے دے، نان نفقہ زید برابر دیتا ہے، باوجود اس کے زوجہ کے والدین اپنی لڑکی اپنے گھر بٹھا رکھا ہے اور طلاق دلوانے پر مصر ہیں، ایسی حالت میں زید کو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے، اگر طلاق نہ دی جائے تو زید پر کوئی الزام شرعی تو نہیں، نیز اس کے والدین سامان جہیز اور مہر لینا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے، زید کی والدہ نے کچھ زیور اپنا بہو کو بطور استعمال دیا تھا وہ اب واپس لینا چاہتی ہے، اگر وہ مہر میں مجرا کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟،

الجواب :- اگر محض ضعف باہ اور رقت کی بیماری ہے اور مباشرت پر قدرت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں طلاق دینا لازم نہیں ہے اور اگر بیماری اس حد کی ہے کہ حقوق زوجیت ادا نہیں ہوتے تو زید پر طلاق دینا واجب ہے، درمختار میں ہے، ویجب لوفات الامساک بالمعروف، ردالمحتار میں ہے، کما لو کان خصیا او مجبوبا او عنینا او شکازا او مسحرا ، لہٰذا زید کو خود اس کا خیال کرنا چاہئے کہ اگر عورت کے حقوق پورے ادا نہ ہوتے ہوں، علیحدہ ہی کردینا چاہئے ورنہ اس میں بہت مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے، جہیز عورت کی ملک ہے، شوہر اس کے روکنے کا حق نہیں رکھتا وہ جب چاہے جہاں چاہے لے جائے، ممانعت کا اختیار نہیں، زیور جو پہننے کو دیا گیا ہے، عورت کو مالک نہیں کیا ہے، وہ واپس لیا جاسکتا ہے ورنہ اگر چڑھاوے کا زیور ہے یا رونمائی میں دیا گیا ہے، عورت مالک ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

نہ ص ۱۸۹ کا) نہ تھی، تو حکم یہی دیا جائے گا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی. اس صورت میں حلف کی ضرورت نہیں، عالمگیری میں خلاصہ سے ہے، رجل کراہن حربت منہ امرأتہ فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسیة بسہ طلاق، ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیأ لا یقع، اور اگر عورت کی طرف اضافت پر کوئی قرینہ ہو تو قضاءً طلاق کا حکم ہوگا، ہاں اگر شوہر بقسم کہدے، کہ میری نیت طلاق سے اپنی بیوی کی طرف اضافت کی نہ تھی، تو طلاق کا حکم نہ دیں گے، عالمگیری میں ہے، فی الفتاوی رجل قال لامرأتہ اگر تو زن من سہ طلاق، مع حذف الیاء لا یقع اذا قال لم انو الطلاق، لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیها، نیز اسی میں محیط سے ہے، سئل شیخ الاسلام فقیہ ابو نصر عن سکران قال لامرأتہ اترید ین ان طلقک قالت نعم، فقال بالفارسیة، اگر تو زن من یک طلاق دو طلاق سہ طلاق، قومی

مسئلہ: مرسلہ سید اشفاق صاحب بریلی، ۲۳ر اگست ۱۹۳۵ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ مجھ کو معتبر ذرائع سے ظاہر و تحقیق ہو چکا ہے، کہ میری زن منکوحہ کا چال چلن ایک عرصہ سے خراب ہوگیا ہے اور نا حال خراب ہے تحقیقات وغیرہ سے ظاہر ہوا کہ وہ ایک غیر شخص سے ناجائز تعلق رکھتی ہے، چنانچہ حال ہی میں شخص مذکور اور زن مذکورہ دونوں کو ایسی حالت میں دیکھا گیا جو تعلقات ناجائز ہونے کا بین ثبوت ہے، جس کا علم اہل محلہ کو بھی ہو چکا ہے، تو ایسی صورت میں شرع شریف سے میرے واسطے کیا حکم ہے، نیز زن مذکورہ اور مجھ سے عرصہ چار یا پانچ سال سے تعلقات زنی وشوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا طرز عمل عرصہ سے میرے خلاف ومشتبہ تھی، اور اس وقت تک ہے وہ میری ہدایت وحکم کے خلاف طرز عمل رکھتی ہے، اس کا کافی ثبوت اور شہادتیں مل چکی ہیں، ایسی حالت میں شرعی احکام دربارہ زن مذکورہ کیا ہوں گے؟

الجواب: عورت پر شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری واجب ہے، نافرمانی سخت ترین جرم ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا، ثلثة لا يقبل لهم الصلوٰة ولا تصعد لهم حسنة (الى ان قال) المرأة الساخطة عليها زوجها

(بقیہ ص ۱۸۹ کا) واخرجي من عندي وهو يزعم انه لم يرد به الطلاق فالقول قوله، نیز خانیہ بزازیہ میں ہے، قال لها لا تخرجي الا باذني فاني حلفت بالطلاق فخرجت لا يقع لعدم ذكر حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول له، هذا الملخص ما في الرضوية، ص ۱۸۹ کا حاشیہ۔

۔ سوال سے ظاہر ہے کہ دونوں کے مابین خلوت صحیحہ بالکلیہ وطی بھی ہو چکی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو زید کے ذمہ کل مہر واجب ہے، طلاق دے یا نہ دے پورا مہر واجب ہو چکا، البتہ ادائیگی طلاق کے بعد واجب ہوگی، اس لئے کہ ہندوستان میں عموماً مہر مطلق ہوتا ہے معجل یا مؤجل نہیں ہوتا، بالکلیہ بہت سے دیار میں مؤجل بول کر مطلق ہی مراد لیتے ہیں، درمختار میں ہے، ويتاكد عند وطي او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما، ردالمحتار میں ہے قوله صحت احتراز عن الخلوة الفاسدة كما سياتي بيانها، اور جو زیور پہننے کے لئے دیا تھا، اس کو مہر کے عوض از خود نہیں رکھ سکتے جب تک فریق ثانی اس پر راضی نہ ہو، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک زید مہر نہ دے اس وقت تک اس زیور کو روکے رہیں، اس لئے کہ خدا ترسی اور دیانت آج کل دلوں سے اٹھ گئی ہے، اگر وہ لوگ زیور پا جائیں گے تو مہر بھی نہ دیں گے، اس اندیشہ کے ماتحت ادائیگی مہر تک زیور روکے رہ سکتے ہیں، اور اگر بالفرض خلوت یا وطی نہیں ہوئی ہے تو شوہر کے ذمہ آدھا مہر واجب ہے، قرآن مجید میں ہے، وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم، اس کے ماتحت تفسیرات احمدیہ میں ہے، وينبغي ان يعلم ان الخلوة الصحيحة في حكم الوطي فان لم يطأ المرأة لكن خلي بها خلوة الصحيحة يجب لها كمال المهر، والله تعالیٰ اعلم،

تین شخص وہ ہیں جن کی نہ نماز قبول ہو نہ کوئی نیکی مرتبہ قبول تک پہونچے، ان میں ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اس سے ناراض ہو، شوہر کو عورت مذکورہ کے متعلق جب ایسی خبریں پہونچ چکی ہیں جن کی بنا پر کافی طور پر مشتبہ ہو چکا ہے، اور پانچ سال سے تعلقات بھی منقطع ہو چکے ہیں تو ایسی حالت میں اسے طلاق دینا جائز بلکہ مستحب ہے جو علماء وفقہاء طلاق میں حظر کو اصل کہتے ہیں، وہ بھی ایسی حالت میں طلاق دینے کو جائز کہتے ہیں، درمختار میں ہے، وایقاعہ مباح وقیل الاصح حظرہ الا لحاجۃ کریبۃ، ردالمحتار میں ہے، ھی الظن والشک ای ظن الفاحشۃ، نیز اسی درمختار میں ہے، بل یستحب لو موذیۃ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱، مرسلہ سید اشفاق صاحب، مورخہ ۲۳ راگست ۱۹۳۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس حالت میں کہ سائل کی شادی مسماۃ ہندہ کے ساتھ ۱۹۲۰ء میں ہوئی، سائل نے بسلسلۂ معاش پردیس میں شادی کے قبل سے ہی رہتا ہے، بعد شادی کے سائل نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ بی کو اپنے ساتھ مقام پردیس لے جانا چاہا، مگر زن مذکورہ اپنے والدین کے اغوا سے نہیں گئی، سائل ہر دفعہ برابر ہمراہ لے جانے کی کوشش کرتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۲۹ء میں بہت زیادہ کوشش اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے کی، مگر زن مذکورہ برابر حکم عدولی اور نافرمانی کر کے جانے کی بابت دفع الوقتی کرتی رہی، سائل نے جس وقت لے جانے کی کوشش کی تو زن مذکورہ نے حیلہ حوالہ کرنے وقت کو ٹال دیا اور مجھ کو تنہا پردیس جانا پڑا، ۱۹۳۱ء میں بذریعہ تصفیہ اور ۱۹۳۲ء میں بذریعہ پنچایت یہ بھی بات طے ہوئی کہ زن مذکورہ کو اپنے شوہر کے ساتھ پردیس جانا اور رہنا چاہیئے، مگر وہ پردیس جانے پر رضامند نہ ہوئی، اس پر سائل نے چند معزز لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اس امر کو پیش کیا، چنانچہ سب لوگوں نے اس کو سمجھایا اور کہا کہ بروئے تصفیہ اور معاہدہ تم کو اپنے شوہر کے ساتھ پردیس جانا چاہیئے، تمہاری بدنامی محلہ اور خاندان میں ہو رہی ہے، اس سمجھانے کا بھی مسماۃ پر کچھ اثر نہ ہوا، یہ بات میری سمجھ میں کچھ نہ آئی زن مذکورہ کو بریلی سے اس درجہ کیوں محبت ہے، جس کی وجہ سے میرے ساتھ جانے سے انکار کر دیا جب سائل نے مکرر سہ کرر ساتھ لے جانے کے واسطے اصرار کیا، اور کوشش کی تو زن مذکورہ نے یہ الفاظ ادا کئے، کہ اگر سائل زن مذکورہ کو پردیس نہ لے جاوے تو وہ اپنا کل دین مہر معاف کر کے دست بردار ہوتی ہے، اس پر انھیں لوگوں نے زن مذکورہ کو پھر مکرر سمجھایا اور دریافت کیا، تو اس نے صاف الفاظ میں یہی ظاہر کیا اور کہا کہ اگر سائل زن مذکورہ کو

پردیس نہ لے جائے، تو دین مہر معاف کر کے دست بردار ہوتی ہے، چنانچہ سب کے مواجہہ میں مسماۃ ہندہ نے یہ الفاظ اپنی زبان سے تین مرتبہ میں ادا کی کہ اگر میرا شوہر مجھ کو اپنے ہمراہ پردیس کو نہ لے جاوے تو میں اپنا کل دین مہر بخوشی خاطر معاف کر کے دست بردار ہوتی ہوں، اس معافی اور دست برداری کا آپ صاحبان کے سامنے اعلان کرتی ہوں، آپ لوگ اسکے شاہد رہیں، اس پر سائل راضی ہوگیا، اور تنہا بلا مسماۃ مذکورہ کے پردیس چلا گیا، مجھ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ زن مذکورہ کا چال چلن ایک عرصہ سے خراب تھا، اور تا حال خراب ہے، جس کا علم زن مذکورہ کے والدین کو بھی بخوبی ہے، لیکن انھوں نے اس کا تدارک اس وقت تک نہیں کیا، اور مجھ کو اب مزید تحقیقات سے ظاہر ہوا، اور میں نے بچشم خود دیکھا کہ زن مذکورہ ایک غیر شخص سے ناجائز تعلق رکھتی ہے، جس کا حال وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہتا ہے، چنانچہ ایسی حالت میں سائل کی بے عزتی ہونے کے علاوہ خطرۂ جان بھی ہے، جس نے سائل کو روحانی صدمات میں مبتلا کر کے سائل کی زندگی کو تلخ اور برباد کر دیا، اب دریافت طلب یہ امور ہیں،

(۱) زن مذکورہ اور اس کے والدین کی وجہ سے مجھ کو جو کچھ روحانی صدمات اور میری بے عزتی اور بدنامی ہوئی ہے، اس کے ذمہ دار زن مذکورہ اور اس کے والدین ہیں یا نہیں اور شرعاً ان پر کیا الزام وارد ہوتا ہے؟

(۲) مہر کی معافی شرعاً ہوئی یا نہیں؟

(۳) زن مذکورہ اپنی بدچلنی کے باعث شرعاً اپنے حقوق سے محروم ہوگئی یا نہیں، سائل کے جو اسباب و زیور بلا اجازت سائل زن مذکورہ کے پاس ہے آیا وہ زن مذکورہ سے سائل واپس لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) عرصہ چار پانچ سال سے زن مذکورہ قطعاً حقوق زوجیت سے اور سائل سے بالکل علیحدہ ہو کر آزادانہ اور بدچلن روش علانیہ اختیار کئے ہوئی ہے، پس ایسی حالت میں شرعاً زن مذکورہ کے بارے میں کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

الجواب: اگر عورت کے والدین نے اسے اغوا کر کے شوہر سے جدا رکھا ہو تو وہ گنہ گار ہیں، حدیث میں ارشاد ہوا، لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا و عبدا علی سیدہ، عورت کی بدچلنی معلوم ہوتے ہوئے اگر اس کے والدین تا حد قدرت اس کا انسداد نہ کرتے ہیں تو یہ ان کا دوسرا جرم ہے، جو نہایت درجہ قبیح ہے، عورت اور اس کے والدین پر صورت مذکورہ میں ان مذکورہ امور سے باز آنا اور توبہ کرنا لازم ہے،

(۲) صورت مذکورہ میں عورت نے مہر کی معافی کو شرط پر معلق کیا ہے، اور یہ شرط بھی متعارف نہیں، لہٰذا یہ معافی

صحیح نہیں، درمختار میں ہے، ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقه به البیع الی قال والابراء عن الدین لانه تملیك من وجه الا اذا کان الشرط متعارفا او علقه بامر کائن، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۳) اگر شوہر عورت کو رکھنا چاہے تو دونوں پر حقوق زوجیت لازم ہیں، اور رجدا کر دے تو طلاق کے احکام ثابت ہوں گے، جو اسباب وزیور شوہر کے ملک ہیں، وہ شوہر جب چاہے واپس لے سکتا ہے عورت کو انکار کا حق نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۴) جس حد کی بدچلنی ہے اسی حد کا گناہ ہے اور ایسی حالت میں شوہر عورت کو طلاق دے سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از بھرت پور بڑا بازار، ایس، ایم عبد القیوم گھڑی ساز، ۲۲ ستمبر ۱۹۳۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ طلاق کے جائز وناجائز ہونے کی نسبت زید وبکر کے درمیان صلح کی گفتگو ہوتی ہے، زید کہتا ہے کہ اس کی نسبت علماء کرام سے بعد تحقیقات شرعی فیصلہ کرالیا جائے جو کچھ بھی وہ حکم دیں ناطق ہوگا، مگر بکر اس کو نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ میرا دل اس طلاق کو جائز تسلیم کر چکا ہے، اب اس کے خلاف کسی بھی عالم کا کوئی فیصلہ ماننے کو تیار نہیں ہوں، کہ بحیثیت جج ہو سکتے ہیں، نہ ان کا فیصلہ میرے لئے ناطق ہے، اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں جملہ علمائے کرام اور احکام شرعی کے لئے ایسی ناموزوں باتیں کہتا ہے اور شوہر اپنی ضد پر قائم ہے، لہذا ایسی صورت میں اس ضدی بکر کے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے، .

الجواب: طلاق وغیرہ کے الفاظ کے متعلق بہت سی صورتوں میں ایسے دقائق ہیں کہ بظاہر لوگ سمجھتے ہیں کہ طلاق ہوگئی، حالانکہ نہیں ہوتی، یوہیں، اس کا عکس عوام کو اپنے علم وفہم پر اتنا بھروسہ کر لینا، ہرگز روا نہیں، حکم شرع قول فقہاء وکتب دین سے حاصل کیا جاتا ہے، نہ کہ اپنے ذہن سے تراشا جائے، بکر اس قول میں سخت خطا کار ہے، اس کو اپنی ضد سے باز آنا چاہئے، اور اپنے قول سے توبہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ عبد القیوم گھڑی ساز از مقام بھرت پور،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی پردہ نشین زوجہ بر بناء تکرار خانہ داری ناراض ہو کر زید کی مرضی کے خلاف پوشیدہ طور پر بوقت شب مکان مسکونہ سے نکل کر چلی جاتی ہے جب تلاش کیا جاتا ہے تو دوسرے محلہ اور بازار کی جانب سے واپس لائی جاتی ہے، لہذا اس صورت میں اس مسماۃ کے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے، یہ بھی

ارشاد فرمایا جائے کہ آیا یہ زید کے نکاح میں رہی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بلا اجازت شوہر عورت کو اس طرح گھر سے نکل جانا ناجائز، عورت گنہگار اور حق شوہر میں گرفتار ہے، عورت اس حرکت سے توبہ کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے، گھر سے نکل جانے پر عوام میں مشہور ہے، کہ نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، یہ غلط ہے، اس فعل سے خارج از نکاح نہیں ہوتی، عورتوں کو دھمکی دینے کے لئے لوگوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ عبدالقیوم گھڑی ساز از بھرت پور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تحریر مندرجہ ذیل مضمون کے جس میں دو بے تین مرتبہ لفظ طلاق بلا کسی خطاب و بلا کسی مزید عبارت کے درج ہے، بحالت انکار زوج یا حلف و عدم کتابت از قلم خود باوجود ہونے خواندہ و نہ ہونے کبھی کوئی نیت یا ارادہ طلاق صرف مغالطہ کی بنا پر کرالیتے دستخط ورثا مساۃ کا تحریر کیا شرعاً یہ طلاق بصورت جائز عورت پر پڑ جائے گی، عبارت تحریر کے ہر پہلو کو بغور ملاحظہ فرما کر جواب مفصل مع حوالہ کتب معتبرہ جلد مرحمت فرمایا جائے، نقل تحریر:۔ میں عبدالقیوم ولد سراج الدین بتاریخ ۷ رجون ۱۹۳۵ء اپنی بیوی کو مار پیٹ کیا اور اسی غصہ کی حالت میں یہ کہہ دیا کہ طلاق طلاق طلاق اگر یہ میرا کہنا شرعاً طلاق ہو گیا تو اپنی بیوی سے میں دست بردار ہو جاؤں گا، ورنہ واپس لاکر اپنے گھر رکھوں گا، اس وقت عنایت رضا میرے خسر و صوبیدار مدد علی میری بیوی کو لئے جاتے ہیں اور میرا کوئی مال زیور اس وقت بیوی کے پاس نہیں ہے، مگر یہ ہے کہ وقت تکرار محمد اسحاق نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ مار پیٹ ٹھیک نہیں ہے یا تو اپنی کو اس کے گھر بھیج دو ورنہ طلاق دے دو، اس پر میں نے تین مرتبہ طلاق کا لفظ محمد اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا تھا۔

الجواب:۔ سوال کی عبارت بہت پیچیدہ ہے، پہلے تو تحریر کرتا ہے کہ بحالت انکار زوج یا حلف جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس تحریر سے منکر ہے نہ اس نے وہ تحریر خود لکھی نہ کسی سے لکھوائی، نہ اس پر دستخط کئے، پھر لکھتا ہے کہ صرف مغالطہ کی بنا پر کرالینے دستخط ورثا مساۃ کا تحریر پر اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریر پر سائل کے دستخط ہیں اور وہ اس سے منکر نہیں ہے، صرف مغالطہ کا عذر کرتا ہے، مگر یہ نہیں بیان کرتا کہ کیا مغالطہ دیا گیا، جب وہ اپنے کو خواندہ بتاتا ہے تو بظاہر یہ مغالطہ نہیں ہوگا کہ تحریر کا مضمون کچھ اور بتایا گیا ہو اور دھوکہ دے کر اس سے

دستخط کرائے گئے، بہر حال شوہر اگر تحریر سے بالکل منکر ہے کہ یہ تحریر نہ اس نے لکھی نہ لکھوائی، نہ بلا اکراہ شرعی اس پر دستخط کئے، تو اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ اس نے لکھی یا لکھوائی ہے، گواہوں کی ضرورت ہوگی، الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم، اور اگر دستخط کا اقرار کرتا ہے مگر یہ بھی کہتا ہے کہ اکراہ شرعی سے اس نے دستخط کئے ہیں تو اسے خود اکراہ کے گواہ پیش کرنے ہوں گے، البینۃ علی المدعی کما فی الحدیث المشہور، رہا یہ عذر کہ وہ خود خواندہ ہے اور یہ تحریر اس کے ہاتھ کی نہیں ہے، اس عذر سے وہ تحریر باطل نہ ہوگی کہ بہتیرے خواندہ اس قسم کی تحریریں دوسروں سے لکھواتے ہیں اور اس پر دستخط کر دیتے ہیں، وہ تحریریں انھیں کی قرار پائیں گی، مگر جب دستخط سے انکار کریں ہاں اگر شوہر نے اس تحریر پر دستخط اکراہ شرعی کی وجہ سے کئے یا اکراہ شرعی سے اس نے تحریر لکھی اور زبان سے کچھ نہ کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور تحریر بیکار ہوگی، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأتہ فلانۃ بنت فلان ابن فلان فکتب امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأتہ کذا فی الفتاوی قاضیخان، یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں کہ شوہر نے زبان سے عورت کو طلاق دی ہو اور اگر شوہر نے زبان سے طلاق دے دی اور کسی نے وہ الفاظ تحریر کئے پھر شوہر سے اس پر دستخط لئے کہا کراہ یا بلا اکراہ یا بالکل دستخط نہ کرائے، بہر صورت طلاق واقع ہوگی شوہر کو اس تحریر سے انکار ہو یا اقرار مغالطہ سے دستخط کرائے گئے یا بلا مغالطہ کہ وقوع طلاق تحریر سے نہیں ہے، بلکہ زبان سے جو الفاظ کہے، ان سے ہے، ہاں اگر شوہر جس طرح تحریر سے منکر ہے الفاظ طلاق بولنے سے بھی منکر ہے، تو جب تک گواہان شرعی سے طلاق دینا ثابت نہ کیا جائے، محض وہ تحریر جس کا شوہر کی تحریر ہونا یا اس پر شوہر کے دستخط ہونا ثابت نہ ہو، کوئی چیز نہیں سائل اس سے بیشک انکار کیا ہے، کہ وہ تحریر اس کی ہے، مگر اپنے دستخط سے منکر نہیں ہے، اگرچہ دستخط کرنے میں مغالطہ کا عذر کرتا ہے جس کی کوئی تفصیل درج سوال نہیں کہ یہ مغالطہ کیا تھا، یوں ہی سائل نے اس مضمون سے انکار نہیں کیا جو اس تحریر میں مندرج ہے لہذا صورت متفسرہ میں حکم کا دار و مدار اس مضمون پر ہے، جو تحریر میں مندرج ہے، اگر ان الفاظ سے منکر ہے، جب تو ظاہر کہ مدعیان طلاق کو گواہ پیش کرنا ہوگا، بغیر ثبوت طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا اور اگر ان الفاظ سے منکر نہیں، بلکہ مقر ہے یا بصورت انکار گواہوں سے ثابت ہو تو یہ امر زیر غور ہوگا کہ آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں، غصہ میں وہ الفاظ کہے اس کا حکم یہ ہے کہ عموماً طلاق غصہ ہی میں ہوا کرتی ہے، رضامندی کی حالت میں نہیں ہوتی، ہاں اگر غصہ ایسا ہو کہ آسمان و زمین میں امتیاز باقی نہ رہے عقل تکلیفی زائل ہو جائے تو وہ شخص حکم مجنون میں ہے

اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، یہاں جو امر اہم ہے وہ یہ کہ شوہر کے الفاظ میں اضافت موجود نہیں ہے، اور وقوع طلاق کے لئے اضافت کی ضرورت ہے، کما فی الدر المختار وغیرہ، رد المحتار میں ہے، لابد فی وقوعہ قضاءً او دیانۃ من قصد اضافۃ الطلاق الیھا عالم بمعناہ ولم یصرفہ الی ما یحتملہ، مگر تحریر طلاق نامہ میں اخیر میں یہ الفاظ مندرج کہ محمد اسحاق کے جواب میں شوہر نے تین بار لفظ طلاق کہا، استفتیٰ میں جو تحریر کی نقل درج کی گئی، اس میں اپنے کو لکھا ہے غالبًا یہ نقل کی غلطی ہے یہاں محمد اسحاق کے یہ الفاظ ہوں گے، اپنی زوجہ یا بیوی یا عورت کو یا اسی قسم کا اور کوئی لفظ ہوگا، اگر محمد اسحاق نے اس قسم کے الفاظ کہے اور اس کے جواب میں عبد القیوم نے لفظ طلاق تین بار کہا تو طلاق واقع ہوگئی، اور شوہر کا یہ کہنا کہ میری نیت نہ تھی مسموع نہ ہوگا، صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں، در مختار وغیرہ میں ہے، نوی او لم ینو شیئًا، رد المحتار میں ہے، الصریح لا یحتاج الی النیۃ، اور عبد القیوم کے یہ الفاظ چونکہ محمد اسحاق کے الفاظ کے جواب میں ہیں، اور فقہا اپنی کتابوں میں تصریح فرماتے ہیں، السوال معاد فی الجواب، لہذا اضافت نہ ہونا نہیں کہا جاسکتا، فتاوی عالمگیریہ میں خانیہ سے ہے، دخلت علیہ ام امرأتہ فقالت طلقتھا ولم تحفظ حق ابیھا وعاتبتہ فی ذالک فقال ھذہ ثانیۃ او ثالثۃ تقع اخری ولو عاتبتہ ولم تذکر الطلاق فقال ھذہ المقالۃ لا تقع الزیادۃ الا بالنیۃ، یعنی ساس نے داماد سے کہا تو نے اسے طلاق دے دی اور اس کے باپ کے حقوق کا خیال نہ کیا شوہر نے کہا یہ دوسری ہے یا تیسری ہے تو یہ طلاق بھی پڑجائے گی، اور اگر ساس نے طلاق کا ذکر نہ کیا ہو تو بغیر نیت واقع نہ ہوگی، نیز اسی عالمگیری میں ہے، "طلاق بدست تست مرا طلاق کن فقال طلاق می کنم وکرر ثلاثا طلقت ثلاثا" عورت نے کہا تیرے ہاتھ میں طلاق ہے، مجھ کو طلاق دے دے، اس نے کہا طلاق دیتا ہوں، اس لفظ کو تین بار کہا، تین طلاقیں ہوگئیں، نیز اسی میں ہے، قالت لزوجھا لو کانت طلاق بیدی لطلقت نفسی الف تطلیقۃ فقال الزوج من نیز ھزار دادیم ولم یقل دادم ترا یقع الطلاق، عورت نے کہا، میرے ہاتھ میں طلاق ہوتی تو میں اپنے کو ہزار طلاق دے لیتی، مرد نے کہا میں نے ہزار دی یہ نہ کہا کہ میں نے تجھے کو دی جب بھی طلاق واقع ہوگی، ان عبارات کتب سے ظاہر کہ سوال کے جواب میں شوہر اگر اضافت کو ذکر نہ کرے جب بھی اضافت ہے اور طلاق واقع ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ ماسٹر سید اکبر علی بدوح خاں کا منارہ، ناگپور، سی، پی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے مکان سے کچھ فاصلہ پر کسی گاؤں میں ملازمت پر تھا اور اس کی بیوی سے اور شخص مذکور کی ماں سے کچھ جھگڑا ہوا جس پر اس شخص کو طلب کر کے تمام واقعہ بیان کیا گیا جس کی وجہ سے غصہ ہوکر اس نے اپنی بیوی کو زد وکوب کیا اور دو یا تین مرتبہ کہدیا کہ میں نے تجھے طلاق دی یا دو دفعہ لفظ طلاق کہا اور ایک دو دفعہ یوں کہا کہ "تو مثل میری ماں یا بہن کے ہے" اور غصہ فرو ہونے کے بعد ہی اپنے رشتہ داروں سے کہدیا کہ میں نے کیا کہا مجھے کچھ خبر نہیں ہیں اپنی عورت کو اس طرح سے کہدوں یہ میرا ارادہ نہ تھا افسوس؟

الجواب: طلاق اکثر غصے ہی میں ہوتی ہے اور غصہ میں جو طلاق دی جاتی ہے واقع ہوتی ہے، مگر جبکہ غصہ اس حد کا ہو کہ عقل تکلیفی زائل ہو جائے کہ غصہ کی شدت میں مجنون اور پاگل کی طرح ہو جائے کہ اسے کچھ امتیاز ہی باقی نہ رہے، جو کچھ کہے اس کا علم نہ رہے کہ کیا کہتا ہے تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر واقع میں اس حد کا غصہ نہ ہوا اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھے بالکل خبر نہیں کہ کیا کہا تو اپنے اس جھوٹے بیان سے مواخذۂ اخروی سے بری نہ ہوگا، اور وہ بیان طلاق کو عند اللہ منع نہ کرے گا اور اگر معمولی غصہ تھا تو جتنی طلاقیں دی ہیں واقع ہیں، اگر دو دی ہیں دو واقع ہوں گی، تین دی ہیں تو تین واقع ہوں گی اور اگر تین اور دو میں تردد ہو تو احتیاطاً تین سمجھے اور اگر دو دفعہ لفظ طلاق کہا، اور ایک مرتبہ یہ کہا کہ "تو مثل میری ماں کے ہے" تو دو طلاقیں ہیں، اور چونکہ بائن نہیں ہے، لہذا یہ لفظ کہ "تو مثل میری ماں کے ہے" ، ظہار رہے[1] ۔

---

[1] یہ جملہ کہ "تو مثل میری ماں کے ہو" طلاق کے بھی کنایہ سے ہے اور ظہار کے بھی، شوہر نے اگر اس جملہ کو بہ نیت ظہار کہا، تو ظہار ہے، اور اگر بہ نیت طلاق کہا تو طلاق ہے، تنویر الابصار اور درمختار میں ہے، وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی، خانیۃ، برا او ظہارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ، وان لا ینوی شیئا او حذف الکاف لغا، وتعین الاولی ای البر یعنی الکرامۃ ردالمحتار میں ہے، قولہ لانہ کنایۃ ای من کنایات الظہار والطلاق قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائنا کلفظ الحرام، وان نوی الایلاء فھو ایلاء عند ابی یوسف، وظہار عند محمد، والصحیح انہ ظہار عند الکل، لانہ تحریم مؤکد بالتشبیہ وقال الخیر الرملی وکذا لو نوی الحرمۃ المجردۃ ینبغی ان یکون ظہارا، وینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادۃ البر اذا کان فی حال المشاجرۃ وذکر الطلاق، بہار شریعت، حصہ ہشتم ص ۹۹ پر ہے، "عورت سے کہا مجھ پر میری ماں کے مثل ہے تو نیت دریافت کی جائے اگر اس کے اعزاز کے لئے کہا تو کچھ نہیں اور طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہوگی، اور ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے

(بقیہ ص ۱۹۸ پر)

اور اس کا حکم یہ ہوگا کہ جب تک کفارۂ ظہار ادا نہ کرے عورت سے جماع نہیں کر سکتا، اور اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے رجعت نہ کرے گا، یہاں تک کہ عدت گذر جائے تو دو بائن ہو جائے گی، اگر صورت یہ ہو اور جانتا ہو کہ قبل کفارہ ادا کرنے کے عدت گذر جائے گی تو زبانی رجعت کرلے تاکہ طلاق بائن نہ ہونے پائے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ مولوی مسعود الرحمن خان، حسب گنج، ۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد مسلمان نے بحالت غفلت بخار میں طلاق دے دی اور ایسی حالت میں ایک اور شخص کے سامنے کہدیا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں، اس آدمی سے جس کے سامنے کہا اس شخص کی دشمنی تھی، اس نے اس کی منکوحہ کو فورا بہکا کر اس کی والدہ کے یہاں پہونچا دیا، جس وقت ہوش میں آیا تو اپنی بیوی کو تلاش کیا، معلوم ہوا کہ تم نے طلاق دے دی اور وہ اپنے میکے چلی گئی، اس شخص نے ہر چند یہ کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی، اس شخص کو ہمیشہ دوسرے تیسرے سال خاطر العقلی کا موسم گرما میں دورہ ہو جاتا ہے، جس وقت طلاق دی دورہ کی شروع حالت تھی؟

الجواب: اگر واقعی غفلت[1] کی حالت تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، درمختار میں ہے، ولا یقع الطلاق

(بقیہ ص ۱۹) اور تحریم کی نیت ہے تو ایلا ہے، اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں، (جوہرہ نیرہ) بہار شریعت کے اسی حصہ میں طلاق کنائی کے الفاظ میں شمار کیا، تو مثل میری ماں یا بہن یا بیٹی کے ہے، فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۳، ۶۳، پر ہے، ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں، بہن کے ہے، تو اگر نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی، اور عورت نکاح سے نکل گئی، اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں، بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا، اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو اور مہمل ہوگا، جس سے طلاق اور کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا، اسی سے ظاہر ہوگیا کہ اگر اس لفظ سے تحریم مراد ہو تو بھی ظہار ہی ہوگا، ایلا نہ ہوگا، جیسا کہ صاحب بحر اور علامہ خیر الرملی کا قول گذر چکا، اب یہاں ۴ صورتیں ہوئیں، اول یہ کہ شوہر اس کا اقرار کرے کہ میری نیت اس لفظ سے طلاق کی تھی، تو صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئی، دوسرے یہ کہ شوہر یہ کہے کہ میری نیت ظہار یا تحریم کی تھی، تو ظہار ہوگا، تیسرے یہ کہ وہ یہ کہے کہ میری نیت اعزاز کی تھی کہ یہ میرے نزدیک میری ماں کے مثل معززہ ہے، چوتھے یہ کہ وہ کہے میری نیت کچھ نہ تھی، تو چونکہ حالت مذاکرہ طلاق کی ہے، اس لئے اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، جیسا کہ شامی سے منقول علامہ خیر الرملی کے کلام سے مستفاد ہے اب پھر تین طلاق ہو جائے گی، تیسری صورت میں طلاق کا حکم قضاءً ہے اور عورت حکم قضا پر عمل کرنے کی مکلف، واللہ تعالیٰ اعلم،

[1] غفلت سے یہاں مراد بیماری کی ایسی غفلت ہے جس میں ہوش و حواس باقی نہ رہے، جیسا کہ محاورہ ہے اتنا زیادہ بخار ہے کہ غفلت طاری ہو جاتی ہے، اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ سوال میں تصریح ہے کہ اس نے غفلت بخار میں طلاق دی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

المفتی علیہ وھو اخذۃ المفتی والمدھوش، ردالمحتار میں ہے، وفی القاموس قال بعد لا اوذھب عقلہ من ذھل
او ولہ الخ بل اقتصر علی ھذا فی المصباح فقال دھش دھشا من باب تعب ذھب عقلہ حیاء او خوفا اھ وھذا ھو
المراد ھھنا، ولذا جعلہ فی البحر داخلا فی المجنون، اور جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ اس شخص کی کبھی کبھی ایسی حالت ہو جاتی
ہے کہ اس کو ذاہب العقل کہا جاسکتا ہے، تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور حکم طلاق نہیں دیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے
واذا کان یعتادہ بان عرف منہ الدھش مرۃ یصدق بلا برھان، خصوصاً ایسی صورت میں کہ ایک ہی شخص اس کی
شہادت دیتا ہے اور وہ بھی ایسا شخص ہے جس سے دشمنی ہے، لہذا اس کی گواہی نامقبول ہے، حدیث میں ہے، ولا لذی
غمر علی اخیہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ عبدالرحیم طالب علم از مقام بھر چونڈی ڈاکخانہ ڈھرکی ضلع سکھر سندا، ۷ رذیقعدہ ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ہذا میں کہ ایک شخص منکوحہ کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے، دو تین ماہ تک تو اس کے
خطوط ایک شہر سے آتے رہے ہیں، بعد ازاں اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر لکھ بھیجا ہے، اب وہاں سے مفقود الخبر ہو گیا
ہے، جس کو عرصہ ایک سال گذر چکا ہے، مخفی نہ رہے کہ اس نے اپنے خسر کو خط لکھا ہے کہ میں نے تمہاری لڑکی مسماۃ فلاں کو
طلاق دے دی ہے، اب عرض یہ ہے کہ طلاق واقع ہو گئی یا نہ، اگر واقع ہو گئی تو وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں،
اگر نہیں واقع ہوئی تو مفقود الخبر ہونے کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا کس طرح
خط کی شناخت اس کے احباب وغیرہ کر سکتے ہیں کہ یہ اسی کے قلم سے ہے، قول محقق ومنقح بحوالہ کتب روانہ فرمادیں؟۔

الجواب: جب گمان غالب یہ ہو کہ خط اسی کا ہے تو بعد عدت عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے،
درمختار میں ہے، اخبرھا ثقۃ ان زوجھا الغائب مات او طلقھا ثلثا او اتاھا منہ کتاب علی ید ثقۃ بالطلاق
ان اکبر رایھا انہ حق فلا باس ان تعتد وتتزوج، ردالمحتار میں ہے، قولہ علی ید ثقۃ ھذا غیر قید لما فی التوجیہ
نیز اسی میں ہے، اخبرھا عدل او غیر عدل فاتاھا بکتاب من زوجھا بطلاق ولا تدری انہ کتابہ اولا الا ان
اکبر رایھا انہ حق فلا باس بالتزوج، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ محمد وحید الدین قاسمی حال مقیم دفتر جمعیۃ علماء ہند، گلی قاسم جان دہلی،

ماہرین علوم اسلامیہ و مفتیان شرع متین سے حسب ذیل سوالوں کا مدلل جواب کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں

جلد مطلوب ہے،

(۱) اگر کوئی غیر مسلم حاکم یا غیر مسلم ثالث و پنچ مسلمان مرد و عورت کے نکاح کو اسلامی احکام کے مطابق فسخ کر دے یا غیر مسلم حاکم غیر مسلم ثالث و پنچ عورت پر مرد کا ظلم ثابت ہو جانے کی صورت میں مرد کی طرف سے عورت کو طلاق دے دے جیسا کہ بعض صورتوں میں مسلمان قاضی کو یہ حق حاصل ہے تو کیا نکاح فسخ ہو جائے گا؛ اور عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اور عورت کو شرعًا یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ غیر مسلم کے فسخ کردہ نکاح اور ایقاع طلاق کو شرعًا درست سمجھ کر بعد عدت یا جیسی صورت ہو دوسرے مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے؛

(۲) اگر سوال مذکورۃ الصدر کا جواب نفی میں ہو یعنی شرعًا غیر مسلم کے حکم فسخ نکاح اور ایقاع طلاق کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور غیر مسلم کے حکم فسخ نکاح یا ایقاع طلاق کے بعد بھی وہ عورت شوہر اول کی زوجیت میں باقی رہتی ہے تو اس صورت میں جو عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے گی اور اس دوسرے مرد کو یہ علم بھی ہو کہ اس عورت نے غیر مسلم حاکم یا غیر مسلم ثالث و پنچ کے ذریعے طلاق حاصل کی ہے، تو وہ نکاح باطل و فاسد ہوگا یا نہیں؛ اور دوسرے مرد سے نکاح کے باوجود اس عورت کا زن و شو کا تعلق رکھنا حرام ہوگا یا نہیں؛ اور دونوں شرعًا زنا کے مرتکب سمجھے جائیں گے یا نہیں؛

(۳) اور دوسرے مرد سے نکاح باطل ہونے کی صورت میں جب اس دوسرے مرد سے کوئی اولاد ہوگی تو وہ ولد الحرام ہوگی یا نہیں؛ اور یہ اولاد اس دوسرے مرد کے ترکہ سے محروم ہوگی یا نہیں؛

الجواب: نکاح، طلاق، خلع، فسخ، تفریق، یہ اسلامی شرعی چیزیں ہیں، ان کا وجود و ثبوت اسی مخصوص طریق کے ساتھ ہوگا، جس کو شرع مطہر نے مقرر فرمایا ہے، اگر شرع کے مقررہ اصول کے ماتحت یہ چیزیں عمل میں لائی جائیں، تو ہو جائیں گی ورنہ کالعدم بلکہ معدوم سمجھی جائیں گی، جس طرح نکاح میں وہ تمام باتیں ملحوظ ہوتی ہیں، جو شرع نے بیان کی ہیں، وہ نہ ہوں تو نکاح نہیں، اسی طرح فسخ و تفریق میں بھی ان تمام قیود کا اعتبار ہوگا، جو شرع میں مذکور ہیں، نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں، قرآن مجید میں فرمایا گیا بیدہ عقدۃ النکاح، شوہر کو اختیار دیا گیا کہ اس گرہ کو برقرار رکھے یا کھول ڈالے، دوسرے سے اس کو تعلق نہیں، مگر بعض مخصوص صورتوں میں جہاں اس نکاح کے ازالہ کی صورت

لہ اور حدیث میں ہے، انما الطلاق لمن اخذ بالساق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیش آئے، اور شوہر کی جانب سے جدائی نہ ہو تو یہ چیز شریعت نے اس کے ہاتھ میں دے رکھی ہے جس کو زوج و زوجہ پر ولایت شرعیہ حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو اصول مقررہ کے ماتحت فسخ یا تفریق کر دے، اور اس کا مسلم ہونا ضروری ہے، غیر مسلم کو مسلم پر ولایت شرعیہ حاصل نہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہوا، ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً یہ فسخ یا تفریق یا تو قاضی کرے گا یا نائب قاضی کہ یہ بھی حکم قاضی میں ہے، یا حکم اور پنچ بہر حال ان میں سے کوئی بھی کرے اس کا مسلم ہونا ضرور ہے، قاضی میں اسلام کی شرط ایسی واضح اور بدیہی چیز ہے، جس کا بیان ہر کتاب میں ہے، بعض کتابو کی عبارت پر اکتفا کیا جاتا ہے، ہدایہ میں ہے، ولا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ لان حکم القضاء یستقی من حکم الشہادۃ لان کل واحد منہما من باب الولایۃ فکل من کان اہلا للشہادۃ یکون اہلا للقضاء وما یشترط لاہلیۃ الشہادۃ یشترط لاہلیۃ القضاء تنویر الابصار و درمختار میں ہے، واہلہ اہل الشہادۃ وشرط اہلیتہا شرط اہلیتہ فان کلا منہما من باب الولایۃ والشہادۃ اقوی لانہا ملزمۃ علی القاضی والقضاء ملزم علی الخصم فلذا قیل حکم القضاء یستقی من حکم الشہادۃ ابن کمال، ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قاضی میں وہ تمام شرائط درکار ہیں جو شہادت کے لئے ضروری ہیں، اور چونکہ شہادت علی المسلم میں شاہد کا مسلم ہونا ضروری ہے، لہذا قاضی کا مسلم ہونا بھی ضروری، قرآن مجید میں ارشاد ہے، فاستشہدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء، اول یہ کہ رجالکم کی اضافت سے ہی معلوم ہوا کہ شاہد تمھیں میں سے ہوں، دوم یہ کہ ممن ترضون نے بتایا کہ اسکا مسلم ہونا ضروری ہے غیر مسلم کو من رجالکم بھی نہیں کہا جاسکتا اور نہ وہ ممن ترضون میں داخل ہو سکتا ہے، دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمایا واشہدوا ذوی عدل منکم، غیر مسلم کو عدل نہیں کہا جاسکتا کہ عدالت کی پہلی شرط اسلام ہے اور نہ اسے منکم میں شمار کیا جاسکتا ہے، پس معلوم ہو کہ قاضی جس کو ولایت شرعیہ حاصل ہے، صرف مسلم ہی ہو سکتا ہے، غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا، فتاویٰ عالمگیری میں صاف طور پر بیان کر دیا کہ اس کا مسلم ہونا ضروری ہے، عبارت یہ ہے، ولا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ کذا فی الہدایۃ من الاسلام والتکلیف والحریۃ الخ فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے، اہلہ من یکون اہلا للشہادۃ ومن لا یکون اہلا للشہادۃ کالعبد والصبی والاعمی والمرأۃ والکافر لا یکون اہلا للقضاء حتی لو قلد فقضی لا ینفذ قضاؤہ، مجمع الانہر میں ہے، وشرط اہلیتہ ای القضاء شرط اہلیتہا ای الشہادۃ من العقل والبلوغ والاسلام شرائط شہادت کے بیان میں عالمگیری میں ہے، والاسلام اذا کان المشہود علیہ مسلما، درمختار میں ہے، فیشترط

الاسلام لو المدعی علیہ مسلما، درر غرر میں ہے، لامن کافر علی مسلم، جس طرح قاضی کا مسلم ہونا ضروری ہے پنچ کا مسلم ہونا بھی ضروری ہے، بلکہ یہاں اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ کہ کافر کو حکم بنا دیا، اگر وہ مسلمان ہو جانے کے بعد فیصلہ کرے یہ فیصلہ بھی نافذ نہ ہوگا، درمختار میں ہے، وشرطہ من جهة الحكم بالفتح صلاحیتہ للقضاء ویشترط الاهلیة المذکورة وقتہ ای التحکیم ووقت الحکم جمیعا فلو حکما ذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ حکمه، ہدایہ میں ہے، وینفذ حکمه علیهما وهذا اذا کان المحکم بصفة الحاکم لانه بمنزلة القاضی فیما بینهما فیشترط اهلیة القضاء ولایجوز تحکیم الکافر والعبد والذمی الخ، تبیین الحقائق میں ہے، وشرط ان یکون صالحا للقضاء لانه بمنزلة القاضی فیما بینهما فیشترط فیه مایشترط فی القاضی حتی لو حکما کافرا او عبدا المحجور او محدودا فی قذف او صبیا لایجوز لانه لایصلح قاضیا لانعدام اهلیة الشهادة، پس ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم اس معاملہ میں نہ قاضی کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ ثالث یا حکم اور پنچ کی اس کا جو کچھ بھی حکم ہو کالعدم اور بے سود ہے نہ اس کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہوگا، اور نہ طلاق دینے سے طلاق پڑے گی[1]، نہ عورت کے لئے کوئی عدت ہوگی، اس حاکم غیر مسلم کا فسخ یا طلاق دینا ویسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی عامی شخص کسی کا نکاح فسخ کر دے، یا کسی کی عورت کو طلاق دے دے، جس طرح اس صورت میں فسخ وطلاق کے احکام مترتب نہیں ہوں گے، اس حاکم کے فسخ وطلاق دینے کی صورت میں بھی احکام کا ترتب نہیں ہوگا، اور اس عورت کو جس طرح پہلے دوسرے سے نکاح کرنا حرام وباطل تھا، اب بھی حرام وباطل ہے، کیونکہ وہ بدستور سابق اسی پہلے شوہر کی زوجہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، والمحصنٰت من النساء، حرام ہے تم پر شوہر والی عورتیں، واللہ اعلم

(۲) یہ دوسرا نکاح باطل ہے، جب کہ شوہر دوم کو اس کا علم ہے، تعلقات زوجیت حرام اور دونوں مرتکب زنا سمجھے جائیں گے، اور اگر مرد کو اطلاع[2] نہ تھی، جب بھی عورت گنہ گار اور مرتکب حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] حاکم اسلام کو بھی مخصوص صورتوں میں صرف فسخ نکاح یا تفریق کا اختیار ہے، طلاق دینے کا حق مسلمان حاکم شرعی قاضی کو بھی نہیں جیسا کہ گذرا چکا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا، بیدہ عقدة النکاح، اور حدیث میں فرمایا انما الطلاق لمن اخذ بالساق، اس لئے اگر بالفرض کوئی حاکم مسلمان یا قاضی جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر ہو، وہ کسی کی عورت کو طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

[2] اگر مرد کو اس کی خبر نہ تھی کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے۔ تو یہ نکاح فاسد ہوگا، مرد پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اولاد ثابت النسب ہوگی، علم میں آنے کے بعد شوہر پر فرض ہے کہ اس عورت سے علٰحدہ ہو جائے، اور اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کہ اس کا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اور غیر مسلم حاکم یا غیر مسلم پنچ نے نکاح فسخ کر دیا ہے یا طلاق۔

(بقیہ ص ۲۰۳ پر)

(۳) ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی، اور وہ اس دوسرے مرد کے ترکہ سے محروم ہوگی، کہ شرعًا یہ اس کی جائز اولاد ہی نہیں، درمختار میں ہے، وعصبۃ ولد الزنا وولد الملاعنۃ مولی الام لانہ لا اب لھما، عالمگیری میں ہے، ولد الزنا وولد الملاعنۃ موالی امھما لانہ لا اب لہ فترثہ قرابۃ امہ ویرثھم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو تقریبًا دو ماہ ہوئے کہ طلاق دے چکا تھا لیکن کوئی شہادت نہ تھی اتفاق سے ۱۹ ر رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء ۱۰ر مئی چند اشخاص کے سامنے مندرجہ بالا واقعہ کا تذکرہ آیا تو زید نے اعتراف کیا کہ ہاں میں نے قریب دو ڈھائی ماہ ہوئے کہ طلاق دیا تھا، مگر ہم دونوں میاں بیوی کے سوا کوئی شخص نہ تھا ایسی صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں، اگر طلاق ہوگئی تو ہندہ اپنے شوہر یا اس کے عزیز سے اپنا مہر اور عدت کا نان ونفقہ اور جہیز جو والدین کے یہاں سے پائی تھی، لے سکتی ہے یا نہیں، جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں، بلکہ یہ کہ گواہوں کے سامنے زید نے لفظ طلاق مکرر سہ کرر کہا ہے؟

الجواب: طلاق واقع ہونے کے لئے گواہ ضروری نہیں، اگر بالکل تنہائی میں طلاق دے جب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو جب تک گواہ نہ ہوں طلاق ثابت نہیں ہو سکتی، صورت مذکورہ میں جب کہ خود زید نے چند اشخاص کے سامنے طلاق دینے کا اقرار کیا تو اب طلاق کا ثبوت بھی ہو گیا، اب اگر زید انکار کرے تو ان گواہوں کے ہوتے ہوئے اس کا انکار نامسموع ہوگا، پھر اگر اس نے ایک طلاق دی ہے تو ایک واقع ہوگی، دو دی ہے تو دو واقع ہوگی، تین دی ہے تو تین واقع ہوگی، زید نے اگر گواہوں کے سامنے بار بار اقرار کیا ہو تو چند بار اقرار کرنے سے متعدد طلاقیں نہ ہوں گی، جب کہ طلاق دیتے وقت اس نے ایک طلاق دی ہو اور ایک ہی طلاق دینے کا اقرار کیا ہو، اور اگر متعدد مرتبہ طلاقیں دینے کا اس نے اقرار کیا تو متعدد طلاقیں واقع ہوں گی، اگرچہ ایک مرتبہ اقرار کیا ہو، صورت مذکورہ میں اگر طلاق بائن یا مغلظ ہو تو ہندہ اپنا مہر اور نفقہ عدت اور جہیز کا کل سامان شوہر سے وصول کر سکتی ہے اور اگر رجعی طلاق تھی اور اندرون عدت شوہر نے رجعت کر لی ہو تو وہ بدستور اس کی زوجیت میں رہے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ ص ۲۰۲ کا) دیدی ہے، پھر نکاح کیا تو اب بھی نکاح باطل ہوگا، جتنی قربت ہوگی زنا، اور اولاد ولد زنا، اور مرد بھی زنا کا مرتکب، [۱] بشرطیکہ یہ لوگ عادل ہوں اور بقدر نصاب ہوں یعنی کم از کم ان میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل ثقہ متدین لائق قبول شہادت ہوں، اور یہ لوگ گواہی بھی دیتے ہوں کہ شوہر نے ہمارے سامنے طلاق دینے کا اقرار کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ آمدہ از ریاست بیکانیر، مرسلہ صوفی یوسف شاہ وارثی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیر کے مرد اور عورت دونوں مرید ہیں تو وہ دونوں شخص ہم بستر ہو سکتے ہیں یا نہیں، مکن پور سے یہ اعتراض ہوا ہے کہ ایک پیر کے مرید ہونے سے نکاح ٹوٹ گیا ہے؟،

الجواب :۔ میاں بیوی دونوں ایک پیر سے مرید ہو سکتے ہیں نکاح پر کسی قسم کا اثر نہیں آئے گا، جو شخص نکاح لوٹ جانا بتاتا ہے وہ احکام شرع سے بالکل جاہل ہے، صحابۂ کرام اور ان کی ازواج سبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئے جس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مردوں سے بیعت لیتے، عورتوں سے بھی اور یہ طریقہ آج تک بلا نکیر مسلمانوں میں جاری رہا، شاید اس فتویٰ دینے والے نے سمجھا ہوگا کہ دونوں بھائی بہن ہو گئے، لہذا نکاح جاتا رہا، اور یہ نہ سمجھا کہ نکاح انھیں بھائی بہن میں ناجائز ہے، جو نسبت سے بھائی بہن ہوں یا رضاعت سے، ویسے تو سبھی مسلمان آپس میں بھائی ہیں، اور مسلمان عورتیں بہنیں ہیں، قرآن مجید میں فرمایا، انما المومنون اخوۃ، تو جس طرح یہ اخوت اسلامی مانع مناکحت نہیں، اسی طرح ایک شیخ کے مرید ہونے میں یا ایک استاذ کے شاگرد ہونے میں جو اخوت ہے، یہ باعث فساد نکاح نہیں اور نہ مانع مناکحت، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ :۔ مسئولہ مولوی نور محمد صاحب از اجین، مالوہ، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ،

جیل خانہ میں ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق ثلاثہ تحریری دی اس پر شاہد ایک مسلمان اور کافر ہے، کیا کافر کی شہادت طلاق کے معاملہ میں تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں، دوسرا شاہد مسلمان ملا نہیں یا اس وقت حاضر نہیں تھا، عند الشرع کافر کی شہادت مسلمان کے ہمراہ طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہے یا نہیں؟،

الجواب :۔ طلاق واقع ہونے کے لئے شہادت شرط نہیں ہے، اگر کوئی بھی گواہ نہ ہو جب بھی واقع ہو جاتی ہے مگر شوہر اگر طلاق دینے سے منکر ہو تو، اس صورت میں گواہوں کی ضرورت ہوگی کہ بغیر گواہ طلاق کا ثبوت نہیں ہو سکتا، اور شہادت میں وہی تمام شرائط ہیں، جو دیگر معاملات کے لئے ہیں، یعنی دو مرد عادل یا ایک مرد اور دو عورتیں، کافر کی شہادت مسلم کے خلاف مردود ہے، اس صورت میں اگر وہ شخص طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو کافر کی شہادت سے اگرچہ اس کے ساتھ ایک مسلم بھی ہے ثابت نہ ہوگی اور طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا، وہو تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ مسئولہ یار علی وارثی از مہداول، ضلع بستی، ۵ / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق بائن دیا لیکن طلاق بائن اسی صورت سے دیا کہ زید ہندہ کو خرچ وغیرہ نہیں دیتا تھا، ہندہ بہت پریشان تھی کیونکہ زید گھر پر برابر رہتا بھی نہیں تھا، اور زید کا پیشہ چوری کرنے کا تھا، جس سے زیادہ تر جیل ہی میں رہنا پڑتا تھا، اسی لئے زید کے گاؤں والوں نے ہندہ کے کہنے سے زید سے اس کی پریشانی اور خرچ وغیرہ کے لئے کہا تو زید نے ایک کاغذ پر ان لفظوں میں اقرار نامہ لکھ دیا کہ اگر میں ۱۶ر اگست ۱۹۴۷ء کو مبلغ پچیس روپیہ ہندہ کو خرچ نہ دوں تو طلاق بائن تصور فرمایا جائے، اور میری جائداد سے عدت کا نان نفقہ لے لے، زید نے تاریخ مقررہ پر روپیہ نہیں دیا، جس کو عرصہ پانچ ماہ ہوا اور ابھی تک زید نے ہندہ کی کوئی خبر نہیں لی اور لوگوں کی زبانی ہندہ کو معلوم ہوا ہے کہ زید جیل میں ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اب ہندہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، بعض لوگ منع کرتے ہیں کہ دوسرے کے ساتھ عقد ناجائز ہے، جب تک زید طلاق مغلظہ نہ دے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندہ کو زید رکھنے سے انکار کردے، تب دوسرے کے ساتھ جائز ہے اور ہندہ اب زید کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی نہیں ہے، ؟

الجواب: شوہر کا یہ لفظ کہ طلاق بائن تصور فرمایا جائے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی کہ طلاق کا تصور طلاق نہیں اگر یہ لفظ ہوتا کہ اگر ۱۶ر اگست کو مبلغ پچیس روپیہ ہندہ کو خرچ نہ دوں تو اسے طلاق بائن ہے، تو بلاشبہ ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی اور ہندہ کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر لینا جائز ہو جاتا. فتاویٰ عالمگیری میں ہے،

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده، قال الزوج داده گیر او کرده گیر لایقع وان نوی انتهی، ملتقطاً،

ہر ایک قسم کی طلاق خواہ بائن ہو یا رجعی ایک یا دو ہوں یا تین جب اس کی عدت پوری ہو جائے، یعنی وقوع طلاق کے بعد تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائے، اور آئسہ یا صغیرہ ہو تو تین مہینے گذر جائیں اور حمل والی ہو تو وضع حمل ہو جائے بالجملہ عدت پوری ہونے کے بعد عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا درست ہے، جو لوگ مغلظہ کی شرط لگاتے ہیں، یا شوہر کا رکھنے سے انکار کرنے کو شرط ٹھہراتے ہیں، ان کا قول غلط ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

صریح کا بیان

مسئلہ: مرسلہ جناب جان محمد صاحب رضوی از ہوڑہ، ۸ر محرم الحرام ۱۳۷۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا والد بیمار تھا کسی رنجش سے زوجہ زید کے متعلق کہا تمہاری بیوی طلاق کے قابل ہے، باپ کے کہنے پر زید کو غصہ ہوا اور کہا میں نے اس کو طلاق بائن دیا[1] لیکن اس وقت بیوی موجود نہ تھی، بجز دو شخص کے کچھ دیر بعد اس واقعہ پر بیوی مطلع ہوئی، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو زید کے لئے وہ بیوی کس طرح حلال ہو سکتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: اگر یہ لفظ تین بار کہے تو تین طلاقیں ہو گئیں، بغیر حلالہ اس کے نکاح میں وہ عورت نہیں آسکتی اور اگر ایک یا دو بار کہے تو حلالہ کی حاجت نہیں، اس سے دوبارہ نکاح کرلے، عدت کے اندر یا بعد نکاح کے بعد وہ عورت حلال ہو جائے گی، بشرطیکہ پیشتر طلاق نہ دی ہو کہ وہ اور یہ مل کر تین ہو جائیں گی، درمختار میں ہے، لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن او ابنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء بخلاف ابنتک باخریٰ او انت طالق بائن او قال نویت البینونۃ الکبریٰ لتعذر حملہ علی الاخبار فیجعل انشاء۔ نیز اسی میں ہے[2]، قال امرأتہ طالق ولم یسم ولہ امرأۃ معروفۃ طلقت امرأتہ استحسانا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ نذیر حسین بریلی، محلہ بازار صندل خان، ۱۴/ شعبان ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی! اور زید میں کسی وجہ سے کچھ جھگڑا ہوا زید کے پدر نے زید کی بیوی کی حمایت اور جانب داری کی زید کی مرضی کے خلاف اس پر زید نے باین الفاظ کہ اگر تم اس کی حمایت کرتے ہو تو میں نے اس کو طلاق دی اور زید نے صرف ایک مرتبہ اپنی زبان سے طلاق کہا، اس کے

---

[1] سوال میں صرف اتنا ہے، اس کو طلاق بائن دیا، چونکہ عوام میں یہ مشہور ہے، تین بار سے کم طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لئے جب عوام طلاق دیتے ہیں تو تین سے کم نہیں دیتے، سوال میں جو گھپلا ہوتا ہے وہ مفتی حضرات پر خوب اچھی طرح ظاہر ہے، اس لئے اسی کا احتمال تھا کہ سائل نے تین طلاق دی ہو، اور لکھا ایک ہی بار، اس بنا پر حضرت نے دونوں شقوں پر کلام فرمایا، اس جواب سے ظاہر ہو گیا کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے میں نے تجھ کو طلاق بائن دیا، طلاق بائن دیا، طلاق بائن دیا، تو اس کی زوجہ پر تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، [2] اس عبارت کے نقل کرنے کی یہ ضرورت پیش آئی کہ سائل نے بیوی کا نام نہیں لیا، یہ کہا ہے، اس کو طلاق بائن دیا، اس کو اسم اشارہ مبہم ہے، اگرچہ یہاں یہ بات ہے کہ شوہر کے باپ نے یہ کہا تھا تمہاری بیوی طلاق کے قابل ہے، اس کے جواب میں شوہر نے وہ جملہ کہا، اس سے متعین ہے کہ اس کو کا اشارہ بیوی ہی کی طرف ہے، اور اس کو،

(بقیہ ۲۰۷ص پر)

بعد زید کا باپ زید کی بیوی کو سواری میں سوار کرا کر اپنی لڑکی کے یہاں لے گیا، سوال یہ ہے کہ صورت بالا میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر صرف ایک ہی بار یہ لفظ کہے تو ایک طلاق رجعی ہوئی، شوہر اگر چاہے عدت کے اندر رجوع کرے شوہر کا فقط یہ کہنا کافی ہے کہ میں نے اسے رجوع کر لیا یا وطی وغیرہ کرنے سے بھی رجعت ہو جائیگی مگر اب وہ صرف دو طلاق کا مالک رہا، آئندہ اگر کبھی دو طلاقیں دے گا، مغلظہ ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ نبی بخش، پیلی بھیت محلہ پکھریا، ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اقرار کیا، میں نے لڑائی کی حالت میں اپنی بیوی کو اس طرح کہا، میں نے تجھ کو طلاق دی نکل جا میں نے تجھ کو طلاق دی نکل جا، ان الفاظ کے کہنے سے شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو، بیان فرمائیں،؟

الجواب: فقیر کے پاس اس واقعہ کے متعلق بیشتر استفتار آیا، سوال میں تھا کہ دو مرتبہ طلاق دی سائل سے دریافت کیا کہ شوہر نے کیا کہا تھا، اس نے بیان کیا کہ یہ کہا، میں نے تجھ کو طلاق دی، میں نے تجھ کو طلاق دی، اس پر دو طلاق رجعی کا حکم دیا، اب پھر اسی واقعہ کے متعلق دوبارہ بایں الفاظ سوال آیا، اور اس کے ساتھ ایک فتویٰ بھی ہے: مفتی کا کام صورت مستفسرہ کا جواب دینا ہے، واقعہ کی کیا خبر کہ شوہر نے کیا الفاظ کہے تھے، اور معاملۂ طلاق میں لفظ کے تغیر سے اکثر حکم بدل جاتا ہے، اب جو لوگ سوال لے کر آئے، ان سے جتنی بار پوچھا گیا، ہر بار بیان بدلتا گیا، کبھی کہا کہ یہ لفظ تھے میں نے طلاق دی نکل جا اور کبھی یہ کہا کہ طلاق دی نکل جا، اور کبھی یہ کہا کہ نکل جا میں نے طلاق دی جا، اور کبھی یہ کہ شوہر کو یاد نہیں کہ اس نے کیا الفاظ کہے تھے، اور اہل فہم پر روشن کہ ان تغیرات سے احکام میں کس قدر اختلاف ہوگا، اب اگر صورت وہ ہے، جو بیشتر بیان کی گئی تو حکم وہی ہے جو لکھ دیا گیا، اور اگر الفاظ کچھ اور ہیں تو حکم وہ ہوگا جو ان الفاظ سے نکلے، مگر استفتار میں اب جو الفاظ نقل کئے گئے، ان کے متعلق حکم شرع بیان کیا جاتا ہے، اور غالباً طلاق دینے والے کے یہی الفاظ ہوں گے کہ سائل سے معلوم ہوا کہ شوہر نے اپنے الفاظ وہاں

(بقیہ صفحہ نمبر) سے مراد اس کی بیوی ہی ہے، اور اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی بیوی کا نام نہ لے اور اسے ایسے لفظ سے ذکر کر کے طلاق دے کہ وہ متعین ہو جائے تو اس کی زوجہ پر طلاق پڑ جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

ایک عالم کے سامنے بیان کئے اور عالم نے خود سوال مرتب کیا اور جواب لکھا،

فقیر کے پاس یہ سوال وجواب تصحیح کے لئے پیش کیا، مگر بعض امور تصحیح سے مانع ہوئی، اور مستقل جواب کو مناسب جانا، اثناء جواب میں ان امور کی طرف بھی ضمناً اشعار ہوگا، فاقول وباللہ التوفیق، شوہر نے جو الفاظ کہے ان میں دو لفظ صریح ہیں، ان سے بہرحال دو طلاقیں واقع ہوئیں، خواہ اس نے طلاق دینے کی نیت سے کہے یا نہیں، تنویر الابصار میں ہے، صریحہ مالم یستعمل الافیہ کطلقتک وانت طالق ومطلقۃ ویقع بہا واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافہا اولم ینو شیئاً، اور دوبارہ یہ لفظ کہے کہ "نکل جا" یہ الفاظ کنایہ سے ہے، اور محتمل رد ہے اور اس میں بہرحال نیت کی ضرورت ہے، اگر شوہر نے اس لفظ "نکل جا" سے طلاق کی نیت کی تو اس سے بھی طلاق ہوگی، اور اب تین طلاقیں ہوگئیں، اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بغیر حلالہ نکاح میں نہیں آسکتی، اور لفظ "نکل جا" سے اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو صرف دو رجعی طلاقیں ہوئیں، زمانہ عدت میں رجعت کرسکتا ہے اور بعد عدت نکاح جدید اور حلالہ کی اس صورت میں ضرورت نہیں، اگر شوہر بقسم بیان کرے کہ میں نے لفظ "نکل جا" سے نیت طلاق نہ کی تو اس کا قول مان لیا جائے گا، غضب کی

ﷲ الموفق للصواب الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، امابعد، شریعت باہرہ میں زید کے اس کی زوجہ پر تین طلاقیں پڑیں اور یہ طلاق مغلظہ ہوگئی جس کے بعد بغیر حلالہ ان میاں بیوی میں نکاح ناجائز ہے، اس لئے کہ زید نے چار لفظ طلاق کے بولے دو لفظ صریح (میں نے تجھ کو طلاق دی) دومرتبہ دو طلاقیں رجعی ہوتیں، اگر یہی تنہا ہوتیں، لفظ طلقتک، کو طلاق رجعی فرمایا ہے، خواہ طالق تین طلاق کی نیت کرے خواہ ابانت کی یا نیت نہ ہو، وطلقتک وتقع واحدۃ رجعیۃ وانما نوی الاکثر اوالابانۃ اولم ینو شیئا، عالمگیری، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں، لفظ اخرجی اور اذھبی سے اگر نیت طلاق ہے یا دو کی نیت تو ایک طلاق بائن اور تین کی نیت کی تو تین طلاقیں بائن پڑیں گی، مگر مذاکرہ اگر طلاق کا ہو تو بغیر اظہار نیت طلاق قضاءً طلاق ہوجائے گی، بقیۃ الکنایات اذا نوی بہا الطلاق کانت واحدۃ بائنۃ وان نوی ثلثا کان ثلثا وان نوی ثنتین کانت واحدۃ بائنۃ تحو اخرجی اذہبی وقومی فلابد من النیۃ الا ان یکون فی حالۃ مذاکرۃ الطلاق فیقع بہا الطلاق فی القضاء، اور مذاکرہ طلاق ثابت اور غضب بھی موجود، پھر طلاق صریح کا صریح اور بائن سے لحوق شرع شریف میں معتبر اگرچہ زمانہ عدت مشروط وہ بھی موجود اور لحوق بائن صریح کے ساتھ بھی موجود، الصریح یلحق الصریح والبائن بشرط العدۃ والبائن یلحق الصریح، درمختار　ان تمام عبارات کتب فقہیہ معتبرہ پر نظر کرنے سے حکم مرقوم بالا ثابت، بنابریں زوج وزوجہ کے درمیان جدائی لازم وضروری اور زمانہ عدت تک کہ تین ماہ ہیں اور

(البقیہ ص ۲۰۹ پر)

صورت میں نیت پر موقوف نہ ہونا، اس کنایہ میں ہے جو محتمل رد و سب نہ ہو، جواب کے لئے متعین ہو اور مذاکرہ طلاق میں جو محتمل سب ہے، یا محتمل رد و سب کسی کا نہ ہو یہ دونوں نیت پر موقوف نہیں، اور یہ لفظ نکل جا محتمل رد ہے، لہذا مذاکرہ یا غضب کا ذکر کہ فتویٰ میں واقع ہوا، اور اس بنا پر نیت پر موقوف نہ جانا اور بغیر علم نیت شوہر تین طلاق کا حکم دیا صحیح نہیں، تنویر الابصار میں ہے، فنحو اخرجی و اذھبی و قومی یحتمل ردا، در مختار میں فرمایا، تتوقف الاقسام الثلثة علی نیة للاحتمال والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله وفی الغضب توقف الاولان ان نوی وقع والا لا وفی مذاکرة الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخرین وان لم ینو، اور ہدایہ سے استناد کیا کہ اخرجی اور اذھبی اگر مذاکرہ طلاق کے وقت بولے جائیں تو بغیر اظہار نیت قضاء طلاق ہو جائے گی، حالانکہ صاحب ہدایہ نے یہ قول قدوری اولاً ذکر کیا، اس کے بعد بتا دیا کہ اس قول میں اگرچہ تمام الفاظ کی نسبت ایک حکم رکھا، مگر اس میں یہ تفصیل ہے جو محتمل رد ہے، اس سے اس میں بغیر نیت حکم طلاق نہیں فرماتے ہیں، سوّی بین هذه الالفاظ ای ان قال وفی حالة مذاکرة الطلاق لم یصدق فی ما یصلح جوابا ولا یصلح ردا فی القضاء فیصدق فیما یصلح جوابا وردا مثل قوله اذھبی اخرجی قومی، صاحب ہدایہ نے یہ جو تفصیل ذکر کی اور قاعدۂ کلیہ ذکر فرمایا، ان سب سے چشم پوشی نہ چاہیے تھی، پھر قدوری نے صرف مذاکرہ کے لئے یہ حکم دیا، مجیب نے اس پر غضب کا اضافہ فرمایا، شاید بغیر غضب مذاکرہ کو ناکافی سمجھا، اور عجب یہ کہ عدت تین ماہ اور وضع حمل بتائی، حالانکہ مطلقہ غیر حاملہ کی عدت تین حیض ہے، تین حیض کے لئے تین ماہ ہونا کیا ضرور، ہاں اگر آئسہ یا صغیرہ ہو تو البتہ عدت تین ماہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ ص ۲۰۸ کا) وضع حمل ہے۔ اگر زوجہ حاملہ ہو طلاق دینے والے پر زوجہ مطلقہ کا نفقہ شرعاً واجب، میں نے جو لکھا ہے، امید کہ صحیح حکم ہو تاہم نفاذ حکم کے اول مزید اطمینان کے لئے اس مسئلہ کی تصحیح ضروری ہے، لہ در مختار میں کنایات طلاق کی تین قسمیں کیں، ایک وہ جو رد کا احتمال رکھے، دوسرے وہ جو سب و شتم کا احتمال رکھے، تیسرے وہ جو نہ رد کا احتمال رکھے، اور نہ سب و شتم کا، بلکہ جواب کے لئے متعین ہو، عبارت یہ ہے۔ والکنایات ثلث مایحتمل الرد ومایصلح للسب اولا ولا، اب جہاں صاحب در مختار اول فرمائیں گے، اس سے مراد وہ قسم ہے، جو رد کا احتمال رکھے، اور جہاں اولان فرمائیں گے، ان سے مراد وہ کنایات ہیں جو رد کا احتمال رکھیں، یا سب و شتم کا احتمال رکھے، اور جہاں اخیر لیں گے، اس سے مراد وہ قسم ہے جو نہ رد کا احتمال رکھے نہ سب کا، حالت مذاکرہ طلاق میں دو بعد والی قسموں میں نیت کی ضرورت نہیں، البتہ پہلی قسم میں مذاکرہ طلاق میں بھی نیت کی حاجت ہے، اور جب خود صاحب تنویر الابصار نے یہ تصریح کر دی کہ نکل جا، چلی جا، کھڑی ہو جا، رد کا احتمال رکھتا ہے

مسئلہ : مرسلہ شیخ محمد یعقوب علی، ڈاکخانہ سلیم پور، موضع شام پور، ضلع گورکھپور، ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ بایں لفظ طلاق دیا کہ خدا اور رسول کو درمیان دے کر تم کو طلاق دیا، طلاق، طلاق، طلاق، پڑگئی یا نہ پڑی اور اگر طلاق پڑی تو کتنی طلاق،

(۲) یہ کہ اس واقعہ کو دو سال سے زاید ہوئے بوجہ لاعلمی کے رجعت نہیں کی گئی اگر طلاق پڑی تو رجعت کی کیا صورت ہے ؟

الجواب : تین طلاقیں پڑگئیں اب بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی یعنی عورت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت بھی کرے، پھر اگر طلاق دے یا مرجائے اور عدت پوری ہوجائے تو اب شوہر اول سے نکاح ہوسکتا ہے،

(۲) رجعت طلاق رجعی میں ہوتی ہے اور یہ تو مغلظہ ہے، اس میں رجعت کی کوئی صورت ہی نہیں بلکہ حلالہ کی ضرورت ہے، وہو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : مسئولہ نور احمد رائے پور ضلع پیلی بھیت، ۲۸ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ

(بقیہ ص ۲۰۹ کا) تو اگرچہ یہاں حالت مذاکرہ طلاق کی ہے، بے نیت طلاق، طلاق واقع نہ ہوگی، یہ تین حیض تین ماہ سے کم میں بھی پورے ہوسکتے ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تین ماہ بلکہ تین سال میں بھی تین حیض پورے نہ ہوں، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ عورت کو ساٹھ ہی دن میں تین حیض پورے ہوجائیں، مثلاً طلاق دیتے ہی عورت کو حیض آنا شروع ہوا، اکثر مدت حیض دس دن ہے، اور اقل مدت طہر پندرہ دن، اس صورت میں تین حیض کے درمیان دو طہر پڑے گا، دو طہر کے تیس دن اور تین حیض کے تیس دن، یہ امام حسن کی تخریج پر ہے، امام محمد کی تخریج پر یوں ساٹھ دن ہوں گے کہ یہ فرض کیا جائے گا کہ شوہر نے حیض کے بعد ابتدائے طہر میں وطی کے بعد طلاق دی اب عدت میں تین طہر پڑیں گے جس کا مجموعہ ۴۵ دن اور اوسط حیض ۵ دن کا رکھا جائے، اس طرح تین حیض کے ۱۵ دن، ۴۵ طہر کے اور ۱۵ حیض کے، کل ساٹھ دن ہوئے، اقل مدت ساٹھ دن ہے یہ ہے امام صاحب کا قول، اور صاحبین نے فرمایا کہ ۳۹ دن میں ۳ حیض پورے ہوسکتے ہیں، اس طرح کہ اقل مدت حیض ۳ دن ہے، تو تین حیض کے ۹ دن ہوئے، اور دو اقل طہر کے تیس دن، تیس نو، انتالیس، رد المحتار میں ہے، فیجعل کانہ طلقہا فی الطہر بعدما الوطی ویؤخذ لہا اقل الطہر خمسۃ عشر، لانہ لاغایۃ لاکثرہ واوسط الحیض خمسۃ لان اجتماع اقلہما

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور زنا کا الزام لگایا اور یہ کہا کہ تو میرے کام کی نہیں ہے، تو فاحشہ ہے، بدیں وجہ میں تجھ کو اپنے گھر میں یعنی اپنی زوجیت میں نہیں رکھتا، یہ کہہ کر عورت کو مارپیٹ کر نکال دیا۔ عورت ایک ہفتہ تک اس شخص کے بھائی کے گھر رہی بعدہ والدین اس عورت کو اپنے گھر لے آئے، عرصہ تک اس نے عورت کی کوئی پروا نہ کی، اور چند اشخاص کے سامنے یہ کہا کہ وہ عورت میرے کام کی نہیں ہے، فاحشہ ہے، اسی وجہ سے میں نے اس کو چھوڑ دیا، اب میں اس کو نہیں لے جاؤں گا، اس کے بعد اس شخص نے اپنا دوسرا نکاح کر لیا، کچھ عرصہ بعد عورت جدیدکو طلاق دے دی، بعدہ اس پہلی عورت کو جسے نکال چکا تھا اور چند اشخاص کے سامنے یہ لفظ کہہ چکا ہے کہ میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا، اب تقریباً سال ڈیڑھ سال کے بعد اس عورت کو لے جانے کی کوشش کی عورت نے جانے سے انکار کیا، کہ مجھ کو نکال دیا اور چھوڑ دیا، اب میں نہیں جاؤں گی، کیونکہ مجھے چھوڑ دیا، اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟؛

الجواب: صورت مستفسرہ میں طلاق ہو گئی کہ چھوڑ دینے کا لفظ اردو زبان میں مثل لفظ طلاق صریح ہے، دوسرے الفاظ جو شوہر نے کہے وہ کنایہ طلاق تھے، کہ ان سے وقوع طلاق کے لئے نیت کی ضرورت تھی۔ اور اس لفظ چھوڑ دینے کے لئے نیت کی بھی حاجت نہیں، اس لفظ کے کہنے کے بعد اگر عدت پوری ہو چکی ہے، یا ان الفاظ[1] سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو عورت بائن ہو گی اور اب اسے واپس نہیں کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم،

(بقیہ ص ۲۱۰) نادر. فثلاثة اطهار بخمسة واربعين وثلث حيض بخمسة عشر فساد الستين وهذا على تخريج محمد لقول الامام وعلى تخريج الحسن له يجعل كانه طلقها فى آخر الطهر احترازا عن تطويل العدة عليها ويوخذ لها اقل الطهر واكثر الحيض ليعتدل فتطهر ان خمسين يوما ثلث حيض بتسعة ايام وطهران بثلثين ايضا، وعندهما اقل مدة تصدق فيها الحرة تسعة وثلاثون يوما ثلث حيض بتسعة ايام وطهران بثلثين افادة .ن، ۔ [1] یعنی تو میرے کام کی نہیں، یہ طلاق کنائی کے الفاظ میں سے ہے یہ جملہ اس نے دو مرتبہ کہا ہے، اگر دونوں سے یا صرف ان میں سے کسی ایک سے اس کی نیت طلاق کی تھی، تو اس سے ایک طلاق بائن پڑ گئی، چھوڑ دیا ہے، یہ طلاق صریح کا اقرار ہے، اقرار طلاق سے طلاق ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ اس کے پہلے واقع میں طلاق نہ دی ہو، چونکہ یہ صریح کا صیغہ ہے، اس سے ایک طلاق رجعی کا حکم ہو گا۔ عدت گذرنے کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی یوں ہی اگر ان دو جملوں میں سے کسی سے یا ایک سے طلاق کی نیت رہی ہو تو اس سے ایک طلاق بائن پڑے گی، اس تقدیر پر اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی، ایک بائن ایک رجعی، اب اگر دونوں راضی ہوں، تو بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (امجدی)

مسئلہ: مسئولہ طفیل احمد بریلی، ۲۹ رجمادی الاولی ۱۳۴۲ھ،

کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا اس صورت میں کہ ایک شخص دس بجے رات میں اس مکان میں آیا جس میں اس کی بیوی عاریۃً رہتی تھی، اس کی بیوی نے کہا، کہاں تھے، آج تین چار روز میں آئے، اس نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کی خوشدامن نے اپنی بیٹی سے کہا کھانا پکالے وہ بولا مجھے بھوک نہیں، میں نہیں کھاؤں گا اور اپنی بیوی سے کہا میرے مکان پر چل، بیوی نے جواب دیا میں نہیں جاؤں گی، اس جواب پر شوہر گالی بکنے لگا اور جوتا سے مارنے لگا اور کہا میرے کپڑے دے اس کی بیوی نے کہا اس صندوق میں ہے، شوہر کپڑے لے کر جاتے وقت کہا میں نے تجھے چھوڑا، میں نے تجھے چھوڑا، اب اپنی ماں کے پاس رہ، تو طلاق ہوگی یا نہیں، اور درصورت طلاق عدت پوری ہوگئی یا نہیں، کیونکہ اس واقعہ کو تقریباً ایک سال ہوگیا، بینوا توجروا،

الجواب: دو طلاقیں واقع ہوگئیں کہ یہ لفظ اردو زبان میں صریح طلاق ہے، کنایہ نہیں کہ نیت وغیرہ کی حاجت پڑے، کما حقق شیخنا قدس سرہ فی فتاواہ، فتاوی عالمگیری میں ہے، لو قال الرجل لامرأته بهشتم او بله کردم ترا او پائے کشادہ کردم ترا فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفا حتى يكون رجعيا ويقع بدون النية كذا في الخلاصة وكان شيخ الامام ظهير الدين مرغينانی رحمه الله تعالى يفتى فى قولهم بهشتم بالوقوع بلانية ويكون الواقع رجعيا ويفتى فى ماسواها باشتراط النية ويكون الواقع بائنا كذا فى الذخيرة، لہذا اگر شوہر نے عدت کے اندر رجعت نہ کی ہو تو بعد عدت عورت نکاح کرسکتی ہے، اور اگر عورت حیض والی ہے تو عدت تین حیض ہے[1]، قال الله تعالیٰ والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء، والله تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: مسئولہ حافظ عبدالکریم صاحب، محلہ ذخیرہ بریلی، ۲۹ رجمادی الاولی ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو مار رہا ہے اور گالیاں دے رہا ہے اور اسی حالت میں کہہ رہا ہے، تجھے طلاق ہے، تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۲) غصہ کی حالت کی طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا، -

---

[1] یہ ضروری نہیں کہ ایک سال میں تین حیض آچکے ہوں، اگرچہ عورتوں کی عام عادت کے مطابق جب کہ عورت مرضعہ نہ ہو، تین مہینے میں تین حیض آجاتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، -

الجواب: اگر ایک بار یہ لفظ کہے، تو ایک طلاق واقع ہوگئی اور دو بار کہے تو دو اور ان دونوں صورتوں میں اندرون عدت رجعت ہوسکتی ہے، فتاوی عالمگیریہ میں ہے، الطلاق صریح وھو کانت طالق و مطلقۃ و طلقتک وتقع واحدۃ رجعیۃ. نیز اسی میں ہے، ولو قال لہا انت طالق طالق او انت طالق انت طالق او قال قد طلقتک قد طلقتک او قال انت طالق وقد طلقتک تقع ثنتان اذا کانت المرأۃ مدخولا بہا، اور اگر تین بار کہے تو مغلظہ ہوگئی، اور اب بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۲) غصہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، وقوع طلاق کے لئے رضامندی اور خوشی کی حاجت نہیں، غصہ تو غصہ اگر ہنسی، دل لگی میں طلاق کے لفظ کہہ دیئے تو واقع ہوجائے گی، بلکہ اگر کہنا کچھ اور چاہتا تھا زبان سے بلاقصد یہ نکل گیا، تجھے طلاق. تو طلاق واقع ہوگئی، عالمگیری میں ہے، یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا و عبدا طائعا او مکرھا کذا فی الجوھرۃ النیرۃ وطلاق اللاعب والھازل بہ واقع وکذا لو اراد ان یتکلم بکلام فسبق لسانہ بالطلاق فالطلاق واقع کذا فی المحیط، ردالمحتار میں غائیہ سے ہے، ویقع طلاق من غضب خلافا لابن القیم، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ یعقوب علی خاں صاحب، محلہ جسولی، بریلی، ۵ رجمادی الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کی شادی کو عرصہ دس یا بارہ سال کا ہوا اس وقت سے اب تک اتفاق نہ تھا، ہم لوگوں کو خلاصہ معلوم نہیں ہوا کہ ان دونوں میں کس وجہ سے نااتفاقی رہتی تھی، آج وہ شخص تین آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر اپنی بیوی کے مکان پر آیا، یہاں بھی اس وقت پانچ یا چھ آدمی بیٹھے تھے، سب کے سامنے اس نے اپنے خسر کو بلاکر بہت سی باتیں کیں، اور اٹھتے وقت اس نے کہا، میں اپنے ساتھ تین آدمیوں کو اس لئے لایا ہوں کہ وقت ضرورت میری گواہی دیں، میں خوشی سے اس کو طلاق دیتا ہوں، اور میں آج گھر جاکر چین سے بیٹھوں گا، جاتے وقت دوبارہ پھر کہا، اب مجھ سے کچھ واسطہ نہ رہا، اب میں جاتا ہوں، اور فوراً چلا گیا، اس صورت میں طلاق جائز ہوئی یا نہیں، صرف ایک مرتبہ اس نے لفظ طلاق کہا، دوسری مرتبہ پھر کہا، اب میں جاتا ہوں مجھ سے کچھ واسطہ نہ رہا، اور اب گھر چین سے سوؤں گا اور یہ بھی کہا کہ قلم دوات دو تو میں لکھ بھی دوں، مگر کسی نے قلم دوات نہیں دی، ؟

الجواب: طلاق واقع ہوگئی، بعد عدت عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے، مگر چونکہ مغلظہ نہیں ہے، لہٰذا اس شوہر سے بھی نکاح ہوسکتا ہے اور یہی شوہر اگر نکاح کرنا چاہے تو اندر عدت نکاح بھی ہوسکتا ہے، اور حلالہ کی حاجت نہیں کہ حلالہ کی ضرورت تین طلاقوں کے بعد ہوتی ہے، اور تین طلاقیں اس صورت میں[1] نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از شہر کہنہ بریلی محلہ کانکر ٹولہ، مسئولہ عبدالمجید خاں، ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے خاوند کے مکان پر تھی، اس سے محلہ کی ایک عورت نے آکر کہا کہ فلاں شخص کی بری حالت ہے، اس پر اس عورت نے کہا کہ خدا ہی مارتا ہے اور خدا ہی جلاتا ہے۔ وہی دعا قبول کرتا ہے، وہی نہیں کرتا ہے، اس بات پر اس کے خاوند نے کہا کہ تو وہابڑی ہے، اور وہابیوں کی سی باتیں کرتی ہے، عورت نے کہا کہ تمھارے کہنے کے بموجب ہی میں وہابڑی ہوں ورنہ میں وہابڑی کھوڑی ہی ہوں، اس بات کا اس عورت کو بھی گواہ بنالیا، اس کے خاوند نے اس بات کی چڑھ پیدا کرلی۔ اس پر اس نے اپنی زبان سے یہ بات نکالی، اس بات پر اس کے خاوند نے عورت کو دو مرتبہ طلاق دی، اور چپ ہوگیا، جب اس کی والدہ اس کے پاس گئی تو اس نے کہا میں اس کو طلاق دے چکا، اس کے بعد وہ عورت تین یوم تک شوہر کے مکان پر رہی، تیسرے روز جب عورت کا بھائی پہونچا تو خاوند نے اس عورت کو بھائی کے ساتھ کر دیا اور وہ عورت حمل سے ہے، جس کا پانچواں مہینہ ہے، اس میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، ارشاد فرمایا جائے؟

---

[1] بلکہ صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں، ایک رجعی دوسری بائن، اس کا قول، اب مجھ سے اس کا کچھ واسطہ نہ رہا، طلاق کنائی کے الفاظ میں سے ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۲۷، ۶ و ۳، ۶ پر اسی جملے کو "میرا اس سے تعلق نہیں" طلاق کنائی سے شمار کیا ہے، اور اس کو معنی میں، خلیت سبیلک، فارقتک لا سبیل لی علیک لا ملک لی علیک، کے معنی میں قرار دیا ہے، اور دلیل یہ دی ہے، الاحمر بل کل لفظ یدل علی التبری عنہا والتخلی والانقطاع وترک الاشتغال بہا ونحوہا یحتمل معنی المذکورۃ کما لا یخفی، اور ظاہر ہے تعلق نہیں کے ہم معنی واسطہ نہیں بھی ہے، یہ ان کنایات میں سے ہے جو سب کا احتمال رکھتے ہیں، اور ایسے الفاظ سے حالت مذاکرہ طلاق میں بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے، درمختار وتنویر الابصار میں ہے، وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخرین وان لم ینوی، تنویر و در میں ہے، اوزلالۃ الحال وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق او الغضب اس کے تحت شامی میں ہے، المراد بہا الحالۃ الظاھرۃ المفیدۃ المقصودۃ ومنہا تقدم ذکر الطلاق، اقول

(بقیہ ص ۲۱۵ پر)

الجواب: اس عورت نے ٹھیک کہا تھا، مارنا، جلانا اور دعا قبول کرنا نہ کرنا، اللہ عزوجل کی ہی شان ہے، اس کہنے پر اسے وہابیہ بتانا سخت جرم ہے، شوہر کو توبہ کرنی چاہئے، اگر واقع میں دو ہی بار طلاق دی، تو دو طلاقیں ہوگئیں، پھر تیسری بار شوہر کا یہ کہنا کہ میں اس کو طلاق دے چکا، ظاہر یہ ہے کہ اس سے تیسری طلاق واقع نہ ہوگی، یہ لفظ اردو میں اخبار کے لئے بولا جاتا ہے، لہذا اگر اس تیسرے لفظ سے اس کی نیت خبر دینے کی ہے، یعنی پہلے جو طلاقیں دے دی ہیں ان کی خبر دیتا ہے تو اس کا قول مان لیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ کلن بریلی، ۲۲ صفر المظفر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے تنازع کے وقت اپنی عورت سے کہا میں نے تجھ کو چھوڑا، میں نے تجھ کو چھوڑا، میں نے تجھ کو چھوڑا، اور کوئی طلاق کا لفظ زبان سے نہ نکالا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں، غصہ کی حالت میں یہ لفظ کہے ان الفاظ سے طلاق مقصود نہ تھی بینوا توجروا۔

الجواب: خود یہ لفظ طلاق کے لئے ہے، اور عرف میں یہ بمنزلہ لفظ طلاق صریح ہے، اس سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت و ارادہ کی بھی حاجت نہیں اور جب اس نے تین بار کہے تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب بغیر حلالہ وہ عورت زید کے نکاح میں نہیں آسکتی، فتاویٰ عالمگیری ص ۵۰۴ میں ہے، اذا قال الرجل لامرأته هشتم ترا ازنی فاعلم بان هذه اللفظة استعملها اهل خراسان واهل عراق فی الطلاق وانها صريحة عند ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ حتی کان الواقع بها رجعيا ويقع بدون النية وفی الخلاصة وبه اخذ الفقيه ابو الليث وفی التفريد وعليه الفتوی کذا فی التتارخانية واذا قال بهشتم ترا لم يقل ازنی فان کان فی حالة غضب ومذاکرة الطلاق فواحدة يملك الرجعة وان نوی بائنا او ثلثا فهو کما نوی وقول محمد رحمه الله تعالیٰ فی هذا کقول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ کذا فی المحيط ولو قال الرجل لامرأته ترا چنگ باز داشتم او بهشتم او يله کردم ترا او پائے کشاده کردم ترا، فهذا کله تفسير قوله طلقتك عرفا حتی يکون رجعيا ويقع بدون النية کذا فی الخلاصة وکان شيخ الامام ظهير الدين المرغينانی رحمه الله تعالیٰ يفتی فی قوله بهشتم بالوقوع بلا نية ويکون الواقع رجعيا۔

(بقیہ ص ۲۱۴ کا) هذا التفسير حالة مذاکرة الطلاق، فقط، چونکہ پہلے یہ کہہ چکا ہے "میں خوشی سے اس کو طلاق دیتا ہوں"، اس لئے حالت مذاکرہ طلاق کی ہوئی، اور یہ کچھ واسطہ نہیں ہے دوسری طلاق بائن پڑ گئی، اسی لئے حضرت نے اندرون عدت رجعت کا حکم نہیں فرمایا نکاح کے لئے تحریر فرمایا، هذا ما ظهر لی والعلم بالحق عند ربی، وهو جل مجده اعلم۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از بنارس محلہ کٹیہر، مرسلہ سردار مولوی حفیظ اللہ صاحب، ۷؍ ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولی محمد نیند سے بیدار ہوا تو بچہ رو رہا تھا غصہ معلوم ہوا تو بچہ کو دو تین طمانچہ مارا، بچہ کی ماں نے منع کیا اس پر مجھ کو اور غصہ آیا اور اس کو بھی مارا اس اثنا میں ہمارے بھائی امانت اللہ آئے اور مجھ کو روکا میں نے بھائی سے کہا آپ سے کیا مطلب میں ماروں گا، انھوں نے کہا اگر ایسا کرنا ہی ہے تو مکان سے نکل جاؤ، میں نے کہا میں نہیں نکلوں گا، تب بھائی امانت اللہ نے کہا، اگر تم سے نہیں پٹرتا تو چھوڑ دو، اس کے جواب میں ہم نے کہا کہ طلاق دے دیا، بعدہ تھوڑی دیر تک تکرار اور باتوں میں ہوتی رہی اس کے بعد سلامت اللہ آگئے اور مجھ سے کہنے لگے، کیا کرتے ہو چپ رہو یہ سب کیا بک رہے ہو، تو ہم نے سلامت اللہ سے کہا جو کہا سو کہا، سلامت اللہ نے کہا کیا کہا، تو ہم نے کہا کہ طلاق دیا، سلامت اللہ نے کہا کوئی گواہ بھی ہے ہم نے کہا امانت اللہ سے پوچھ لو، پھر سلامت اللہ نے پوچھا، کئی مرتبہ کہا، ہم نے کہا دو مرتبہ اتنا کہہ کر میں باہر چلا گیا، سلامت اللہ دونوں بھائی لڑ رہے تھے، اتنے میں میں پہونچا ولی محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم چلے جائیں گے، میں نے کہا، کہاں چلے جاؤ گے تو کہنے لگے ہم نہ رہیں گے، طلاق دے دیا، عورتوں نے اوپر سے ہاتھ سے اشارہ دیا کہ نہیں، پھر میں نے ولی محمد سے کہا، کیا ہنسی مذاق سمجھے ہو، پھر ولی محمد نے کہا، ہم نے طلاق دے دیا، اس کے بعد باہر چلے گئے، چند منٹ کے بعد ان کے بھائی امانت اللہ نے مجھ سے کہا کہ اس سے پوچھو، سچ کہا یا جھوٹ، میں نے پوچھا، جس کے جواب میں ولی محمد نے کہا، دو مرتبہ طلاق دیا، اتنا کہہ کر باہر چلے گئے؟

الجواب: صورت مستفسرہ میں کئی مرتبہ ولی محمد نے لفظ طلاق دیا، بیان کیا، اور سلامت اللہ گواہ بھی اس کا قول اتنا ہی بیان کرتا ہے کہ طلاق دیدیا، دو مرتبہ طلاق دیا، اول سے آخر تک کہیں طلاق کی اضافت نہیں ذکر کی اور وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے، درمختار میں ہے، لوقال ان خرجت یقع الطلاق اولا تخرجی الاباذنی فان حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا، اس کلام سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر صراحۃً اضافت سے خالی ہو تو طلاق اصلا واقع نہ ہوگی، مگر حق یہ ہے کہ صراحۃً اضافت ہونا ضرور نہیں، بلکہ اضافت اگر نیت میں ہو جب بھی کافی ہے، ہاں اگر شوہر قسم کے ساتھ یہ بیان کرے کہ میں نے اپنی اس عورت کو طلاق دینا مراد نہ لیا تھا تو وقوع

طلاق کا حکم نہیں دیں گے کہ اضافت نہ لفظا ہیں ہے نہ نیت ہیں، ردالمحتار ہیں بحرالرائق سے ہے، لوقال امرأۃ طالق او طلقت امرأۃ ثلثا وقال لم اعن امرأتی یصدق ام ویفہم منہ الا لو لم یقل ذالک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرھا، خصوصًا اس مقام ہیں جب کہ وہ اپنی عورت کو مارتا تھا اور اس کا بھائی امانت اللہ کہتا ہے کہ چھوڑ دو، اس کے جواب ہیں یہ کہتا ہے کہ طلاق دے دیا، یہ صریح اور صاف قرینہ ہے کہ اسی عورت کو امانت اللہ نے چھوڑنے کو کہا اور اس نے اسی عورت کو طلاق دینا کہا، ایسی صورت ہیں انکار کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، اور بہ نظر ظاہر اس کا انکار قابل سماعت نہیں اور جب کہ وہ اس سے انکار نہ کرتا ہو، تو دو طلاق کا حکم دیں گے، کہ وہ خود بھی دو مرتبہ طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے، اب رہا یہ معاملہ کہ سلامت اللہ کے سامنے اس لفظ کو کئی بار کہا اور یہ بھی کہتا ہے کہ دو مرتبہ طلاق دیا، اگرچہ حکم یہ ہے کہ جتنی مرتبہ اس لفظ کو زبان سے کہے، اتنی ہی طلاقیں واقع ہوتی ہیں، یعنی تین مرتبہ تک، مگر چونکہ یہ سوال کے جواب ہیں ہے، لہذا یہ خبر ہے، انشا نہیں، تو اس لفظ سے جدید طلاق واقع نہ ہوگی، وہی دو رہیں گی، فتاوے عالمگیری ہیں ہے، لوقال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتہا او قال قلت ھی طالق فھی واحدۃ فی القضاء کذا فی البدائع لہذا صورت مسئولہ میں اگر پیشتر کبھی اس عورت کو ایک یا دو طلاق دے چکا ہے، تو اب مغلظہ ہوگئی۔ ورنہ یہ دو دو جعی ہیں، اگر عدت ختم نہ ہوچکی ہو تو رجعت کرسکتا ہے اور عدت ختم ہوچکی ہے، تو اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت نہیں، مگر یہ معلوم رہے کہ آئندہ جب کبھی اسے ایک طلاق دے گا، تو ایک ہی سے مغلظہ ہو جائے گی کہ دو یہ ہوچکی ہیں، اس وقت تین جدید کی حاجت نہ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از جودھپور مارواڑ پوکھرن ٹھاکر صاحب کی دوکان، مرسلہ حاجی غلام محمد عبدالعزیز صاحب ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۴۸ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ہیں کہ مساۃ بسم اللہ بنت الہ دین کا نکاح مسمیٰ میرو سے ہوا اور میرو اپنی اہلیہ بسم اللہ کے ساتھ جودھپور ہی ہیں رہنے لگا، چونکہ بسم اللہ صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کی پابند تھی اور اس کا شوہر صوم وصلوٰۃ کا پابند نہ تھا، اس لئے وہ اکثر بسم اللہ کے صوم وصلوٰۃ کے لئے مانع ہوتا تھا، شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ شخص مذکور نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور صاف کہدیا کہ

میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، یہ میرے کام کی نہیں ہے، اس وقت بسم اللہ حاملہ تھی، لیکن اس نے اپنے گھر سے نکال دیا اور خود تمام سامان لے کر بنیا شہر چلا گیا، تین سال تک اس نے بسم اللہ کی کوئی خبر نہیں لی، بعدہ چند اشخاص نے واپس لانے کے لئے کہا، اس پر بھی اس نے وہی جواب دیا کہ میں اس کو طلاق دے چکا ہوں، وہ اب کیسے واپس آسکتی ہے، مگر اس کے مشیروں نے کہا، ہم اس کو برادری کے ذریعہ سے تیرے ساتھ کردا دیں گے، بالآخر اس نے جودھپور آکر پنچایت کی، پنچایت نے بھی بسم اللہ کو اور اس کے والد سے بسم اللہ کو ساتھ جانے کے لئے مجبور کیا، چونکہ چار معتبر شخصوں نے بھی اس کے طلاق دے دینے کی تصدیق کی، اس لئے بسم اللہ طلاق ہو جانے کی وجہ سے ساتھ چلنے کو انکاری ہے، لہٰذا صورت حال میں عند الشرع کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

الجواب: سائل نے یہ تحریر نہیں کیا کہ میرو نے بسم اللہ کو کتنی طلاقیں دیں، اگر تین طلاقیں دی ہیں، جب تو بسم اللہ کا جانا درکنار بغیر حلالہ بسم اللہ کا میرو کے ساتھ نکاح بھی نہیں ہو سکتا اور اگر ایک یا دو طلاقیں دیں اور عدت پوری ہو گئی اور میرو نے رجعت نہ کی، یا وہ طلاق بائن تھی تو اب بسم اللہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی، اس صورت میں بھی بغیر نکاح جدید اس کے یہاں نہیں جا سکتی، بظاہر یہی دو صورتیں معلوم ہوتی ہیں، اور بلا شبہ ان صورتوں میں بسم اللہ کا اس کے یہاں جانا حرام ہوگا اور جو لوگ اسے مجبور کرتے ہیں، وہ حرام پر مجبور کرتے ہیں، ہرگز ان کے کہنے پر بسم اللہ ایسا نہ کرے ورنہ آخرت کے سخت مواخذہ کی مستحق ہوگی،

واللہ تعالیٰ اعلم، ۔ ۱۳۵۸ھ

مسئلہ: مرسلہ دلدار علی ڈاکخانہ جھریا، مقام اننٹ بھگڑ یا بنیا، کلوڑی چانک کے پاس ۳ر محرم الحرام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو گواہوں کے سامنے یہ بات کہی کہ ہم اس عورت کو نہیں رکھیں گے، اور ہم کو اس عورت سے اب کوئی غرض و تعلق باقی نہیں رہا اور ہم یہ بات کہدیتے ہیں، اپنی زبان سے کہ ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، اسی طرح سے زید نے تین مرتبہ کہہ کر چھوڑ دیا، آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ ۔

الجواب: صورت مذکورہ میں کہ زید نے تین مرتبہ یہ کہا کہ "ہم نے اس عورت کو چھوڑ دیا، اس سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، طلاق کی عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، یعنی زید نے جب یہ لفظ

کہا، اس کے بعد سے عورت کو اگر تین حیض ہو چکے ہوں تو عدت پوری ہوگئی اور اب نکاح کر سکتی ہے، اور ابھی تین حیض نہ ہوئے ہوں تو جب پورے ہو جائیں نکاح کرے، فتاوی عالمگیری میں ہے، ولو قال الرجل لامرأته ترا چنگ باز داشتم او بهشتم او یلہ کردم ترا او پائے کشادہ کردم ترا، فهذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی رحمہ اللہ تعالی یفتی فی قولہ بهشتم بالوقوع بلا نیۃ ویکون الواقع رجعیا ویفتی فی ماسواها باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنا کذا فی الذخیرۃ، واللہ تعالی اعلم ۔

اضافت کا بیان

مسئلہ: آمدہ از نواب گنج، ۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے سسر سے کہا، میرا زیور مجھ کو دیدے، تیری لڑکی سے کچھ تعلق نہیں ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اگر فقط اتنے ہی لفظ کہے جو سوال میں درج ہے تو طلاق نہیں کہ تیری لڑکی سے تعلق نہیں ہے یہ لفظ مجمل ہے، یہ نہیں کہا کہ کس کو لڑکی سے تعلق نہیں ہے، زیور کو یا مجھ کو یا کسی اور کو اور یہ بھی نہیں بتایا کہ اپنی زوجہ کے نسبت کہتا ہے یا کسی اور کی نسبت کیوں کہ سائل سے معلوم ہوا کہ زوجہ کی اور بھی تین بہنیں ہیں، لہذا تعیین نہیں ہوئی تو طلاق نہیں ہوئی، واللہ تعالی اعلم ۔

مسئلہ: مسئولہ جناب حبیب اللہ صاحب، شہر کہنہ، ۱۸ر جمادی الاولی ۱۳۴۸ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور زید کی زوجہ سے آپس میں زبانی تکرار ہوئی، جب عورت نے زبان درازی زیادہ کی تو زید کو غصہ زیادہ بڑھا آپس میں لڑائی بھی زیادہ بڑھ گئی، اسی وقت زید نے ایک مرد اور دو عورت کی موجودگی میں تین مرتبہ زبان سے ادا کیا، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اب ایسی صورت میں عورت نکاح سے باہر ہوگئی یا نہیں؟ ۔

الجواب: اگر صورت واقعہ یہی ہے اور زید نے یہی لفظ کہے، جو سوال میں ہیں اور اتنے کہے تو

طلاق واقع نہ ہوئی کہ اضافت سے خالی ہے، اور طلاق بغیر اضافت[1] واقع نہیں ہوتی، فتاویٰ خانیہ ص ۴۳۲ پھر خلاصہ پھر عالمگیری ص ۴۰۸ میں ہے، رجل قال لامرأته فی الغضب اگر تو زن منی سہ طلاق وحذف الیاء لاتطلق لانه ما اضاف الطلاق الیها، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ ۵۰ از سکندر پور ضلع بلیا مرسلہ نور علی شاہ، ۱۲ ربیع الاولیٰ ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گوہر علی شاہ اور ان کی بیوی میں جھگڑا ہوا اسی وقت گوہر علی شاہ کے بھائی نور علی شاہ آئے ان کے سامنے گوہر شاہ کی بیوی نے گوہر شاہ کو فحش گالیاں دینی شروع کی، اس پر نور علی شاہ نے اپنے بھائی سے پوچھا بتاؤ اب کیا ہوگا، اس پر گوہر شاہ نے کہا میں نے اس کو طلاق دے دیا، نور علی شاہ نے منع کیا، مگر پچیسوں مرتبہ یہی کلمہ کہتے رہے، جناب مولوی عبد العظیم صاحب کے پاس بھی آکر یہی کلمہ کہا، کہ میں نے اس کو چھوڑا، اب سکندر پور میں منہ نہ دکھاؤں گا، پچیسوں مرتبہ کہتے رہے، اور وہاں سے حافظ وارث علی صاحب کی خدمت اقدس میں گئے، وہاں بھی یہ کہا میں اپنی بیوی کو طلاق دیکر آیا ہوں، اور اب حافظ صاحب کے ساتھ جاؤں گا اور پھر سکندر پور نہیں لوٹوں گا، پھر سکندر پور پہونچے، لوگوں سے یہ خیال ظاہر کیا کہ میں نے اس کو طلاق نہیں دی، میں اس کو رکھوں گا، اس پر نور علی شاہ نے محلہ کے چند آدمیوں کو جمع کر کے یہ مسئلہ پیش کیا تو لوگوں نے طلاق کی بابت گوہر شاہ سے پوچھا تو گوہر شاہ نے انکار کیا کہ میں نے طلاق نہیں دی، یوں ہزاروں لاکھوں مرتبہ طلاق طلاق کہا، مگر کسی کا نام نہیں لیا، اس کے بعد نور علی شاہ نے طلاق کے ثبوت میں لوگوں سے کہا کہ عبد الرحمٰن میاں سے انھوں نے اپنا طلاق دینا ان لفظوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر آیا ہوں، گوہر شاہ نے کہا عبد الرحمٰن کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، وہ میرے دشمن ہیں، لال محمد اسی مجلس میں موجود تھے، نور علی شاہ نے مجمع سے کہا، لال محمد موجود ہیں، ان سے دریافت کریں، مجمع نے لال محمد سے دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا، میں نے اتنا سنا کہ عبد الرحمٰن نے گوہر شاہ سے کہا کہ اب

---

[1] اضافت کی بحث اس مسئلے میں جو حق ہے، اسے منقول ہے کہ خود حضرت نے تحریر فرمائی ہے اور اس خادم نے اس کے تحت حاشیہ میں ذکر کی ہے، اور آئندہ مختلف مسائل میں حضرت نے اس کی تفصیل فرمائی ہے، وہ ساری تفصیل یہاں اور اضافت کے جملہ مسائل میں جاری ہوگی یہاں حضرت نے بنظر اختصار صرف ایک شق پر حکم صادر فرمایا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

تو تمھاری بیوی تم پر حرام ہوگئی، گوہر شاہ نے کہا، ہاں تب نور علی شاہ نے کہا. ان واقعات سے انکا طلاق دینا میرے نزدیک ثابت ہو چکا ہے، میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا. تب گوہر شاہ نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرکے مجمع کے سامنے نور علی شاہ سے کہا، لیجئے اب میں چھوڑتا ہوں، آپ لوگ گواہ رہیں. اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں، طلاق ہو جانے کے بعد اس کو رکھ لینا کیسا ہے، نور علی شاہ ان کی کچھ مدد کریں تو کیا حکم ہے، اور جو لوگ گوہر شاہ کو اس بیوی کو رکھنے کی ترغیب دیں، اور اس طلاق کو طلاق نہ سمجھیں ان لوگوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب: طلاق میں اضافت کی ضرورت ہے، اگر اضافت بالکل نہ ہوتی تو طلاق واقع نہ ہوتی، درمختار میں ہے، لم یقع لترکہ الاضافۃ الیہا، مگر گوہر علی شاہ کے الفاظ میں اضافت موجود ہے کیونکہ اس نے یہ کہا ہے کہ میں نے اس کو طلاق دے دیا، اگرچہ بعد میں اپنے ان الفاظ سے انکار کرتا ہے، مگر نور علی شاہ کے سامنے یہی الفاظ کہے اور مولوی عبدالعظیم کے سامنے انھیں الفاظ سے بیان کیا، اور دوسرے لوگ بھی ان الفاظ کے شاہد موجود ہیں، پھر یہ انکار قطعاً نامعتبر ہے، اس کی عورت کو تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اور بغیر حلالہ اس سے نکاح بھی نہیں کر سکتا، رہا یہ کہ بی بی کا نام نہ لیا، مگر جب کہ عورت سے جھگڑا ہو رہا تھا، اور نور علی شاہ نے اسی عورت کے متعلق سوال کیا تھا، اس پر گوہر علی شاہ نے کہا، میں نے اس کو طلاق دے دیا، تو "اس کو" سے مراد وہی عورت ہوگی، اور طلاق ضرور واقع ہوگی نیز لوگوں کے سامنے گوہر علی شاہ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دیدیا بالکل صاف ہے، ان الفاظ کے ہوتے ہوئے نام لینے کی حاجت نہیں، صورت مذکورہ میں بغیر حلالہ اس عورت کو تصرف میں لانا حرام اور جو ایسی ترغیب دینے والے ہیں، وہ بھی حرام کے مرتکب ہیں، اس وطی حرام کے وبال میں وہ بھی شریک ہیں، قال اللہ تعالیٰ، ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، گوہر علی شاہ پر فرض ہے کہ اس عورت سے فوراً جدا ہو جائے اور توبہ کرے ورنہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ گوہر علی شاہ کا مقاطعہ کریں، اس سے میل جول، سلام کلام سب ترک کریں، قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: مسئولہ نیاز علی خاں، محلہ بازار صندل خاں، بریلی، ۳۰، شوال ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، چار شخصوں اور بیوی کے روبرو اور طلاق نامہ لکھا گیا جس پر چار شخصوں کی گواہی ہوئی، مہر بخشنے کا علاحدہ کاغذ لکھا گیا، اور کاغذ اب پھاڑ ڈالے گئے اور اب چاہتے ہیں کہ دونوں کے باہم پھر نکاح ہو جائے، اگر جائز ہے، تو کس طرح جائز ہے، مہر کردی جائے اگر ناجائز ہے تو کس طرح ناجائز ہے، مہر کردی جائے، اور لوگوں کے کہنے سے دطلاق دی، طلاق دی، کہنے سے پہلے رویا بھی، تب شوہر کہتا ہے کہ دو مرتبہ طلاق دی؟

الجواب: شوہر نے حلف کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے صرف اتنے ہی لفظ کہے تھے کہ میں نے طلاق دی نہ اپنی عورت کا نام لیا تھا، نہ اس کی طرف اشارہ تھا، نہ اس لفظ سے میری مراد بیوی کو طلاق دینا تھی، اور گواہ مسمیٰ کفایت علی ولد صادق علی ساکن محلہ کٹھگر نے بھی یہی بیان کیا کہ صرف اتنے ہی لفظ کہے تھے، بیوی کا نہ نام لیا نہ اس کی طرف اشارہ کیا، لہذا صورت مذکورہ میں چونکہ یہ کلمہ اضافت سے خالی ہے، طلاق واقع نہ ہوئی بحرالرائق میں ہے، لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا، ہاں بیان شوہر سے معلوم ہوا کہ جو طلاق نامہ لکھا گیا تھا جس کو کاتب نے پڑھ کر شوہر کو سنایا تھا اور شوہر نے اس پر انگوٹھے کا نشان لگایا اور وہ کاغذ پھاڑ ڈالا گیا، اس میں یہ لکھا تھا کہ مساۃ النوری بنت خادم حسین بیگ اپنی زوجہ کو میں نے طلاق دی، اس طلاق نامہ میں صرف ایک بار طلاق کا ذکر تھا، پس اگر واقع یہی ہے، تو اس طلاق نامہ کی رو سے ایک طلاق رجعی ہوگئی، اور شوہر اس عورت کو پھیر سکتا ہے اور چونکہ اس صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی، لہذا شوہر کا دو شخصوں کے سامنے اتنا کہدینا کہ میں نے اس عورت کو واپس لیا، کافی ہے، جدید نکاح کی بھی حاجت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ ڈاکٹر محمود صاحب، شہر کہنہ، بریلی، ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک جلسہ میں دو مرتبہ طلاق دی، کچھ لوگوں نے پہلے ہی سے اس امر کی کوشش کی تھی کہ آپس میں نفاق ہو جائے، اور طلاق دلوا دیں، کیونکہ پہلے ہی سے زید کے سسرال سے نااتفاقی کرا چکے تھے، اب طلاق کے بعد زید کی ساس اور زید میں اتفاق ہو گیا، تب خوش دامن نے یہ کہا کہ لوگوں نے مجھ کو بہت دھوکہ دیا اور زید کی طرف سے ایک پرچہ دیا، جس کا یہ مضمون تھا کہ تمہارا داماد تمہاری بیٹی کو مارپیٹ کے کپڑے اتار لے گا اور نکال دے گا حالانکہ

زید کو اس پرچہ کی اب تک خبر نہ تھی، آج چار سال کا زمانہ ہوا لیکن اس درمیان میں سسرال سے برابر زید کی آمد ورفت رہی، اور اب تک ہے، بہت سے لوگوں نے زید کی بیوی سے نکاح کی خواہش کی بیوی نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ دوسرا نکاح نہیں کروں گی، میں اپنے پہلے ہی خاوند کے گھر جاؤں گی، یہ حال تمام لوگوں پر روشن ہے، اب بیوی چلی آئی اور زید نے نکاح کر لیا، اب زید یا زید کی بیوی پر کیا حکم شرع ہوتا ہے، بینوا توجروا،

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید نے صرف یہ لفظ کہ میں نے طلاق دی، دو بار کہے، اگر واقع میں یہ بیان صحیح ہے اور عورت کا نہ نام لیا نہ اس کی طرف اشارہ کیا کہ اسے طلاق یا تجھ کو طلاق دی، تو یہ اضافت سے خالی ہے اور حکم وقوع طلاق کے لئے اضافت ضرور ہے، کما فی الخانیہ وغیرھا، اور اگر اضافت تھی تو دو طلاقیں واقع ہو گئیں، اگرچہ رجعی تھیں کہ عدت کے اندر رجعت کر سکتا تھا، مگر جب عدت گذر چکی تو رجعت نہیں ہو سکتی، ہاں نکاح جدید ہو سکتا ہے کہ اب بائن ہو گئی، رجعی کا حکم صرف زمانۂ عدت تک رہتا ہے، اور چونکہ طلاقیں دو ہی دی ہیں، لہذا حلالہ کی حاجت نہیں، بغیر حلالہ نکاح ہو سکتا ہے، قال اللہ تعالیٰ، الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر ایک طلاق اب کبھی دے گا تو مغلظہ ہو جائے گی یعنی پورے تین ہو جائے گی، اور اس وقت حلالہ کے بغیر زید سے نکاح نہ ہو سکے گا، قال اللہ تعالیٰ، فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از ریاست الور محلہ نواب پورہ مرسلہ جناب سید محمد احمد صاحب، ۷ رشعبان ۱۳۴۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت طلاق کا دعویٰ کرتی ہے، اور شوہر منکر طلاق ہے، عورت نے جو گواہ ثبوت طلاق میں پیش کئے ہیں، ان کے بیانات کی نقل اور عورت کا بیان اور خط بھی منقول از اصل ارسال ہے،

بیان محمد یوسف: میں ایک روپیہ ماہوار کرایہ بیٹھک مرزاجی کا دیتا ہوں، شاید تاریخ ۱۹ یا ۱۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو دن کے دو بجے جھگڑا ہوا بدعی مسعود حسن اور ان کی ساس کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا مسعود نے کہا میری عورت کو بھیج دو ساس نے کہا جہلم بعد بھیجوں گی، پھر مدعی نے برقعہ بالی منگوایا میں نے اندر سے لاکر دے دیا، میں نے طلاق کا لفظ نہیں سنا، نہ میرے سامنے کہا، میں اندر بیٹھک ہی میں بیٹھا ہوا تھا، میں مسعود حسن سے دو ہاتھ کے

فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا، سب لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، بسوال مدعی کے مختار کا جواب دیا، انور خاں اس وقت موجود تھے، یہ میرے چچازاد بھائی ہوتے ہیں، یہ میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، ایک ہاتھ کے فاصلہ پر کرسیاں پڑی ہیں، وہاں بیٹھے تھے، ان کی ساس نے برقع وبالی لادی، وہ میں نے مدعی کو دے دی، مدعی خاکی ڈریس پہنے ہوئے تھا،

بیان انور خاں کس (ایہا داد)۔ مدعی نے اپنی ساس سے کہا میں اپنی عورت لے جاؤں گا اسے بھیج دو اس نے کہا چہلم ہو جانے دو لے جانا، مدعی نے کہا میں ضرور لے جاؤں گا، تم کو بھیجنا ہو گا، اس نے کہا، بغیر چہلم ہوئے میں نہیں بھیجوں گی، اس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا، مدعی نے کہا، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، پانچ چھ دفعہ یہ لفظ کہے اور کہا تم ساری عمر اپنے گھر رکھو، یہ لفظ مدعی نے تیزی میں آکر کہے تھے،

بیان خدا بخش:۔ مدعی نے کہا ساری عمر رکھو، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، میرے کپڑے دیدو یہ لفظ تین چار دفعہ طلاق کے کہے،

بیان نجیب الدین:۔ مدعی نے کہا کہ تو نہیں بھیجے گی، تو میرے کام کی نہیں ہے، میں چھوڑ چکا دو تین دفعہ یہ کہا اور اپنا مال مانگا،

بیان امیر:۔ مدعی نے چار دفعہ کہا، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی،

بیان ہیتو:۔ پھر مسعود نے کہا، میں نے طلاق دی، ساری عمر رکھو، تین چار دفعہ تیزی میں آکر یہ لفظ کہے،

بیان جمیلہ بیگم:۔ خط جو مسعود حسن نے حضور کو دکھایا وہ مجھے دکھایا، میں نے دیکھا، یہ خط میرے ہاتھ کا ہے یہ خط مجھے یاد نہیں کس کو لکھا ہے، خط کی عبارت میرے ہاتھ کی نہیں ہے، مگر میں ایسا ہی لکھتی ہوں، میں نے خط کو غور کر کے دیکھ لیا ہے، میرے ہاتھ کا نہیں ہے، قرآن شریف کی رو سے کہتی ہوں، میرے ہاتھ کا نہیں ہے، نہ اس پر میرے ہاتھ کے دستخط ہیں، میں نے چھ ٹکڑے کاغذ کے جو مجھے دکھلائے ہیں، یہ بھی میرے ہاتھ کے نہیں ہیں، میں نے اپنے شوہر کو کبھی خط نہیں لکھا، مدعی دعوی مختار نامہ کو دیکھا، ان پر میرے دستخط ہو رہے ہیں، میرے ہاتھ کے ہیں، میں نے اپنے خاوند سے کہا تھا، میرے بھائی کا چہلم ہو جائے گا، اس کے بعد میں تمہارے گھر آؤں گی، اس کے دوسرے دن پھر میرا خاوند آیا، اور بیٹھک میں رہا اندر سے نہیں آنے دیا، لڑائی جھگڑا ہوا، میری والدہ نے

یہ کہا جب چالیسواں ہو جائے گا، جب بھیجوں گی، بسوال عدالت جواب دیا، میرے خاوند نے کہا جب تم آتی ہو لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، تم بیتر بالی واپس کر دو، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اب اپنے خاوند کے ساتھ ہرگز جانا نہیں چاہتی، کیونکہ مجھے طلاق دے گئے، مفصل جواب عنایت ہو کہ ان بیانات سے شرعًا طلاق ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اللّٰھم بک نستعین، مفتی کا کام صورت مستفسرہ کا جواب دینا ہے۔ اب رہا کہ واقعہ کی تحقیق کرنا کہ اس صورت معاملہ میں کیا واقعہ ہے، یہ مفتی سے متعلق نہیں، بلکہ یہ کام قاضی کا ہے، وہی واقعات کی تحقیق کرتا ہے اور جیسا گواہوں سے ثابت ہو اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے، اور اس سوال میں چونکہ کسی خاص صورت کا حکم نہیں دریافت کیا گیا ہے، بلکہ چند گواہوں اور عورت کے بیان پیش کر کے سوال کیا گیا ہے۔ لہذا یہ معاملہ متعلق بقضا ہے، اور فیصلہ کے لئے چند امور کی ضرورت ہے، صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ گواہوں کے بیان پیش کر دئیے اور اس پر فیصلہ کر دیا جائے، سب سے پہلے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ گواہوں کے متعلق یہ دیکھا جائے کہ آیا یہ اس قابل ہیں یا نہیں کہ ان کی گواہی قبول کی جائے، اگر یہ بات نہ ہو تو ہر جھوٹے دعویٰ کو جھوٹے گواہوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے، تو ایسے فیصلے سے مظلوم کی داد رسی کیا ہوگی، بلکہ ظلم کرنا ہوگا، جن گواہوں کے بیانات بھیجے گئے، ان کے متعلق کوئی ایسی تحریر نہیں ہے، جس سے ان کا ثقہ عادل ہونا ثابت ہو۔ نہ ان کے حالات کی کچھ تفصیل ہے جس سے تبصرہ کیا جا سکے، صرف ایک خدا بخش کی نسبت البتہ اتنا ہے کہ قمار بازی میں اسے سزا ہو چکی ہے، اور اس کا یہ بھی اقرار ہے کہ شراب بھی پیتا تھا۔ باقی گواہوں کے متعلق کوئی نہ جرح ہے نہ تعدیل سائل کو چاہئے تھا کہ سوالات کی ترتیب درست کرتا تاکہ جواب کے لئے آسانی ہوتی، مگر سوال کرنا معمولی کام نہیں۔ اسی واسطے فقہاء نے فرمایا ہے کہ۔ السوال نصف العلم، اور کاغذات بھی بھیجے گئے، تو نامکمل عرضی دعویٰ جس کا جملہ بیگم اپنے بیان میں اقرار کرتی ہے، وہ نہیں آیا تاکہ معلوم ہوتا کہ عرضی دعویٰ اور زبانی بیان میں موافقت ہے، یا مخالفت، شوہر کا نہ تحریری بیان ہے نہ زبانی ان سب امور سے گذر کر جو کچھ ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے اس کے متعلق حکم شرعی ظاہر کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق، خدا بخش چونکہ ایک قمار باز اور شراب خور شخص ہے، جس کی توبہ اور اصلاح کار کا کچھ پتہ نہیں ہے، لہذا اس کی گواہی مردود، نجیب الدین نے جو الفاظ بیان کئے،

وہ یہ ہیں" تو نہیں بھیجے گی، تو میرے کام کی نہیں میں چھوڑ چکا"، اولاً یہ الفاظ اس کے تنہا ہیں، نہ جمیلہ بیگم یہ الفاظ بیان کرتی ہے، نہ کوئی دوسرا گواہ اس کی تائید کرتا ہے، دوم یہ لفظ کہ تو نہیں بھیجے گی، ظاہر ہے کہ یہ لفظ مسعود نے اپنی ساس سے کہا ہے، کیونکہ جمیلہ سے اس کے کہنے کے کوئی معنی نہیں، اب اس کے بعد کا جملہ" تو میری کام کی نہیں" اس سے ساس مراد ہے تو ساس کو کہا کرے، اس سے کیا ہوتا ہے اور جمیلہ کو کہا تو اوپر کا کلام اس کے منافی ہے، ان وجوہ سے بھی یہ گواہی قابل اعتبار نہیں، امیر گواہ یہ کہتا ہے کہ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس نے طلاق دی نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس کو طلاق دی فقط اتنے لفظ کے کہنے پر طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا، اب صرف دو گواہ انور خاں و ہبو، باقی ہیں، انور خاں کے لفظ یہ ہیں، میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اور ہبو کے الفاظ یہ ہیں، "میں نے طلاق دی ساری عمر رکھو، تین چار دفعہ تیزی میں آکر یہ لفظ کہے، ان دونوں کے الفاظ بھی مختلف ہیں اور یوسف گواہ وہیں موجود ہے، وہ یہاں تک دخیل ہے کہ برقعہ اور بالیاں وہی لاکر دیتا ہے، اور تمام واقعات اس کے سامنے ہوئے ہیں، وہ الفاظ طلاق سے بالکل انکار کرتا ہے، تعجب ہے کہ مسعود دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے، سب طلاقیں سنیں اور یوسف نہ سنے حالانکہ یہ گواہ بیان کرتے ہیں کہ کئی مرتبہ یہ لفظ کہے، انور خاں اور ہبو اگر فرض کیا جائے کہ متفق اللفظ ہوں، جب بھی ان دونوں نے جو لفظ بیان کئے، ان میں یہ نہیں کہ کس کو طلاق دی، بلکہ خود جمیلہ بیگم کے بیان میں بھی یہ تصریح نہیں، اور ظاہر یہ ہے، کہ شوہر طلاق سے منکر ہے، ورنہ گواہوں سے ثابت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، اور حکم وقوع طلاق کے لئے اضافت ضرور ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے، لو قال ان خرجت یقع الطلاق اولا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا۔ لہٰذا اگر یہ قول ثابت بھی ہو تو جب تک شوہر سے اضافت کا ثبوت نہ ہو وقوع طلاق کا حکم نہ دیں گے، مسماۃ جمیلہ بیگم کے بیان کی حاجت بھی قابل توجہ ہے، اولاً اس تحریر کا صاف اقرار کرتی ہے، جس میں اس کے بھائی وغیرہ کی خواہش ہے کہ جدائی ہو جائے، پھر یہ کہتی ہے کہ میرا یہ خط نہیں ہے، مگر میں لکھتی ایسا ہی ہوں، اس سے ترشح ہوتا ہے کہ یہ انکار کسی کے بتانے اور کہنے سے کرتی ہے، خود یہ کچھ نہیں ہے، جیسا کوئی کہتا ہے وہی یہ بھی کہتی ہے، لہٰذا اس کا قول قابل اعتبار نہیں، بالجملہ ان کاغذات کے دیکھنے پر جو نتیجہ میں نے اخذ کیا وہ یہ ہے جو تحریر کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از پراری اسکول، ضلع بھاگلپور، مرسلہ جناب عبدالغفور شاہ ماسٹر۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے وطن کو چھوڑ کر آٹھ ماہ سے اپنے سسرال میں سکونت پذیر تھا، بیان کرتا ہے کہ ایک روز میں نے اپنی بیوی کو جو ایک کمرے کے دروازے کے چوکھٹ سے متصل کھڑی تھی کسی قصور پر چوکھٹ سے ٹکرا دیا جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر ورم آگیا، یہ کل باتیں میری ساس کے غائبانہ میں ہوئی، دوسرے روز میری ساس نے مجھ سے کہا کہ تم نے اس طرح کیوں مارا ہیں نے انکار کیا اور کہا کہ تم اپنی لڑکی سے دریافت کرو، لیکن وہ برافروختہ ہوکر مجھ کو سخت سست کہتی رہی اور یہ بھی کہا، کہ مارپیٹ کیوں کرتے ہو، میری بیٹی کو طلاق دے کر میرے یہاں سے نکل جاؤ، اس بات کو سن کر مجھے ایک جنون کی کیفیت طاری ہوئی اور بے ساختہ میرے منھ سے نکل گیا، طلاق، طلاق کہتی ہو تو لو طلاق طلاق جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، اس وقت میری بیوی دوسرے گھر کے صحن میں بیٹھی کام میں مشغول تھی، جو تقریباً پچیس ہاتھ کے فاصلہ پر ہے زید کے خویش و اقارب اس کے بیان کو سن کر مناسب و ضروری سمجھا کہ اس کی بیوی اور ساس کے بیان کو بھی معلوم کرلیں: چنانچہ ان لوگوں نے جو بیان کیا، اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے، زید کی ساس کا بیان ہے کہ، میری بیٹی کچھ کھا رہی تھی، کہ یکایک میری نظر اس کی پیشانی کے ورم پر پڑی، میں نے اس سے دریافت کیا، یہ پھولن کیسا ہے، لڑکی نے جواب دیا، کواڑ کی چوٹ لگی ہے، ہم نے کہا، اگر چوٹ لگی ہے تو میری قسم کھا کر کہو کہ چوٹ لگی ہے، لیکن بجائے قسم کھانے کے خاموش بیٹھی رہی، اس پر پورا گمان ہوا کہ اس کو اس کے شوہر نے مارا ہے، تو مجھ کو غصہ آگیا، اور جب زید حویلی کے اندر آیا، تو ہم نے زید کو کہا یہ کیسا کمینہ پن ہے، کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہیں مارتا ہے، تم یہاں سے نکل جاؤ، یہ سن کر کہا کہ طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا، اس وقت زید کی بیوی اپنے چچا کے مکان کے سائبان میں تھی اور زید اور زید کی ساس دوسرے مکان کے سائبان میں تھی جس کا فاصلہ تخمیناً بیس پچیس ہاتھ تھا، زید کی بیوی کہتی ہے، کہ ہم نے صرف اپنی جگہ سے طلاق، طلاق، طلاق کی آواز سنی، اور کسی مرتبہ بھی لفظ دیا نہیں سنا، اب اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: زید کا جب یہ بیان ہے کہ اس کی ساس نے کہا کہ میری بیٹی کو طلاق دے کر میرے

یہاں سے نکل جاؤ، اس پر زید نے کہا، طلاق، طلاق کہتی ہو تو لو طلاق، طلاق، اگرچہ زید کے ان الفاظ میں اضافت نہیں ہے، اور وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے، مگر چونکہ یہ ساس کے جواب میں کہا، اور اس کی ساس نے یہی کہا تھا کہ میری بیٹی کو طلاق دے کر نکل جاؤ، لہذا زید کے الفاظ کے معنی یہی متعین ہیں کہ تمھاری بیٹی کو طلاق، اس بیان سے دو طلاقیں پڑگئیں، رہا زید کی ساس یا زوجہ کا بیان، اس میں اگرچہ نہ اضافت مذکور ہے نہ کسی سوال کا جواب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اضافت ماخوذ ہو، اور یہ کلام ضرور محتمل تھا، مگر جب کہ زید کا بیان خود صاف وصریح ہے، تو دیگر بیانوں کی کچھ حاجت نہیں، البتہ ان دونوں کے بیانوں میں لفظ طلاق تین مرتبہ ہے، لہذا اگر زید تین بار کا اقرار کرے یا گواہوں سے تین بار لفظ طلاق ثابت ہو تو تین طلاقیں ہوں گی، ورنہ دو طلاق میں تو کلام ہی نہیں، پھر اگر تین بار کہنا ثابت ہو جب تو وہ عورت نکاح سے نکل گئی، اور بغیر حلالہ زید کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر دو ہی بار کہا ہے تو رجوع کرسکتا ہے، اور آئندہ کے لئے صرف ایک طلاق کا مالک رہے گا، کہ ایک طلاق دینے سے مغلظہ ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب از گوری پور ضلع چوبیس پرگنہ، ۸ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

باپ اپنے جوان آوارہ بیٹے کی فہمائش کرتا ہے کہ تم اپنی بیوی کی خبر گیری کرو، اس کے نان ونفقہ کا انتظام کرو۔ بیٹا جواب دیتا ہے کہ میرا نکاح ہی نہیں ہوا یا یہ کہ مجھے معلوم ہی نہیں، میں جانتا ہی نہیں کہ میرا نکاح ہوا ہے اور فلاں میری بیوی ہے، باپ نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر تم طلاق دیدو لڑکے نے جواب میں کہا، طلاق، طلاق، طلاق، بس صرف لفظ طلاق تین مرتبہ کہا، نہ اس نے اس کی نسبت واضافت کسی طرف کی نہ کسی نے اس سے پوچھا، آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر واقع ہوئی تو کس لفظ سے اور کون سی؟ ۔

الجواب: انکار نکاح یا نکاح سے ناواقفیت کے اظہار سے طلاق نہیں پڑتی، اگرچہ یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وان قال لم اتزوجک ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذا فی البدائع ولو قال مالی امرأۃ لایقع وان نوی، البتہ بعد میں جو اس نے سوال کے جواب میں طلاق، طلاق، طلاق کہا، اس سے طلاق ہو جائے گی، اگرچہ شوہر کے الفاظ میں اضافت نہیں، مگر طلاق واقع ہوگی، کہ صریح اضافت وقوع طلاق کے لئے ضرور نہیں، ردالمحتار میں ہے، قولہ بترکہ الاضافۃ ای المعنویۃ فانھا الشرط، چونکہ اس کے باپ نے

اس کی عورت کے نفقہ کے متعلق کہا تھا، جس پر اس نے نکاح سے انکار کیا، پھر اس نے کہا ایسا ہے تو طلاق دیدی جس کا مطلب یہی ہے کہ اس عورت کو طلاق دے دو، اس کے بعد اس کا یہ لفظ کہنا، اس کے یہی معنی ہیں کہ اس عورت کو طلاق ہے، لہذا طلاق ہوگئی، پھر اگر وہ عورت مدخولہ ہے، تو تین ہوئیں، اور غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق سے بائن ہوگئی، باقی دو بیکار گئیں، صورت اولیٰ میں حلالہ کی ضرورت ہے، صورت دوم میں نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ الطاف حسین متولی مسجد کاس گنج، محلہ نواب گلی، نیاریان، ۲۲ رشوال المکرم ۱۳۶۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو غصہ کی حالت میں لفظ طلاق کو تین مرتبہ استعمال کیا، جس میں زید بالقسم کہتا ہے کہ میں نے شروع میں لفظ میں اور آخر میں لفظ تجھ کو یا تجھے (یعنی میں نے طلاق دی تجھ کو یا تجھے) استعمال کرنے سے اجتناب کیا، اور صرف لفظ طلاق طلاق طلاق، تین مرتبہ بھاگتے ہوئے کہا، زید کی بیوی بھی اس کی تصدیق کرتی ہے، اور فریقین اس رشتہ کے قائم رکھنے کے متدعی ہیں، ہندہ اپنے بھائیوں کے یہاں ہے، اور زید کے ہمراہ بھیجنے سے اس وقت تک منکر ہیں، جب تک ان کو شریعت مطہرہ سے ثبوت نہ ملے، لہذا جواب باصواب سے مطلع فرمائیں، کہ ایسی صورت میں ہندہ اور ہندہ کے عزیزوں کو کیا کرنا چاہئے، بینوا توجروا،

الجواب: طلاق واقع ہونے کے لئے اپنی عورت کی طرف اضافت ضروری ہے، درمختار میں ہے، ولم یقع لترکہ الاضافۃ الیہا، مگر اضافت کا لفظ میں ہونا ضروری نہیں، مثلاً تجھ کو یا تجھے طلاق ہے، یا اس کا نام لے کر کہا کہ اسے طلاق ہے، بلکہ اضافت اگر لفظوں میں نہ ہو، مگر شوہر کی نیت اور مراد میں ہو جب بھی طلاق ہو جائے گی، ردالمحتار میں ہے، ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ، لہذا صورت مستفسرہ میں اگرچہ زید کے کلام میں صراحۃً عورت کی طرف اضافت مذکور نہیں، مگر اس کہنے سے اگر اس کی مراد اپنی زوجہ کو طلاق دینا ہے تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور اگر یہ مراد نہ ہو تو وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ عثمان خاں، بھیکہ پور، ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۶۰ھ،

بخدمت علمائے دین متین معروض ہے کہ ایک مرد مسلمان ایک عرصہ سے مع اپنے اہل وعیال اپنی سسرال

میں مقیم تھا، اتفاق سے آپس میں جھگڑا ہوا، نوبت مارپیٹ کی آگئی، لوگ جمع ہو گئے، چند اشخاص کے سامنے کئی مرتبہ اس نے کہا، میں نے طلاق دی اور کہہ کر اپنی سسرال سے اپنے قدیمی مکان چلا گیا اور اپنی بھاوج سے جاکر کہا، میں طلاق دے آیا ہوں، تم چل کر میرا سامان لے آؤ، شام کو اسی دن مع اپنی بھاوج کے آکر سامان لے گیا، اس کو تیسرے دن اپنے والد سے جاکر کہا کہ میں قصہ ختم کر آیا، یعنی طلاق دے آیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟۔

الجواب: سوال میں اول سے آخر تک کہیں بھی عورت کی طرف طلاق کی اضافت کا ذکر نہیں، یعنی نہ عورت کا نام ہے نہ ضمیر ہے نہ یہ کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، اگرچہ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مراد یہی ہے، مگر ذکر نہ ہونے سے ایک اشتباہ پیدا ہوتا ہے، پھر اگر مراد مطلق نے ذکر کیا ہے، مگر لکھنے میں رہ گئی ہے، جب تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اگر واقع میں شوہر نے اضافت ذکر نہ کی ہو، تو اس کی نیت دریافت کی جائے، اگر اس کی مراد اپنی زوجہ ہی ہے، جب بھی تین طلاق کا حکم ہوگا، اور اگر حلف کے ساتھ کہے کہ اپنی زوجہ کو مراد نہیں لیا، تو حکم طلاق نہیں دیا جائے گا، درمختار میں ہے، لو قال ان خرجت یقع الطلاق اولا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق لم یقع لترکہ الاضافة، ردالمحتار میں ہے، ای المعنویة فانہا معتبرة والخطاب من الاضافة المعنویة وکذا الاشارة نحو ھذہ طالق وکذا نحو امرأتی طالق وزینب طالق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: آمدہ از منگل ڈی، ضلع درانگ آسام، مرسلہ محمد سعید ولد عبدالرحمٰن ۲۴ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میرے دانت میں درد ہے، تو میرے لئے دوا گرم کر کے لاؤ، عورت نے جواب دیا جب میں بیمار تھی، تو میرے لئے کوئی تدبیر نہیں کی، اس بات میں دونوں کا مخاصمہ ہوا شوہر غصہ میں آکر عورت کو زدوکوب کیا، پھر جاکے بستر پہ بیٹھا، اور کہا، ایک طلاق، دو طلاق تین طلاق، جاؤ، عورت کی طرف نہ اضافت کی نہ اسناد بعض یہ کہتے ہیں کہ اخیر میں لفظ جاؤ ہے، اسے اسناد ثابت ہوتا ہے کہ نیت اس کی یہی ہے، اور بعض کہتے ہیں، اسناد نہیں، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق واقع ہونے کے لئے اضافت ضروری ہے، خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً شوہر نے اگر ان الفاظ سے اپنی اسی عورت کو طلاق دینے کی نیت کی ہے، جب تو طلاق واقع ہو جائے گی، ورنہ نہیں، جاؤ، کے

لفظ سے جو عورت کو خطاب کیا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں، کہ طلاق بھی اسی عورت کے لئے ہے، زید اگر قسم شرعی کھا کر اپنی نیت کا حال بیان کر دے گا کہ میں نے ان الفاظ سے اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا، تو وقوع طلاق کا حکم نہیں دیں گے، اگر جھوٹ کہے گا تو وبال اس پر رہے گا، ہندیہ و خلاصہ میں ہے، رجل قال لامرأته اگر تو زن منی سہ طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیہا، واللہ تعالیٰ اعلم، —

غیر مدخولہ کا بیان

مسئلہ: مسئولہ عبد الکریم، محلہ بانس منڈی بریلی، ۵ رجب المرجب ۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی کا جس کی عمر اٹھارہ سال ہے، ایک بالغ شخص کے ساتھ جو صاحب عقل ہے اور کسی قسم کا دماغی فتور نہیں ہے۔ عرصہ ایک ماہ ہوا کہ عقد ہوا دختر کی ہنوز رخصت نہیں ہوئی ہے کہ بلا کسی جھگڑا اور تنازع کے دختر کا شوہر اپنے خسرال کے دروازہ پر آیا اور چند اشخاص اور چند مستورات کے روبرو بالاعلان تین چار مرتبہ اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے، کہ میں نے اپنی زوجہ کو دختر عبد العزیز کو طلاق دی۔ ایسی صورت میں نکاح درست رہا، یا نہیں، اگر نہیں رہا تو پھر دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہے؟ —

الجواب: چونکہ عورت غیر مدخولہ ہے، لہذا ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور باقی الفاظ لغو اور

۱؎ یعنی یہ تو طے ہے کہ جاؤ، کہ مخاطب اس کی بیوی ہی یعنی اس نے اپنی بیوی ہی سے کہا ہے کہ، جاؤ، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے پہلے جو طلاق طلاق کہا ہے، یہ بھی اپنی بیوی ہی کے لئے کہا ہے، اس کا احتمال ہے کہ بیوی کی طرف اضافت کی نیت کے بغیر طلاق طلاق بولا ہو، اس لئے بعد میں 'جاؤ' کہنے سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے جو طلاق طلاق بولا ہے، وہ بھی اپنی اس بیوی ہی کے لئے بولا ہے، ہاں اس کا احتمال ہے کہ اس نے طلاق طلاق اپنی بیوی کے لئے کہا ہو، اسی لئے مدار حکم قسم پر رکھا گیا۔ "جاؤ" کنایات طلاق سے ہے، اس سے بھی طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے، تنویر الابصار میں ہے، فنحو اخرجی واذھبی وقومی یحتمل ردا، تتوقف الاقسام الثلثۃ تاثیرا علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول لتعدد ای ما یحتمل ردا، جب شوہر بقسم یہ کہدے گا کہ ان الفاظ سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی، تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس میں 'جاؤ' بھی داخل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

عورت پر عدت بھی نہیں، درمختار میں ہے، وان فرق بوصف او خبر او جمل او بعطف او غیرہ بانت بالاولی الالی علاۃ و کن الم تقع الثانیۃ بخلاف الموطوءۃ حیث یقع الکل، اب عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے نکاح کرلے اور اگر اسی شوہر سے پھر نکاح کرنا چاہتی ہے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور حلالہ کی حاجت نہ ہوگی، کہ حلالہ کی ضرورت تین طلاق کے بعد ہے اور یہاں ایک ہی واقع ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کنایہ کا بیان

مسئلہ : مسئولہ محمد مطلوب علی حنفی غازی پور، ۲۷ / شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زید کی زوجہ ہے اور وہ دین وایمان کی قسم کھا کر کہتی ہے کہ اس کے شوہر نے اس کو سنا کر اور اس سے مخاطب ہو کر برہمی کی حالت میں تین تین چار چار مرتبہ سے زیادہ فقرات ذیل زبان سے ادا کئے، ہم سے یہ معاملہ (مراد عقد نکاح) نہیں نبھ سکتا، ہم خوشی سے کہتے ہیں کہ اس بات کا فیصلہ ہو جاتا تو بہتر تھا یہ تعلق طے ہو جاتا تو اچھا تھا، ہم دین وایمان سے کہتے ہیں کہ یہ معاملہ طے ہو جائے تو بہتر ہے، کوئی اس کو طے کرادے تو اچھا ہے ۔ مفت میں میری جان آفت میں پڑی ہے، ہم کو لوگوں نے آفت میں ڈال دیا ہے، ہم خدا اور رسول کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم سے یہ تعلق نہیں نبھ سکتا، ہم کو مجبور کر کے کیا گیا ہے، ہم تو چاہتے ہیں کہ اس بات کی چھوڑ چھوڑیا ہو جائے تو اچھا ہے، ہم سامنا کرنا نہیں چاہتے ہیں، تم ہمارے پاس سے ہٹ جاؤ، چلی جاؤ، دور ہو جاؤ، ہم کو تمہاری صورت سے نفرت ہے، ہم تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتے ہیں، بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ تم دور رہا کرو، ہمارے قریب نہ آیا کرو، خدا کے واسطے دور رہا کرو، ہٹ جاؤ، ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں، کوئی واسطہ نہیں، تم ہماری کوئی نہیں ہو، نہ ہم تم کو کچھ سمجھتے ہیں کہ تم کون ہو، ہم کو تمہاری ہر بات سے نفرت ہے، بولی، بات چال چلن صورت سب سے نفرت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ علٰحدگی ہو جائے تو بہتر ہے، تم ہمارے پاس نہ آیا کرو، تمہاری صورت سے غصہ آتا ہے، میں نے تم کو طلاق دیا، میں نے تم کو طلاق دیا، میں نے تم کو طلاق دیا، فقرات بالا ایک ہی جلسہ میں نہیں، بلکہ متعدد جلسوں میں جزاً و کلاً ادا کئے گئے ہیں، اور انھیں الفاظ کو سن کر ہندہ

اپنے کو مطلقہ سمجھ کر دو تین مہینوں سے اپنے شوہر سے علٰحدہ ہوگئی ہے، ایسی حالت میں ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر طلاق واقع ہوئی تو دین مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے، یا نہیں، اور اب تک سسرال سے جو نئے یا پرانے کپڑے آئے، جس میں سے کچھ پھٹ گئے اور کچھ باقی ہیں، یا جو زیورات سسرال سے اس کو ملے ہیں ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ ابتدا کے بہت سے الفاظ ڈرانے دھمکانے کے ہیں، پھر ان کے بعد چند الفاظ کنایات سے ہیں، مگر آخر کے الفاظ صریح طلاق ہیں، لہٰذا صورت مستفسرہ میں بلاشبہ تین طلاقیں ہوگئیں، اب اگر مدخولہ ہے یا خلوت صحیحہ ہوچکی ہے اور ظاہر سوال سے یہی ہے تو پورا مہر واجب الادا، ہدایہ میں ہے، ومن سمی مہرا عشرۃ فمازاد فعلیہ المسمی ان دخل بہا اومات عنہا، اور اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی تو نصف مہر لینے کی عورت مستحق ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف مافرضتم، کپڑے یا زیور جو سسرال سے آئے ہیں، ان میں بنائے کار عرف پر ہے، اگر اس شہر یا قوم میں بطور تملیک دیتے ہیں تو ان کی مالک عورت ہے، یوں ہی اگر صیغہ تملیک کہا، مثلاً مالک کر دیا، یا دے دیا جب بھی عورت ہی مالک ہے، اور اگر رواج یہ ہو کہ صرف پہننے کے لئے دیتے ہیں اور ملک شوہر یا اعزۂ شوہر کی ہوتی ہے، یا دیتے وقت اس کی تصریح کر دی ہو تو عورت کی ملک نہیں، بلکہ دینے والے کی ملک میں ہے اور عورت کے پاس بطور عاریت ہے اور اس صورت میں ان میں سے جو کچھ قبل طلاق تلف ہوگیا، مثلاً چور لے گیا، کپڑا دولھن کے پہننے برتنے میں ٹوٹا بگڑا، خراب ہوگیا، بشرطیکہ وہیں تک اپنے استعمال میں لائی ہو، جہاں تک کے پہننے پر عرفا رضامندی سمجھی جاتی ہو تو دولھن پر تاوان نہیں، فان العواری لاتضمن بالہلاک من غیر تعد کما فی التنویر، عالمگیری میں ہے، اذا انتقص عین المستعار فی حالۃ الاستعمال لایجب الضمان بسبب نقصان اذا استعملہ استعمالاً معہودا اور اگر خلاف عرف و عادت بے طوری سے پہننے میں خراب کیا یا بے احتیاطی سے گنوا دیا یا بعد طلاق اپنے گھر لائی اور یہاں کسی طرح تلف ہوگیا تو تاوان دینا پڑے گا، جامع الفصولین میں ہے، لوکانت العاریۃ موقتۃ فامسکہا بعد الوقت مع امکان الرد ضمن وان لم یستعملہا بعد الوقت ھو المختار سواء توقتت نصا او دلالۃ، اور ظاہر کہ یہ عاریت عرفا اسی وقت تک

کے لئے ہے، جب تک تفریق ما بین الزوجین نہ ہو، لہذا واپس دینا واجب، لہذا صورت مستفسرہ میں اگر شق اول پائی جاتی ہے، تو کپڑے اور زیور سب عورت کے ہیں، شوہر کا اس میں کچھ حق نہیں، اور اگر شق ثانی متحقق ہے تو جو موجود ہیں واپس دے اور جو پھٹ گئے ان میں دو صورتیں ہیں، اگر بطور معتاد پہنے تو کچھ نہیں ورنہ تاوان دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ طفیل احمد خاں، سوداگر، ساکن حسن پور، ۱۰ ر شوال ۱۳۴۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے غضب کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا، کہ اب میں تجھ کو رکھنا نہیں چاہتا، تو میرے یہاں سے چلی جا، تو میری ماں ہے، تو میری ماں ہے، تو میری ماں ہے، تو میری بہن ہے، تو میری بہن ہے، تو میری بہن ہے، تیرا میرا کچھ واسطہ نہیں تو اس حالت میں اس پر طلاق پڑ گئی یا نہیں، اور اس کو اپنے پاس کس صورت سے رکھ سکتا ہے؟۔

الجواب: یہ لفظ کہ "میں تجھے رکھنا نہیں چاہتا"، الفاظ طلاق سے نہیں، بلکہ ایک قسم کی دھمکی ہے اور نہ رکھنے کا ارادہ ہے، اور ارادۂ طلاق، طلاق نہیں، یوں ہی تو میری ماں ہے، تو میری بہن ہے، یہ بھی الفاظ طلاق سے نہیں۔ ہاں اس کہنے سے گنہگار ہوا کہ اس کی ممانعت آئی، درمختار میں ہے، ویکرہ قولہ انت امی، ہاں یہ لفظ کہ تو میرے یہاں سے چلی جا، الفاظ کنایہ سے ہے، اگر بہ نیت طلاق کہا، ایک طلاق بائن ہو گئی، یہ لفظ کہ "تیرا میرا کچھ واسطہ نہیں"، بھی الفاظ کنایہ سے ہے، کہ بمعنی قطع تعلق بکثرت مستعمل ہے، مگر چونکہ بائن کے بعد ہے، لہذا اس سے جدید طلاق واقع نہ ہوگی، درمختار میں ہے، لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول، صورت مستفسرہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوئی، اگر بہ نیت طلاق کہا، اب اگر اس عورت کو رکھنا چاہتا ہے، تو نکاح کر لے، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ اراکین انجمن اصلاح القوم قصبہ گھوسی، محلہ بیسواڑہ، ضلع اعظم گڑھ، ۱۵ ر شوال ۱۳۴۱ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں رہنما، صراط مستقیم اس مسئلہ میں کہ ایک عورت سے اس کا شوہر دو برس سے بالکل بے تعلق ہے، اور اس دو برس کے اندر نہ تو اس نے طلب کیا اور نہ یہ اس کے پاس گئی اور ادھر ادھر پھرتی رہی، بعدہ اس نے اپنا عقد کر لیا، چونکہ اس کی دنیز اس کے شوہر کی حقیقت سے واقفیت نہیں، اس لئے

محض اس عورت کے بیان پر نکاح کر دیا گیا، لہذا عورت کا بیان درج ذیل کر کے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اور یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں، بیان عورت حسب ذیل ہے،

مجھ کو میرے شوہر نے محض یہ کہہ کر نکال دیا کہ تم میرے گھر سے چلی جاؤ، لہذا اس کے گھر سے چلی آئی، اور نکالنے کے وقت سوا اس لفظ مذکورہ بالا کے اور کچھ نہیں کہا، نکالنے کا سبب یہ ہوا کہ برادری میں کوئی جھگڑا تھا، پس ایسی صورت بالا کی رو سے از روئے شرع شریف کیا حکم ہو سکتا ہے، بینوا توجروا،

الجواب: شوہر کا یہ لفظ کہ "تم میرے گھر سے چلی جاؤ" طلاق کنایہ سے ہے، اگر اس لفظ سے شوہر نے طلاق کی نیت کی تھی، تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی، ورنہ کچھ نہیں، بغیر دریافت نیت شوہر نکاح نہیں کیا جا سکتا فتاویٰ خیریہ میں ہے، لایقع علیہ الطلاق الا اذا نوٰی لاٰ بقولہ روحی لان روحی مثل اذھبی کما صرح بہ صاحب البحر، اور چونکہ یہ لفظ محتمل رد ہے، لہذا غضب بلکہ مذاکرۂ طلاق کے وقت بھی بغیر نیت اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، تنویر الابصار میں ہے، فنحو اخرجی واذھبی وقومی یحتمل ردا، پھر فرمایا، تتوقف الاقسام الثلثۃ علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ کلن خاں جمعدار صفائی، نجیب آباد، ضلع بجنور، ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ زید اپنی بیوی سے جو اپنے والدین کے گھر ملنے کے لئے آئی ہوئی تھی، کہا اپنے گھر چلو اس پر اس کی بیوی اور والدین نے کہا کہ دو ایک روز ہم چھوڑ آدیں گے، پس اتنا کہنے پر زید درہم برہم ہو کر بولا، میں تم کو تھوکتا ہوں، اور میں تم کو ہمیشہ کے لئے آزاد کرتا ہوں اب میں تجھ کو کبھی اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا، میں اپنے عمر بھر تم سے کلام بھی نہیں کروں گا، اگر تم سونے کی بھی بن کر دکھائی دو، تو بھی میں تم کو نہیں دیکھوں گا، بس میں نے تم کو تھوک دیا، یہ کلمات اس نے مکرر سہ کرر کہے، چند دفعہ چند مستورات کے روبرو، اور یہ بھی کہا کہ میں شادی کا اپنا دوسرا انتظام کر لوں گا، اور تم اب عمر بھر اپنے والدین کے یہاں رہو، کیا ان الفاظ سے عورت مطلقہ ہو سکتی ہے، اگر ہو سکتی ہے تو بروئے قرآن و حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطلع فرمائیں؟

الجواب: زید نے جو یہ الفاظ استعمال کئے، "تمھیں آزاد کرتا ہوں" کنایۂ طلاق ہے، اگر بہ نیت

طلاق کہے، تو بائن طلاق واقع ہوئی، بلکہ اگر نیت طلاق نہیں کی، جب بھی اس لفظ سے اس حالت میں طلاق
واقع ہو گی کہ یہ لفظ نہ محتمل رد ہے، نہ سب اور حالت حالت غضب ہے لہٰذا نیت پر توقف نہیں، درمختار میں
کنایہ کی قسم ثالث یہ بیان کی نحو اعتدی واستبرئی رحمک انت واحدۃ انت حرۃ لا یحتمل الرد والسب
پھر فرمایا، وفی الغضب توقف الاولان (ای علی النیۃ) ان نوی وقع والالا، ردالمحتار میں ہے، بخلاف الفاظ
الاخیر ای ما یتعین للجواب لانہا وان احتملت الطلاق وغیرہ ایضاً لکنہ لما زال عنہا احتمال الرد
التبعید والسب والشتم اللذین احتملہما حالۃ الغضب تعینت الحال دالۃ علی ارادۃ الطلاق فترجح
جانب الطلاق فی کلامہ ظاہرا فلا یصدق فی الصرف عن الظاہر فلذا وقع بہا قضاء بلا توقف
علی النیۃ کما فی صریح الطلاق اذا نوی بہ الطلاق عن وثاق، عالمگیری میں ہے، ولو فی حرۃ او اعتق
مثل انت حرۃ کذا فی البحر الرائق، اور اس کے بعد کے الفاظ یعنی اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا، تم سے کلام بھی نہ
کروں گا، تم کو نہیں دیکھوں گا، یہ الفاظ کنایہ سے نہیں اور ہوتے بھی تو ان سے طلاق نہ ہوئی کہ یہ محض وعدے
ہیں، یوں ہی یہ کہ میں نے تم کو تھوک دیا کنایہ نہیں، عالمگیری میں ہے، ص ۱۰۴، امرأۃ قال لہا زوجہا
انا استنکف عنک فقالت المرأۃ کالبزاق فی الفم　فان کنت تستنکف عنہا فارم بہا فقال الزوج
تف تف ورمی بالبزاق وقال رمیت ونوی بہ الطلاق لا تطلق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از سکندر پور، ضلع بلیا، مرسلہ نور علی شاہ، ۱۰ر شعبان ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یوسف شاہ اور ان کے خسر مہرن شاہ
میں بسلسلہ رخصتی تنازع تھا، مہرن شاہ یہ کہتے تھے، میں رخصت نہیں کروں گا، بلکہ یوسف شاہ سکندر پور
ہی مکان بنوا کر رہے اور ماہوار کچھ خرچ دیتے رہے تاوقتیکہ مکان تیار ہو جیسا کہ بوقت نکاح شرط ہوئی
تھی، یوسف شاہ خرچ دینے اور مکان بنوانے سے انکار کرتے تھے، آخرکار ان دونوں نے چند مسلمانوں
کو جمع کیا، چار مسلمان جمع ہوئے، فریقین نے ان چاروں کو حکم مان لیا اور اقرار کیا کہ یہ جو فیصلہ کریں، ہم
کو منظور ہے، ان لوگوں نے یہ حکم سنایا کہ یوسف شاہ اپنی بیوی ظہیرہ کو دس روپیہ ماہوار کے حساب سے
چھ ماہ تک خرچ دے اور اس چھ ماہ کے عرصہ میں ایک مکان بنوائے اگر یوسف شاہ نے چھ ماہ تک دس

روپیہ ماہوار نہ دیا، اور اس عرصہ میں مکان نہ بنوایا تو اس حالت میں ظہیرہ بیوی کو طلاق ہے، یوسف شاہ نے کہا ہم خرچ نہیں دیں گے نہ مکان بنوائیں گے۔ اس کے بعد مجمع نے کہا، اب طلاق مکمل ہوگئی، یوسف شاہ نے کہا، طلاق ہی سہی، میں نے جو بکس درسنائی وغیرہ دیا ہے، واپس ملنا چاہیئے، چاروں حکم سے بھی بعض نے یوسف شاہ کے انکار پر یہ کہا کہ مکمل طلاق ہوگئی، مجمع کے بار بار اس کہنے پر پھر ایک مرتبہ یوسف شاہ نے کہا کہ ہاں مکمل طلاق، مہرن شاہ نے بکس وغیرہ جتنی چیزیں تھیں، اسی مجمع میں واپس لاکر دے دیا، اور یوسف شاہ نے لے لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:۔ جو لفظ یوسف شاہ نے پہلے کہے تھے، یعنی طلاق ہی سہی، اس سے طلاق ہونا اس کی نیت پر موقوف تھا کہ یہ لفظ معنی فرض کرنے کے مستعمل ہوتا ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے، امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده، فقال الزوج، داده گیر وکرده گیر، اوقال داده باد وکرده باد، ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع، مگر دوسری مرتبہ جو یوسف شاہ نے کہا، ہاں مکمل طلاق، اس میں نیت کی حاجت نہیں کہ لفظ بالکل صریح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از قصبہ چھپار پور ڈاکخانہ جنکپور روڈ، ضلع مظفر پور، مرسلہ جناب عبدالعزیز صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جب کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں یہ باتیں کہیں، کہ تم کو ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، تم سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے تا قیامت تم سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے، جب یہ الفاظ کہہ چکا تو اس کو یہ خیال ہوا کہ ان الفاظ سے تو میرا نکاح ٹوٹ گیا، اسی بنا پر انھوں نے یہ باتیں کہیں کہ اب تم کو ہم سے پردہ کرنا چاہیئے، اس لئے کہ جیسی غیر عورت ہے، ایسے ہی تم ہو، تمھارے ساتھ ہر کام ناجائز ہے، اگر تمھارے ساتھ وطی کریں تو اولاد حرامی پیدا ہوگی، ہم یہ ناجائز فعل نہیں کرسکتے ہیں، ہم تم کو نہیں رکھیں گے، ان الفاظ سے نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا، از روئے شرع اس کا جواب تحقیق کے ساتھ تحریر فرمادیں؟

الجواب:۔ یہ الفاظ جو سوال میں مذکور ہیں کہ ہم کو تم سے کوئی تعلق نہیں، الفاظ کنایہ سے ہیں، کہ اگر بہ نیت طلاق یہ الفاظ کہے، طلاق ہوگی، ورنہ نہیں، مگر اس کے بعد کا لفظ کہ ہم سے پردہ کرنا چاہیئے، اس سے

ظاہر یہ ہے کہ طلاق بائن بلانیت بھی واقع ہو جائے، رد المحتار میں ہے، لو قال (استتری) منی خرج عن کونہ کنایۃ وھل المراد عدم الوقوع بہ اصلاً او انہ یقع بلا نیۃ والظاہر الثانی وعلیہ فھل الواقع بائن او رجعی والظاہر البائن لکونہ قولہ منی قرینۃ لفظیۃ علی ارادۃ الطلاق بمنزلۃ المذاکرۃ تامل، اور بعض دیگر الفاظ بھی طلاق کنایہ کے ہیں، جن سے بشرط نیت طلاق ہو گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از شکر گڑھ میواڑ ضلع جہاز پور، قاضی یعقوب محمد تھانہ وار، ۲۰ رشوال سنہ ۱۳۴۹ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید نے مسمی وزیر خاں کی لڑکی کے ساتھ شادی کی، اس وقت لڑکی کی عمر آٹھ سال کی تھی، اور زید کی عمر چودہ سال کی تھی، لڑکی کے ایام بلوغت سے پہلے ہی زید نے ایک دوسری عورت قوم سے مالن اہل ہنود سے ناجائز تعلق کر لیا، اور شادی شدہ لڑکی وزیر خان کو ایک روز کے لئے بھی اپنے یہاں نہیں لے گیا، اور بعدہٗ اس مالن کو اپنی زوجیت میں لے لی ہے، جس سے اولاد بھی ہے،

(۲) والد لڑکی نے زید کے پاس جا کر اپنی لڑکی کو لے جانے یا طلاق دینے کی خواہش کی، جس پر زید نے چند معتبر گواہان کے روبرو ایک نوشت کر دی ہے، جس میں حسب ذیل عبارت درج ہے،

چار مہینے کے اندر اندر تمہاری لڑکی کو میں آکر لے جاؤں گا، اگر اس عرصہ میں نہیں لے جاؤں تو میری طرف سے تمہاری لڑکی کو طلاق سمجھی جاوے، میرا تو میری عورت کی بابت کوئی عذر نہیں، کوئی دعویٰ نہیں اور آپ کی لڑکی کو مہر کا دعویٰ نہیں، اور میرا میری عورت آپ کی لڑکی جنت کے لئے کوئی دعویٰ نہیں، آپ کی مرضی آوے اس کے ساتھ نکاح پڑھا دینا، یہ دستاویز میں نے میری راضی خوشی عقل ہوشیاری سے لکھ دی ہے، جو صحیح ہے، چار ماہ ختم ہو کر عرصہ دراز ہو چکا، ہنوز لڑکی کو نہیں لے گیا،

(۳) اب والد لڑکی اپنی لڑکی کو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے کیونکہ لڑکی بالغ ہو چکی ہے، سو بروئے شرع شریف حکم فرمایا جاوے، کہ زید کی اس تحریر مندرجۃ الصدر سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں، اور والد لڑکی اب لڑکی کا دوسرے کے ساتھ نکاح کر اسکتا ہے یا نہیں، اگر زید کے کوئی رشتہ دار لڑکی کو دوسرے کے ساتھ نکاح پڑھانے میں کوئی عذر کریں تو ان کا عذر بمقابلہ تحریر زید کے واجب

ہے یا نا واجب براہ کرم جواب سے آگاہی فرماکر عند اللہ ثواب دارین حاصل فرمائیں؟

الجواب: یہ لفظ کہ میرا عورت کی بابت کوئی دعویٰ نہیں، اور یہ کہ اس کے ساتھ نکاح پڑھا دینا یہ دونوں الفاظ کنایہ طلاق سے ہیں، اور پہلے لفظ میں نہ احتمال رد ہے اور نہ گالی کا احتمال ہے، اور دوسرے میں گالی کا احتمال ہے، مگر نیت طلاق یا مذاکرہ[1] طلاق کے وقت شوہر نے یہ لفظ کہے، یا لکھے، تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں، اور یہ لفظ کہ تمہاری لڑکی کو طلاق سمجھی جاوے، اگرچہ اس میں طلاق کا صریح لفظ موجود ہے مگر چونکہ سمجھی جاوے کا لفظ ملا دیا، اس وجہ سے یہ لفظ طلاق ہونے سے خارج ہوگیا، اور اس سے طلاق نہیں ہوگی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، امرأۃ قالت لزوجہا مر اطلاق بدہ، فقال دادہ انگار او کردہ انگار لا یقع وان نوی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از بمبئی ۹ مرسلہ جلیمہ بی معرفت منشی محمد علی صاحب، مدرس مدرسہ محمدیہ ۲۳ شوال ۱۳۴۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو زدوکوب کیا، اور مکان سے نکال دیا اور کہا کہ چلی جا، میرے کام کی نہیں، جماعت کے چار شخص بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، زوجہ ایسی حالت میں مکان کے روبرو ٹھہری لیکن شوہر نے مکان میں نہیں لیا، تب لاچار ہوکر اپنے والدین کے مکان پر چلی آئی، تین سال گذر گئے کہ مرد اپنی زوجہ کو نہیں بلاتا اور نان نفقہ بھی نہیں دیتا، سوال طلب یہ ہے کہ مرد نے کہا، چلی جا میرے کام کی نہیں، لفظ کنایات ہیں، شرعًا ان الفاظ سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں، اگر شوہر نے ان سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] اور چونکہ یہاں حالت مذاکرہ ہے، اس لئے طلاق واقع ہوئی، شوہر کا پہلے یہ لکھنا طلاق سمجھی جائے" نیز لڑکی کے باپ کا اپنی لڑکی کے طلاق کا سوال کرنا، حالت مذاکرہ ہے، شامی میں ہے، قولہ او دلالۃ الحال المراد بہا الحالۃ الظاہرۃ المفیدۃ لمقصودہ ومنہا تقدم ذکر الطلاق بحر عن المحیط، پھر اسی میں نہر سے ہے، المذاکرۃ ان تسأل ھی او اجنبی الطلاق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفویض کا بیان

مسئلہ: مرسلہ مولوی عبد الحی سلمہٗ از ہلدوانی منڈی، ضلع نینی تال ۱۵ صفر ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا نکاح نابالغی میں اس کی نانی نے بوجہ پرورش کرنے کے کیا، اور ہندہ کا باپ نکاح میں شریک نہ ہوا، مگر اس سے انکار ثابت نہ ہوا، بعدہٗ اس کے شوہر مسمیٰ زید نے ہندہ کو تکلیف دینا شروع کیا، بلکہ ایک عورت اور بلا نکاح کے رکھ لیا، ہندہ کو اس کے ورثاء نے بوجہ تکلیف دینے کے اپنے یہاں روک لیا، بعدہٗ اس کے شوہر نے ایک تحریر اس مضمون کی دی، کہ اگر اب میں اس کو تکلیف دوں تو ہندہ کو اختیار ہے، میرے یہاں رہے یا نہ رہے، اور دوسری داشتہ عورت کو نکال دوں گا، اس اقرار کے بعد ہندہ کے ورثاء نے مسمیٰ زید کے یہاں رخصت کردی، مگر زید نے اقرار سابقہ کے خلاف کیا، اور ہندہ کو تکلیف دینے لگا، اور دوسری داشتہ عورت کو بھی نہیں نکالا، ہندہ بوجہ تکلیف دینے کے اپنے ورثا کے یہاں چلی آئی، اور ہندہ حاملہ ہے، مگر زید انکار کرتا ہے، کہ یہ میرا حمل نہیں ہے، ان صورتوں میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، اور ہندہ اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی اور طلاق کا حکم فقط اتنے الفاظ سے نہیں دیا جاسکتا کہ زیادہ سے زیادہ اسے تفویض طلاق کہہ سکتے ہیں، اور جب مجلس میں اختیار نہ کیا، تو اب تفویض جاتی رہی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مہتمم دار الانعام لکھنؤ، ۱۳ مارچ ۱۹۳۷ء

میں کہ ..... ابن ..... قوم ..... ساکن ..... کا ہوں، جو کہ میرا نکاح مسماۃ ..... بنت ..... قوم ..... ساکن ..... کے ساتھ بعوض مہر مبلغ ..... سکہ رائج الوقت کے جس کا نصف مبلغ ..... ہوتے ہیں قرار پایا ہے لہٰذا میں بدرستی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ طائعاً و راغباً مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں، تاکہ میں اس کا پابند رہوں، اور در صورت عدم پابندی مسماۃ مذکورہ کے لئے رہائی کی صورت ہوسکے، پس میں اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ تاریخ امروز سے (نکاح کے بعد سے) جب تک وہ میرے نکاح میں رہے

شرائط مندرجہ ذیل میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی پائی جائے اور اس خلاف شرط ہونے کو زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ وغیرہ دس اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی یا دو مستند عالم یا برادری کے دو تعلیمیافتہ معزز اشخاص تسلیم کرلیں، تو مسماۃ مذکورہ کو اسی وقت یا ایک مہینہ کے اندر اختیار کامل حاصل ہوگا، کہ اگر چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اور جب کبھی کسی شرط کا خلاف وقوع پذیر ہو تو ہر بار ایک ایک مہینہ کے لئے اختیار حاصل ہوتا رہے گا، (مدت معینہ ایک ماہ کے اندر) طلاق نہ واقع کرنے سے یہ اختیار اس دفعہ کا حق میں سلب ہو جائے گا، اور زوجیت سے علٰحدہ نہ ہو سکے گی، بلکہ پھر دوبارہ کسی شرط کے خلاف ورزی کا انتظار کرے گی اور یہ جملہ شرائط صرف ایک نکاح تک محدود رہیں گے، اور اگر کسی وجہ سے فرصت و علٰحدگی ہو جائے اور نکاح کا اعادہ ہو تو اس کے بعد یہ اختیار کالعدم ہوں گے، بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہو، اس کے موافق عمل درآمد ہوگا، شرائط حسب ذیل ہیں،

(۱) مسماۃ مذکورہ کے نان ونفقہ کی (موافق عرف عام بحسب حیثیت) ادائیگی میں دانستہ طور پر کوتاہی نہیں کروں گا، عام ازیں کہ اپنے وطن خاص میں رہوں یا بیرون از وطن رہتے ہوئے بھی کبھی ایسا نہ کروں گا، بلا عذر معقول بعد مطالبہ صریحہ بھی مسلسل چار ماہ نہ دوں، ۔

(۲) موافق حکم شریعت اسلامیہ مسماۃ مذکورہ کو مطیع فرماں بردار رہنے کی حالت میں بلا وجہ معقول زد وکوب کبھی نہ کروں گا،

(۳) مسماۃ مذکورہ سے علٰحدہ وطن سے باہر اس طور پر کبھی نہ رہوں گا کہ مفقود الخبر ہو جاؤں حتیٰ کہ چار سال چھ ماہ مسلسل گذر جائیں،

(۴) اگر متعدد دو سال تک میں عنین رہوں اور حق شرعی معلوم کی ادائیگی سے قاصر رہوں (جس کا فیصلہ دو حاذق طبیب کریں گے، جس کو متذکرہ بالا ہر دو اشخاص بھی تسلیم کریں،)

(۵) خطرناک مرض جنون یا جذام یا برص میں مبتلا رہ کر ناقابل علاج ہو جاؤں،

(۶) بدوں ثبوت شرعی مسماۃ مذکورہ پر زنا کی تہمت نہ لگاؤں گا.

مذکورہ بالا چھ شرطوں میں سے کسی ایک کے وجود پر اختیار طلاق معلق رہے گا، اس اقرار نامہ کو

منظور کرتے ہوئے اور لکھوا کر سننے دیکھنے کے بعد آج بتاریخ ..... دستخط کرتا ہوں، ۹

الجواب: یہ صورت جو تحریر کی گئی تفویض طلاق کی ہے اور تفویض طلاق کو شرط پر معلق کرنا بھی صحیح، مگر قبل از نکاح نہ تفویض طلاق ہوسکتی ہے نہ اس کو قبل از نکاح بغیر نکاح پر معلق کیا جاسکتا، بلکہ ایجاب میں اگر عورت کو طلاق دے لینے کی شرط ذکر کی، اور ایجاب مرد کی طرف سے ہے، جب بھی تفویض صحیح نہیں، ہاں اگر ایجاب عورت کی طرف سے ہے، اور اس میں عورت کو اختیار دینا مذکور ہوا، اور مرد نے قبول کیا تو تفویض صحیح ہے، مثلاً عورت نے یہ کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا، اس شرط پر کہ فلاں صورت میں مجھ کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنی طلاق دے دوں، یا عورت کے وکیل نے کہا، میں اپنی مؤکلہ کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اسے اپنے کو طلاق دینے کا اختیار ہے اور مرد نے قبول کیا تو یہ تفویض درست ہے، درمختار میں ہے، نکحھا علیٰ ان امرھا بیدھا صح، ردالمحتار میں ہے، مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی علیٰ ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علیٰ انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا کما فی البحر عن الخلاصۃ والبزازیۃ، لہٰذا اس قسم کے اختیارات عورت کو اس وقت حاصل ہوں گے، جب عقد نکاح میں ان شروط کا ذکر ہوا اور ایجاب عورت کی طرف سے ہو، اور اگر قبل از نکاح شوہر نے زبان سے کہا یا کاغذ پر لکھ دیا تو عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل نہ ہوسکا، واللہ تعالیٰ اعلم ،

مسئلہ: مرسلہ مولوی عبدالعزیز خاں صاحب، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ، ۷، رصفر المظفر ۱۳۵۹ھ ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی زوجہ کی خبر گیری نہیں لیتا تھا، کئی مرتبہ اس کو ہدایت کی گئی، برابر اقرار کرتا رہا، کہ اب ضرور خبر لیں گے، اگر چھ ماہ یا برس روز خبر نہ لیں تو عورت کو اختیار ہے، طلاق لے لے، ماہ جون میں اس سے ایک اقرار نامہ لکھوایا گیا اور اس کے دس ماہ بعد عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع کر دیا، اور اس نے بھی چند شخص کے سامنے واقع کر کے ایک کاغذ لکھ دیا وہ بھی ذیل میں مندرج ہے، اب صورت مذکورہ میں طلاق ہوئی یا نہیں، شوہر اب تک لاپتہ ہے، عورت جوان ہے، نکاح کرنا چاہتی ہے، جواب سے جلد سرفراز فرمایا جائے ،

نقل اقرار نامہ شوہر:- میں ..... ابن ..... ساکن ..... کا رہنے والا ہوں، میں ناکح

اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا تیسرا مرتبہ ہے، دو مرتبہ زبانی اقرار کیا ہوں، اور یہ تیسری مرتبہ تحریر کرتا ہوں کہ اب میں کہیں بھاگ جاؤں یا سفر میں چلا جاؤں یا کسی طرح اپنی بیوی۔۔۔ کی خبر گیری نہ کروں یا خورد و نوش نہ دوں چھ ماہ تک آج کی تاریخ سے لے کر تو بعد عدت گذر جانے کے بیوی۔۔۔ کو اختیار ہوگا کہ اپنے نفس پر تین طلاق بائن واقع کر اسکتی ہے، میرا کوئی دعویٰ وحق بیوی۔۔۔ پر نہ رہے گا، طلاق تفویض کا میں نے اختیار دیا، فقط،

تحریر زوجہ کی طرف سے:۔ میں کہ مسماۃ بیوی۔۔۔ بنت۔۔۔ ساکن۔۔۔ ہوں، میرا شوہر مسمیٰ۔۔ جس کی زوجیت میں میں ہوں، مجھ سے الگ ہوتے وقت اقرار نامہ تحریر کر کے گیا ہے، آج سے چھ ماہ تک اگر میں تمہارے خورد و نوش کی خبر نہ لوں، تو تم کو طلاق تفویض کا اختیار ہے اور یہی مذکورہ بالا شرائط متعدد مرتبہ چند میرے عزیز و اقارب کے روبرو زبانی کیا، تقریباً دس ماہ کے میرے شوہر مذکورہ کو مجھ سے الگ ہوئے ہوتا ہے، نہ تو اب تک اس نے میری خبر لی اور نہ نان ونفقہ ہی بھیجا، لہٰذا اس کے دیئے اختیار کے بموجب مذکورہ ذیل گواہوں کے سامنے اپنے اوپر تین طلاق بائن واقع کرتی ہوں، اور اس مضمون کو لکھوا کر انگوٹھے کا نشان کر دیتی ہوں کہ سند رہے اور وقت پر کام آئے، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں، اور عورت عدت گذر جانے کے بعد نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں کہ شوہر نے عورت کو تفویض طلاق کی ہے، اس تفویض سے عورت اپنے کو صرف اسی مجلس میں طلاق دے سکتی ہے، جس میں یہ شرط پائی گئی، کیونکہ تفویض کی وجہ سے طلاق دینا مجلس تک محدود رہتا ہے، مگر جب کہ عموم کا کوئی لفظ ہو، یا اس کے لئے کوئی وقت مقرر کر دیا ہو، عموم کی صورت یہ ہے کہ یہ کہہ دیتا کہ جب کبھی وہ چاہے، درمختار میں ہے، ولا تطلق بعدہ ای المجلس الا اذا زاد علی قولہ طلقی نفسک و اخواتہ متی شئت او متی ما شئت او اذا شئت او اذا ما شئت فلا یتقید بالمجلس، وقت کی یہ صورت ہے کہ شوہر نے طلاق دینے کے لئے کوئی وقت محدود کر دیا ہے، مثلاً ایک دن ایک ماہ، درمختار میں ہے، ولا یبطل الموقت بالاعراض بل بمضی الوقت علمت اولا، مگر یہاں یہ دونوں صورتیں نہیں

ہیں، لہذا جس وقت چھ ماہ پورے ہوئے اسی وقت فوراً بغیر مجلس ختم ہوئے اپنے کو طلاق دیتی تو واقع ہوتی، مگر اس نے چار ماہ بعد طلاق دی، لہذا واقع نہ ہوئی، فتاوی عالمگیری میں ہے، التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرك بیدك فقدم فلان فامرها بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فامرك بیدك یوما او قال الیوم الذی فیہ فاذا قدم فلها الخیار فی ذالك الوقت کلہ اذا علمت بالقدوم غیر انہ اذا ذکر الیوم منکرا یقع علی یوم تام وان عرفہ یقع علی بقیۃ الیوم الذی یقدم فیہ ولا یبطل بالقیام عن المجلس ولیس لها ان تختار لنفسها فی الوقت کلہ الامرۃ واحدۃ ولو لم تعلم بقدومہ حتی مضی الوقت ثم علمت فلا خیار لها بهذا التفویض ابدا هکذا فی البدائع، نیز اسی میں ہے، ولو قال اذا مضی هذا الشهر فامرها بید فلان فمضی الشهر فامرها بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شهرین لان التفویض بمضی الشهر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشهر یقتصر علی مجلس علمہ، یہ تمام باتیں اس وقت ہیں کہ عورت کو تفویض طلاق کی ہو، مگر شوہر کی تحریر یہ ہے کہ تین طلاق واقع کرا سکتی ہے یہ نہیں کہ اپنے کو تین طلاقیں دے سکتی ہے یا اپنے پر تین طلاق واقع کر سکتی ہے، طلاق کرنے اور واقع کرانے میں فرق ہے اور تحریر میں یہ بھی ہے، بعد عدت گذر جانے کے جب تک طلاق نہ ہو عدت نہیں پھر عدت گذر جانے کا کیا مطلب رہا، بالجملہ یہ تحریر بے کار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ـ

توکیل کا بیان

مسئلہ: مسئولہ مولوی عبد الاحد صاحب از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مدرسۃ الحدیث مورخہ ۱۹ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درمیان ان مسائل کے کہ زید نے اپنی عورت کے طلاق دینے کا اختیار وکیل کو دیا ساتھ ان الفاظ کے کہ تجھ کو اختیار ہے میری عورت کے طلاق دینے کا یا یوں کہا کہ میری عورت

کے طلاق کا امر تیرے ہاتھ میں ہے یا یوں کہا کہ اگر تو چاہے تو میری عورت کو طلاق دے دے ان ہر سہ الفاظ کے کہنے کے بعد زید وکیل کو طلاق دینے سے معزول کر سکتا ہے یا نہیں، اور الفاظ مذکورہ بالا میں تقیید مجلس وکیل کے واسطے ہے یا نہیں اور زید نے جو الفاظ طلاق وکیل کو کہے ہیں، وہ الفاظ تفویض کے ہیں یا توکیل کے؟

(۲) زید نے اپنی جماعت کے اراکین سے یہ عہد کیا کہ میں بغیر اجازت تمہارے اپنی عورت کو طلاق نہ دوں گا، اور اراکین کی اجازت کے بغیر میں اپنی عورت کو طلاق دوں تو جماعت کا گنہ گار ہوں، بعدہ زید نے بغیر اجازت اراکین اپنی عورت کو تین طلاق دے دیں، پس کیا زید کی عورت مطلقہ ہوگئی یا نہیں اگر مطلقہ ہوگئی تو کیا حکم اراکین جماعت زید اپنی عورت کو زوجیت میں بغیر حلالہ یا نکاح جدید کے رکھ سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا اجرکم اللہ تعالیٰ فی الدارین۔

الجواب: یہ تینوں صورتیں جو سوال میں مذکور ہیں، تفویض کی ہیں، توکیل نہیں، اگرچہ وکیل کرنے کی تصریح بھی کر دی ہو، لہٰذا اس شخص کو صرف اسی مجلس تک اختیار رہے گا، بعد اختتام مجلس اگر طلاق دیگا تو طلاق نہ ہوگی، اور جب تفویض ہے، تو معزول بھی نہیں کر سکتا، درمختار باب تفویض الطلاق میں ہے، والفاظ التفویض ثلاثۃ تخییر وامر بید ومشیئۃ، نیز اسی میں ہے، قولہ لاجنبی طلق امرأتی فیصح رجوعہ عنہ ولم یتقید بالمجلس لانہ توکیل محض الا اذا علقہ بالمشیئۃ فیصیر تملیکا لا توکیلا، ردالمحتار ص ۶۵۵ میں ہے، قولہ فیصیر تملیکا فلا یملک الرجوع لانہ فوض الامر الیٰ رأیہ والمالک ھو الذی یتصرف عن مشیئتہ والوکیل مطلوب منہ الفعل شاء اولم یشاء ط عن المنح قولہ لا توکیلا ای وان صرح بالوکالۃ بحر عن الخانیہ، نیز درمختار باب مذکور میں توکیل وتفویض میں یہ فرق بیان کیا، والفرق بینھما فی خمسۃ احکام ففی التملیک لا یرجع ولا یعزل ولا یبطل بجنون الزوج ویتقید بمجلس لا یعقل، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) معاہدہ تو معاہدہ اگر قسم بھی کھالیتا کہ طلاق نہ دوں گا، پھر طلاق دے دی، تو طلاق واقع ہوگئی صورت مستفسرہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس کے نکاح میں وہ عورت نہیں آسکتی اور جماعت کو یہ حکم دینا حرام اشد حرام ہے، کہ بغیر حلالہ اس عورت کو اپنے پاس رکھے، یہ زنا کا حکم دینا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

تعلیق کا بیان

مسئلہ: مرسلہ جناب حکیم الدین صاحب پنشنر از پنجاب، ۲۲ رجمادی الآخرہ ۱۳۴۴ھ،

زید اپنی منکوحہ عورت کو طلاق دینے کے لئے بکر سے یہ معاہدہ کیا کہ اگر بکر مبلغ تین سو روپیہ ادا کرے تو زید طلاق دے دے، جس کو فریقین نے تسلیم کیا اور زید نے طلاق نامہ لکھ دیا، جس کے لئے کاتب طلاق نے شرعی طور پر زید سے طلاق ثلثہ کا اقرار کر اکر طلاق نامہ تحریر کر دیا، مگر بعدہ جب مقررہ شدہ روپیہ دینے کا وقت آیا تو بکر بجائے تین سو روپیہ کے دو سو روپیہ دینے لگا، لہذا معاملہ بگڑ گیا اور زید طلاق واپس لے کر عورت کو بھی اپنے گھر لے آیا، صورت مسئولہ میں عورت مذکورہ پر طلاق وارد ہو سکتی ہے یا نہیں اور زید کے ساتھ شرعاً کیا معاملہ ہونا چاہیئے، بینوا توجروا،

الجواب: سوال مجمل ہے طلاق نامہ لکھنے کے وقت جو زید نے طلاق کے الفاظ کہے، وہ بلا کم و بیش تحریر کئے جائیں اور یہ کہ اس وقت کوئی شرط تھی یا نہیں غرض جو معاملہ ہوا ہو مفصل بیان کیا جائے اور طلاق نامہ کی نقل بھی بھیجی جائے تو جو حکم ہوگا بیان کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ حافظ عبد الغنی صاحب، از ہوڑہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف عمرو کی بیٹی سے اپنا عقد کیا اور عقد سے پہلے زید نے پنچ کے روبرو ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ میں عمرو کی لڑکی کو عمرو کے مکان سے کہیں نہیں لے جاؤں گا، بلکہ عمرو ہی کے مکان میں میں بھی رہوں گا، اور اپنی کمائی سے اپنی زوجہ کو نان و نفقہ دوں گا، اور اپنے والدین کی خدمت کروں گا، اگر میں اپنی زوجہ کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں اور اپنی زوجہ کو نان و نفقہ نہ دوں تو اس کے والدین کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کا عقد کسی دوسری جگہ کر دیں، چنانچہ چند سال اپنے اقرار نامہ کے بموجب عمرو کے مکان میں رہ کر عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا کہ زید اپنی زوجہ یعنی عمرو کی لڑکی کو عمرو کے گھر میں چھوڑ کر اس شہر سے

چلا گیا، نہ کچھ خبر لیتا ہے نہ یہاں آتا ہے نہ نان و نفقہ دیتا ہے، بذریعہ خطوط و نوٹس زید کو اطلاع بھی دی گئی کچھ جواب تک نہیں دیتا، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت مسطورہ میں عمرو کی بیٹی بغیر طلاق دیئے ہوئے ازروئے شرع شریف دوسرے شخص سے عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں طلاق نہ ہوئی، عورت دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی، اولاً یہ تعلیق قبل نکاح ہے، اور اس کی اضافت ملک نکاح کی طرف نہیں، اور ایسی تعلیق سے طلاق نہیں ہوتی، درمختار میں ہے، شرطہ الملک او الاضافۃ الیہ ثانیاً اگر قبل نکاح تعلیق نہ بھی ہوتی، بلکہ بعد نکاح ہوتی، جب بھی ان لفظوں سے طلاق نہ ہوتی کہ یہ تفویض طلاق ہے اور تفویض میں طلاق اس وقت ہو سکتی ہے جب اسی مجلس میں مفوض لہ طلاق دے دیتا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں ایسا نہ ہوا، درمختار میں ہے، قال لہا اختاری او امرک بیدک ینوی تفویض الطلاق لانہما کنایۃ فلا یعملان بلا نیۃ او طلقی نفسک فلہا ان تطلق فی مجلس علمہا بہ وان طال ما لم تقم لتبدل مجلسہا حقیقۃ او حکما بان تعمل ما یقطعہ لا تطلق بعد ای المجلس ثالثاً اگر تفویض نہ ہوتی، بالکلیہ بالفرض ایقاع ہوتا جب بھی طلاق نہ ہوتی، کہ یہ کنایہ ہے اس میں نیت طلاق شرط ہے اور نیت معلوم نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مرسلہ امیر احمد صاحب از موضع سرول، ڈاکخانہ کچھا، ضلع نینی تال، ۲۹ر شوال ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہوا، نکاح سے پہلے اقرار نامہ کے شرائط کے ساتھ جو آٹھ آنہ کے اسٹامپ پر تحریر ہے، جو پیش ہے اور بعد نکاح زید چند روز کے اپنی بیوی کو اس کے بھائی کے مکان پر چھوڑ کر دیگر جگہ چلا گیا تھا، لہذا بموجب شرع شریف زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

نقل اقرار نامہ:۔ میں کہ عبد الحق ولد محمد حسین جو کہ میں آج اپنے نکاح میں مسماۃ زینب کو لاتا ہوں، اس کے بابت اقرار کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ برادر مسماۃ کے مکان پر رہ کر خواہ مزدوری خواہ کاشتکاری کر کے اپنی بیوی کو خورد و نوش کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا، اور تاحیات مسماۃ مذکورہ کے بھائی کے مکان ہی پر رہوں گا، اور دوسری جگہ اپنی بیوی کو لیجا کر نہیں رکھوں گا، اگر خلاف ورزی اقرار نامہ

کروں تو یہی تحریر اقرار نامہ استعفیٰ سمجھی جاوے، لہٰذا یہ چند کلمے لکھ دیئے کہ سند ہو، قبل از نکاح یہ اقرار نامہ تحریر ہوا، اور مسماۃ بیوی اپنی کو زید نے بدستور بھائی کے مکان پر چھوڑ دی تھی، اور اب تک موجود ہے،

الجواب: صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوئی، کہ یہ اقرار نامہ قبل نکاح ہے اور طلاق کو نکاح پر معلق بھی نہیں کیا، اور تعلیق میں شرط ہے کہ وقت تعلیق عورت نکاح میں ہو یا تعلیق نکاح پر ہو، تنویر الابصار میں ہے، شرطه الملك او الاضافة اليه، نیز یہ کہ اقرار نامہ کے یہ لفظ کہ یہی تحریر اقرار نامہ استعفار سمجھی جاوے، اگر منکوحہ کی نسبت یہ لکھتا، جب بھی طلاق نہ ہوتی کہ اقرار نامہ کو استعفا کہہ رہا ہے اور یہ اقرار نامہ استعفا نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر یہ کہتا کہ اگر خلاف ورزی کروں تو طلاق سمجھی جائے، جب بھی طلاق نہ ہوتی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده، فقال الرجل داده انگار او کرده انگار لا يقع وان نوى، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ غلام محی الدین، ساکن جھانسی محلہ بیرون سنگی دروازہ، ۱۰ ربیع صفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اس شرط پر ایک اقرار نامہ لکھا کہ اگر میں اپنے اس تحریر اور اقرار کے بموجب عمل نہ کروں اور بال بچوں کی پرورش وغیرہ میں کوتاہی کروں تو ایسی صورت میں میری بیوی ہر فعل کی مختار ہے اور میرے نکاح سے باہر ہے یعنی شرعی طلاق ہے، جس کو قطعی طلاق طلقتک، طلقتک، طلقتک، تین مرتبہ کہتے ہیں، دیگر یہ ہے کہ ہر دو بچوں سے لادعویٰ ہوں، علاوہ اس کے ہر حال میں مہر کا دین دار ہوں گا، مذکورہ بالا اقرار کے بعد دو ماہ تک نصف تنخواہ بھیجا، اس کے بعد عرصہ چھ ماہ کا ہوا، کوئی خبر گیری نہیں کی اور نہ خرچ بھیجا، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے، آیا طلاق ہوگئی، بینوا توجروا،

الجواب: جب کہ خبر گیری نہ کرنے پر طلاق کو معلق کیا تھا، پھر خبر نہ لی اور بال بچوں کو خرچ نہ دیا تو حسب اقرار نامہ طلاق واقع ہوگئی، والمسئلة مصرحة بها في غير ما كتاب، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ جناب ارشاد علی، محلہ ملوک پور، بریلی، ۲۲ رصفر المظفر ۱۳۴۲ھ،

جب کہ زوجہ گھر پر آئی، اس وقت اس کے شوہر نے اس کی بچی سے کہا کہ جب کہ میں منع کرچکا تھا،

اور خط میں لکھ چکا تھا کہ طلاق ہوگئی، پھر کیوں لے کر آئیں، اور مکرر سہ کرر یہ لفظ چند لوگوں کے روبرو کہا گیا، کہ میں طلاق دے چکا ہوں، اب ان کو لے جاؤ میرے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں، میرے کام کی نہیں رہی، اس صورت میں کیا طلاق رجعی ہوئی یا مغلظہ؟ بینوا توجروا،

الجواب: یہ سب الفاظ کہ شوہر نے عورت کے آنے پر کہے ان سے ظاہر اخبار ہے کہ وہ طلاق جو شرط پر معلق تھی، اب چونکہ شرط پائی گئی، لہذا واقع ہوگئی، لکھ چکا تھا دے چکا ہوں، اخبار ہی کے لئے بولے جاتے ہیں، لہذا ان سے کوئی جدید طلاق نہ ہوگی، ہاں اگر شوہر نے ایقاع طلاق کی نیت سے کہے ہوں، تو جدید طلاق کا حکم دیا جاسکتا ہے، اور جب جدید طلاق کا حکم نہیں تو وہی ایک رجعی رہی اور یہ لفظ کہ میرے کام کی نہیں، الفاظ کنایہ سے ہے۔ اگر طلاق کی نیت[1] سے کہا ہو تو ایک بائن طلاق اس سے بھی واقع ہوگی، اور اب دو ہوگئیں، اور رجعت نہ ہو سکے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ مولوی غلام جان رضوی از شہیلہ ضلع ہزارہ، تحصیل مانسہرہ، ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص یوں کہے کہ میں نے یا میری بیوی نے یا میرے بچوں نے اگر فلاں چیز چرائی ہو تو مجھ پر اپنی بیوی تین طلاقوں سے طلاق ہے، تین مجلسوں میں اسی طرح اس نے کہا، پھر وہ چیز ان کے گھر سے برآمد بھی ہوگئی، اور اس شخص کی بیوی مقر بھی ہوگئی کہ بیشک فلاں چیز میں نے چرائی ہے، سچ کہتی ہوں۔ اب اس صورت میں طلاق مغلظہ جو معلق بالشرط تھی، واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا بالسند الکتاب وتوجروا یوم الحساب، ۔

---

[1] اقول، تو میرے کام کی نہیں، کنایات کے ان الفاظ سے ہے، جو رد کا احتمال نہیں رکھتے، بلکہ سب کا، ایسے الفاظ سے مذاکرۂ طلاق کی حالت میں بغیر نیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور پہلے طلاق کے ذکر سے مذاکرہ طلاق کی حالت ہو جاتی ہے، جیسا کہ شامی وغیرہ میں تصریح ہے، اس صورت مسئولہ میں دو طلاق بائن بہرحال واقع ہوگئی، پہلی اگرچہ رجعی تھی، مگر چونکہ دوسری بائن ہے اور بائن صریح کو لاحق ہوتی ہے، اس لحوق سے وہ بھی بائن ہوگئی، فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۵۵۴ پر خاص اس لفظ (تو میرے کام کی نہیں) کے بارے میں فرمایا، وذا لک لان لفظ الاول صریح فوقع بہ طلاق وان لم ینو وصار الحال بہ حال المذاکرۃ، واللفظ الثانی (میرے کام کی نہیں) لایحتمل الرد بل السب فاستغنی من النیۃ لاجل المذاکرۃ والواقع بہ بائن لانہ من الکنایات غیر الثلث المعلومۃ اعتدی، واختیہا فلحوقہ جعل الرجعی الاول ایضا بائن لامتناع الرجعۃ بالثانی فبانت بثنتین، ۔

الجواب :- یہ صورت مذکورہ حقیقۃً تعلیق نہیں کہ تعلیق امر مستقبل پر ہوتی ہے، اور یہاں گذشتہ پر ہے۔ درمختار میں ہے، وشرط صحتہ کون الشرط معدوما علی خطر الوجود فالمحقق کان کان السماء فوقنا تنجیز۔ عالمگیری میں ہے، واما الحلف بالطلاق والعتاق وما اشبہ ذالک فما یکون علی امر فی المستقبل فہو کالیمین المنعقدۃ وما یکون علی امر فی الماضی فلا یتحقق اللغو والغموس ولکن اذا یعلم خلاف ذالک او لا یعلم فالطلاق واقع، لہٰذا واقع میں اگر عورت نے وہ چیز چرائی ہے تو طلاق واقع ہو گئی، فتاوی خانیہ میں ہے وفی الیمین بالطلاق والعتاق والنذر وماشبہ ذالک اذا کان کاذبا یلزمہ المحلوف علیہ، پھر عورت کا چرانا اگر گواہوں سے ثابت ہو یا مرد عورت کے اس کہنے کی تصدیق کرتا ہو، جب تو ظاہر ہے کہ وقوع طلاق کا حکم دیا جائے گا، اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں، صرف عورت کا اقرار ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہیں کرتا تو حکم نہیں ہوگا، مگر عورت نے اگر واقع میں چرایا ہے تو جس طرح ممکن ہو شوہر سے جدائی حاصل کرے، ردالمحتار میں ہے، لو کان یعلم من غیرھا توقف الوقوع علی تصدیقہ او النیۃ کما للذخر والکلام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ مولوی محمد سعید خاں صاحب، مدرسہ فیض عام، محلہ بسوارہ، ڈاکخانہ گھوسی، اعظم گڈھ
۲۸ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اقرار نامہ طلاق جو اس کے شامل ہے، جس میں مذکور ہے کہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء سے مبلغ پانچ روپیہ ماہوار برائے نان ونفقہ ادا کرتا رہوں گا مقر عبدالحمید خاں نے اخیر ماہ نومبر ۱۹۲۲ء میں مبلغ پانچ روپیہ مسماۃ کے پاس روانہ کیا، مسماۃ نے بایں خیال کہ میں مبلغ دس روپیہ کی مستحق ہوں (پانچ روپیہ ماہ اکتوبر اور پانچ روپیہ ماہ نومبر) روپیہ مرسلہ کو واپس کر دیا، اس کے بعد مقر عبدالحمید خاں نے حسب وعدہ مسماۃ کے پاس روپیہ نہیں روانہ کیا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ نقض شرط مذکورہ اقرار نامہ کون ہوگا، اور ایسی صورت میں حسب اقرار نامہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۲) اقرار نامہ میں درج ہے کہ قیام مکان کی صورت میں مبلغ مذکور کی ادائیگی لازم نہیں، لیکن اس

قیام سے حضار مجلس نے وہ قیام طے کیا تھا کہ یہ قیام مکان وہ ہے کہ زن وشوہر باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ ایک جگہ اور ایک مکان میں مل کر رہیں، لیکن یہ مضمون درج اقرار نامہ نہیں، اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر چند معتبر گواہ اس کی شہادت دیں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں، چونکہ مقر عبد الحمید خاں زوجہ مذکورہ کے ساتھ مل کر نہیں رہا، بلکہ وہ اقرار نامہ کے لکھنے کے بعد برابر نانی ہال میں مقیم رہا، پس یہ قیام بھی حسب اقرار نامہ قیام مکان سمجھا جائے گا یا نہیں، اب ان صورتوں میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

نقل اقرار نامہ:- ہم کہ عبد الحمید خاں ولد عبد المجید خاں ساکن دریا دیال پور، ضلع اعظم گڑھ، وارد حال موضع مسنہ قوم پٹھان ہے، میں بحالت صحت نفس وثبات عقل بخوشی ورضامندی اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ اپنی اہلیہ عائشہ بیوی بنت مبارک خاں موضع فتح پور تال نرجا کو ماہ بماہ نان و نفقہ کے لئے مبلغ پانچ روپیہ ادا کرتا رہوں گا، اگر بلا عذر وحیلہ ادائیگی میں تساہلی ہو تو دوسرے مہینہ میں ادا کریں گے، اگر دوسرے مہینہ میں ادا نہیں کریں گے تو مسماۃ مذکورہ پر تین طلاق ہے، لہذا یہ چند کلمہ بطور اقرار نامہ کے لکھ دیا، کہ وقت پر کام آئے اور بصورت قیام مکان جس زمانہ تک رہیں اس وقت تک ادائیگی ماہواری ہم پر لازم نہیں ہے، اور نہ طلاق سمجھی جائے گی، واضح ہو کہ یہ شرط مذکورہ بالا ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء سے عمل درآمد سمجھی جائے گی، فقط بقلم عبد الحمید خاں تاریخ ۱۶ اگست ۱۹۲۲ء

الجواب:- عبد الحمید خاں نے تین طلاق واقع ہونے کو دوسرے مہینہ میں نہ ادا کرنے پر معلق کیا، اور بعد واپس کرنے زوجہ کے اب تک پھر نہ بھیجا، اور اب مارچ ۱۹۲۳ء ہے نومبر سے اس وقت تک تین ماہ سے زیادہ کا زمانہ گذر گیا اور بموجب اقرار نامہ ادا متحقق نہ ہوئی، لہذا تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ قیام مکان سے ظاہر یہی ہے کہ عورت شوہر کے مکان پر رہے کہ اس صورت میں خورد و نوش اس کے ساتھ رہے گا، نقدی دینے کی کچھ حاجت نہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس لفظ سے عورت کے باپ کا مکان مراد ہو کہ اسے بھی کبھی عورت کا مکان کہتے ہیں، اور مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ اپنے مکان یعنی میکے میں قیام رکھے گی تو نفقہ میرے ذمہ نہیں کہ استحقاق نفقہ اسی وقت ہوتا ہے، جب عورت

شوہر کے یہاں رہے اگر معنی اول مراد ہونے پر قرینہ پایا جاتا ہو کہ اس وقت اس کا ذکر تھا، اور گواہ بیان کریں تو مان لیں گے اور مکان سے مملوک مکان ہونا ضروری نہیں، خواہ وہ مکان شوہر کا مملوک ہو یا کرایہ پر لیا ہو یا عاریۃً ہو، سب کو مراد لے سکتے ہیں، اور قیام مکان سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے، کہ میں جب تک اپنے مکان پر مقیم رہوں گا، نفقہ نہ دوں گا، جب کہیں چلا جاؤں گا، تو پانچ روپیہ ماہوار دیتا رہوں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ از پھلواری شریف، مرسلہ سید علی اسلم صاحب، ۲۱ر شعبان ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بوجہ عداوت دیرینہ بکر پر زنا کی تہمت لگائی، زید اور بکر نے مسجد میں یہ قسم کھائی کہ اگر تو سچا ہے تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی مطلقہ مغلظہ ہو جائے، اگر تو جھوٹا ہے، اور میں سچا ہوں تو تو جب جب نکاح کرے، تیری بیوی بھی مطلقہ مغلظہ ہے، یہاں تک کہ زید نے بھی یہی قسم کھائی۔ اب اس کی نجات کے لئے کوئی حیلہ شرعی نکل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب :۔ زنا کی تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے، اس سے توبہ کرے اور بکر سے معافی مانگے، ورنہ حق اللہ و حق العبد میں گرفتار رہے گا، اور حیلۂ بقائے نکاح ایک یہ ہے کہ فضولی اس کا نکاح کر دے، یعنی نہ خود کرے نہ کسی کو وکیل کرے، بطور ہمدردی دوسرا شخص عقد کر دے اور زید اس نکاح کو اپنے کسی فعل سے جائز و نافذ کرے، مثلاً مہر بھیج دے یا جماع وغیرہ کرے اجازت کے الفاظ زبان سے نہ کہے، تو ایسی صورت میں نکاح ہو جائے گا۔ اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، اذا قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق فزوجہ فضولی واجاز بالفعل بان ساق المھر ونحوہ لا تطلق بخلاف ما اذا وکل بہ لانتقال العبارۃ الیہ، فتاویٰ خانیہ میں ہے، لو کان حلف قبل نکاح الفضولی ان لا یتزوج امرأۃ ثم زوجہ الفضولی امرأۃ و اجاز الحالف نکاحہ بالقول حنث فی یمینہ وان اجاز بالفعل من سوق مھر او نحوہ اختلفوا فیہ واکثر المشائخ علی انہ لا یحنث، واللہ تعالیٰ اعلم،۔

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مع اپنی زوجہ کے سسرال میں رہتا ہے

زوجہ کے والد کی لے پالک ایک لڑکی ہے، جس کا نکاح عمرو جو اس کے ایک عزیز کا ملازم ہے، کر دیا گیا ہے زید سے وہ ملازم کسی معاملہ میں گستاخی سے پیش آیا، جس کی وجہ سے زید بہت ناخوش ہوا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اگر عمرو اپنی عورت ہندہ سے زن و شوہر کا تعلق رکھتے ہوئے اس مکان میں رکھا گیا اور ایسی حالت میں تم بھی رہی تو تم کو تین طلاق ہے، اس کے بعد زید کی بیوی کا قیام اس مکان یعنی اپنے میکے میں شام تک یا دوسرے روز تک رہا، بعد کو وہ اپنے سسرال چلی گئی، ایسی حالت میں کتنے عرصہ تک قیام کر سکتی تھی، اور جتنا قیام کیا، اس میں وہ نکاح سے نکل گئی یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ اگر طلاق کے بعد دس پانچ منٹ بھی ٹھہری تو نکاح جاتا رہا، اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ جس شخص کے سامنے یہ الفاظ کہے ہیں وہ اور سخت تھے، تو یہ بھی دریافت طلب ہے کہ اگر گواہ کچھ اور بیان کرے، مجرم کچھ اور کہے، تو وہ کہتا ہے کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا، جو بکر کہتا ہے تو آیا کس کی بات کا شرع شریف میں اعتبار ہوگا،

الجواب: زید کی بی بی جو اس مکان میں اس کہنے کے بعد رہی آیا اس زمانہ میں عمرو اور اس کی زوجہ بھی رہی یا نہیں، اگر عمرو اس کہنے کے بعد مکان میں اس وقت تک نہ آیا، جب تک زید کی زوجہ رہی تو شرط پائی نہ گئی، لہذا طلاق واقع نہ ہوئی، اور اگر آیا، مگر کسی اور کام کے لئے آیا ہے، اس حیثیت سے نہیں آیا ہے کہ میری عورت اس مکان میں ہے، جب بھی شرط نہیں پائی گئی، کہ شرط رکھا جانا ہے، جس کے معنی سکونت کے ہیں، نہ محض آنا اور اگر یہ باتیں نہ ہوں، بلکہ بطور سکونت آیا، جس کو رکھا جانا کہیں تو طلاق ہو گئی، اس معاملہ میں زید کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، جب کہ گواہ اس کے خلاف بیان کرتے ہیں، گواہ جو بیان کریں، وہی اعتبار کی جائے گی اور اسی کے موافق حکم دیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: زید نے صالحہ سے نکاح کیا، بعد نکاح بلا وجہ اس قدر زد و کوب کرتا رہا جو ناقابل برداشت تھی، آخر موقعہ پا کر زید کی والدہ نے صالحہ کو ہلاک کرنا چاہا، اور صالحہ جان چکی تھی کہ اب موت قریب ہی، لہذا وہ جان بچا کر اپنے باپ کے گھر والدہ کے پاس چلی آئی، اور زید کو یقین تھا کہ میں تشدد بیجا کرتا ہوں چنانچہ اسنے اپنی زوجہ صالحہ سے کہدیا تھا، تو اپنے باپ کے گھر اگر چلی گئی تو تجھے تین طلاق ہے، ان الفاظ کے سننے والے زید کے ہمسایہ ہیں، اور وہ شہادت دے رہے ہیں، صالحہ بخوف جان اپنے باپ کے گھر چلی آئی ایسی

صورت میں صالحہ طلاق پا چکی یا نہیں ؟ بینوا توجروا،

الجواب :- اگر زید کے ان الفاظ کے کہنے کے بعد صالحہ اپنے باپ کے گھر گئی تو تین طلاقیں ہو گئیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :- از گھوسی چھاؤنی، ضلع اعظم گڈھ، مرسلہ جناب محمد امیر خاں صاحب، ۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر بیان کرتا ہے کہ ہم سے اور میری بیوی سے جھگڑا ہوتا تھا، میری بیوی نے کہا، ہم کو طلاق دیدو، میں نے کہا میں ایسے طلاق نہیں دونگا تمھارے باپ کے ذمہ جو روپیہ ہے لے آؤ تب طلاق دوں گا، بیوی نے کہا، طلاق دے دو تو روپیہ لے آؤں گی، تب میں نے کہا کہ روپیہ لے آؤ، تب طلاق طلاق طلاق، اور اس کی عورت کا بیان ہے کہ ہم سے اور شوہر سے جھگڑا ہوتا تھا، ہم نے جب طلاق مانگا تب شوہر نے کہا کہ ہمارا روپیہ جو تمھارے باپ کے یہاں باقی ہے، لے آؤ تو طلاق دوں گا، تب ہم نے کہا، جب طلاق دو گے، روپیہ لے آؤں گی، تو شوہر نے کہا، پہلے روپیہ لے آنا، تب طلاق لیکن زوجہ روپیہ نہیں ادا کیا، ایک گواہ مسمی مصدی کا بیان ہے کہ میں گھر میں آیا، جھگڑا ہوتا تھا، یہ نہیں معلوم کہ کیا جھگڑا ہوتا تھا، اتنے میں ان کی بیوی نے کہا، ہم کو طلاق دے دو، بس کہا طلاق، طلاق، طلاق، دیا، پھر میں چلا گیا، میں مکان کے باہر تھا، کھور میں سراج الدین کو نہیں دیکھا، —

(نوٹ) شوہر کے مکان کے باہر ایک کھور قریب آٹھ ہاتھ کے چوڑا ہے، اس کھور سے راستہ جاتے ہوئے، ٹھہر کر سوتا ہے اور گواہ نماز وغیرہ بھی نہیں پڑھتا، تاڑی، شراب برابر پیتا ہے، دوسرے گواہ سراج الدین کا بیان ہے میں اپنے آنگن میں تھا، جھگڑا ہوتا تھا، ان کی بیوی نے کہا کہ ہم کو چھوڑ دے تو کہا کہ طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا، پھر جھگڑا ہوتا تھا، پھر بعد کو میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا، میں نے مصدی کو نہیں دیکھا،

(نوٹ) شوہر کے مکان کے بعد ایک کھور ہے، پھر اس کے بعد اس کا مکان ہے اور اپنے آنگن سے سننا بیان کرتا ہے، تیسرے گواہ نعمت اللہ کا بیان ہے کہ میں اپنے آنگن سے سنتا تھا، جھگڑا ہوتا تھا، ان کی بیوی نے کہا کہ ہم کو طلاق دے دو، تب شوہر نے کہا کہ تمھارے باپ کے ذمہ جو روپیہ باقی ہے، دے تب طلاق دوں گا، تب عورت چپ ہو گئی، پھر کہا، اچھا طلاق دو، شوہر نے کہا کہ روپیہ لے آؤ تب طلاق دیا،

طلاق دیا، طلاق دیا، بلکہ کئی مرتبہ کہا، طلاق دیا، نوٹ، شوہر کے مکان سے اس کے مکان یعنی آنگن کے درمیان صرف ایک دیوار قد آدم ڈیڑھ فٹ چوڑی ہے اور یہ اپنے آنگن سے سننا بیان کرتا ہے، اور چوتھا گواہ محمد میاں بیان کرتا ہے کہ میں شوہر کے مکان پر موجود تھا، میرے روبرو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوتا تھا، عورت نے کہا، ہم کو طلاق دے دو، میاں نے کہا، جو تمہارے باپ کے ذمہ روپیہ باقی ہے، لے آؤ تب طلاق دوںگا پھر عورت اپنے بدن کا کپڑا پھاڑنے لگی، تب میں چلا گیا، آیا صورت مذکورہ میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:- شوہر اور عورت اور گواہوں کے بیانات دیکھے، یہ بیانات اگر صحیح ہیں تو طلاق ثابت نہیں، زوج و زوجہ دونوں اپنے بیان میں طلاق کو شرط پر معلق ہونا بیان کرتے ہیں، اور شرط کا وجود اب تک ہوا نہیں، لہذا طلاق بھی واقع نہ ہوگی، گواہ اول مسدی کے بیان میں اگرچہ طلاق کسی شرط پر معلق نہیں مگر چونکہ وہ ایک بے نمازی اور شرابی آدمی ہے، لہذا ایسے شخص کی شہادت قابل قبول نہیں، ہدایہ میں ہے، ولا فمن الشراب علی اللھو لانہ ارتکب محرم دینہ، گواہ دوم سراج الدین یہ بھی شرط کو نہیں ذکر کرتا، مگر اپنے مکان میں سے آواز سننا بیان کرتا ہے، شوہر اس کے سامنے موجود نہ تھا، اور ایسی شہادت جس میں پس پردہ سننا بیان کیا جاتا ہو، نامقبول ہے، مگر صرف ایک صورت میں، وہ یہ کہ گواہ مکان کے اندر جاکر دیکھ آیا ہو، کہ ان دونوں کے سوا، وہاں کوئی دوسرا نہیں، پھر دروازہ پر بیٹھ گیا، اور مکان کے اندر جانے کا کوئی راستہ نہ ہو، تو اگرچہ کہتے وقت اس نے نہیں دیکھا ہو، مگر شہادت جائز ہے، اس کے علاوہ باقی صورتوں میں ناجائز ہدایہ میں ہے، ولو سمع من وراء الحجاب لایجوز لہ ان یشھد ولو فسر للقاضی لایقبلہ لان النغمۃ تشبہ النغمۃ فلم یحصل العلم الا اذا کان داخل البیت وعلم انہ لیس فیہ احد سواہ ثم جلس علی الباب ولیس فی البیت مسلک غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لہ ان یشھد لانہ حصل العلم فی ھذہ الصورۃ گواہ سوم بھی شوہر کے سامنے نہ تھا، نیز اس کا بیان بھی طلاق کو ثابت نہیں کرتا، اور گواہ چہارم طلاق کو مشروط بتاتا ہے، لہذا اس کے بیان سے وقوع طلاق ثابت نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ:- مرسلہ، حاجی امیر اللہ و رحیم بخش از پالی،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ نکاح میں کہ زید کی منکوحہ نے عمرو سے

نکاح کیا اور عمرو کی منکوحہ سابقہ کا نکاح ثانی بکر سے ہوا، اور بکر کی منکوحہ اول کا نکاح ثانی خالد سے ہوا، اور حالانکہ زید و بکر نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی تھی، تفصیل یہ ہے کہ زید کی منکوحہ نے بسبب ناواقفیت اپنے شوہر زید کو چھوڑ کر عمرو سے نکاح کر لیا، یہ نکاح حنفیہ طور سے ہوا، سوا شاہدین و عاقدین و نکاح خواں قاضی کے دوسرا واقف نہیں ہوا، مگر عمرو اور اس کی منکوحہ جو زید کی بیوی ہے، ان کے اقرار سے نکاح ثابت ہوا تھا، اور اب یہ دونوں انکاری ہوتے ہیں کہ ہم نے نکاح نہیں کیا، اور نکاح کی شہادت دینے والے کہتے ہیں، کہ نکاح ہو گیا، ایک شاہد تو صاف صاف بیان دیتا ہے، دوسرا صاف بیان نہیں دیتا، اس وجہ سے کہ مخالفین نے ڈرا دیا ہے، کہ اگر تو گواہی دے گا تو سرکار میں مجرم قرار دیا جاوے گا،

الغرض عمرو کی پہلی بیوی سے بھی موافقت نہیں تھی، بکر کا ارادہ عمرو کی بیوی سے نکاح کرنے کا ہوا، دو شخص عمرو کے پاس بھیجا، کہ کچھ روپیہ لے کر اپنی عورت کو طلاق دے دے، لہذا اسٹامپ سرکاری پر طلاق نامہ لکھا گیا، اور وہ اسٹامپ لے کر بکر کے پاس ایک شخص آیا کہ تین سو روپیہ ہم کو دو، اور یہ طلاق نامہ لو، بکر نے کہا کہ تین سو روپیہ میرے پاس نہیں ہے، وہ شخص طلاق نامہ لے کر چلا گیا، اب بکر کو خیال ہوا کہ عمرو نے طلاق دیدی ہے، لڑکی کے والدین سے مل کر لڑکی یعنی عمرو کی بیوی سے بکر نے نکاح کر لیا، جب یہ نکاح ہوا تو یہ بات مشہور ہوئی کہ بلا طلاق والی عورت سے نکاح کر لینے سے بکر کی پہلی بیوی منکوحہ مطلقہ ہو گئی، بکر نے کہا کہ عمرو نے بلا طلاق والی عورت یعنی زید کی بیوی سے نکاح کیا، تو عمرو کی پہلی بیوی مطلقہ ہو گئی اور اس مطلقہ کو بعد عدت اپنے نکاح میں لایا ہوں، مگر بکر کی یہ بات کسی نے نہیں سنی، اور بکر کے سسرال والوں نے بکر کی عورت کا نکاح خالد کے ساتھ کر دیا، اب اس مسئلہ کا کیا حکم ہے، یہ نکاحیں درست ہیں یا نہیں؟ اور ان شوہروں پر کفر عاید ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب :۔ دوسرے کی منکوحہ سے نکاح نہیں ہو سکتا، باطل محض ہے، قال اللہ تعالیٰ، والمحصنٰت من النساء (۱ع۱)، عمرو نے زید کی منکوحہ سے بلا طلاق نکاح کیا، یہ نکاح نہیں ہوا، اگرچہ گواہوں سے ثابت بھی ہو نہ کہ اس صورت میں کہ صرف ایک ہی گواہ ہے، البتہ اگر گواہوں سے یہ ثابت ہو تو عمرو اور زوجۂ زید کو سزا دی جائے، اور وہ دونوں توبہ کریں، اور عمرو اپنی زوجہ اولیٰ سے اور زوجۂ زید، زید سے تجدید نکاح

کریں، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ زوجہ عمرو کسی دوسرے سے نکاح کرے، عمرو نے جو طلاق نامہ لکھا ہے، اگر اس میں یہ ہو کہ اتنا روپیہ ملنے پر عورت کو طلاق ہے تو چونکہ روپیہ نہیں دیا گیا، طلاق بھی نہیں ہوئی، اور اگر بلا شرط طلاق دیدی ہے تو طلاق واقع ہوگئی، اگر یہ صورت ہوئی ہے تو بکر کا نکاح صحیح ہے، ورنہ وہ عورت بدستور عمرو کی عورت ہے، اور خالد کا نکاح زوجہ بکر کے ساتھ بھی باطل محض ہے، منکوحہ غیر سے نکاح کرنے کی صورت میں تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا نکاح دوسرے سے کر دیا جائے، جب تک اس نکاح کو جائز نہ سمجھے، اور اگر وس نے دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کو جائز کہا ہو تو یہ بیشک کفر قطعی ہے، اور ایسی صورت میں دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے، کہ وہ مرتد ہو جائے گا، اور اس کا نکاح باطل ہو جائے گا، مگر بظاہر وہ نکاح کنندگان اس نکاح کو جائز نہیں کہتے ہونگے، لہذا صورت مستفسرہ میں اگر ارتداد کی حد کو نہ پہونچا ہو تو یہ سب نکاح باطل ہیں، اور سب مستحق سزا ہیں، ان سب کو مسلمان برادری سے علحدہ کر دیں، اور ان سے میل جول سلام کلام سب کچھ ترک کر دیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ ۹ ، از چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ مقام کاگنارہ نمبر ۵ ، گلی مدرسہ ناظریہ، مرسلہ حافظ مولوی احمد حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین کہ زید کسی وجہ سے غصہ میں آیا اور ایک اپنی اہلیہ ہندہ پر قید شرعی لگاکر کر خبر دار آج کی تاریخ سے میری عدم موجودگی تک یا جب تک ہیں یہاں سے بذات خود اجازت نہ دوں، اپنے میکے نہ جانا اور اگر یہ میرے حکم کی نافرمانی کیا تو یاد رہے کہ زید کی طرف سے تم ہندہ پر تین طلاق جس وقت یہ خط زید کے مکان پر پہونچا اور ہندہ کو خبر ہوئی، ہندہ سن کر سہم گئی اور اپنے بھائی بکر کو بلا کر کہا کہ میرا شوہر زید کی طرف سے یہ خط آیا ہے، آپ اس کی چارہ جوئی کیجئے، ہندہ کا بھائی بکر سن کر یہ تنبیہ کیا کہ بموجب حکم زید خبر دار جب تک کوئی اجازت کا خط زید کی طرف سے نہ آئے، گھر سے قدم نہ نکالنا اور میں بھی زید کو آج خط لکھوں گا، بکر کا خط زید کے نام بھائی صاحب آپ نے جو یہ قید شرعی میری بہن ہندہ پر لگایا ہے بہت سخت اور دشوار ہے، براہ مہربانی اپنے قول کی تردید کیجئے کیونکہ کسی کا میکہ یہ چھوٹ نہیں جاتا، جس وقت یہ خط

نہ ہاں اگر عمرو نے جو طلاق نامہ لکھا تھا، اس میں طلاق روپیہ دینے پر معلق نہ رہا ہو، بلا شرط طلاق لکھی ہو، تو بکر کا نکاح عمرو کی زوجہ سے درست ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

زید کو ملا۔ زید نے اس کو پڑھ کر اس کے جواب میں یہ تحریر کیا جو نمبر ۲ سے ظاہر ہے، دوسرا خط زید کا اپنے سالے کے نام ساتھ اجازت کے برادر جو کچھ آپ نے لکھا درست ہے، لیکن یہ قید اس کو اس واسطے تحریر کیا تاکہ دہشت آئے اور اپنی گذشتہ حالت سے درگذر رہے، لہذا میں ایک خط اپنے مکان پر لکھ رہا ہوں، اور اپنی اس قید میں تخفیف کئے دے رہا ہوں، ساتھ اجازت کے اگر میری اہلیہ ہندہ مہینہ پندرہ روز میں اپنے میکہ جانا چاہے تو گھنٹہ دو گھنٹہ یا زائد سے زائد بھور میں جائے اور شب کو چلی آئے، اتنی اجازت میری طرف سے ہے، تم بھی دیدینا یا تمھاری اجازت بھی عین میری اجازت ہے، یہ مضمون لکھ کر زید نے اپنے بھائی عمرو کے پاس روانہ کر دیا، جب یہ خط زید کا عمرو کو ملا ہندہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ زید کی طرف سے اتنی اجازت ہوئی ہے، ہندہ کو یہ اجازت سن کر اطمینان ہوا، اتفاق سے ہفتہ عشرہ کے بعد زید کا بھائی عمرو بھی سفر میں چلا گیا اور گھر میں بھائیوں سے یہ کہدیا کہ ہندہ اگر بموجب بھائی زید کے لکھنے کے پندرہ روز مہینہ بھر پر اپنے میکہ جانا چاہے تو جانے دینا، لہذا زید کے کہنے کے بموجب یعنی دو تین ہفتہ کے بعد زید کے گھر والوں سے نزاعی صورت پیدا ہوگئی اور ہندہ علی الصباح اپنے میکہ چلی گئی، اور شب کو ہمراہ اپنی والدہ کے زید کے مکان پر آئی لیکن رات کچھ زائد جا چکی تھی، اور زید کے مکان کا دروازہ بند ہو چکا تھا، ہندہ اور ہندہ کی والدہ نے بہت کچھ کوشش کی لیکن دروازہ نہ کھلا اور نہ اندر سے کوئی جواب ملا، واللہ اعلم، ہندہ کے آنے کی خبر زید کے مکان والوں کو ملی یا نہ ملی لیکن جب ہندہ مجبور ہوئی دروازہ کھولنے سے تو ماں کے ہمراہ پھر اپنے میکہ لوٹ آئی چونکہ زید کے مکان سے ہندہ کی ماں کا مکان بھی بالکل قریب ہے، اب دوسری شب پھر ہندہ اپنی ماں کے ہمراہ زید کے مکان پر آئی لیکن زید کے عزیزوں نے زید کے مکان پر قفل چڑھا دیا اور کہا، جو شرط زید نے رکھا تھا، وہ رات اور دن گذرنے سے جاتی رہی یعنی تجھے طلاق پڑگئی، لہذا ہم لوگ مکان کھول نہیں سکتے، ہندہ اور ہندہ کی ماں نے اول روز آنے کا اور دروازہ نہ کھلنے کو بتلایا، لیکن کسی نے باور نہ کیا اور کہا یہ بغیر زید کے حکم کے قفل نہ کھلے گا، لہذا اس روز بھی دونوں ماں بیٹی لوٹ کر چلی آئیں، اور اس کی خبر زید کو پہونچی، زید مکان پہونچ کر اس معاملہ کی تحقیق شروع کی تو ہندہ اور ہندہ کی ماں کا یہ حلفیہ بیان ہوا کہ ہم لوگ بموجب شرط کے مکان پر گئے لیکن دروازہ بند تھا مجبور ہو کر لوٹ آئے۔ لہذا التماس ہے کہ براہ کرم اس مسئلہ کو بحوالہ قرآن وحدیث بیان فرمایا جائے کہ ہندہ زید پر حلال ہے یا حرام،

الجواب:- صورت مذکورہ میں شوہر نے تین طلاق کو اس پر معلق کیا ہے کہ عورت بوقت عدم موجودگی شوہر میکے جائے یا بغیر اجازت جائے اور شوہر نے چونکہ اجازت دیدی لہذا وہ تعلیق ختم ہوگئی، رہی یہ بات کہ شوہر نے اجازت میں یہ قید لگائی ہے کہ مہینہ یا پندرہ روز میں اتنی دیر کے لئے جائے اس سے زیادہ جائے گی، جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی، کہ جب جانے کی اجازت ہوگئی تو تعلیق کا حکم ختم ہوچکا کہ اس تعلیق میں نہ عموم تھا نہ یہ کہ جتنی دیر کے لئے اجازت ہو اس کے علاوہ جانے میں طلاق ہے، یہ اجازت میں ایک جدید قید ہے، جس کا نتیجہ صرف اتنا ہوگا کہ اس سے زیادہ جانا عورت کو ناجائز ہوگا جب کہ ہفتہ میں ایک بار سے زیادہ جانے یا دن کے علاوہ رات بھی وہیں گذارے مگر اس سے طلاق واقع نہ ہوگی کہ وقوع طلاق کی شرط نہ پائی گئی، بلکہ وہ تعلیق اب باقی بھی نہ رہی نیز اگر تعلیق باقی بھی ہوئی، جب بھی صورت مستفسرہ میں طلاق نہ پڑتی کہ طلاق کو بغیر اجازت جانے پر معلق کیا تھا، اور عورت کا جانا اجازت کے موافق ہوا وہاں ایک دو دن رہنے پر طلاق کو معلق نہیں کیا ہے، لہذا جب کہ جانا اجازت سے ہوا اور جب تحریر زوج وقت معین کے اندر مکان شوہر میں داخل نہ ہوگی تو وقوع طلاق کی شرط کے بغیر اجازت جانا تھی نہ پائی گئی پس صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- مرسلہ مولانا مولوی غلام محی الدین الجیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ محلہ اندر کوٹ میرٹھ،

(۱) ایک شخص کی دو بیبیاں ہیں، ان میں سے ایک نے شوہر کو پینے کے واسطے پانی رکھا، شوہر نے پانی کا پیالہ اٹھایا جھوٹے نے جو پیالہ کے نیچے تھا کاٹ لیا شوہر نے کہا کہ جس نے پانی رکھا، اس کو طلاق، اب دونوں عورتیں پانی رکھنے سے انکار کرتی ہیں تو طلاق کس پر واقع ہوگی اور آیا یہ قول تعلیق ہے یا نہیں بصورت تعلیق فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ شرط کا معدوم فی الحال ہونا ضروری ہے زمانہ آئندہ میں پائی جاسکے، اور اس صورت میں شرط زمانہ گذشتہ میں موجود ہوچکی ہے،

(۲) اگر کسی شخص نے اپنی دو بیویوں میں ہر ایک کو ایک ساتھ دوپٹہ بنایا ایک نے اپنا کھو دیا شوہر نے کہا کہ جس نے اپنا دوپٹہ کھو دیا، اس پر طلاق، اور ہر ایک انکار کرتی رہی، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر شوہر کو معلوم ہے کہ فلاں عورت نے پانی رکھا تھا یا فلاں نے دوپٹہ گمایا ہے، جب تو

ظاہر ہے کہ اسی کو طلاق ہے، اس کے انکار کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر شوہر کو بھی معلوم نہیں وہ خود متذبذب ہے کہ کس نے ایسا کیا، مگر یہ معلوم ہے کہ انھیں دونوں میں سے ایک نے پانی رکھا ہے، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جب تک دونوں میں سے ایک کو معین نہ کرے اور اشتباہ جاتا نہ رہے کسی سے قربت نہیں کر سکتا اگر وہ طلاق بائن ہو یا عدت گذر چکی ہو. اگر رجعی ہے تو دونوں سے رجعت کرے، اور اگر بائن یا دو ثلاث ہے تو دونوں سے نکاح کرے اور مغلظہ ہو تو بالکل قربت نہیں کر سکتا، جب تک تحلیل نہ ہو جائے یعنی ہر ایک کو ایک ایک طلاق دیدے تاکہ وہ دوسرے سے نکاح کر سکے، پھر اگر وہ طلاق دیدے، اور عدت گذر جائے تو شوہر اول نکاح کر سکتا ہے، اگر شوہر نے کوئی ایسا فعل کیا جس سے ایک کا مطلقہ ہونا معین ہو جائے تو اسی پر طلاق کا حکم ہوگا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ولو اطلق احدی نسائه الاربع ثلاثا ثم اشتبهت وانكرت كل واحدة ان تكون هي المطلقة لايقرب واحدة منهن لانه حرمت عليه احداهن ويجوز ان تكون كل واحدة فقد قال اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ كل ما لايباح عند الضرورة لايجوز التحري فيه والخروج من هذا الباب، ولهذا قالوا اذا اختلطت الميتة بالمذبوحة انه يتحرى لان الميتة تباح عند الضرورة واستعدين عليه الى الحاكم فى النفقة والجماع اعدى عليه وجبه حتى يتبين التى طلقها منهن وتلزمه نفقتهن وينبغي ان يطلق كل واحدة طلقة واحدة فاذا تزوجن بغيره جاز له التزوج بهن وان لم يتزوجن فالافضل ان لايتزوج بواحدة ولو تزوج بالثلاث صح نكاحهن وتعينت الرابعة للطلاق وكذا قالوا فى الوطء لايقرب هن احتياطاً فان قرب الثلاث تعينت الرابعة للطلاق وليس له ان يتزوج بالكل قبل ان يتزوج بزوج آخر فان تزوجت واحدة منهن بزوج ودخل بها ثم تزوج الكل ذكر فى الجامع انه يجوز نكاح الكل ولو ادعت كل واحدة انها المطلقة ثلاثا يحلف الزوج فان نكل وقع على كل واحدة الثلاث وان حلف لهن فالحكم كما قلنا قبل اليمين كذا فى الاختيار شرح المختار وكذا اذا كانتا اثنتين فتزوج احداهما تعينت الاخرى للطلاق هذا اذا كان الطلاق ثلاثا فان كان بائنا ينكحهن جميعا نكاحا جديدا ولا يحتاج الى الطلاق وان كان رجعيا يراجعهن جميعا واذا كان الطلاق ثلاثا فماتت واحدة منهن قبل البيان فالاحسن ان لايطأ الباقيات الا بعد بيان مطلقة وان

وطئہا فہو قبل البیان) جاز کما فی البحر الخ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد یوسف عبد الغفور از مالیگاؤں، محلہ اسلام پورہ، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ کے درمیان کچھ تنازع تھا اس بنا پر پنچوں نے اقرار نامہ پر صحیح لیا کہ اگر اب اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی شہر جاؤ گے تو تمہاری بیوی پر طلاق؛ زید نے مجبوراً صحیح کر دیا اور دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی سے براضی وخوشی مشورہ لے کر کسی دوسرے شہر چلا گیا. تو اس صورت میں طلاق ہوتی ہے یا نہیں. اس کا جواب بحوالہ کتب شرعیہ عنایت فرمایئے؟

الجواب: ظاہر یہی ہے کہ مجبوری سے مراد عرفی مجبوری ہے، نہ کہ اکراہ شرعی، لہذا صورت مستفسرہ میں طلاق واقع ہوگئی کہ وقوع طلاق کو دوسرے شہر میں جانے پر معلق کیا تھا، اس میں رضامندی یا ناراضی کی قید نہ تھی پھر اگر طلاق نامہ میں اتنا ہی ہے نہ لفظ طلاق تین مرتبہ ہے اور نہ تین کا عدد ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی. کہ اندرون عدت شوہر رجعت کر سکتا ہے. اس میں حلالہ کی حاجت نہ ہوگی اور اگر تین طلاقیں ہیں؛ تو بغیر حلالہ نکاح نہیں کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از مبارک پور ضلع اعظم گڑھ. مدرسہ اشرفیہ مرسلہ عبد الغفار متعلم مدرسہ. ۹ر جمادی الآخر ۱۳۵۹ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق مشروط دیا، اور کہا کہ میں اگر اپنی زوجہ کو اس کے میکے سے بلا کر لاؤں یا بلاؤں تو اس کو طلاق ہے. اس کو طلاق بائن ہے. اس کو طلاق بائن ہے تو اس صورت میں اگر زید نے کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے بلالیا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں. اور اگر خود بلایا تو کون سی طلاق ہوگی اور اس کے بعد اگر زید رکھنا چاہے تو بغیر حلالہ کے رکھ سکتا ہے یا نہیں؛ بینوا توجروا،

الجواب: صورت مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں کیونکہ شرط متحقق ہوگئی کہ اس نے آدمی بھیج کر بلایا[1]. اور تیسری طلاق اگرچہ بائن کے بعد بائن ہے. مگر چونکہ یہاں لفظ طلاق بھی مذکور ہے، لہذا وجود شرط کی صورت میں یہ طلاق بھی واقع ہوگی، کیونکہ لفظ صریح موجود ہے اگر بائن کو لغو بھی کیا جائے تو صریح صریح کو لاحق ہوگی، اور اس سے بھی طلاق پڑے گی. درمختار میں ہے، لایلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول

[1] اس صورت میں اگر عورت خود آجاتی تو طلاق واقع نہ ہوتی. واللہ تعالیٰ اعلم۔

کانت بائن بائن (الی ان قال) بخلاف ابنتک باخری او انت طالق بائن، رد المحتار میں ہے، (قولہ او انت طالق بائن لان وقوعہ بانت طالق وھو صریح ویلغو قولہ بائن لعدم الحاجۃ الیہ لان الصریح بعد البائن بائن کذا فی شرح المنار لصاحب البحر وھو اشارۃ الی ما ذکرہ فی البحر عن الذخیرۃ من الفرق بین ھذا وبین قولہ للمبانۃ ابنتک بتطلیقۃ وھو انہ اذا الغینا بائنا یبقی قولہ طالق وبہ یقع ولو الغینا ابنتک یبقی قولہ بتطلیقۃ وھو غیر مفید، جب اس صورت میں تین طلاقیں ہو گئیں تو بغیر حلالہ اس مرد کے لئے یہ عورت حلال نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

مسئلہ: مسئولہ حاجی عبد الرحمٰن صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی چچازاد بھائی کے یہاں وہاں ایک عورت نے کہا کہ یہاں آتی ہو تو ہمارے گھر جانے سے کیوں پرہیز کیا گیا، ہم بھی اپنے ہیں، اس پر ہندہ نے کہہ دیا، تمھارا گھر ایسا نہیں جو ہم جائیں، یہ بات زید کی والدہ سے کچھ اضافہ کر کے کہا کہ زید کی والدہ زید سے یہ واقعہ بیان کر رہی تھی کہ ہندہ نے وہاں جاکر ایسا ایسا کہا، اس واقعہ کو سن کر زید غصہ میں آگیا اور کہا کہ یہ عورت (ہندہ جو بغل کے کمرہ میں تھی) فلاں یعنی اپنے باپ کے سوا دوسرے کے سامنے جائے تو تین طلاق۔ زید کہتا ہے کہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ عورت اپنے باپ یا محرم کے گھر کے سوا دوسرے کے گھر جائے تو تین طلاق اس میں شریعت کا کیا ارشاد ہے، ہندہ اب تک اپنی والدہ کے پاس پردہ کے ساتھ ہے، بینوا توجروا،

الجواب: غلطی سے اگر دوسرے الفاظ نکل گئے تو طلاق میں حکم انھیں الفاظ پر دیا جائے گا، جو زبان سے نکلے قضاءً اس کا لحاظ نہیں ہوگا کہ اس کا کیا ارادہ تھا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو جس کا جی چاہے طلاق کے الفاظ بول کر پھر یہ کہے کہ میں یہ کہنا چاہتا تھا غلطی سے زبان سے طلاق کا لفظ نکل گیا، درمختار میں ہے، او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق یقع قضاءً فقط اھ ملتقطا، قضاءً اسی کا لحاظ ہوگا جو اس کی زبان سے لفظ نکلے، مگر دیانۃً اگر دوسرے الفاظ کا تلفظ کرنا چاہتا تھا تو گنجائش ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

لہ مگر عورت حکم قضا کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کی جائے گی، فتاوی رضویہ میں ہے "یہی تفصیل جو حکم قضائی ہے، عمدہ کر اسی پر عمل واجب ہے، فان المرأۃ کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ. فتاوی رضویہ جلد پنجم ص ۸۰۵، فتح القدیر میں ہے، وکلما یدین بینہ القاضی اذا سمعتہ

(بقیہ ص ۲۶۳ پر)

مسئلہ: آمدہ از کولھوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ، مرسلہ شیر محمد اصغر،

ما قول العلماء الکرام و مفتیان الزمان فی مسئلۃ الذیل قال زید قد اخذ منی عمرو مائۃ وعشرین قرضا فلما طلبت من المقروض فقال انی ارد الیک عن قریب فلما مضی علیہ مدۃ کثیرۃ فارسلت الیہ رجلا فاخبرنی الرجل المرسل انہ اجابنی انی قد کنت اخذت منہ مائۃ واحدۃ وقد ادیت الیہ سبعین فادی الیہ ما بقی من قریب فذھب المدعی الی رئیس فطلب رئیس مقروضا فحاد کل واحد بیانہ ان قال مدعی انی اعطیت مقروضا قرضا حسنا مائۃ وعشرین وما ادی الی شیئا من قرضہ وقال مقروض انی قد کنت اخذت منہ مائۃ واحدۃ وادیت الیہ سبعین فما بقی علیہ من قرضہ الا ثلثون فقال مدعی ان کنت فی دعوی کاذبا فعلی امرأتی ثلثۃ تطلیقات مغلظۃ ثم قال مقروض ان کنت کاذبا فی بیانی فعلی امرأتی ثلثۃ تطلیقات مغلظۃ ثم ذھبا من عندہ ثم ذھب مدعی عند رئیس اخری فلما سمع مقروض من ذھابہ عند رئیس ھذا فذھب عند قوم فارسل قوم رجلا الی ھذا الرئیس لان یقول لہ لا تدخل فی معاملتھا انا نحن نفصل بینھما فاتفق القوم علی ثمانین فذھب قوم بثمانین مدعی فاخذ المدعی ثمانین ورمی علیہ فی فتح الاختلاف بین المسلمین علی وقوع الطلاق علی امرأۃ المقروض اختلافا شدیدا فھل قد وقعت الطلاق علی امرأۃ المقروض فی صورۃ المسئولۃ ام لا، بینوا توجروا،

الجواب: لما علق المدعی علیہ طلاق امرأتہ علی کذبہ فی ھذا البیان فما لم یثبت انہ کاذب لا یحکم بوقوع الطلاق ومصالحت قومہ بان یدعی ثمانین روبیۃ لا تقتضی انہ کان کاذبا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: آمدہ از بازار تسکلڈیہ ضلع بنارس، مرسلہ محمد شفیع رنگ ریز، ۲۴ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ،

علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کیا فرماتے ہیں، عمرو نے زید کی دختر سے اپنی شادی کرنی چاہی لیکن عمرو کے پاس کوئی ملکیت یا رہنے کے لئے مکان نہیں پایا، اس لئے زید نے دو آدمی کے سامنے عمرو سے عہد لیا کہ میں تمھاری شادی اس شرط پر کروں گا جب تک تم اپنے رہنے کے لئے مکان نہ بنوالو رخصتی کا نام نہ لینا، اگر بغیر

(بقیہ ص ۲۶۲ کا) منہ المرأۃ اوشھد بہ عندھا عدل لا یسعھا ان تدینہ لانھا کالقاضی لا تعرف منہ الا الظاھر، مطبوعہ نول کشور، ج ۲ ص ۱۵۵، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مکان بنوائے رخصتی کا نام لیا تو تمہارا نکاح ٹوٹ جائے گا اور طلاق ہو گئی، اور جب تک خداوند کریم تجھے مکان بنانے کی توفیق عطا فرمائے تب تک میرے (زید کے) مکان کو اپنا مکان سمجھنا روزی کمانے کے لئے ہندوستان میں کہیں رہنا مگر مکان پر آتے جاتے رہنا، عمرو نے مذکورہ بالا عہد کا اقرار دونوں آدمی کے سامنے کیا، بلکہ تحریر لکھنے پر آمادہ ہوا، لیکن گواہوں نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں زبانی اقرار کافی ہے جب عمرو کی بارات زید کے مکان پر آئی تو زید کی دختر نے دین مہر میں علاوہ نقد سکہ و نان و نفقہ ایک قطعہ زنانہ مکان بھی رکھا جس کو قاضی و گواہان اور مجلس کے تمام لوگوں نے سنا اور کہنے لگے کہ دین مہر میں مکان نہ رکھا جائے لیکن عمرو نے کہا مجھے یہ سب قبول ہے، اور کچھ لوگ اس لڑکی کو سمجھا بجھا کر دین مہر سے مکان نکلوا کر قبول کرایا، نکاح ہونے کے بعد حسب وعدہ عمرو کبھی کبھی زید کے گھر آتا جاتا رہا اور اپنی منکوحہ سے نسبت بھی رکھا، بعد کو کلکتہ چلا گیا، گیارہ ماہ کے بعد کلکتہ سے واپس آیا تو ماہ آئے ہو گیا تب سے لڑکی سے کوئی نسبت نہیں ہے عمرو اپنے وعدہ کے خلاف مکان نہ بنوا کر رخصتی کے لئے تقاضا کرتا رہتا ہے، عرصہ پانچ ماہ سے جابجا رخصتی نہ کرنے کی خبر دے کر زید کو بدنام کرتا ہے، فروری ۱۹۴۷ء میں زید اور زید کی دختر کے نام نوٹس بھیجا، پھر زید اور زید کی بیوی کے نام بذریعہ تھانہ سمن بھیجا عرصہ دو سال نکاح کو ہو گیا، مگر عمرو نے لڑکی کے کھانے کپڑے کا کوئی خیال نہیں کیا، کہنے پر کہتا ہے کہ خرچہ کپڑا ہم پر فرض نہیں زید کو ڈر ہے کہ حسب وعدہ نکاح ٹوٹ گیا، رخصت کرنے سے میں زانی ٹھہرونگا اور قہر خداوندی میں گرفتار ہوں گا، عذاب الٰہی کا مستحق ہو جاؤں گا، کتب فقہ وغیرہ سے بیان فرمائیں؟ فی الحقیقت طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب:- عبارت سوال سے یہ ظاہر ہے کہ عمرو نے مطالبہ رخصت پر اس عورت کی طلاق کو معلق کیا ہے جس سے ابھی نکاح نہیں ہوا ہے، بلکہ نکاح ہونا طے پایا ہے، اگر صورت یہی ہے جو عبارت سوال سے سمجھ میں آتی ہے تو طلاق واقع نہ ہوئی کہ غیر منکوحہ کو طلاق نہیں دی جا سکتی، نہ اس کی طلاق کو نکاح یا ملک کے سوا کسی اور شرط پر معلق کیا جا سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ولا تصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفه الی ملک والاضافة الی سبب الملک کالتزوج کالاضافة الی الملک

واللہ تعالیٰ اعلم۔ -

مسئلہ: مسئولہ جناب یاد علی صاحب وارثی قصبہ مہداول ضلع بستی،

حضرت صدر الشریعہ جناب مولانا محمد امجد علی صاحب دام اقبالہ سلام مسنون کے بعد گذارش ہے کہ زید جاہل تھا لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا لوگوں کے سامنے اپنی زبان سے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر میں ۱۶ اگست کو پینتالیس روپیہ نہ دوں تو ہندہ کو یعنی میری بیوی کو طلاق بائن ہے لیکن لوگوں نے کہا کہ اقرار نامہ لکھوالیا جائے جس سے کہ آیندہ زید کسی قسم کا عذر و انکار نہ کر سکے. لہذا جن صاحب نے اقرار نامہ لکھا تو یوں لکھ دیا کہ اگر میں تاریخ مقررہ پر روپیہ نہ دوں تو طلاق بائن تصور فرمایا جائے. اب دریافت یہ امر ہے کہ زید نے روپیہ نہیں دیا اور عرصہ پانچ یا چھ ماہ کا ہوگیا. اب ہندہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں اور طلاق واقع ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب: اگر واقعہ یہی ہو جو اس سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ شوہر ہندہ نے زبان سے یہ کہا تھا کہ طلاق بائن ہے، مگر لکھنے والے نے اپنی طرف سے یہ لفظ لکھ دیا کہ. طلاق بائن تصور فرمایا جائے، تو ہندہ پر شرط پائے جانے کی صورت میں یعنی اس تاریخ مذکورہ پر روپیہ نہ دینے کی صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور عدت پوری ہونے پر ہندہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاقِ مریض کا بیان

مسئلہ: مسئولہ عبد المبین ساکن موضع چکلہ ڈاکخانہ بائسی ضلع پورنیہ، ۸ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت نزاع ایک گواہ کے سامنے اپنی بیوی منکوحہ کو دو مرتبہ کہا تم کو طلاق دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کہا کہ آج سے تم ہم سے چھٹکارا ہوگئی چلی جا تم کو طلاق دیتے ہیں جو تمہارے دل میں تھا ہوگیا. از روئے شرع طلاق ہوئی یا نہیں،

الجواب: اگر زید ہوش میں تھا تو ان الفاظ سے اس کی زوجہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اگرچہ اس کی حالت نزع کی تھی مگر یہ عورت زید کے ترکہ میں سے اپنا حصہ شرعی پائے گی، میراث سے محروم نہیں ہوگی، کہ مرض الموت میں طلاق کا یہی حکم ہے. کذا فی عامۃ کتب الفقہ. یہ حکم وقوع طلاق کا ہے کہ اگر واقع میں اس نے اس حالت میں طلاق دی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، رہا اس کے طلاق دینے کا ثبوت تو اگر عورت

اس کے طلاق دینے کی منکر ہے تو وہ تنہا ایک گواہ سے طلاق ثابت نہیں ہوگی، ثبوت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں درکار ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رجعت کا بیان

مسئلہ: مسئولہ نبی بخش از پیلی بھیت، ۸ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

ماں بیٹے اور بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا اور جھگڑا ہونے پر ایک دوسرا شخص بیٹھا ہوا تھا، تب لڑکے نے اٹھ کر دو مرتبہ طلاق دی اور ماں کو بھی مارا، مگر دوسرا شخص کہتا تھا کہ میں نے نہیں سنا کہ طلاق دی، یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: جب وہ شخص خود طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے تو صورت مستفسرہ میں دو رجعی طلاقیں واقع ہوگئیں۔ دوسرے شخص نے سنا ہو یا نہ سنا ہو کہ وقوع طلاق کے لئے دوسرے کا سننا شرط نہیں، اب اگر شوہر اسے رکھنا چاہتا ہے تو رجعت کرلے، وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، اگر عدت پوری نہ ہوئی ہو تو فقط اتنا کہہ لینا کہ میں نے اپنی عورت مسماۃ فلاں کو واپس لیا، رجعت کے لئے کافی ہے، یا چاہے تو جدید نکاح کرلے اور حلالہ کی اس صورت میں کچھ حاجت نہیں، مگر یہ واضح رہے کہ اب آئندہ اگر ایک طلاق دے گا تو مغلظہ ہو جائے گی، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہ آسکے گی، اور اس شخص نے ماں کو مارا یہ بہت برا کیا، توبہ کرے اور ماں سے معافی مانگے، اللہ عز و جل فرماتا ہے، ولا تقل لہما اف ولا تنہرہما، ماں باپ کو اف کہنے اور جھڑکنے تک کی ممانعت آئی نہ کہ مارنا، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ ارشاد علی محلہ ملوک پور بریلی، ۲۰ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو ان لوگوں کے روبرو آنے سے منع کیا تھا، جس سے شرعاً پردہ کا حکم ہے، جب وہ باز نہ آئی تو زید نے یہ جملہ کہا کہ اگر فلاں فلاں شخص کے سامنے آؤ گی تو میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے، اب جب کہ وہ عورت ان لوگوں کے سامنے آتی ہے اور پردہ کا لحاظ نہ کیا، اس صورت میں وہ عقد میں رہی یا نہیں، جب زید کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں

کے سامنے آئی اس وقت ایک خط بایں مضمون علاوہ شکوہ وشکایت کے عورت کو روانہ کیا، میں نے پردہ کرنے کو کہا تھا، لہٰذا تم نے خود اپنے واسطے بھی اچھا سمجھا، جو تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کیا اور ان لوگوں کے سامنے آکر خود قصہ پاک کر لیا، کیا اب تم میرے عقد میں رہ گئیں، مگر یہ کہ عورت حاملہ بھی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی کہ اندرون عدت رجعت کر سکتا ہے اور اگر رجعت نہ کرے گا، تو بعد عدت یعنی وضع حمل رجعت نہ ہو سکے گی ہاں عقد جدید ہو سکتا ہے، اور حلالہ کی حاجت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ ولایت حسین محلہ بہاری پور بریلی، ۲ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر میں بہت مارا اور مار کر دروازہ پر کھڑا ہو گیا، تین شخص کھڑے ہوئے کنکیاں اڑا رہے تھے، داڑھی منڈھی ہوئی اور نہ پابند صلوٰۃ تھے، ان کے سامنے اس شخص نے کہا میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں، غصہ کی حالت میں طلاق دی، اور نہ تین مرتبہ کہا، جب ہم نے ان لوگوں سے تصدیق کیا تو کسی نے کہا ایک مرتبہ کسی نے کہا دو مرتبہ اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر ایک مرتبہ کہا تو ایک طلاق ہوئی، دو مرتبہ کہا تو دو طلاقیں ہوئیں، مگر عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے، یعنی اتنا کہہ لے کہ میں نے اسے واپس لیا، نکاح جدید کی بھی ضرورت نہیں، البتہ عدت گذر جانے پر دوبارہ نکاح کرنا ہو گا، مگر حلالہ کی حاجت نہ پڑے گی اور یہ ضرور رہے کہ آئندہ جب کبھی اس کو طلاق دے گا تو تین طلاقوں کا اختیار نہ ہو گا، جو باقی رہ گئی اسی سے مغلظہ ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ محمد نذیر حسین صاحب، ہیڈ مولوی، ای، سی، ایچ، ٹی، اینٹھی ٹیوشن مالدہ، بنگال، ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مسماۃ زینب کو بتاریخ ۱ ماہ اگہن ۱۳۲۹ بنگلہ ایک طلاق دی اور بتاریخ ۲۸ طلاق مذکور کی رجعت کر لی، بعدہ بتاریخ تین ماہ پوس میں ایک طلاق دی اور اس طلاق کی بھی بتاریخ ۱ ماہ پھاگن رجعت ہوئی، طلاق اور ہر رجعت کی تحریر وشواہد بھی موجود ہیں، ایسے طلاق سے زید نے ہرگز نہ استہزاء بالشریعہ کی نیت کی نہ زینب کی ایذا رسانی منظور تھی، بلکہ

کسی خاص مصلحت سے وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوا، لہٰذا دریں صورت مسئولہ زینب زید کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں
بینوا توجروا،

الجواب: پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجعت جائز تھی، جب کہ طلاق رجعی دی ہو، قال اللہ تعالیٰ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان، اور اب اگر تیسری طلاق دے گا، یہ مغلظہ ہو جائیگی اور رجعت نہیں ہو سکے گی، بغیر حلالہ زید کے نکاح میں نہیں آسکتی، قال اللہ تعالیٰ، فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی ابو الحسن متعلم مدرسہ اہل سنت بریلی، ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی اور ایک ماہ کے بعد رجعت ہو گئی اب زید نے نکاح کرلیا ہے، ایسی صورت میں کیا ہونا چاہئے اور طلاق بھی غصہ سے دی تھی؟ بینوا توجروا،

الجواب: اگر واقع میں دو ہی طلاقیں دی تھیں، تو رجعت صحیح ہے، عدت کے اندر فقط اتنا کہہ لینا کہ میں نے اسے واپس لیا، یا رجعت کرلی کافی تھا، جدید نکاح کی بھی حاجت نہ تھی، ہاں عدت پوری ہونے کے بعد بیشک بغیر نکاح اس کی زوجیت میں نہ آتی، قال اللہ تعالیٰ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان ہاں یہ بات البتہ ضرور قابل لحاظ ہے کہ اب جب کبھی اسے ایک طلاق دے گا تو مغلظہ ہو جائے گی، مغلظہ ہونے کے لئے تین کی حاجت نہیں کہ دو ہو چکیں، اب شوہر کے اختیار میں صرف ایک ہی طلاق باقی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از سابھر لیک راجپوتانہ علاقہ جے پور، جودھپور، بتوسط جناب منشی نور احمد صاحب ٹھیکیدار،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، ما قولکم رحمکم اللہ فی ھٰذہ المسئلۃ، کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو بہ تہمت زنا یہ کہتا ہے کہ تو میری مثل ماں بہن کے ہے، اگر تجھ کو گھر میں رکھوں اور ہاتھ لگاؤں تو جیسے اپنی ماں بہن کو ہاتھ لگاؤں اور ہندہ کو اپنے میکے بھیج دیتا ہے، ایک ہفتہ بعد زید جب خالد سے ملتا ہے تو مذکورہ بالا لفظوں کا اعادہ کرتے ہوئے مفصل واقعہ بیان کرتا ہے، خالد نے کہا کہ تم نے غصہ میں ڈرانے اور دھمکانے کے لئے بلا کسی نیت کے کہدیا ہوگا، انھیں تو کیا اپنی آنکھ سے دیکھا تھا، ناحق الزام لگاتے ہو کسی پر بہتان

باندھنا اچھا نہیں، بالخصوص اپنی بیوی پر تم کو ایسے الفاظ نہیں کہنا چاہئے، زید جواباً کہتا ہے کہ میں نے خود ہندہ سے دریافت کیا تھا اور اس نے ارتکاب زنا کا اعتراف کرتے ہوئے کہا میں کیا کروں وہ متعدد اشخاص تھے، اور میں تنہا مجبور تھی، وہ لوگ مکان میں گھس آئے، میرے ملازم نے بھی ہندہ کے بیان کی تائید کی اس طرح تحقیق وتصدیق ہو جانے پر میں نے یہ کہا تھا، اور میری غیرت اس کی مقتضی نہیں کہ میں اب بھی ہندہ کو بحیثیت بیوی رکھوں، میری نیت طلاق کی تھی، اور عمداً بہ نیت طلاق ہی یہ کہا تھا، مگر اب تشویش یہ ہے کہ میری معافی نامہ پر ہندہ کے دستخط باوجود کوشش کے بھی نہ ہو سکے، اب یہ چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ صلح کر کے میں ہندہ کو اپنے مکان پر لے جاؤں اور پھر کسی حیلہ سے مہر معاف کرا کر نکال دوں، ڈیڑھ سال بعد زید دعویٰ دخل زوجیت دائر عدالت کر دیتا ہے، حالانکہ اس عرصہ میں نہ زید نے رجعت کی نہ خلوت صحیحہ ہوئی، لہذا ایسی صورت میں عندالشرع طلاق واقع ہوئی یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب:۔ اگر زید نے یہی الفاظ کہے، جو سوال میں مذکور ہے اور بہ نیت طلاق کہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو گئی، یہ رجعی طلاق نہیں، جس میں عدت کے اندر رجعت ہوتی ہے، درمختار میں ہے[1]، وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی خانیہ برا لظہار اوطلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ، ردالمحتار میں ہے، قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائنا کلفظ الحرام، ہاں اس صورت میں حلالہ کی ضرورت نہیں، اگر وہ دونوں باہم پھر نکاح کرنا چاہیں، تو بغیر حلالہ نکاح کر سکتے ہیں کہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے اس زوجہ کو دو طلاقیں نہ دے چکا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ از علی پور ضلع مظفر گڈھ مرسلہ جناب نیاز احمد صاحب، مدرس عربی، گورنمنٹ ہائی اسکول

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص کسی اجنبیہ سے ناجائز تعلق قائم کرتے ہوئے اپنی منکوحہ سے بے اعتنائی اختیار کر لیتا ہے، چند آدمی اس کو ایک دن اس کے مکان کی دہلیز میں بیٹھے جاتے ہیں اور اسے سمجھاتے بجھاتے ہیں کہ تو اپنی عورت سے حسن سلوک رکھ وغیرہ وغیرہ، تو وہ غضبناک

[1] باب الظہار، ص ۵۷۶ ج ۲، نعمانیہ، —

ہوکر کہتا ہے کہ میری اس کو (منکوحہ کو) بھی طلاق ہے اور اس کو (غیر منکوحہ) بھی یہ کہتے ہوئے باہر نکل جاتا ہے اور دو سال تک زوجین ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، دو سال کے بعد مطلقہ پھر اپنی عورت کو جو میکے چلی گئی تھی، واپس اپنے گھر لاتا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اس عورت پر طلاق واقع ہوگئی، اور اگر واقع ہوئی تو کون سی اگر رجعی واقع ہوئی تو دو سال تک جب اس شخص نے رجوع نہیں کیا تو وہ بائنہ نہیں بن جائے گی، اگر مرد ایسا کلمہ غضب کی حالت میں اپنی عورت سے کہدے، جس سے سب وشتم مقصود نہ ہوسکے جیسا کہ صورت ھذا میں، تو کیا طلاق واقع ہو جاتی ہے، مطلقہ ہونے کی صورت میں دو سال تک میکے میں رہی، کیا اس کی عدت اس میں شمار ہو جائے گی، کیا وہ فوراً دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مذکورہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، کہ اگر عدت کے اندر شوہر رجوع کرے تو وہ بدستور اس کی عورت رہے گی، ورنہ عدت پوری ہونے پر اس کے نکاح سے خارج ہو جائے گی، جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، اور مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو کہ سن ایاس کو پہونچ گئی، یا ابھی آیا ہی نہ ہو تو عدت تین ماہ ہے، بہرحال عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے، بعد عدت رجعت کا اختیار نہیں، البتہ عورت کی رضامندی سے اس سے نکاح کرسکتا ہے، عورت چاہے تو میکے میں رہے یا شوہر کے مکان میں رہے یا کہیں دوسری جگہ رہے عدت ہر حال میں پوری ہو جائے گی اور اگر شوہر نے رجعت نہیں کی ہے اور عدت پوری ہوچکی ہے، تو دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ، مرسلہ شیخ محمد امین صاحب، صدر مدرسہ اشرفیہ،

۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ منکوحہ زید جو نہایت بدمزاج اور جس کی بد خلقی اور بدمزاجی کی وجہ سے اس کے اور اس کے شوہر زید کے درمیان اکثر جھگڑا ہو جایا کرتا تھا، ایک دفعہ اپنے شوہر سے اس کی تندرستی وصحت کی حالت میں جھگڑا کرنے کے درمیان اپنے استعمال کے سامان لے جانے کے واسطے نکالتے ہوئے دو معتبر ثقہ آدمیوں کے سامنے اپنے شوہر زید سے کہا تم مجھ کو چھوڑ دو، شوہر نے جواب میں کہا کہ جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، پھر ہندہ نے کچھ محبت وکلام کے بعد زید سے کہا کہ تم مجھ کو طلاق دیدو، زید نے کہا کہ جا میں نے تجھ کو طلاق دیدیا، پھر دونوں ثقہ آدمیوں کے چلے جانے کے بعد ہندہ نے زید کو مخاطب کیا، زید کے خاموش

ہو جانے کی وجہ سے ہندہ نے کہا، بولتے کیوں نہیں، میری آہ و فغاں نہیں جائے گی اور تمہارے مرنے پر تم پر کوئی رونے والا نہیں ملے گا، زید نے کہا کہ خیر اب تو میں نے تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہے، اور طلاق دے دیا ہے، اور تو جا ہی رہی ہے پھر ہندہ نے اپنا مہر طلب کیا، زید نے کہا میرے زیور تیرے پاس ہیں، ہندہ نے انکار کیا اور سامان مذکورہ لے کر اپنی لڑکی کے یہاں چلی گئی، اب سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں عورت پر دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئیں، ایک پہلے لفظ چھوڑ دیا سے کہ یہ بھی ہمارے یہاں کے محاورہ میں صریح الفاظ طلاق سے ہے، اور اس سے رجعی طلاق ہوتی ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، وکان شیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ یفتی فی قولہ بہشتم بالوقوع بلانیۃ ویکون الواقع رجعیًا (اگرچہ لفظ دجا) الفاظ کنایہ میں سے ہے اور اس سے بائن طلاق ہوتی ہے، جب کہ طلاق کی نیت ہو، مگر صریح لفظ کے ساتھ جب اس کا استعمال ہو تو اس سے طلاق نہیں ہوتی، فتاویٰ خیریہ میں ہے، سئل فی رجل قال لزوجتہ روحی طالق اجاب بانہ رجعی لان قولہ روحی طالق صریح فیہ، اور دوسرے اس لفظ سے کہ جا،

لہ روحی، امر من الرواح، بمعنی الذہاب فی المنجد ویستعمل لمطلق الذہاب والمضی ومحصل الخبریۃ ہہنا انہ اذا لم ینو لعقولہ روحی طلاقًا جدیدًا لانہ قد صرح نفسہ فیہ قبل وریقات انہ کاذہبی مانصہ لان روحی کاذہبی ہی من قسم ما یصلح جوابا وردا، ولابد فیہ من النیۃ مطلقا سواء کان فی حالۃ مذاکرۃ الطلاق اولا، وسواء کان فی حالۃ الغضب او الرضا، وہو محتاج الی النیۃ، والقول قولہ فی ذالک ولانہ عللہ بان فی قولہ روحی طالقا معنا ہ روحی بصفۃ الطلاق ووقع بالصریح بخلاف روحی (ای وحدہ) فان وقوعہ بلفظ الکنایۃ فاستفید منہ اذا ینوی فی قولہ روحی طالقا بقولہ روحی طلاقا جدیدا یقع طلاقا بائنا، واذا لم ینو لا یقع بہا طلاق، لکن ما افتی بہ صدر الشریعۃ مخالف لما فی الرضویۃ حیث قال، ــ سوال ــ شوہر نے کہا تجھ کو طلاق دی میں نے، جا تجھ کو طلاق دی میں نے، اس کا نتیجہ یہ ہے جا، الجواب: تین طلاقیں ہو گئیں بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، لان (جا) وان کان یحتمل ردا وغایۃ تقدم الطلاق ان الحال صار حال المذاکرۃ لکن ما یحتمل الرد ینوی فیہ مطلقا، غیر ان ایقاعہ الطلاق قاید ارادۃ الرد، فکان خلاف الظاہر فلا یصدق فیہ قضاء والمرأۃ کالقاضی، کما فی الفتح والبحر، قال فی الدر المختار، اذہبی وتزوجی تقع واحدۃ بلانیۃ قال الشامی لان تزوجی قرینۃ فان نوی الثلاث، فثلاث (بزازیہ) الا ثم نازعہ بان تزوجی ایضا کنایۃ، فکیف یکون قرینۃ، وان القرینۃ لابد لہا

(بقیہ ص ۲۷۲ پر)

میں نے تجھ کو طلاق دے دیا، اور اس کے بعد کے الفاظ اب تو میں نے چھوڑ ہی دیا ہے اور طلاق دے دیا ہے بظاہر یہ الفاظ اخبار ہیں، اس سے وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ: مرسلہ حافظ محمد ابراہیم صاحب، ڈونگری والے مقام بیاور ضلع اجمیر، یکم شعبان المعظم ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۱ء

۱۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں باب رحمکم اللہ تعالیٰ کہ محمد عثمان نے اپنی سسرال پالی جا کر اپنی زوجہ مسماۃ مریم کو بوجہ حکم عدولی غصہ میں آکر ایک طلاق نامہ لکھ دیا، جس کی نقل بعینہ ذیل میں درج ہے، ملاحظہ فرما کر بہت جلد جواب روانہ فرمائیں؟

نقل طلاق نامہ

میں کہ محمد عثمان۔ . . . جو کہ مسماۃ مریم . . . . عرصہ تین سال سے میرے عقد میں تھی اب میں نے بحالت صحت نفس ثبات عقل مسماۃ مذکورہ کو بوجہ میرے حکم عدولی طلاق دی اور جس قدر مہر تھا حوالہ مسماۃ مذکورہ کیا لہٰذا مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہے کہ جس کے ساتھ جب چاہے اپنا نکاح کر لے، مجھ کو مسماۃ مذکورہ سے کچھ سروکار نہیں، اور نہ ہوگا۔ اس واسطے یہ چند کلمہ بطور طلاق نامہ لکھ دیئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

بقلم خود محمد عثمان۔

طلاق نامہ لکھ دینے کے چار روز بعد ہی محمد عثمان نے ایک نوٹس بیاور سے اپنی عورت مریم کو دے دیا کہ تم میری جائز عورت ہو میں نے جو تم کو غصہ میں آکر لکھ دیا ہے کہ طلاق دی، میں اس طلاق کو واپس لے کر بذریعہ نوٹس تم سے رجعت کرتا ہوں، تم فوراً میرے مکان پر چلی آؤ، مگر مسماۃ مریم اپنے والدین کے ورغلانے سے یا اپنی خوشی سے کہتی ہے کہ میں اب اپنے شوہر سے رجعت نہیں چاہتی، کیا مسماۃ مریم کا یہ کہنا کہ رجعت نہیں چاہتی، از روئے شرع شریف معتبر ہوگا؟، اور یہ رجعت بذریعہ نوٹس صحیح ہوئی یا نہیں اور نوٹس دینے کے بعد مسماۃ مریم عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح ثانی کر سکتی ہے؟، جو حکم ہو شرعاً تحریر فرمائیں؟، اور ہر فقرہ کا جواب مفصل عنایت فرمادیں بہت ہی ضروری ہے؟

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱) من التقدم وھو ھھنا متاخر الا متصلہ، ولا من و دلشی منھا فیما نحن فیہ لنقلہ الفتح انتھی ص ۷۲، ج ۲، ۵ اقول فیما نحن فیہ ایضا الطلاق الصریح مقدم فیرد اسہا دتہ الیٰ دیقع ثلث قضاء فلابہ ان یحمل جواب الخیریۃ علی ان الایراد بقولہ سادی طلاقا جل یلا اما اذ اراد بہا طلاقا جدیدا فیقع بہا واحدۃ بائنۃ نیرا کان و صلہا وبقولہ طالق او للقتوی دیہر بھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: طلاق نامہ کا پہلا لفظ کہ طلاق دی، یہ صریح ہے، اس سے ایک طلاق واقع ہوگی، دوسرا لفظ کہ جس سے چاہے نکاح کرے، یہ کنایہ ہے، اگر اس سے بھی طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق ہوگی، اور اس صورت میں رجعت نہیں ہو سکتی، اور اگر اس سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو صرف وہی ایک طلاق ہوگی اور رجعی ہوگی، اور اس صورت میں رجعت اندرون عدت ہو سکتی ہے، اور رجعت تحریر کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے، اور دو گواہوں کے سامنے اگر رجعت کے الفاظ کہہ دیئے، اگرچہ عورت وہاں موجود نہیں ہے، جب بھی رجعت ہو جائے گی، رجعت میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں، بلکہ عورت انکار کرے جب بھی رجعت ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مولوی محمد صدیق صاحب خیرآبادی، از مالیگاؤں، مدرسہ عربیہ حنفیہ ۸ محرم ۱۳۶۷ھ

زید کی ساس نے کہا، میری لڑکی کو چھوڑ دو، کچھ دیر کے بعد سالی نے کہا میری بہن کو چھوڑ دو، زید نے اس وقت کچھ نہ کہا، وہاں سے ہٹ گیا، چار پانچ گھنٹے کے بعد باہر سے آیا، سوٹ اتارنے لگا، زید کی بیوی نے کہا، کھانا کھا لو، زید نے کہا، میں کھا چکا، اور جو تمھاری ماں بہن نے کہا میں نے کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو رجعی یا بائن، کیا اس میں نیت کی بھی حاجت ہے، اس واقعہ کو ایک سال گذر گیا ہے، اب اگر طلاق واقع ہوگئی تو اس کو عقد میں لانے کی صورت کیا ہے، حتی الامکان اس جزئیہ کو تلاش کیا، مگر بوجہ پریشانی و ترددات کامیاب نہ ہوا، ؟

الجواب: چھوڑ دینا بھی اردو زبان میں بمعنی طلاق دینا ہے، اور یہ الفاظ صریح سے گنا جاتا ہے، اگر زید نے اسی وقت جب کہ اس کی ساس اور سالی نے چھوڑ دینے کو کہا تھا، یہ لفظ کہا ہوتا، جب تو بالکل ظاہر تھا کہ اس لفظ سے طلاق واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا، اگرچہ کہ ایک طویل و ممتد زمانہ گذر چکا، نہ وہ مجلس رہی نہ وہ مذاکرہ رہا، اس وقت اس کا یہ لفظ کہنا اس بات کو نہیں بتاتا کہ اس کی مراد وہی طلاق اور چھوڑنا ہے، ممکن ہے اس کی ساس اور سالی نے کوئی دوسری بات بھی چھوڑنے کے سوا کہی ہو، جس کو وہ کرنا بتاتا ہے، لہذا زید سے دریافت کیا جائے، اگر اس کی مراد اس لفظ سے طلاق دینا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اگر اس نے اندرون عدت وطی وغیرہ کر لی ہے، یا کوئی لفظ رجعت کا استعمال کر لیا ہے تو رجعت ہوگئی، ورنہ اب اس سے جدید نکاح کر سکتا ہے، اس میں حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

حلالہ کا بیان

مسئلہ: مرسلہ رمضانی محلہ شاہ آباد عقب کوتوالی بریلی ۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ کی حالت میں دو عورتوں کے روبرو اپنی زوجہ کو تین بار طلاق دی عدت گذر جانے کے بعد بکر کے ساتھ عورت مذکورہ کا عقد ہوا بکر نے باہم ایک شب گذارنے کے بعد دوسرے دن طلاق دے دی، عدت گذارنے کے بعد عورت مذکورہ کا عقد اس کے پہلے شوہر زید کیساتھ کیا گیا، نکاح کے وقت بکر اور عورت نے حلفاً قاضی اور برادری کے لوگوں کے سامنے اقرار کیا، کہ باہم جماع ہوا، جسکے پندرہ سولہ گواہ موجود ہیں، اب عقد کے تین ماہ گذرنے کے بعد دو آدمی جو زید سے عداوت رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ بکر میں اور اس عورت میں اجتماع نہیں ہوا، اس لئے زید کا عقد دوسرا عقد جائز نہ ہوا، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے، اور ان دو شخصوں کے واسطے کوئی شرعی سزا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جب عورت اور بکر دونوں خود اقرار کر رہے ہیں کہ باہم صحبت ہوئی تو نکاح زید جائز قرار پائے گا، ان لوگوں کی بات ہرگز قابل اعتبار نہیں کہ یہ امر ایسا نہیں کہ لوگوں کے سامنے ہو، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از ٹمرنی ضلع ہوشنگ آباد، مرسلہ حاجی عبد اللطیف ایوب صاحب، ۲۸ر شوال ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیش امام نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، اور عرصہ ڈیڑھ سال کے بعد پھر نکاح پڑھا کر عورت کو لے گئے، اب شرع کا کیا حکم ہے، آیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں، اور اگر ناجائز ہے تو عورت مرد میں جدائی ہونی چاہئے یا کسی اور صورت سے ساتھ رہ سکتے ہیں، یا یوں ہی ساتھ رہنے میں کوئی حرج نہیں، اور ایسے شخص کو امام مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا حکم شرع ہے، مہربانی کرکے جلد جواب سے سرفراز فرمادیں، اور جو نمازیں پیش امام کے پیچھے پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اب وہ امام کہتا ہے کہ دو طلاقیں دی گئی ہیں تو رجوع کرسکتا ہے، اور ایک اردو کی کتاب دکھائی جس میں لکھا ہے کہ دو طلاق دینے تک بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کے رجعت کرسکتے ہیں، یہاں کی بستی میں غریب مسلمان ہیں، اکثر علم سے ناواقف اور یہی لوگ نکاح وطلاق میں بھی بطور گواہ وغیرہ موجود رہتے ہیں، مہربانی کرکے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب:- اگر دو معتبر گواہوں سے تین طلاق دینا ثابت ہو تو بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اگر گواہ نہ ہوں تو امام کے بیان کو غلط ماننے کی کوئی وجہ نہیں مگر یہ واضح رہے کہ اگر امام نے تین طلاقیں واقع ہی دی ہیں تو گواہ نہ ہونے سے وہ عورت حلال نہ ہوگی، عند اللہ مواخذہ ہوگا، اور غلط بیان عذاب آخرت سے بچا نہیں سکتا پھر اگر تین طلاقیں ثابت ہوں تو عورت شوہر دیگر پر حلالہ لازم، اور اس کو امامت سے معزول کرنا بھی ضروری اور جو نمازیں لاعلمی میں پڑھی ہیں، ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:- از شہر برہنیا، مرسلہ جناب شمس العالم صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ زید نے اپنی زوجہ (جو حاملہ بھی ہے) لوجہ تکرار کہ یہ کہا کہ زید نے اس کو چھ مہینہ کے لئے طلاق دیا پھر اس کے بعد یہ کہا کہ زید نے تجھ کو ایک ہفتہ کے لئے طلاق دیا پھر اس کے بعد یہ کہا کہ زید نے تجھ کو طلاق قطعی دیا پس ان صورتوں میں طلاق ہوگئی یا نہیں، اگر ہوگئی تو کون سی؟

(۲) عمرو نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو چھ مہینے کے لئے طلاق دیا، پھر کہا کہ قطع کیا، میں نے ایک ہفتہ کے واسطے پس اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو کون سی؟

الجواب:- صورت مستفسرہ بالا میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب بغیر حلالہ یہ شخص اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا ہے طلاق کسی زمانۂ خاص کے لئے نہیں ہوتی بلکہ جو طلاق دی جاتی ہے وہ واقع ہوجاتی ہے ایسی قید کا کچھ اثر نہیں اور نہ حمل ہونا مانع وقوع طلاق ہے، درمختار میں ہے، الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن بشرط العدۃ والبائن یلحق الصریح۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ایک طلاق رجعی ہوئی اور دوسرا لفظ کہ قطع کیا، یہ طلاق کے الفاظ سے نہیں، اور اس سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کس چیز کو قطع کیا لہٰذا اس سے کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:- مرسلہ یاد علی صاحب وارثی از مہدا دل ضلع بستی ۷ رمحرم الحرام ۶۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت غصہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اے عمرو کی بیٹی رضیہ بیں تجھے طلاق دیتا ہوں خدا بھی تجھے طلاق دے۔ اے عمرو کی لڑکی رضیہ بیں تجھے طلاق دیتا ہوں خدا بھی تجھے طلاق دے۔ اے عمرو کی لڑکی تجھے طلاق دیتا ہوں خدا بھی تجھے طلاق دے۔ لہٰذا ایسے کہنے سے رضیہ پر طلاق پڑگئی یا نہیں۔ اگر طلاق پڑگئی ہو تو رضیہ کو رکھنے کیلئے کوئی صورت ہے یا نہیں کیونکہ زید اپنا یعنی مذکورہ بالا الفاظ کہنے کے بعد اب پھر رضیہ کو رکھنا چاہتا ہے کیونکہ رضیہ کے بطن سے زید کے دو بچے ہیں اور دونوں دودھ پیتے ہیں اس لئے زید رضیہ کو پھر رکھنا چاہتا ہے حضور سے مکرر استدعا ہے کہ اگر رضیہ کو طلاق ہوگئی ہو تو زید رضیہ کو بغیر حلالہ کئے نہیں رکھ سکتا تو حلالہ کی صورت حضور نے بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۶۹ و ۷۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر عورت مدخولہ ہے تو طلاق کی عدت پوری ہونے کے بعد عورت کسی اور سے نکاح صحیح کرلے اور یہ شوہر ثانی اس عورت سے وطی بھی کرلے اب اس شوہر ثانی کے طلاق یا موت کے بعد عدت پوری ہونے پر شوہر اول سے نکاح ہوسکتا ہے،، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ شوہر ثانی اس عورت سے وطی نہ کرے اور کچھ روز کے بعد عورت کو طلاق دیدے پھر عدت پوری ہونے پر شوہر اول نکاح کرے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ہر باتوں کا جواب مفصل تحریر فرمائیے گا اور حوالہ عربی میں ہو تو اردو میں ترجمہ بھی لکھ دیجئے گا۔ بینوا توجروا

الجواب:- صورت مذکورہ میں رضیہ پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں ردالمحتار میں بحرالرائق کے حوالے سے ہے وکذا المضارع

اذ اغلب فی الحال مثل اطلقك عربی زبان میں لفظ مضارع حال واستقبال دونوں کے لئے آتا ہے مگر چونکہ لفظ اطلقك کا غالب استعمال حال میں ہے اس واسطے اس سے بھی وقوع طلاق کا حکم دیا گیا۔ اور اردو زبان میں طلاق دیتا ہوں حال ہی کیلئے متعین ہے۔ استقبال کا اس میں اصلا احتمال نہیں لہذا اس لفظ سے طلاق واقع ہوتے میں کوئی شبہ نہیں اور جبکہ اس لفظ کو تین مرتبہ اس نے مکرر کیا تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور زبیدہ مغیبہ حرام ہوگئی بغیر حلالہ زید کا اس سے نکاح نہیں ہوسکتا اللہ عزوجل فرماتا ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ حلالہ کی صورت یہ ہے کہ اس طلاق کی عدت گذرنے کے بعد عورت دوسرے سے نکاح صحیح کرے پھر وہ دوسرا شوہر اس سے وطی کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مرجائے پھر اس طلاق یا موت کی عدت گذر جانے کے بعد شوہر اول سے نکاح جائز ہوگا۔ حلالہ کیلئے دوسرے شوہر کا وطی یعنی دخول کرنا ضروری ہے بغیر اس کے شوہر اول کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ حدیث عسیلہ جو ایک مشہور حدیث ہے جس کو بخاری ومسلم ودیگر محدثین نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا فرماتی ہیں۔ جاءت امرأة رفاعة القرظی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فقالت انی کنت عند رفاعة فطلقنی فبت طلاقی فتزوجت بعدہ عبد الرحمن بن الزبیر وما معہ الا کهدبة الثوب فقال اتریدین ان ترجعی الی رفاعة قالت نعم قال لا حتی تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتک۔ رفاعہ قرظی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیدی تھی اس کے بعد اس عورت نے عبد الرحمن ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے نکاح کیا پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے شوہر ثانی کی نامردی کی شکایت کی اور شوہر اول سے پھر نکاح کرنا چاہا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ تو شوہر ثانی کا مزہ نہ چکھے اور وہ تیرا مزہ نہ چکھے یعنی جب تک دخول اور جماع نہ ہو تو شوہر اول سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے۔

لا ینکح مطلقة بها ای بالثلث حتی یطأ غیرہ اھ ملتقطا۔ واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ یاد علی صاحب وارثی از مہداول ضلع بستی ۲ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ناچیز نے جو طلاق والا فتویٰ حضور سے دریافت کیا (یہ استفتی مع جواب صد پر درج ہے) حضور نے جواب سے سرفراز فرمایا لیکن ایک مولوی صاحب نے حضور کے خلاف فتویٰ دیا ہے[1] جو مع جواب ارسال خدمت ہے، لہذا حضور سے التماس ہے کہ اگر مولوی مذکور کا جواب حق و درست ہو تو حضور بھی دستخط فرماکر جواب سے مطلع فرمائیں گے اور اگر کوئی غلطی ہو تو اصلاح فرماکر شکریہ کا موقعہ عنایت فرمائیں گے دوسرے مولوی سے جو سوال کیا گیا ہے اس میں اتنا زیادہ ہے کہ زید کہتا ہے میری نیت یہ نہ تھی کہ چھوڑ دوں بلکہ دھمکانا اور عادت چھڑانا پھر فوراً عورت نے معافی مانگی اور میں افسوس کرنے لگا اور ہم دونوں راضی ہوگئے اور ہم دونوں میں علیحدگی سخت دشوار ہے کیونکہ اس بیوی سے دو لڑکے ہیں علیحدگی میں لڑکوں کیلئے حیرانی ہے اس لئے سوال ہے کہ از روئے شرع شریف کسی صورت سے اس عورت کو رکھ سکتا ہوں یا نہیں اپنے امام یا دوسرے امام ائمہ ثلثہ سے کسی امام کے نزدیک اگر کوئی صورت ہو اور اس پر عمل کرنا جائز ہو تو تحریر فرمایا جائے؟

(۲) سگی چچی سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔؟

---

[1] الجواب:۔ ایسی صورت میں اپنے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاق تین ہی واقع ہوگی لیکن دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ ایک مرتبہ یا ایک مجلس میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی، خواہ تین مرتبہ دے یا زیادہ، اور اشد ضرورت میں دوسرے مذہب پر مذاہب اربعہ سے عمل کرلینا جائز ہے جیسا کہ عمدۃ الرعایہ میں بالتفصیل موجود ہے۔ لہذا زید دوسرے مذہب پر ایسی پریشانی میں عمل کرے، اور رجعت صحیح ہے۔ زیادہ سے زیادہ طلاق بائن مان کر عورت کو نکاح پڑھا کر رکھ لے، محمد ذکر اللہ پرسو تیا نوی بستوی سنی حنفی)

الجواب :- حکم شرع وہی ہے جو فقیر نے پہلے فتوے میں تحریر کیا کہ صورت مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ ابغیر حلالہ یہ شخص اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا یہی مذہب ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے بلکہ جمہور اسی کے قائل ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ، جو اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے تجاوز کریگا وہ خود اپنی جان پر ظلم کریگا حکم شرع تو یہ تھا کہ تین طلاقیں تین طہروں میں دی جاتیں مگر اس نے اس حکم شرع سے تجاوز کیا کہ ایک مرتبہ تینوں طلاقیں دے دیں اس کا وبال خود اسی کو بھگتنا پڑیگا جو فتوی آپ نے بھیجا ہے وہ بالکل غلط ہے میں اس کی تصدیق نہیں کرسکتا مسلم شریف کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے متعلق فرماتے ہیں، وقال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع بہ الثلث یہ مسئلہ تو وہ ہے جس میں چاروں امام متفق ہیں، اگر ائمہ میں اختلاف بھی ہوتا تو ایک حنفی کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک سے عدول کرنا کب جائز ہوتا یہ اتباع شرع نہیں، بلکہ ہوائے نفس کی پیروی ہے جس میں اپنا فائدہ نظر آیا اس کو اختیار کرلیا۔ ضرورت کا محض ایک حیلہ ہے بچے والی عورت کا ہونا کوئی عذر نہیں اسی طرح جدائی کا شاق ہونا بھی کوئی عذر نہیں، آج کل بہت لوگ طلاق دے کر پشیمان ہوتے ہیں اور یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ عورت بغیر حلالہ کئے ہمارے لئے حلال ہوجائے مگر شریعت نے جو حدیں مقرر کردیں ہیں ایک مسلم پر اس کی پابندی لازم ہے اگر صورت مذکورہ میں ضرورت کا خیال کیا جائے تو شریعت نے حلالہ کو اس موقع پر دفع ضرورت کے لئے مقرر فرمایا ہے اس کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، شوہر کا یہ کہنا کہ چھوڑنے کی نیت نہیں تھی مسموع نہیں کہ صریح میں بغیر نیت بھی طلاق واقع ہوتی ہے، کذا فی سائر الکتب، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) سگی چچی کے ساتھ جبکہ چچا نے طلاق دیدی ہو یا مرگیا ہو اور عدت گذر گئی ہو، نکاح درست ہے، قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ احمد سورتی معرفت سید خیرالدین زکریا مسجد بمبئی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے سخت غصہ میں اپنی عورت سے کہا کہ چل جا میرے گھر سے، جس پر عورت نے برافروختہ ہوکر کہا لا میرا فیصلہ اس پر مرد نے مشتعل ہوکر کہا کہ ہاں لے تیرا فیصلہ جا میں نے طلاق طلاق دی، تیسری مرتبہ کہا مگر ایک شخص نے منہ بند کردیا۔ نیز یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مرد کا عقیدہ عرصہ سے اور بروقت واردات بھی یہی تھا کہ طلاق بائن دینے سے تجدید نکاح میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا اب اس صورت میں مرد عورت کیا کریں، کیونکہ ایک بچہ بھی ہے اور وہ علیحدگی بھی نہیں چاہتے لہذا اس صورت میں شرعی فیصلہ بتلا کر عند اللہ ماجور ہوں؟

الجواب :- شوہر کا یہ لفظ کہ چل جا میرے گھر سے یہ الفاظ کنایہ سے ہے، اگر اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور نیت طلاق نہیں کی ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی، یونہیں لے تیرا فیصلہ یہ بھی الفاظ

کنایہ سے ہے کہ بغیر نیت اس سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی، جا ہیں نے طلاق طلاق دی، یہ صریح ہے، اس سے ایک طلاق[1] یقیناً واقع ہے، یہ اسی تقدیر پر ہے کہ جس طرح سائل نے لفظ نقل کئے، شوہر کی زبان سے بھی اسی طرح نکلے اور اگر کتابت کی غلطی ہے، شوہر کے الفاظ یہ تھے کہ ہیں نے طلاق دی، طلاق دی، پہلی طلاق کے بعد لفظ (دی) لکھنا رہ گیا، تو اس لفظ سے دو طلاقیں واقع ہوئیں، سائل کا یہ لفظ کہ تیسری مرتبہ کہا، مگر ایک شخص نے منھ بند کر دیا، اگر باوجود منہ بند کرنے کے شوہر نے کہدیا تو اس سے بھی طلاق ہو جائے گی اگر پہلے تین طلاقیں نہ ہو چکی ہوں، بالجملہ اگر تین طلاقیں ہو چکی ہوں خواہ یوں کہ تین بار صریح لفظ کہے یا یوں کہ کنایہ[2] سے طلاق کی نیت کی طلاق مغلظہ ہو گئی، اب بدوں حلالہ شوہر اس سے نکاح نہیں کر سکتا، شوہر کے خیال کا کوئی اعتبار نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ میں ہے، اگر اس نے اتنے ہی لفظ کہے کہ طلاق، طلاق، طلاق، نہ یہ کہا کہ دی، نہ یہ کہا کہ تجھ کو، یا اس عورت کو نہ یہ الفاظ کسی ایسی بات کے جواب میں تھے، کہ جس سے عورت کو طلاق دینا مفہوم ہو تو طلاق اصلاً نہ ہوئی، اور اگر اس کے ساتھ یا اس بات میں کہ جس کے جواب میں الفاظ تھے، وہ لفظ موجود تھے جن سے یہ مفہوم ہو، کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی یا وہ اقرار کرے، کہ میں نے یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیت سے کہے تھے، تو تین طلاقیں ہو گئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، ص ۳۴۷ ج ۵، نیز اسی میں ہے، ایک شخص نے کہا، جا ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق دادم، اس کے جواب میں تحریر فرمایا، کلام زوجہ میں سوال طلاق نہ تھا، نہ کلام زوج الفاظ "ایک طلاق، دو طلاق الخ" عورت کی طرف اضافت ہے، اور "جا" احتمال مذکور رسائل کے علاوہ خود کنایات سے ہے، صریح الفاظ سے نہیں، کہ تقدم طلاق ہو کر خود مذاکرہ ثابت ہو جائے، ان وجوہ سے عدم نیت کا احتمال باقی ہے، اگر زوج بحلف شرعی کہدے، کہ میں نے نہ لفظ جا بنیت طلاق کہا، نہ طلاق دادم سے زوجہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اس کا قول مان لیں گے، اور اصلاً طلاق نہ ہونے کا حکم دیں گے، اگر جھوٹا حلف کرے گا، اپنے زنا اور زوجہ کے زنا کا سخت شدید عظیم وبال اس کی گردن پر ہے، اور اگر ان میں سے کسی بات پر حلف نہ کرے یا صرف امر دوم پر حلف نہ کرے تو تین طلاقیں ہو گئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، ص ۳۴۷، ۳۴۸ ج ۵، اس سے ظاہر ہیں نے طلاق، طلاق دی، سے دو طلاق صریح واقع ہو گی، اگرچہ پہلے لفظ "طلاق" کے ساتھ "دی" نہیں بولا ہے، شوہر کے پہلے والے جملے میں "ہاں لے تیرا فیصلہ" میں اضافت موجود ہے، اسی لئے ترک اضافت کی تفصیل یہاں جاری نہ ہوگی،

[2] یعنی طلاق کنائی کے جو دو جملے تھے، چل جا میرے گھر سے، "لے تیرا فیصلہ" ان دونوں سے یا دونوں میں سے کسی ایک سے طلاق کی نیت رہی ہو، اور حضرت کے ارشاد کے بموجب پہلے لفظ طلاق کے بعد دی، شوہر بولا تھا، مگر لکھنے میں رہ گیا

(بقیہ ص ۲۷۹ پر)

ایلا کا بیان

مسئلہ: مرسلہ یاد علی وارثی صاحب از قصبہ مہداول ضلع بستی، ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ

سید العلماء رئیس الفقہاء تاج الاصفیاء امام الاتقیاء حامی توحید و سنت حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب دام ظلہم العالی القدسی مدفیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ادائے آداب کے بعد مؤدبانہ گذارش یہ ہے، کہ یہ استفتیٰ حضور کی خدمت میں ارسال ہے، امید ہے کہ حضور جواب سے سرفراز فرمائیں گے؟ اور جواب باصواب سے محروم نہ کریں گے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہدیا کہ اگر تجھے رکھوں تو ماں کے ساتھ زنا کروں، اس کہنے سے زید کی بیوی پر طلاق پڑ گئی یا نہیں، اور جس وقت زید نے یہ لفظ کہا اس وقت اس کی نیت بھی تھی کہ اس کو نہیں رکھوں گا، لہٰذا ابھی تک اپنی بیوی کو پہلے ہی کی طرح رکھے ہوا ہے، آیا اس کو اپنی بیوی کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ لفظ جو شوہر نے اپنی عورت کے لئے کہا، اس سے مقصود زوجہ کو حرام کرنا ہے، اور اس کا حکم وہی ہے، جو لفظ حرام اور اس کے مثل کا ہے کہ یہ لفظ ایلاء ہے اور اگر طلاق کی نیت ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی. فتاویٰ عالمگیری میں ہے، لو قال انت علی کالمیتۃ ونوی الیمین یکون مؤلیا وقال لامرأتہ ان قربتک فانت علی حرام ونوی الیمین یصیر مؤلیا عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ، درمختار میں ہے، قال لامرأتہ انت علی حرام ونحو ذالک ایلاء ان نوی التحریم اولم ینو شیئا وظہار ان نو (ہ وہدر ان نوی الکذب و ذا دیانۃ واما قضا فایلاء (قہستانی) وتطلیقۃ بائنۃ ان نوی الطلاق ومثلہ کانت معی فی الحرام (الیٰ ان قال) اوانت علی کالحمار او کالخنزیر، بزازیہ انتہیٰ مختصرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ ص ۲۷۸ کا حاشیہ) جب تین طلاقیں واقع ہوں گی، اور بر بنائے تحقیق اگر شوہر پہلے لفظ طلاق کے بعد، دی، دی بھی بولا ہو جب بھی تین طلاقیں ہو جائیں گی، اگر کنایہ کے جملوں سے یا کم از کم ایک جملے سے طلاق کی نیت رہی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

خلع کا بیان

مسئلہ: جس عورت کا خلع مقرر کیا جائے تو طلاق بائن ہو سکتی ہے یا نہ. اگر بائن واقع ہو گی تو بعد عدت دوسری جگہ نکاح کر واسکتی ہے یا نہ؟

الجواب: خلع طلاق بائن ہے، بعد عدت عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، درمختار میں ہے، وحکمہ ان الواقع بہ ولو بلا مال وبالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از ریاست اودے پور میواڑ محلہ قاضی واڑہ، مرسلہ جناب قاضی رفیع الدین صاحب ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

مسماۃ ہندہ کا عقد مسمیٰ زید کے ساتھ ہوا جس کو عرصہ چھ سال ہوتا ہے اور شادی کے وقت سے بلاوجہ طرفین کی رنجش نے اس قدر زور پکڑا کہ مسماۃ ہندہ کو زید اور اس کے والدین نے اس قدر خورد و نوش اور پارچہ کی تکلیف و زدوکوب اور تشدد بیجا کا بڑنا وبڑنا جس کو وہ ضبط نہ کر سکی، آخر میں زید اور اس کے والدین نے چاہا کہ کسی چیز سے ہندہ کو ہلاک کر دیں، چنانچہ وہ اپنی جان بچا کر باپ کے گھر (بوجہ) والدہ کے پاس چلی آئی، اب وہ خلع چاہتی ہے، ایسی حالت میں جب کہ زید وغیرہ اس کی ہلاکت کے درپے ہیں، خلع ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر زید طلاق نہ دے تو کیا عدالت دلوا سکتی ہے یا نہیں مشرح طور سے تحریر فرمائیں؟

الجواب: جب کہ ہندہ کو زید اس قسم کی تکلیفیں پہنچاتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنی جان کا خوف ہے، اس صورت میں خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر وہ خود طلاق نہ دے تو حاکم[1] اس سے طلاق دلوا سکتا ہے، قال اللہ

---

[1] اس مسئلے کی صورت صرف یہ ہے کہ کوئی بھی حاکم شوہر کو کسی طرح اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دے، یہ مراد نہیں کہ شوہر سے حاکم طلاق نہ دلائے، خود فسخ نکاح کا حکم دیدے، جیسا کہ آج کل کچہریوں میں ہو رہا ہے، اگر شوہر طلاق نہ دے تو کسی حاکم کے حکم سے نکاح فسخ نہ ہوگا، قرآن مجید میں ہے، بیدہ عقدۃ النکاح، حدیث میں ہے، انما الطلاق لمن اخذ بالساق، ہاں چند محدود صورتوں میں شریعت نے حاکم اسلام کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نکاح فسخ کر سکتا ہے، شوہر راضی ہو یا نہ راضی ہو مثلاً شوہر نامرد ہے یا مجنون ہے وہ بھی ان شرائط کے ساتھ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، وہ بھی صرف مسلمان حاکم کو، غیر مسلم حاکم کو مطلقاً فسخ نکاح کا حق نہیں، قرآن مجید میں ہے، لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعالیٰ، وان امرأۃ خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما فیما افتدت به، درمختار میں ہے، ولا باس به عند الحاجة للشقاق بعد الوفاق، واللّٰہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از قصبہ بھوجپور ڈاکخانہ تلسانہ ضلع مرادآباد، مرسلہ اللہ بخش مومن زادہ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی مرگئی، عرصہ پانچ چھ ماہ کے بعد دوسرا عقد باہر گاؤں میں کیا، جس میں مبلغ ڈیڑھ سو روپیہ صرف ہوئے، عرصہ چھ مہینہ تک وہ گھر میں رہی، کسی آدمی نے اس عورت کو بہکا لیا، اس کا شوہر مکان پر بھی نہ تھا، وہ اس کے یہاں چلی گئی، چار پانچ مہینہ تک باہر رہی، بذریعۂ عدالت وہ اپنے شوہر کے یہاں آگئی، چونکہ شوہر کو نفرت ہوگئی تھی، اس لئے آزاد کردیا، کچھ لوگوں نے اس عورت کا نکاح عدت شرعی گذرنے کے بعد دوسری جگہ کرادیا، اور اس کا جو روپیہ صرف ہوا تھا، اس کو دلادیا، یہ شخص قرآن پاک پڑھا ہوا ہے اردو وغیرہ بھی دیکھ لیتا ہے، اور کبھی کبھی ہم اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، ازروئے شرع شریف ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت کا دوسرے شخص کے وہاں اس طرح چلا جانا اور کئی ماہ تک اس کے وہاں رہنا ناجائز وحرام تھا، مگر یہ فعل عورت کا ہے، وہی گنہ گار ہوگی، شوہر پر اس کی وجہ سے کوئی الزام نہیں، البتہ شوہر نے جو روپیہ لیا ہے، اگر یہ طلاق کے عوض میں ہے یعنی بطور خلع طلاق ہوئی، تو اس کا لینا جائز ہے، اگرچہ مہر سے زیادہ لیکر طلاق دینے میں کراہیت ہے، اور اگر طلاق بلا عوض ہوئی، مگر جب عورت نے نکاح کرنا چاہا، اس نے نکاح کرنے والے سے یہ روپیہ وصول کیا، یہ ناجائز ہے[1]، پہلی صورت میں اس کی امامت میں حرج نہیں، دوسری صورت میں کہ اس نے ناجائز پر روپیہ حاصل کیا، اس کو امام نہ بنایا جائے، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] کہ یہ رشوت ہوئی۔ حدیث میں ہے، الراشی والمرتشی کلاهما فی النار، اور پہلی صورت میں عورت سے طلاق کا عوض وصول کرنا ہے اور یہ جائز ہے، سوال سے ظاہر ہے کہ شوہر نے پہلے طلاق دے دی تھی، بعد میں جب اس شخص نے نکاح کرنا ہوا تو لوگوں نے دوسرے شخص سے وہ روپئے دلوائے جو شوہر کے خرچ ہوئے تھے، یہ یقیناً حرام ہوا، یہ طلاق کا عوض نہ ہوا صریح رشوت ہوا، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

ظہار کا بیان

مسئلہ: مرسلہ مولوی سید حبیب الرحمٰن رضوی از موضع بیوار گھاٹ، ڈاکخانہ بنپن ضلع پٹنہ،
۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر آپس میں تکرار کرتے ہیں کہ ظہار طرفین سے واقع ہوتا ہے یا نہیں، زید کہتا ہے کہ ظہار حق زوجہ نہیں جیسا کہ طلاق حق زوجہ نہیں، اگر عورت کہے انت علی کظهر امی، تو لغو ہوگا، بکر اس کے خلاف ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: ظہار صرف زوج کی طرف سے ہے، زوجہ اگر الفاظ ظہار استعمال کرے تو ظہار نہیں، بلکہ لغو ہیں، اصحاب متون نے جو اس کی تعریف تحریر فرمائی ہے، خود اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شوہر ہی کے الفاظ ظہار ہیں نہ کہ عورت کے بھی، تنویر الابصار میں ہے، هو تشبيه المسلم زوجة او جزء شائع منها بمحرم عليه تابيدا، ملتقی الابحر میں ہے، هو تشبيه زوجته او عضو منها يعبر عن جملتها او جزء شائع منها بعضو يحرم عليه النظر اليه من محارمه ولو رضاعا، کنز میں ہے، هو تشبيه المنكوحة بمحرمة عليه على التابيد ان عبارتوں سے یہ امر بخوبی ظاہر ہے کہ عورت کو ظہار کا حق نہیں، بحر الرائق میں ہے، واشار بقوله بمحرمة الى ان المشبه الرجل لانه لو كان المرأة بان قالت انت علی كظهر امی او انا عليك كظهر امك فالصحيح كما فی المحيط انه ليس بشيء فلا حرمة ولا كفارة، یعنی متن کی عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تشبیہ دینے والا وہ مرد ہی ہے اور اگر عورت مرد کو یہ کہدے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کے مثل ہے یا میں تجھ پر مثل تیری ماں کی پیٹھ کے ہوں، تو صحیح یہ ہے کہ یہ کچھ نہیں، اس صورت میں نہ حرمت ہے نہ کفارہ، ہاں اس مسئلہ کے متعلق ایک روایت اس قسم کی بھی ہے جیسا کہ بکر کا خیال ہے کہ عورت نے اگر الفاظ ظہار کہے تو ظہار ہوگیا، اور ایک روایت یہ ہے کہ یمین ہے، مگر یہ دونوں قول مفتی بہ نہیں، فتویٰ اس پر ہے کہ وہ لغو ہے، در مختار میں ہے، وظهارها منه لغو فلا حرمة عليها ولا كفارة به يفتی، رد المحتار میں ہے، قوله وظهارها منه لغو ای اذا قالت انت علی كظهر امی او انا عليك كظهر امك فهو لغو لان التحريم ليس اليها، قوله فلا حرمة بيان لكونه لغوا ای فلا حرمة عليها

اذا امکنته من نفسها ولا کفارۃ ظهار ولا یمین، جوہرہ نیرہ میں ہے، ولا تکون المرأۃ مظاهرۃ من زوجها عند محمد وقال ابو یوسف تکون مظاهرۃ والفتویٰ علیٰ قول محمد وهو الصحیح وعند الحسن بن زیاد علیها کفارۃ یمین لان الظهار یقتضی التحریم فکانها قالت انت علی حرام فیجب علیها کفارۃ یمین اذا وطئها ولمحمد انها لا تملك التحریم کالطلاق کذا فی الکرخی، توجب اصحاب فتویٰ اسی قول پر فتوی دے رہے ہیں، اور یہی قول من حیث الدلیل بھی قوی ہے، تو حکم یہی ہوگا کہ ظہار نہیں، نیز کافی میں امام شہید نے اس مسئلہ میں خلاف نقل نہیں فرمایا، تو یہی ظاہر الروایہ بھی ہے، یوں بھی اس قول کو ترجیح ہے، امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں، وفی کافی الحاکم رحمه الله المرأۃ لا تکون مظاهرۃ من زوجها من غیر ذکر خلاف وفی الدرایه لو قالت هی انت علی کظهر ابی او انا علیك کظهر امك لا یصح الظهار عندنا، امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کافی میں ہے کہ عورت اپنے شوہر سے ظہار نہیں کر سکتی ہے، انھوں نے اس مسئلہ میں کوئی خلاف نہیں ذکر کیا، اور درایہ میں ہے اگر عورت کہے تو مجھ پر میرے باپ کی پیٹھ کے مثل ہے یا میں تجھ پر مثل تیری ماں کی پیٹھ کے ہوں تو ہمارے نزدیک یہ ظہار صحیح نہیں، بلکہ اس عبارت درایہ سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک مسئلہ میں خلاف نہیں، اس کے بعد وہ دونوں قول اور ان میں اضطراب اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تصحیح نقل فرماتے ہیں، وفی المبسوط عن ابی یوسف علیها کفارۃ یمین وقال الحسن بن زیاد هو ظهار، وقال محمد لیس بشیٔ وهو الصحیح وفی شرح المختار حکی خلاف ابی یوسف والحسن علی العکس لکن فی غیرہ وفی الینابیع والروضة کالاول قال هو یمین عند ابی یوسف ظهار عند الحسن لهذا زید کا قول صحیح ہے کہ ظہار حق زوجہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ سکندر موضع ماہ چندی تھانہ نیوریا ضلع پیلی بھیت، ۲۵ر جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ماں کہدیا، اب شرع پاک کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوئی، مگر ایسا کہنا منع ہے، عالمگیری میں ہے لو قال لها انت امی لا یکون مظاهرا وینبغی ان یکون مکروها، درمختار میں ہے، ویکرہ قوله انت امی، رد المحتار میں ہے، جزم بکراهته تبعا للبحر والنهر والذی

فی الفتح وفی انت امی لایکون مظاهرا وینبغی ان یکون مکروها، اس شخص نے برا کیا توبہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور زید کی منکوحہ کے درمیان کچھ گفت وشنید ہوئی، زید کی عورت غصہ ہوکر اپنے خویش واقربا کے یہاں چلی گئی، چند روز کے بعد زید سے ایک اقربا کے ساتھ کچھ بات چیت ہوئی، زید نے اس سے کہا (میں اس کا بھائی وہ میری بہن) اب میں اس کو (اپنی عورت کو) رکھنے والا نہیں، لہذا عمرو کہتا ہے کہ زید نے اپنی عورت کو بہن کہا، اور اپنے آپ کو بھائی بنایا اور پھر رکھنے کو بھی نہیں کہتا، لہذا طلاق ہوگئی، اور زید کہتا ہے کہ میں نے جو بہن کہا تھا تو غصے کی حالت میں کہا تھا، چند روز کے بعد دو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی عورت کو بلاتے کیوں نہیں، تو زید نے کہا کہ ابھی میں نہیں بلاؤں گا، لوگوں نے پوچھا کیوں؟ تو زید نے کہا کہ ایک بات مجھ سے ہوگئی ہے، یعنی میں اس کو بہن بولدیا ہوں لہذا زید کے نکاح سے اس کی عورت نکل گئی یا نہیں، اور اگر نکاح باطل ہوگیا ہو تو زید مذکور پھر اسی عورت سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر کرسکتا ہے تو عدت کے بعد یا عدت کے درمیان اس کا مفصل خلاصہ حال مطابق شریعت تحریر فرماکر اجر حاصل کیجئے، بینوا توجروا،

الجواب: یہ لفظ کہ وہ میری بہن ہے، کہنا مکروہ وبرا ہے، مگر اس سے طلاق یا ظہار نہیں ہوتا کہ اس کے لئے تشبیہ کا لفظ ہونا ضروری ہے، درمختار میں ہے، والا ینوشیئا او حذف الکاف لغا ویکره قوله انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوه، ردالمحتار میں ہے، فی الفتح وفی انت امی لایکون مظاهرا وینبغی ان یکون مکروها فقد صرحوا بان قوله لزوجته یا اخیته مکروه وفیه حدیث رواه ابوداؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامرأته یا اخیة فکره ذالک ونهی عنه ومعنی النهی قربه من لفظ التشبیه ولولا هذا الحدیث لامکن ان یقال هو ظهار الخ، واللہ تعالیٰ اعلم،

عدت کا بیان

مسئلہ: مسئولہ جناب علی جان صاحب، بانس منڈی، ۱۵ ر رجب المرجب ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا بعد انتقال خاوند کسی غیرمحرم

کے سامنے مثل خالہ زاد بھائی بے پردہ رہنا اور اس کے گھر جانا اور وہاں پر چار پانچ روز رہنا اور ایک چارپائی پر ساتھ ساتھ بیٹھنا اور اپنے گھر بلانا جائز ہے یا نہیں، اور جو شخص اس کو پسند کرے، وہ شخص کیسا ہے، اور کس سزا کا مستحق ہے اور عدت کے دن بھی پورے نہیں کیے گئے، اور بارات وغیرہ میں گئی اور دوبارہ جو اس کے خاوند کا تھا، اس کو وصول کرنے خالہ زاد بھائی کے ہمراہ گئی؟

الجواب: عورت کو زمانہ عدت میں گھر سے نکلنا حرام ہے ہاں اگر عدت موت کی ہو اور اس کے پاس کھانے کو نہ ہو بغیر گھر سے نکلے کام نہ چل سکے گا یا نقصان پہنچے گا تو اس ضرورت سے اس کے لئے جا سکتی ہے، اور رات اسی گھر میں گذارے اور بغیر ضرورت شرعیہ نکلنا حرام ہے، درمختار میں ہے ص ۸۵۳، ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلہا لان نفقتہا علیہا فتحتاج للخروج حتی لو کانت عندہا کفایتہا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لہا الخروج، فتح وجوز فی القنیۃ خروجہا لاصلاح مالابد لہا منہ کزراعۃ ولا وکیل لہا، اور شادیوں میں تو ویسے بھی جانے کی اجازت نہیں، نہ کہ زمانہ عدت میں اور غیر محرم کے ساتھ اس بے تکلفی سے اور بے پردہ رہنا بھی حرام ہے، حدیث شریف میں فرمایا، اتقوا مواضع التہم، تہمت کی جگہ سے بچو اور فرمایا، ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یارسول اللّٰہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت، عورتوں کے پاس جانے سے بچو، ایک شخص نے عرض کی یارسول اللّٰہ دیور کا کیا حکم ہے، فرمایا کہ دیور موت ہے، رواہ البخاری والمسلم عن عقبۃ بن عامر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، اور فرمایا، لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثہما الشیطان، کوئی مرد جب کبھی عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے، تو ان میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، رواہ الترمذی عن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، اور فرمایا، لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم، ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے شوہر غائب ہیں کہ شیطان تمہارے اندر خون کی طرح تیرتا ہے، رواہ الترمذی عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بالجملہ اس مرد کو اس عورت سے اجتناب چاہیے اور ہرگز اس طرح نہ رہنا چاہیے، اور اس کو پسند رکھنے والا ناجائز کو پسند رکھنے والا ہے، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ امیر بخش محلہ بہاری پور، ۲۸ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک دیہات میں لڑکا اور لڑکی میں بحالت نابالغی شادی ہوئی تھی، اب وہ دونوں بالغ ہو گئے، مگر ایک دوسرے سے الگ رہے نہ ہمبستری ہوئی حتیٰ کہ رخصتی بھی نہیں ہوئی، اب طلاق ہو گئی، تو اب اس عورت کی عدت ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی ہے؟

الجواب:- اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی تو صورت مذکورہ میں عدت نہیں، قال اللہ تعالیٰ اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مرسلہ حاجی قدرت اللہ صاحب از موضع گبرڑ واڈاکخانہ مہراج گنج گورکھپور، ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کے ساتھ نابالغیت کے ایام میں عقد کیا اور قبل وطی بعلت زنا نہیں بلکہ خسر وال کے کسی نا اتفاقی کی وجہ سے سن بلوغ میں زید نے ہندہ کو تین طلاق شرعی دے دیا، اب ہندہ کو عقد ثانی میں تین ماہ عدت کا انتظار ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا بالحدیث والکتاب وتوجروا یوم الحساب،

الجواب:- اگر ایک لفظ میں تین طلاقیں دیں مثلاً یہ کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو گئیں، اور گنہ گار ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے، اگرچہ واقع ہو جائیں گی، اور اگر یوں کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور اسی لفظ کو تین بار کہا تو غیر مدخولہ میں صرف ایک ہی واقع ہوگی اور وہ بائن ہوگی، بعد کی دو فضول ہیں، تنویر الابصار میں ہے، قال لزوجتہ غیر المدخول بھا انت طالق ثلثا وقعن وان فرق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیۃ، رد المحتار میں ہے، ونص محمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال واذا طلق الرجل امرأتہ ثلثا جمیعا فقد خالف السنۃ واثم وان دخل بھا ولم یدخل سواء بلغنا ذالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن علی وابن مسعود وعن ابن عباس وغیرھم رضوان اللہ تعالیٰ علیھم، بہرحال اگر خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دی تو عدت نہیں بعد طلاق فوراً عورت جہاں چاہے نکاح کرے، قال اللہ تعالیٰ، اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا، اور جس صورت میں عدت ہے یعنی جس سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور طلاق دی تو عدت تین حیض ہے، خواہ یہ تین ماہ میں ہو یا کم میں یا زائد میں، قال تبارک وتعالیٰ، والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء،

ہاں اگر حیض نہ آتا ہو خواہ بوجہ صغر سنی یا بڑھاپے کے، تو اس کی عدت تین ماہ ہے، درمختار میں ہے، والعدۃ فی من لم تحض لصغر او کبر بان بلغت سن الایاس او بلغت بالسن ولم تحض ثلثۃ اشھر ان وطئت، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ حافظ علی احمد خاں صاحب محلہ جسولی بریلی، ۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو خاص عیدالفطر کے دن طلاق دی جس کو چار دن کم تین ماہ ہوئے اب اس عورت کا نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں اور زندہ شوہر جو اپنی عورت کو طلاق دے، اس کی عدت کتنے دن ہیں اور جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدت کے کتنے دن ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ بعد طلاق عورت کو تین حیض آچکے ہیں لہٰذا عدت پوری ہو گئی، اب وہ نکاح کر سکتی ہے، طلاق کی عدت حائض کیلئے تین حیض ہیں، قال اللہ تعالیٰ، والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، اور جس کو بوجہ صغر سنی یا بڑھاپے کے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین مہینہ ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے، والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر والّٰئی لم یحضن، اور عدت وفات یعنی شوہر کے مرنے کے عدت چار ماہ دس روز ہے، قال عزوجل، والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا، اور اگر عورت حاملہ ہے تو طلاق و موت دونوں کی عدت وضع حمل ہے، بعد وضع حمل نکاح کر سکتی ہے، قال عز اسمہ، واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: مسئولہ ہدایت اللہ، محلہ سہسوانی ٹولہ، شہر کہنہ بریلی، ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ وحیدن کا نکاح جب کہ اس کی عمر دس برس کی تھی، اس کے باپ کی اجازت سے ہوا تھا، بعدہ اس کے شوہر نے وحیدن سے ایک سو ساٹھ روپیہ لے کر طلاق دیدیا اور وحیدن اب تک اپنے شوہر کے ساتھ کبھی نہیں رہی اس صورت میں مسماۃ وحیدن کو عدت گذارنی ہوگی یا نہیں؟ ۔

الجواب :- اگر واقعہ یہی ہے تو اس صورت میں عدت نہیں، قال اللہ تعالیٰ، یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونہا، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ :- مرسلہ سید کار دعلی از مراد آباد، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے تیرہ سال کی عمر میں ہوا، بوجہ تکرار باہمی ہندہ اپنے شوہر کے گھر سے والد کے گھر آگئی، ہندہ کے والد نے ایک غیر شخص بکر سے کہا کہ میری لڑکی بہت تکلیف میں ہے، تم دوسو روپیہ دے کر زید سے ہندہ کو آزاد کرادو، میں اس کا نکاح تم سے کر دوں گا، بکر اس پر راضی ہوگیا، ہندہ کے والد نے زید سے کہا تم دوسو روپیہ لے لو اور میری لڑکی کو آزاد کر دو، چنانچہ زید اس پر راضی ہوگیا، دوسو روپیہ نقد لے کر اور زیور کپڑا و مہر معاف کرا کے زید نے ہندہ کو طلاق دیدی اور طلاق نامہ لکھ دیا، دریافت یہ کرنا ہے کہ بکر ہندہ سے نکاح کر کے آیا ہندہ پر اس صورت میں عدت لازم ہوگی یا نہیں، جب کے اس کے شوہر نے اس قدر روپیہ لے کر طلاق دی؟

الجواب :- اگر وطی یا خلوت ہو چکی ہو تو عدت واجب ہے، جب تک عدت نہ گذرے نکاح نہیں ہوسکتا روپیہ لے کر طلاق دینے سے عدت نہیں ساقط ہوتی، درمختار میں ہے، وسبب وجوبہا عقد النکاح المتاکد بالتسلیم وما جری مجراہ من موت او خلوۃ، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ :- مسئولہ احمد علی خاں متصل جامع مسجد بریلی، ۲۵ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ کوئی عورت اپنے میکے یا رشتہ داری میں تھی اور اس کا شوہر اپنے مکان پر فوت ہوگیا تو وہ عورت شوہر کے انتقال کی خبر سن کر شوہر کے مکان پر آسکتی ہے یا نہیں یعنی آنے میں عدت تو مانع نہ ہوگی؟

الجواب :- اگر میکے یا رشتہ داری میں گئی تھی اور وفات شوہر کی خبر ملی تو فوراً شوہر والے گھر میں جہاں رہتی تھی چلی آوے کہ اسی مکان میں عدت پوری کرنے کا حکم ہے، درمختار میں ہے، طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنہا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیہا، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: گڑھیا بریلی مسئولہ زوجہ علی محمد خاں صاحب، ۱۵ر صفر المظفر ۱۳۴۳ھ،

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، ایک ماہ ہوا کہ ایک عورت بیوہ ہوگئی ہے اور وہ کرایہ کے مکان میں رہتی ہے، خدا کی ذات کے سوا کوئی اس کا سرپرست نہیں، جس مکان میں وہ رہتی ہے، اس کا کرایہ تین روپیہ ہے، مرحوم کی کوئی چیز ایسی نہیں جسے وہ فروخت کر کے کرایہ مکان ادا کر سکے، تو اس حالت میں وہ بیوہ اپنے کسی عزیز یا کم کرایہ کے مکان میں جا سکتی ہے یا نہیں مرحوم نے اپنی نشانی ایک ڈیڑھ سال کی لڑکی چھوڑی ہے۔

الجواب: اگر واقعی عورت کی حیثیت اتنی نہیں کہ تین روپئے ماہوار کرایہ مکان دے سکے، تو اس کے قریب جو کم کرایہ کا مکان دستیاب ہو یا قریب میں کسی عزیز کا مکان ہو جس میں بے کرایہ رہ سکتی ہے تو اس قریب تر مکان میں چلی جائے، اور وہاں عدت کے دن پورے کرے، عزیز کا مکان یا کم کرایہ والا دونوں میں جو زیادہ نزدیک ہو اس میں جا سکتی ہے، درمختار میں ہے، وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف تلف مالها او لا تجد کراء البیت ونحو ذالک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: عدت طلاق کی تکمیل سے پہلے کچھ روپیہ قاضی کو دے کر یا اس کے نائب کو دے کر نکاح پڑھا لینا اور نائب کو بذریعہ رشوت طلاق کی تاریخ کو رجسٹر میں غلط درج کر دینا کیسا ہے، اور ایسا کرنے اور کرانے والا قاضی یا نائب کا کیا حکم ہے؟

(۲) مذکورہ طلاق کی عدت کی تاریخ بدلنے کے کاموں میں جو لوگ اس قاضی کی مدد کرتے ہیں، ان کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱)، (۲) عدت کے اندر نکاح نہیں ہو سکتا، جس نے ایسا کیا حرام کیا اور وہ حرام کاری کا دلال ہے اور اس کے مدد کرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از باسنی مارواڑ متصل ناگور مرسلہ جناب حکیم نصیر الدین صاحب نعمانی حامدی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صغیر و صغیرہ کا نکاح ہوا اور قبل دخول و قبل خلوت صغیر کا انتقال ہوگیا، اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں صغیرہ پر عدت واجب ہے؟

یا نہیں، بہار شریعت میں بحوالہ جوہرہ جو صورت تحریر فرمائی گئی ہے اس میں دخول کا ذکر ہی خلوت یا عدم خلوت کا نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نابالغ ہے اور ایک بالغہ، اور اس صورت میں زوج و زوجہ دونوں نابالغ ہیں، آپ کی تحریر سے ملتی ہوئی تحریر فتاویٰ عالمگیری و فتاویٰ قاضیخاں کی بھی ہے، مگر پورے طور سے تشفی نہیں ہوئی، اس لئے جناب سے رجوع کیا گیا؟

الجواب: صورت مذکورہ میں عدت واجب ہے زوجہ یا شوہر کا صغیرہ یا صغیر ہونا مانع عدت موت نہیں ہے اور موت میں دخول یا خلوت ہونا بھی وجوب عدت کے لئے شرط نہیں کہ اس عدت کا سبب موت ہے، قرآن مجید میں ہے، والذین یتوفون، درمختار میں ہے، والعدۃ للموت اربعۃ اشہر وعشرا مطلقاً وطئت اولا ولو صغیرۃ فلم یخرج عنہا الا الحامل، بہار شریعت[1] کی عبارت سے مقصود تعمیم ہے یہ نہیں کہ ایک نابالغ ہو اور ایک بالغ اور خلوت چونکہ دخول کے حکم میں ہے، لہذا دخول کا ذکر کافی ہے اور اگر خلوت بے دخول ہوئی اور عبارت بہار شریعت میں حقیقی دخول مراد لیجئے تو یہ صورت عدم دخول میں داخل ہوگی، بالجملہ وہ عبارت تمام صور کو شامل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: عورت کے لئے عدت کیوں ہے مرد کے لئے عدت کا حکم کیوں نہیں؟ بیان فرمادیں؟

الجواب: عورت کے لئے عدت اس لئے ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ اس کو حمل نہیں ہے کہ اگر حمل ہوا

---

[1] پوری عبارت یہ ہے۔ موت کی عدت چار مہینہ دس دن ہے، یعنی دسویں رات بھی گذر لے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو، دخول ہوا ہو یا نہیں، دونوں کا ایک حکم ہے، اگرچہ شوہر نابالغ ہو، یا زوجہ نابالغہ ہو ص ۱۲۵، ج ۸، سائل کو شبہ یہ تھا، کہ جب صرف دخول کا ذکر ہے، تو اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور دخول نہ ہوا ہو تو کیا حکم ہے، بہار شریعت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا، جواب یہ ارشاد فرمایا کہ یہاں دخول سے مراد صرف جماع نہیں، بلکہ عام مراد ہے، جو جماع اور خلوت صحیحہ دونوں کو شامل ہے، اور کتب فقہ میں دخول کے یہ معنی شائع ذائع ہیں، تمام کتب فقہ میں یہ باب ہے، طلاق غیر مدخول بہا، یہاں مدخول عام ہے، عدت کے بیان میں تنویر الابصار میں ہے، بعد الدخول حقیقۃ او حکما، غرض کہ فقہا کا عام محاورہ ہے کہ دخول بول کر وطی اور خلوت صحیحہ دونوں مراد لیتے ہیں، یہ مسئلہ بہار شریعت میں جوہرہ نیرہ سے لیا ہے، اس میں بھی صرف دخول ہی کا ذکر ہے، دوسرا جواب یہ ارشاد فرمایا، کہ اگر دخول کو بمعنی جماع خاص رکھا جائے تو عدم دخول کا مطلب یہ ہوگا، کہ عورت سے صحبت نہ ہوتی ہو، تو یہ اس صورت کو بھی شامل ہے، کہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو اور وطی نہ ہوئی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور نکاح ہوگیا تو بچہ کے نسب میں دشواری پیدا ہوگی اور عدت کے دیگر اسباب بھی ہیں جو مرد میں نہیں پائے جاتے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ محمد اسمٰعیل ولد الفو دوٹانگی ڈنکن روڈ لاہوری دربار ہوٹل بمبئی ۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے بیمار شوہر کو علاج کے واسطے اپنے باپ کے گھر لے گئی قضاء الٰہی سے شوہر سسرال میں گذر گیا، اس عورت کو اپنے باپ کے گھر عدت پوری کرنی ہے یا اپنے شوہر کے گھر، بیان فرمادیں؟

الجواب: عدت اس مکان میں واجب ہے، جو بوقت وفات اس کی جائے سکونت ہے، لہذا اگر وہاں جانا محض عارضی ہو تو شوہر کے مکان پر واپس آکر عدت گذارے اور اگر کچھ دنوں کے لئے وہیں سکونت کرلی ہے تو وہیں عدت گذارے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نسب کا بیان

مسئلہ: مرسلہ عبد العزیز محلہ سکراول قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد، ۲۵؍ ذی الحجہ

کیا حکم ہے شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زن مفقود الخبر نے نکاح کرلیا اور اولاد بھی پیدا ہوئی، کچھ زمانہ کے بعد شوہر اول آیا تو اب یہ لڑکے اور عورت شوہر اول کو ملیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب: عورت شوہر اول کو ملے گی کہ یہ اسی کی عورت ہے اور اولاد شوہر ثانی کو کہ اولاد اسی کی ہے، در مختار میں ہے، غاب عن امرأته فتزوجت باٰخر وولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول فلا ولاد

۱؎ مثلاً طلاق کسی وقتی غصہ وغیرہ کی وجہ سے دے دیا تھا بعد میں شوہر پچھتایا، اور چاہتا ہے کہ یہ عورت میرے نکاح میں رہے، تو عدت سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر طلاق رجعی ہے تو رجعت کر سکتا ہے، اور اگر طلاق بائن تین سے کم ہے تو نکاح جدید کر سکتا ہے، اگر بالفرض عورت کی عدت نہ ہوتی، اور طلاق کے بعد عورت کو فوراً نکاح کا حق حاصل ہوتا، جس کی بنا پر طلاق کے بعد ہی بلا تاخیر عورت دوسرا نکاح کرلیتی، تو نہ رجعت ہو سکتی، نہ نکاح جدید ہو سکتا، عدت کے ایام میں سوچنے، غور کرنے اور مستقبل کا فیصلہ کرنے کا کافی موقع ہے،

واللہ تعالیٰ اعلم۔

الثانی علی المذھب الذی رجع الیہ الامام وعلیہ الفتوی کما فی الخانیۃ والجوھرۃ والکافی وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: ولد الزنا کا نسب زانی سے جب کہ زانی معلوم و مقر ہو ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں نیز بصورت ثبوت زانی کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ولد الزنا کا نسب زانی سے نہیں ثابت ہو سکتا، اگرچہ وہ اقرار بھی کرے، حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، جس حدیث کا یہ ٹکڑا[1] ہے اس میں زانی کا اقرار بھی موجود ہے، پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب ثابت نہ فرمایا جب نسب ہی نہیں تو وارث کیونکر ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بیویاں ہیں ایک قومی اور دوسری غیر قومی اور دونوں کے بطن سے اولاد ہے، زید کا انتقال ہو گیا اور ان کی دونوں زوجہ کا بھی انتقال ہو گیا، غیر قومی بیوی کی اولاد کی عمر تقریباً چالیس برس ہے، اب قومی بیوی کی اولاد غیر قومی بیوی کی اولاد سے کہتی ہے کہ ہمارے باپ نے تمہاری ماں سے نکاح نہیں کیا تھا، بلکہ ناجائز فعل کرتا رہا، حالانکہ جو اولاد غیر قومی بیوی کے بطن سے ہے اس کی رسوم و معاملات دیگر برادری کے ساتھ ویسے ہی ہیں جیسے دوسری بیوی کی اولاد کے اور لوگ بھی دونوں کو زید کی اولاد سمجھتے ہیں اور اسی سے پکارتے ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ اولاد زید کی

---

[1] پوری حدیث یہ ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لونڈیوں سے اجرت پر زنا کراتے تھے، ان کے مالک بھی ان لونڈیوں سے ہمبستری کرتے، اگر کوئی لڑکا پیدا ہوتا، اور زانی کہتا کہ میرا ہے تو اس کا مان لیا جاتا، یا لونڈی کا مالک کہتا کہ میرا ہے تو اس کا مانا جاتا، اور اگر کسی لڑکے کے بارے میں زانی اور لونڈی کے مالک میں تنازع ہو جاتا، تو حلیہ شناس کے پاس معاملہ جاتا وہ جس کے حق میں فیصلہ کر دیتا، اسی کا لڑکا مانا جاتا، اسی کے مطابق حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے حضرت سعد سے یہ کہا تھا کہ زمعہ کی لونڈی کا فلاں بیٹا میرا ہے، اس کو تم لے لینا جب مکہ فتح ہوا، تو حضرت سعد نے اس لڑکے کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ میرے بھائی عتبہ کا بیٹا ہے، اور عبد بن زمعہ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے، دونوں خدمت اقدس میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے، اور عبد بن زمعہ کو دے دیا، اسی وقت یہ ارشاد فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، لڑکا بچھونے والے کا ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہے، اس کے باوجود کہ فیصلہ یہ فرمایا کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے، مگر چونکہ یہ لڑکا عتبہ کے مشابہ تھا، اس لئے احتیاطاً ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا کہ اس لڑکے سے پردہ کرو۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۷)

اولاد ہے یا نہیں، اور جو شخص یہ کہے کہ زید کی اولاد نہیں اس پر شرعاً کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

الجواب :۔ عورت کا غیر قوم سے ہونا اس کی دلیل نہیں کہ نکاح نہیں ہوا، البتہ جب قوم والی عورت کی اولاد جب نکاح سے انکار کرتی ہے تو غیر قوم والی عورت کی اولاد کو اپنی ماں کا نکاح ثابت کرنا ہوگا، بغیر اس کے میراث کی مستحق نہ ہوگی، اگر وہ لوگ موجود ہوں جن کے سامنے نکاح ہوا تھا تو وہ گواہی دیں، بلکہ جو لوگ نکاح میں شریک نہ تھے، مگر انھوں نے معتبر لوگوں سے نکاح ہونا سنا وہ بھی نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں، جنھوں نے ان دونوں زن و مرد کو اس طرح رہتے دیکھا ہو جس طرح میاں بیوی رہتے ہیں، ان کی گواہی سے بھی نکاح ثابت ہوجائے گا، اہل برادری کا ان لوگوں کو زید کی اولاد کہنا یہ کھلا قرینہ ہے کہ زید کی جائز اولاد ہوگی، حدیث میں ارشاد فرمایا، الولد للفراش وللعاھر الحجر، ہدایہ میں ہے، ولا یجوز للشاھد ان یشھد بشئ لم یعاینہ الا النسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی فانہ یسعہ ان یشھد بھذہ الاشیاء اذا اخبرہ بھا من یثق بہ وھذا استحسان وجہ الاستحسان ان ھذہ الامور تختص بمعاینۃ اسبابھا خواص من الناس ویتعلق بھا احکام تبقی علی انقضاء القرون فلو لم یقبل فیھا الشھادۃ بالتسامع ادی الی الحرج وتعطیل الاحکام نیز اسی میں ہے، ولن اذا رای رجلاً وامرأۃ یسکنان بیتاً وینبسط کل واحد منھما الی الآخر انبساط الازواج، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :۔ از شہر بمبئی پوسٹ مقام آئسکریم ہوٹل، مرسلہ جناب منیر احمد صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا، وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری اہلیہ ۵ - ۶ روز پیشتر حیض سے فارغ ہوئی، بعد حیض مواصلت ہوتی رہی، بعد ازاں ۱۵ ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا میرے جانے کے بعد ماہ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ ہوگیا، امید زیست باقی نہ رہی، تین مرتبہ دم بھی رک گیا، لیکن بفضلہ تعالیٰ چھ یوم کے بعد روبہ صحت ہوئی، مگر صحت کلی نہیں ہوئی کبھی اسکی حالت اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہوجایا کرتی رہی، نہایت سعی و کوشش کے ساتھ علاج ہوتا رہا، لیکن مرض کا دفعیہ نہیں ہوا حیض میری عدم موجودگی میں کبھی نہیں آیا یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک رہی، مرض وبا پھر ترقی پذیر ہوگیا، پھر بعد کو مجھے مطلع کیا، میں پردیس سے پورے ایک برس ۵ ماہ ۲۰ یوم کے بعد اپنے وطن پر پہونچا، پھر

اعظم گڈھ کے اسپتال میں اس کا علاج کرایا، مگر ایک لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ چونکہ مریضہ حمل سے ہے، اس لئے تاوضع حمل علاج میں تردداتہیں، ورنہ بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اہلیہ نے کہا تاوضع حمل علاج ملتوی رکھا جائے، یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان پر لایا اور پردیس چلا گیا، اور میرے واپس جانے کے ۴-۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی، میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے پہلے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوتے ہیں، اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف ۵ ماہ ۱۸ یوم قیام رہا، اس عرصہ میں بھی صحبت ہوتی تھی، اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ بینوا توجروا،

الجواب: مدت حمل کم سے کم چھ ماہ ہے، اور زیادہ سے زیادہ دو سال درمختار وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے، واکثر مدۃ الحمل سنتان واقلھا ستۃ اشھر، بہت ممکن ہے کہ حمل پہلے ہی کا ہو اور بوجہ عورت کی بیماری کے بچہ کو شکم میں نمو کم ہوا اور ایک سال گیارہ مہینہ میں پیدا ہوا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسری مرتبہ کا حمل ہو، اور شاید انگریزی مہینہ سے حساب کیا اس وجہ سے چھ ماہ میں کئی دن کم ہیں، اور اگر چاند کے مہینے سے حساب کرنے پر بھی چھ ماہ پورے نہ ہوں تو وہی پہلی صورت ہے، بالجملہ ایسی صورت نہیں کہ عورت کو خواہ مخواہ متہم کیا جائے، اور بیشک یہ لڑکی حلالی ہی قرار دی جائے گی، حرامی نہیں قرار دی جاسکتی، واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳۵۵ھ

مسئلہ: مرسلہ محی الدین عرف لال محمد ڈاکخانہ قصبہ منڈوا، ضلع فتح پور، ۲۵ جمادی الاولیٰ

حضرات علمائے کرام اہل سنت وجماعت کیا ارشاد فرماتے ہیں، اللہ بخش کے بھائی کا انتقال ہوگیا، اللہ بخش کے بھائی کی بیوی اور اللہ بخش ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، دو برس کے بعد وہ عورت اللہ بخش سے ملوث ہو کر حاملہ ہوگئی، اسی حالت حمل میں اس عورت نے اللہ بخش سے نکاح کر لیا، اور اس موجودہ حمل سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام زید رکھا؟ نکاح درست ہوا یا نہیں، اور زید کا تولد خلاف شرع ہوا یا موافق؟

(۲) زید بالغ ہونے پر اپنا نکاح باقاعدہ کیا، اس سے ایک لڑکی ہندہ پیدا ہوئی، بکر نے جو صحیح النسب ہے ہندہ سے نکاح کیا، اب اس سے جو اولاد پیدا ہوئی یا ہوگی وہ صحیح النسب وصحیح الطرفین ہوئی اور ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس عورت کو زنا کا حمل ہے اس حالت حمل میں نکاح درست ہے پھر اگر نکاح اسی سے ہوا ہے جس کا حمل ہے تو وہ وطی بھی کرسکتا ہے اور دوسرے سے ہوا تو نہیں کرسکتا، یہ لڑکا اگر وقت نکاح سے چھ مہینہ یا زیادہ میں پیدا ہوا ہے تو اسے ولدالزنا نہیں کہہ سکتے، اور چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہے تو ناجائز اولاد ہے یعنی اللہ بخش کا لڑکا نہیں قرار پائے گا، حدیث میں ہے، الولد للفراش وللعاھر الحجر،

(۲) زید اگرچہ کچھ بھی ہو، مگر اس کی اولاد جو نکاح صحیح سے پیدا ہوگی وہ بیشک صحیح النسب ہے یعنی زید کی ہی اولاد قرار پائے گی، مگر زید کا نسب اگر ثابت نہ ہو تو یہ اولاد اس خاندان میں شمار نہیں ہوگی جس میں سے زید اپنے کو بتاتا ہے کہ جب زید ہی اس میں نہیں تو اس کی اولاد کیونکر ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ علی محمد عطار محلہ قضیارہ شہر سیتاپور، اودھ، ۲۴ر جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مسماۃ ہندہ کو چار ماہ کا حمل ہے اور مسمی زید شوہر ہندہ کا قول ہے کہ یہ حمل میرا نہیں ہے، ہندہ سے دریافت کیا گیا، کس کا ہے اس نے کہا کہ یہ حمل عمرو کا ہے، مگر عمرو انکار کرتا ہی ہے بجز قول ہندہ کے اور کوئی ثبوت نہیں ہے، آیا شرعاً قول ہندہ معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب :- یہاں دو امر قابل بیان ہیں، اس لئے کہ سائل نے یہ تصریح نہیں کی کہ اس واقعہ کے متعلق کیا بات دریافت کرنا چاہتا ہے، اول یہ کہ زید نے حمل کے متعلق کہا کہ وہ میرا نہیں ہے، اور عورت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے، لہذا یہ بچہ جو پیدا ہوگا وہ زید کا قرار پائے گا یا نہیں، اول کا جواب یہ ہے کہ وہ بچہ زید و ہندہ کا ہی مانا جائے گا، ان دونوں کے اس طرح کہنے سے نسب نہیں منتفی ہوسکتا، حدیث میں ہے، الولد للفراش، فتاوی عالمگیری[1] میں ہے، رجل له امرأة فجاءت بولد فنفاه وقال هذا الولد ليس مني او قال هذا الولد من الزنا وسقط اللعان بوجه من الوجوه فانه لا ينتفي النسب سواء وجب عليه الحد اولم يجب وكذلك اذا كان من اهل اللعان فلم يتلاعنان فانه لا ينتفي النسب كذا في شرح الطحاوي، ولو نفى ولد زوجته الحرة فصدقته فلا حد ولا لعان وهو ابنهما لا يصدقان على نفيه كذا في الاختيار شرح المختار، امر دوم کا جواب یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لئے چار مرد کی شہادت درکار ہے یا خود زانی کا اقرار، ہندہ کے محض کہہ دینے سے عمرو کے

[1] باب اللعان۔

متعلق زنا کا ثبوت نہیں، صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا (
بیا حق فی الاصل ......) جس طرح مرد کے لئے کہدینے سے کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے عورت کا
زنا ثابت نہیں، اسی طرح عورت کے کہنے سے مرد کا زنا ثابت نہیں، درمختار میں ہے او لو کان مع ذالک اجنبیۃ
بیا حق) یعنی مرد نے عورت کو زانیہ کہا عورت نے کہا میں نے تیرے ساتھ زنا کیا ہے، اس صورت میں اجنبی
مرد کا زانی ہونا ثابت نہیں، وہو تعالیٰ اعلم۔

حضانت کا بیان

مسئلہ: مسئولہ مولوی عبدالاحد صاحب از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مدرسۃ الحدیث، ۱۹؍ رجب
صغرسن کا حق پرورش ونفقہ اس کے والد کی معذوری وغربت کی حالت میں کس پر واجب ہے،
اور تا بہ بلوغ کس کے ساتھ رہ سکتا ہے؟

الجواب: لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی نو برس تک ماں کی تربیت میں رہیں گے، اس کے
بعد باپ یا ولی احق ہے اور اگر ماں نہ ہو یا اس نے اجنبی سے نکاح کر لیا ہو تو حق حضانت نانی کو ہے پھر دادی کو
تنویر الابصار ص ۱۸۷ میں ہے، تثبت (ای الحضانۃ) للام ثم ای بعد الام بان ماتت اولم تقبل او اسقطت
حقہا او تزوجت باجنبی (کذا فی الدر) ثم ام الام وان علت ثم ام الاب، درمختار میں ہے، والحاضنۃ
اما او غیرہا احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی لانہ الغالب والام والجدۃ
احق بہا حتی تحیض ای تبلغ فی ظاہر الروایۃ وغیرہما احق بہا حتی تشتہی وقدر بتسع وبہ یفتی،
وعن محمد ان الحکم فی الام والجدۃ کذالک وبہ یفتی لکثرۃ الفساد زیلعی اھ ملتقطا، اور باپ اگر مفلس ہے،

لہ ردالمحتار میں ہے، قولہ بنت احدی عشر، وتشتہی اتفاقا، بل فی المحرمات بنت تسع فصاعدا مشتہات اتفاقا سائحانی، قولہ کذالک ای فی
کونہا احق بہا حتی تشتہی قولہ وبہ یفتی، قال فی البحر بعد نقل تصحیحہ والحاصل ان الفتویٰ علی غیر ظاہر
الروایۃ، البحر الرائق میں ہے، وعن محمد انہا تدفع الی الاب اذا بلغت حد الشہوۃ لتحقق الحاجۃ الی
الصیانۃ، قال فی النقایۃ ہو المعتبر لفساد الزمان وفی نفقات الخصاف وعن ابی یوسف مثلہ وفی التبیین

(بقیہ ص ۲۹۷ پر)

اور نابالغ خود بھی مال نہیں رکھتا نہ کما کر کھانے وغیرہ کے مصارف حاصل کرسکے تو نفقہ دادا کے ذمہ ہے یا بچے کی ماں اسے کھلائے، ردالمحتار میں ہے، قال فی الذخیرة ولو کان للفقیر اولاد صغار وجد موسر لم تفرض نفقتهم علی الجد بالاتفاق صیانة لولد الولد ویکون دینا علی والدهم هکذا ذکر القدوری فلم یجعل النفقة علی الجد حال عسرة الاب وهذا قول الحسن بن صالح والصحیح فی المذهب ان الاب الفقیر یلحق بالمیت فی استحقاق النفقة علی الجد وان کان للاب ضمنا یقضی بها علی الجد بلا رجوع اتفاقا لان نفقة الاب حینئذ علی الجد فکذا نفقة الصغار اه وقال فی الذخیرة ایضا قبل هذا ولو لهم ام موسرة امرت ان تنفق علیهم فیکون دینا ترجع به علی الاب اذا ایسر، وهی اولی بالتحمل من سائر الاقارب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ احمد علی خان متصل جامع مسجد بریلی، ۲۵ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ زید فوت ہوا اور زوجہ اور ایک لڑکا عمر دو سال اور ایک لڑکی عمر چار سال اور ایک لڑکی عمر آٹھ سال چھوڑی، بیوہ کی جانب سے اندیشہ ہے کہ وہ تبدیل مذہب کرلے یا عقد ثانی کرے، زید کے باپ اور چچا اور بھائی اور دادی اور پھوپھی اور بہنیں موجود ہیں نابالغان کا حق ولایت کس کو پہنچتا ہے تاکہ نابالغان کو اپنے پاس رکھے؟

الجواب: اگر وہ معاذاللہ تبدیل مذہب کرے یا اجنبی سے نکاح کرے تو بچے اس سے فوراً علحدہ کرلئے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۶ کا) وبه یفتی فی زماننا لکثرة الفساد وفی الخلاصة وغیاث المفتی والاعتماد علی هذه الروایة لفساد الزمان، فالحاصل ان الفتوی علی خلاف ظاهر الروایة واختلف فی حد الشهوة وفی الولوالجیه، ولیس لها حد مقدر لانه یختلف باختلاف حال المراة وفی التبیین وغیره بنت احدی عشرة سنة مشتهات فی قولهم جمیعا وقدره ابو اللیث بتسع سنین وعلیه الفتوی، اس سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ لڑکا سات سال کی عمر تک پرورش کرنے والی کے پاس رہے گا خواہ پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور، اور لڑکی کی پرورش کرنے والی ماں یا نانی یا دادی ہو تو اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ بالغ نہ ہوجائے، یہی ظاہر الروایہ ہے، البتہ امام محمد کا قول یہ ہے کہ ماں وغیرہ کے پاس بھی اسی وقت تک رہے گی جب تک مشتہات نہ ہو، اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے، اگر پرورش کرنے والی ماں، نانی، دادی کے علاوہ کوئی اور ہو تو بالاتفاق ان کے پاس اسی وقت تک رہے گی جب تک مشتہات نہ ہو، مشتہات کی حد میں اختلاف ہے، علامہ زیلعی نے تبیین میں فرمایا کہ ۱۱ سال کی عمر ہے، اور امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرمایا کہ نو سال ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جائیں اور اب حق تربیت دادی کو ہوگا، درمختار میں ہے، الحضانۃ تثبت للام الا ان تکون مرتدۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر، اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہے گا اور لڑکی نو برس کی عمر تک، درمختار میں ہے، والحاضنۃ احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ: قدرت اللہ، ساکن محلہ اعظم نگر بریلی، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ میں ایک غریب اور کمزور آدمی ہوں اور میرے پاس صرف ایک مکان ہے اور کچھ مال وزر نہیں، میرے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، جس میں سے ایک لڑکا عرصہ بائیس ۲۲ سال سے لاپتہ ہے، اب دونوں لڑکوں میں سے بڑا لڑکا جو نکہ تندرست ہے اور اپنا روزگار کرتا ہے، مگر میرے کھانے پینے کا قطعی خیال نہیں کرتا ہے اور نہ کبھی کیا، عرصہ گیارہ سال سے چھوٹا لڑکا مجھ کو کھلاتا ہے پہناتا ہے اور میری بیوی کو اور خدمت بھی اچھی طرح کرتا ہے، لہذا اس حالت میں یہ مکان کس کو دوں؟

الجواب: ماں باپ کا نفقہ اولاد پر اس وقت واجب ہے کہ تنگ دست ہوں اور اولاد مالک نصاب ہو، اور جب سائل کے پاس مال وزر نہیں تو اولاد پر اس کا نفقہ واجب، عالمگیری میں ہے، ویجبر الولد الموسر علی نفقۃ الابوین المعسرین، درر وغرر میں ہے، وعلی الموسر یسارا الفطرۃ لاصولہ لقولہ تعالیٰ وصاحبہما فی الدنیا معروفا، اور جب چند اولادیں ہیں تو سب پر والدین کا نفقہ برابر واجب ہے اسی میں ہے بالسویۃ بین الذکور والاناث فی ظاہر الروایۃ وھو الصحیح لان استحقاق الابوین انما ھو بحق الملک فی مال الولد لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انت ومالک لابیک، ماں باپ کو چاہئے کہ اپنی سب اولاد کو یکساں دے، ہاں اگر ان میں ایک علم دین میں مشغول ہے اور کماتا نہیں، اور دوسرا ایسا نہیں تو اس کو زیادہ دے سکتے ہیں، یا ایک کو دوسرے پر دینی فضیلت ہے تو اس کو زیادہ دے سکتے ہیں، اور ایسا نہ ہو تو مکروہ وممنوع ہے، درمختار میں ہے، لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی العطایا اذا لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم، طحطاوی میں ہے، ویکرہ ذالک عند تساویہم فی الدرجۃ کما فی المنح والہندیۃ

اما عند عدم للتساوی کما اذا کان احدھم مشتغلا بالعلم لا بالکسب لا باس ان یفضلہ علی غیرہ کما فی الملتقط ای ولا یکرہ و فی المنح روی عن الامام انہ لا باس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل بہ فی الدین،

واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ صدر الدین خاں محلہ شہامت گنج بریلی، ۳؍ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ،

والدین نے اپنے پسر زید کی پرورش اور تعلیم علم کی، بفضلہ تعالیٰ جوان ہو گیا اور شادی بھی ہو گئی، اور دو تین بچے بھی پیدا ہوئے، اب وہ ملازم ہو گیا چنانچہ مبلغ بیس روپیہ کا ملازم ہے والدین بہت ضعیف ہو گئے، کسی کام کے لائق نہ رہے، سبب خورد و نوش میں دقت آگئی، زید پسر پر کس قدر حق ہے، مبلغ بیس روپیہ میں کیا ملنا چاہیئے، جو والدین کو بسر اوقات ہو، زید یہ بھی کہتا ہے کہ جو حکم خدا اور رسول کا ہو میں اس کو ادا کرنے کو تیار ہوں اب خدمت میں علمائے دین کے گذارش ہے کہ جو حق والدین ذمہ زید ہو، بموجب شرع شریف ظاہر کر دیا جائے تاکہ ثواب ہو؟

الجواب: ماں باپ جب محتاج ہوں تو ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، جب کہ اولاد مالدار یعنی صاحب نصاب ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے، ویجبر الولد الموسر علی نفقۃ الابوین المعسرین، صورت مستفسرہ میں اگر لڑکا صاحب نصاب ہو تو والدین کو ان کے مناسب خرچ کے لائق دیتا رہے اس میں روپیہ کی تعداد شرع کی جانب سے مقرر نہیں اور اگر اتنی وسعت نہ ہو کہ والدین کے اخراجات دیتا رہے تو والدین کو کھانے پینے میں اپنے ساتھ شریک کرے، عالمگیری میں ہے، قال ابو یوسف اذا کان الابن فقیرا کسوبا والاب زمنا یشارکہ الابن فی القوت بالمعروف لانہ اذا لم یشارکہ یخشی علی الاب التلف، نیز اسی میں ہے وان کان لہ زوجۃ و اولاد صغار یجبر الابن علی ان یدخل الاب فی قوتہ و یجعلہ کاحد من عیالہ ولا یجبرہ علی ان یعطی شیئا علی حدۃ، بظاہر صورت مسئولہ میں لڑکے کی حالت ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ والدین کے اخراجات علحدہ دے سکے کہ صرف بیس روپئے کا ملازم ہے اور بی بی بچے بھی رکھتا ہے، بیس روپئے میں خود ان کی بسر اوقات دقت سے ہوتی ہو گی، لہذا چاہیئے کہ والدین کو خورد و نوش میں شریک کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از دھوراجی راں اکولا برار مرسلہ حبیب عبد الغنی، ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دے دیا، اس کی گود میں ایک سال تین ماہ کا بچہ ہے، اور اس کی ماں کی عادتوں سے عاجز آنے پر بچہ کا چار ماہ قبل دودھ چھوڑا دیا گیا تھا، اب حق پرورش ماں کا ہے یا باپ کا اگر ماں کا ہے تو اس کے رشتہ داروں کی طرف سے بچہ کی جان کا خوف ہے اس لئے از روئے شرع شریف اس بچہ کو ماں سے اس کا باپ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حضانت یعنی حق پرورش سب سے مقدم بچہ کی ماں کے لئے ہے، مگر جب کہ اس کے پاس رکھنے میں بچہ کے ضائع ہونے کا صحیح اندیشہ ہو تو ماں کا حق ساقط ہو جائے گا، درمختار میں ہے، تثبت للام الا ان یکون مرتدۃ او فاجرۃ فجورا یضیع الولد بہ کزنا وغناء وسرقۃ ونیاحۃ (وغیرہا ومنہ بان تخرج کل وقت وتترک الولد ضائعا، اور جب ماں کا حق ساقط ہو گیا تو یہ حق نانی وغیرہ کو حاصل ہوگا، اور اگر وہ[1] عورتیں نہ ہوں جن کو حق حضانت ہوتی ہے تو باپ کا حق ہے، کما فی الدر المختار، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نفقہ کا بیان

مسئلہ: مسئولہ عنایت حسین، از مراد آباد، ۹ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ

عشرۂ محرم پر میری زوجہ کے بہنوئی (مولا بخش) و میری بیوی کا بھتیج داماد احمد بخش یعنی مولا بخش کا لڑکا آیا اور مجھ سے کہا کہ اپنی بیوی کو بریلی بھیج دو میں نے حاملہ ہونے کی وجہ سے انکار کیا، انھوں نے اشتعال دلایا کہ ہم ضرور لے جائیں گے، میں رضامند نہ ہوا میرے مکان سے مولا بخش کا مکان قریب تھا، میری بیوی بلا میری اطلاع کے شب میں چلی گئی اور مولا بخش واحمد بخش وغیرہ بریلی اپنی ہمراہی میں لے گئے میری رضامندی ہرگز نہ تھی ایسی صورت میں وہ نان و نفقہ کی حقدار ہے یا نہیں جب کہ میرے مکان پر نہ آئے؟

الجواب: جب عورت مکان شوہر سے بغیر اس کی اجازت چلی گئی تو جب تک واپس نہ ہو، مستحق نفقہ نہیں، درمختار میں ہے، لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود، فتاوی عالمگیری میں ہے

---

[1] ماں کے بعد پرورش کا حق نانی کو ہے پھر دادی کو، پھر حقیقی بہن کو، پھر ماں جائی بہن کو، پھر علّاتی کو پھر بھانجیوں کو پھر خالاؤں کو، پھر پھوپھیوں کو، پھر ماں کی خالاؤں کو، پھر باپ کی خالاؤں کو، پھر ماں کی پھوپھیوں کو، پھر باپ کی پھوپھیوں کو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله والناشزة هی الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه، نیز ایام گذشتہ میں اگر عورت نے اپنے پاس سے خرچ کیا ہو تو اس کے مطالبہ کا حق عورت کو اس وقت ہوتا ہے جب کہ پیشتر قاضی نے بذمہ شوہر نفقہ کی ایک مقدار معین کر دی ہو یا زوج و زوجہ کی رضامندی سے مقرر ہو چکا ہو اور اب عورت جو کچھ خرچ کرے گی وہ شوہر پر دین ہوگا کہ وصول کر سکتی ہے اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو گذشتہ کے نفقہ کا استحقاق نہیں، یعنی اگر عورت کی جانب سے کوئی ایسا امر نہ ہوتا کہ نفقہ ساقط ہو پھر بھی بغیر ان دونوں صورتوں کے شوہر کے ذمہ دین نہ ہوگا، بخلاف صورت مسئولہ کے کہ یہاں تو استحقاق ہی نہیں، درمختار میں ہے، والنفقة لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء ای اصطلاحهما علی قدر معین اصنافا او دراهم فقبل ذالک لا یلزم شئی وبعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا امر قاضی، ردالمحتار میں ہے، اذا لم ینفق علیها بان غاب عنها او کان حاضرا فامتنع فلا یطالب بها بل تسقط بمضی المدة، نیز اسی میں ہے، بعد القضاء او الرضاء ترجع لانها بعده صارت ملکا لها کما قدمناه، یہ حکم نفقہ کا ہے رہا عورت کا بغیر اجازت شوہر بلا وجہ شرعی چلا آنا اس کا گناہ علیحدہ ہے[1]، اور وہ بھی مراد آباد سے بریلی کی مسافت سفر ہے، غیر محرم[2] کے ساتھ جانا دوسرا گناہ کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ احمد بخش اس عورت کا حقیقی بھانجا نہیں، بلکہ رشتہ کی بہن کا لڑکا ہے، عورت کو چاہئے کہ توبہ کرے اور شوہر کی نافرمانی سے باز آئے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: کسی شخص کی زوجہ بھاگ گئی غیر مرد کے ساتھ نکاح بھی کر لی، نکاح تو صحیح نہ ہوا، مگر اس زنا کا وبال شوہر پر بھی آئے گا یا نہیں، جب کہ شوہر اب تک طلاق نہ دیا، اس کا سبب یہ ہے، اگر خط وغیرہ کے ذریعہ سے طلاق روانہ بھی کر دے تو مزنیہ حق زوجیت مدت گذشتہ کی خوراکی کے لئے مقدمہ دائر کر دے گی؟

---

[1] حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب مرد اپنی بیوی کو بچھونے کی طرف بلائے اور وہ نہ آئے اور شوہر خفا ہو کر رات گذارے اس پر فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں، عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، متفق علیہ، مشکوٰة، دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تین شخص کی نہ کوئی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی، بھاگا ہوا غلام جب تک مالک کے پاس نہ لوٹے، اور وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو، اور نشے میں بدمست جب تک کہ اس کا نشہ نہ دور ہو۔

[2] صحیحین میں ہے، لا تسافر امرأة ثلثا الا ومعها ذو محرم وفی لفظ البخاری ثلثة ایام، کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر نہ کرے، محرم ہو یا شوہر، تین دن کی مسافت کی مقدار ساڑھے ستاون میل، تقریباً ۹۲ کیلومیٹر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

الجواب:- شوہر پر طلاق دینا واجب نہیں[1] اور نہ اس کے زنا کا شوہر پر گناہ، کہ اس میں شوہر کو دخل نہیں لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ، اور شوہر طلاق دے دے تو اس میں بھی حرج نہیں، اس مدت کے نفقہ کا عورت مطالبہ نہیں کر سکتی کہ نفقہ اس وقت واجب ہوتا ہے، جب عورت شوہر کے یہاں رہنے سے انکار نہ کرے اور جتنے دنوں شوہر کے یہاں رہی نہیں، اس کا نفقہ شوہر پر نہیں، نیز ایام گذشتہ کا مطالبہ بغیر قاضی کے مقرر کئے یا آپس میں طے کئے بغیر نہیں ہو سکتا، بلکہ ساقط ہو جاتا ہے، درمختار میں ہے، لانفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود، نیز اسی میں ہے، والنفقۃ لاتصیر دینا الا بالقضاء او الرضا ای اصطلاحھما علی قدر معین اضافا او دراھم فقبل ذالک لایلزمہ شئ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:- ایک مرد نے ایک باعصمت لڑکی سے نکاح کیا لڑکی جب گھر گئی تو دیکھا کہ خاوند کا تعلق ایک بے نکاحی عورت سے ہے اور خاوند کا ذریعہ معاش بھی نظر نہیں آتا، ذریعہ معاش تو وہی بے نکاحی عورت ہے، مرد نے چند روز کے بعد مار پیٹ کر باعصمت لڑکی کو اپنے گھر سے نکال دیا، جسے عرصہ سات آٹھ سال کا ہوتا ہے، لڑکی نے کچہری میں نان و نفقہ کا دعویٰ کیا ہے شوہر کو پانچ روپیہ ماہانہ ادا کرنے کا حکم ہوا ہے، اسے عرصہ چار سال کا ہوتا ہے باعصمت لڑکی نے رقم وصول کرنے کی بہت کوشش کی مگر مرد کے پاس کچھ نہ ہونے سے وصول نہ کر سکی، ایسی حالت میں جب کہ مرد طلاق بھی نہیں دیتا اور نان و نفقہ بھی نہیں دیتا، اور لڑکی کے لئے ذریعہ معاش بھی نہیں، تو لڑکی کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:- جب مرد نان نفقہ دینے سے عاجز ہے تو عورت دعویٰ کرے حاکم اس مرد سے جبراً طلاق دلوائے یا نان نفقہ دلوائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:- آمدہ از راجکوٹ کاٹھیاواڑ، مرسلہ مسجد نواب صاحب سید عبد الاول میاں قادری،

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین ذیل کے مسائل میں کہ زید نے اپنی عورت کو طلاق دیا عورت کو حمل ہے تو اب

---

[1] درمختار میں ہے، لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ، ہاں بدکار عورت کو طلاق دینا مستحب ہے اور درمختار میں ہے، بل یستحب لو موذیۃ وتارکۃ غایۃ ومفادہ ان لااثم بمعاشرۃ من لاتصلی فتبلوانۃ) اسی کے تحت شامی میں ہے، الطلقۃ فتقل، الموذیۃ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا، الظاہر ان ترک الفرائض غیر الصلوٰۃ کالصلوٰۃ، اور ظاہر ہے کہ زنا ایسا فعل ہے کہ اس سے شوہر کو اور شوہر کے متعلقین کو ضرور ایذا پہنچے گی، نیز معاصی سے بچنا فرض ہے، تو معاصی کا ارتکاب ضرور ترک فرض ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم، -

اس عورت کے وضع حمل تک نان ونفقہ کا ذمہ اس کے مرد پر ہے یا نہیں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد دودھ پلانے کے کتنے وقت تک مرد پر عورت کا نان ونفقہ دینا چاہیے، کیونکہ یہاں پر دیگر عورت کو دودھ پلانے کو دینے کا یا دائی وغیرہ سے پرورش کرانے کا رواج نہیں ہے، تو اگر عورت وضع حمل کے بعد اگر دوسرا نکاح نہ کرے تو دودھ پلانے کے زمانے کا نان ونفقہ مرد سے مانگ سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح اگر مرد کا انتقال ہوا اور عورت کو حمل ہے تو مرحوم کے مال میں سے وضع حمل تک اور دودھ پلانے کے زمانہ تک عورت خرچہ لینے کی حقدار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا:

الجواب: مطلقہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، قال اللہ تعالیٰ، واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، اور مطلقہ کی عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، درمختار میں ہے، وتجب للمطلقۃ الرجعی والبائن وضع حمل کے بعد اگر بچہ کو عورت دودھ پلائے گی تو زمانہ رضاعت کے دودھ پلانے کی اجرت شوہر سے لے گی، اللہ عزوجل فرماتا ہے، وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن، تفسیر جلالین میں ہے، رزقھن اطعام الوالدات و کسوتہن علی الارضاع اذا کن مطلقات، درمختار میں ہے، وھی احق بارضاع ولدھا بعد العدۃ اذا لم تطلب زیادۃ علی ما تاخذہ الاجنبیۃ وللرضیع النفقۃ والکسوۃ وللام اجرۃ الارضاع بلا عقد اجارۃ، ۔

(۲) موت کی عدت کا نفقہ شوہر کے مال میں واجب نہیں، درمختار میں ہے لا تجب النفقۃ بانواعھا لمعتدۃ موت مطلقا ولو حاملا، دودھ پلانے کی اجرت بچہ کے مال سے دلائی جائے گی، اگر بچہ اپنے باپ کے ترکہ کا وارث ہوا ہو، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، وعلی الوارث مثل ذالک، تفسیر جلالین میں ہے، ای وارث الاب وھو الصبی ای ولیہ فتل ذالک الذی علی الاب للوالدۃ من الرزق والکسوۃ، اور اگر بچہ کسی مال کا مالک نہیں، تو جس کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہے، وہی رضاعت کی اجرت بھی دے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الیمین

قسم کا بیان

مسئلہ: رمضانی محلہ بہاری پور، ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حاجی کسی بات کو اس طرح قسم کھاکر بیان کرتا ہے، کہ میں حاجی تو نہیں یا حاجی ہوں، لیکن اس کی قسم کھاکر کہتا ہوں جس کا طواف کیا ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اس کا یقین کریں یا نہیں، اور جو لوگ اس قسم کے بعد بھی اسے جھوٹا کہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کعبہ معظمہ کی قسم شرعاً قسم نہیں، درمختار میں ہے، لا یقسم بغیرہ تعالیٰ کالکعبۃ، پھر بھی بلاوجہ جھوٹا نہیں کہا جاسکتا، جب تک ان کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہو، ان کی بات کا اعتبار کرنا چاہئے، اور خواہ مخواہ مسلمان کی طرف برے گمان سے احتراز لازم، حدیث میں فرمایا، ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ عبدالرحیم، محلہ سفر علی شاہ، بریلی، ۸ رجمادی الآخر ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم اہل برادری خدا کی قسم کھاکر کہتے ہیں کہ جب کبھی اپنی یا اپنے لڑکے کی شادی کریں گے تو آپس میں کھائیں گے اور کھلائیں گے اور اگر نہ ہوسکے گا تو برادری میں ظاہر کردیں گے، تو ایسی صورت میں اس قسم کا پورا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جن لوگوں نے کھانا کھلانے کی قسم کھائی ہے ان پر قسم کا پورا کرنا لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مولوی نجیب الرحمٰن صاحب ساکن موضع بہوار گھاٹ، ڈاکخانہ واسٹیشن بین بین، ضلع پٹنہ، ۴ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر اس پرندہ کا گوشت نہ کھاؤں تو

بی بی مجھ پر حرام، پرندہ شکار کیا گیا مگر مرگیا، ایک مولوی صاحب نے کہا، اس کو کاٹ کر مرغ کو کھلادو اور کھانے والے مرغ کو ذبح کر کے کھائے، قسم پوری ہو جائے گی، اور بی بی نکاح سے باہر نہیں ہوگی، شرع شریف کیا حکم فرماتی ہے؟

الجواب: مرغ کا گوشت کھانے سے قسم پوری نہ ہوگی کہ مرغ کا گوشت اس پرند کا گوشت نہیں کہ مرغ نے جب وہ گوشت کھالیا تو وہ گوشت ہضم ہو کر اس پرند کا گوشت نہ رہا، اگرچہ بعد ہضم اس کے بعض اجزا سے گوشت بنا ہو، مگر یہ اجزا گوشت نہیں، بلکہ اخلاط و رطوبات ہیں، تو مرغ کے گوشت کھانے سے اس جانور کا گوشت کھانا کیونکر ہوگا، نیز یمین کا مدار عرف پر ہوتا ہے، مرغ کا گوشت کھانے سے یہ کوئی نہ کہے گا کہ اس جانور کا گوشت کھایا، اور یہاں تو استحالہ[1] ہو کر وہ گوشت رہا ہی نہیں، ورنہ لازم آئے کہ مرغ کا گوشت کھانا، ان تمام چیزوں کا کھانا ہو جنھیں مرغ نے کھایا ہے، ولا یقول بہ احد، بالجملہ نہ یہاں حقیقت ہے نہ عرف اور ہمارے مذہب میں یمین کا مدار عرف ہی پر ہے، اگرچہ حقیقت کے خلاف عرف ہو تو سب کے نزدیک حانث ہوا، فتاوی ہندیہ میں ہے' الاصل ان الالفاظ المستعملۃ فی الایمان مبنیۃ علی العرف عندنا کذا فی الکافی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ رحمت حسین، محلہ بڑی ٹولہ، شہر کہنہ بریلی، شوال ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقدمہ مطابق شریعت کرنا چاہتے ہیں، اس مقدمہ کے اندر کسی قسم کا اگر شک وشبہ ہو تو وحشت دلوانے کے لئے مدعی و مدعا علیہ سے قسم دلائی جائے، اس کی اولاد کا ہاتھ پکڑ کر، یا اس کے ہاتھ پر کلام پاک رکھ کر، اس لئے کہ شاید اگر جھوٹ ہو تو اس کی وحشت کی وجہ سے اس قسم سے باز آجاوے، تو یہ قسم شریعت کے خلاف تو نہیں ہوے گی؟

الجواب: مدعی پر حلف نہیں، حلف صرف مدعیٰ علیہ پر ہے، مدعی کے ذمہ یہ ہے کہ جس چیز کا اس نے دعویٰ کیا، گواہوں سے ثبوت دے، اگر گواہ نہ پیش کر سکے، تو مدعیٰ علیہ سے حلف لیا جائے، حدیث میں ارشاد ہوا،

[1] یہاں استحالہ کے معنی ہیں، بدل جانے کے، مراد یہ ہے کہ اس پرند کا گوشت مرغ کے پیٹ میں جاکر ہضم ہو کر تحلیل ہوگیا، اس میں سے کچھ فضلات ہے کچھ خون، بلغم، سودا، صفرا بنا، اس کی مقدار قلیل گوشت میں پہونچی، پھر یہاں ایک خاص بات یہ بھی ہے، کہ جان بوجھ کر قصداً مردار گوشت مرغ کو کھلانا جائز نہیں، اور اگر کسی نے کھلادیا، تو واجب ہے کہ جب تک اس بات کا یقین نہ ہو جائے، کہ یہ حرام گوشت تحلیل ہوگیا ہوگا، اس کو کھانا منع ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، —

البیّنۃ علی المدعی والیمین علی من انکر، قرآن مجید اس لئے آیا ہے کہ مسلمان اس پر عمل کریں، نہ یہ کہ اپنے جھوٹے سچے معاملات میں اسے اٹھائیں، اولاد کا ہاتھ پکڑنا کوئی چیز نہیں، قسم سے زیادہ اولاد کا ہاتھ پکڑنا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن طالب علم مدرسہ اہل سنت بریلی، ۲۰ رجمادی الاول ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا قرآن شریف کی قسم کھائے کہ ہم فلاں کے یہاں کھانا دانہ نہ کھائیں گے، اب وہ شخص باصرار تمام صاحب قسم کی دعوت کرتا ہے، ایسی حالت میں اس کا کھانا چاہیئے یا نہیں، اگر کھائے تو اس پر حرج شرعی کیا لازم آئے گا؟

الجواب: اگر قسم کھانا کسی مصلحت شرعی کی بنا پر نہ ہو محض ضد یا دنیوی معاملہ میں آپس کی نفسانیت کی بنا پر قسم کھائی اور بظاہر قسم توڑنے میں نفع ہو، کم از کم ایک مسلمان کی دلداری تو ایسی قسم توڑ دے، اس کے یہاں کھانا کھائے، اور قسم کا کفارہ دے دے، حدیث میں ہے، من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک مسلمان شخص نے ایک ہندو کو کچھ روپیہ دیا، اور اس سے رس خرید کیا، اس ہندو نے روپیہ دینے والا جو کہ مسلمان ہے اس سے بدعہدی کر کے نہ اس مسلمان خریدار کو رس دیا، اور نہ اسکا روپیہ واپس کیا، اور دوسری جگہ ایک ہندو کے پاس زیادہ داموں کو رس فروخت کر دیا، اس مسلمان خریدار نے جس سے کہ اس ہندو نے بدعہدی کی اس پر نالش کی اور نالش میں زیادہ روپیہ دکھلایا، اس روپیہ سے جتنا کہ اس ہندو فروشندہ نے اس کو دیا تھا بروقت پیشی مقدمہ اجلاس میں حاکم کے روبرو جو کہ ایک ہندو حاکم تھا، اس ہندو حاکم و فروشندہ رس کا بتایا پر زور دیا کہ وہ مسلمان خریدار قرآن پاک ہاتھ میں لے کر اس امر کی قسم کھالیں کہ جتنے مطالبے دینے کی بابت نالش کی ہے، اس قدر روپیہ دیا گیا، اس مسلمان شخص نے اس مجبوری سے کہ اگر وہ قسم نہیں

۱؎ یعنی از روئے شرع اولاد کا ہاتھ پکڑ کر یا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کسی بات کے کہنے سے بات کی سچائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور اس کا یقین نہیں حاصل ہوتا، کہ یہ سچی ہی بات کہہ رہا ہے، البتہ قسم کھا کر کسی بات کے کہنے سے ضرور بات کی سچائی میں قوت پیدا ہوتی ہے، بالکلیہ جن صورتوں میں مدعی علیہ پر قسم ہے، اس پر اگر مدعی علیہ قسم کھالے تو اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب، اگر اولاد کا ہاتھ پکڑ کر یا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کوئی جھوٹی بات کہے، تو اس پر صرف جھوٹ بولنے کا وبال ہوگا، اور اگر جھوٹی قسم کھائے تو جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ جھوٹی قسم کا بھی وبال ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،

کھاتا ہے تو مقدمہ کل خارج ہو جائے گا، اور اس کا اصلی روپیہ بھی نہ ملے گا، اور اس پر مقدمہ فوجداری چلے گا، قرآن شریف کی قسم اس ہندو حاکم وہندو فروشندہ کے مجبور کرنے پر کھالی، اور کل مقدمہ ڈگری ہوگیا، اس ڈگری شدہ مطالبہ میں علاوہ اس روپیہ کے جو کہ روپیہ دینے سے زیادہ دکھلایا گیا، حرجہ اس بات کا بھی شامل تھا کہ جو اس نے اس مسلمان خریدار سے زیادہ نرخ پر فروخت کیا تھا، اب یہ امر دریافت طلب ہے کہ وہ مسلمان خریدار اس ہندو بدعہد فروشندہ سے وہ روپیہ جو کہ اس کو دینے سے زیادہ کچھ ہی ہیں دکھلایا ہے، وصول کرے یا نہ کرے، دوسری وہ حرجہ کا روپیہ جو کہ اس ہندو فروشندہ پر خرید نرخ سے زیادہ نرخ پر دوسرے ہندو خریدار کے پاس فروخت کرنے سے اس مسلمان خریدار کو دلایا گیا ہے، لے یا نہ لے تیسری اس جھوٹی قسم کا کیا کفارہ ہے، مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے، اجر حاصل ہوگا ؟،

الجواب: جھوٹا حلف اٹھانا خصوصًا ایسے حالات میں قرآن مجید ہاتھ میں لے کر جھوٹ بولنا حرام ہے، اور اس پر سخت الزام ہے، اس پر توبہ فرض ہے، جھوٹا حلف نہ اٹھانے میں مقدمہ خارج ہونا غلط عذر ہے، بالجملہ اس کو اتنا ہی روپیہ لینا جائز ہے جتنا دیا ہے، زیادہ لینا ناجائز ہے۔ اس قسم میں کفارہ نہیں ہے، اس کا کفارہ توبہ ہے جو خالص دل سے ہو، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: کسی بات کا اطمینان کرنے کی وجہ سے قرآن عظیم فرقان حمید کی قسم کھانا درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: بلا وجہ قسم کھانا نہ چاہئے، ضرورت ہو تو قسم کھا سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

بَابُ النذر

منت کا بیان

مسئلہ: مرسلہ سید حسین صاحب، از کیمپ میرٹھ، بازار لال کرتی، کوٹھی خان بہادر صاحب رضا، یکم صفر ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نذر اللہ مانی کہ اگر میرا فلاں کام حسب خواہش ہوگیا تو

[1] قرآن مجید کی قسم کھانی جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

میں اتنا روپیہ مصرف خیر میں صرف کروں گا چنانچہ وہ کام اس کا پورا ہوگیا، اور اس نے اپنی منت کے موافق جتنا روپیہ مانا تھا نکالا، اور اس میں سے مستحقین کو دیا، اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا اس روپئے میں سے کچھ روپیہ سادات کو بھی دیا جاسکتا ہے یا نہیں، اگر دیا جاسکتا ہے تو کس حالت سے ان کو دیا جائے یعنی ان کی کیسی حالت ہو، کہ یہ روپیہ ان کو دیا جائے تو خلاف شرع نہ ہو، اگر سادات اس کے مستحق نہیں ہیں تو اس سے بھی مطلع کیا جائے، اور یہ سنا گیا ہے کہ حرمین شریفین میں فی زمانناً رفتار زمانہ کے لحاظ سے زکوٰۃ بھی سادات پر حلال کردی گئی ہے، غرض جو سچی بات ہو اس سے تکلیف فرما کر آگاہی بخشی جائے؟

الجواب: حدیث میں ارشاد فرمایا، ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بیشک یہ صدقات آدمیوں کے میل ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لئے حلال نہیں، رواہ مسلم عن عبد المطلب بن ابی ربیعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ان الصدقۃ لا تحل لنا، زکوٰۃ وصدقات واجبہ سادات کو دینا ناجائز ہے، اور نذر بھی صدقۂ واجبہ ہے، لہذا ناجائز، ردالمحتار میں تحت قول تنویر الابصار وجازت التطوعات من الصدقات فرمایا، قید بھا یخرج بقیۃ الواجبات کالنذر والعشر والکفارات وجزاء الصید، عالمگیری میں ہے، ولا یدفع الی بنی ھاشم ھذہ الی الواجبات کالزکوٰۃ والنذر والعشر والکفارات فاما التطوع فیجوز الصرف الیھم کذا فی الکافی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ جناب محمد حنیف مدرسہ مدرسہ نور الہدیٰ مقام پوکھر برا ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور

۲۷ر شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ وقت مصیبت عوام منت مانتے ہیں، اور مسجد کے اندر بھیجتے ہیں، جس کی نیت یوں کرتے ہیں کہ اچھا ہو جائے گا تو جان کا صدقہ خصی یا مرغ مسجد کے اندر بھیجیں گے، اگر ایسی منت کی چیز بھیجے تو آیا اس کو محتاج غنی مصلی ہر دو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: منت کا کھانا صرف فقرا کھا سکتے ہیں، اغنیا کے لئے حلال نہیں، ردالمختار باب مصرف الزکوٰۃ میں ہے، وھو مصرف ایضا لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القہستانی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ نعمت اللہ موضع بھگونتاپور، پرگنہ فریدپور، ضلع بریلی، ۸ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نذر تو اللہ کو ہے اور نیاز اس کے رسول کی ہے جیسے فاتحہ کھانا پر پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ نذر اللہ، نیاز رسول ہے، اور جیسے ماہ محرم نیاز حسین کہہ کر سبیل کرتے ہیں، ان لوگوں کا کہنا ٹھیک ہے یا غلط، اور سبیل کا پینا جائز ہے یا ناجائز، اور بعض شخص کہتے ہیں کہ نذر اور نیاز دونوں اللہ ہی پاک کے لئے ہے، اور کسی کو نہیں اور بعض شخص کہتے ہیں کہ نذر اللہ کو ہے اور نیاز رسول کو ہے، ان دونوں باتوں میں کون سی صحیح اور کون سی نہیں؟

الجواب: نذر شرعی اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے، غیر خدا کی نذر اس معنی میں نہیں ہو سکتی، نذر لفظ عربی ہے اور لفظ نیاز فارسی ہے، جو نذر ہی کے معنی میں ہے، جس طرح نذر شرعی اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، نیاز شرعی بھی اسی کے ساتھ خاص ہے، مگر عرف میں بڑے اور بزرگ کی خدمت میں کسی چیز کے پیش کرنے کو بھی نذر کہتے ہیں، مثلاً بادشاہ کو نذر گزاری، پیر یا استاد کو نذر دی اور یہ معنی بھی مسلمانوں میں دائر و سائر ہیں۔ بزرگان دین کو جو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اسے مسلمان براہ ادب نذر و نیاز کہتے ہیں، یہ فعل بھی جائز و مستحسن ہے۔ اسے نذر و نیاز کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصال ثواب کے لئے سبیل لگانا، پانی، شربت مسلمانوں کو پلانا جائز اور اس کا پینا بھی جائز، شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی، رسالہ نذور میں لکھتے ہیں کہ "نذرے کہ ایں جا مستعمل می شود نہ بر معنی شرعی ہست چہ عرف آں ست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر و نیاز می گویند"، علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدس، حدیقہ ندیہ، میں فرماتے ہیں، ومن هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذالك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين لقبورهم، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں، حضرت امیر و ذریۂ طاہرہ او را تمام امت بر مثال پیران و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ، چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ ست فاتحہ و درود و نذر و عرس و مجلس، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از بھگونتاپور ڈاکخانہ فریدپور ضلع بریلی مسئولہ نعمت اللہ صاحب، ۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

افضل العلماء جناب مولوی بدر الاسلام محمد امجد علی صاحب زاد عنایتکم بعد سلام کے عرض یہ ہے کہ شرعی نذر و نیاز کا مسئلہ نعمت اللہ اور سراج الدین کہتا ہے کہ نذر و نیاز شرعی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو جائز نہیں اور فقیر سے

پیش امام کہتے ہیں کہ نیاز رسول کو ہے اور اسی بات پر جھگڑا ہے، بعد اس کے فقیر نے کہا کہ کتابوں کو دیکھ لیا جائے اگر ان میں نذر و نیاز اللہ تعالیٰ کو ہو تو منظور کیا جائے، اور اگر نہ ہو تو منظور نہ کیا جائے، بعد اس کے کتابیں منگائیں، جس میں تفسیر سورہ فاتحہ اور شرع محمدی اور مترجم کلام مجید تھا، پھر جب ان کتابوں کو دیکھا تو کہا کہ تفسیر سورۂ فاتحہ جھوٹی کتاب ہے اور شرع محمدی بھی جھوٹی ہے، اور شرح وقایہ کو جھوٹی بتلاتے ہیں، اور مروان کی کتابیں بتلاتے ہیں، کہ مروان کی جھوٹی حدیث ہے اور انھیں کے کہنے کے مطابق عام لوگ کہنے لگے اگرچہ ان کو اتنا علم نہیں کہ حق و باطل میں فرق کر سکیں، شک اور شبہ سے جھوٹی کتابیں بتلاتے ہیں، تب ان لوگوں نے کہا، کتابوں کی مت مانو، قرآن شریف کی مانو گے تو کہا، ہم قرآن شریف کی بھی نہ مانیں گے، کیونکہ قرآن مجید کیا ابھی تو نہ تھا جو اب ہم نئی بات مانیں ہم وہی مانیں گے جو بزرگوں ہمارے سے چلی آئی ہے، تفسیر سورۂ فاتحہ اور شرع محمدی و شرع وقایہ جھوٹی کتابیں ہیں کہ صحیح، نیاز اللہ تعالیٰ کو ہے کہ رسول کو، قرآن شریف کو نہ ماننا کیسا ہے؟

الجواب: شریعت میں نذر اسے کہتے ہیں کہ یوں کہے کہ اللہ کے لئے مجھ پر فلاں کام کرنا ہے، مثلاً نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا، یا خیرات کرنا وغیر ذالک، یا یوں کہے، اگر فلاں کام ہو جائے گا، تو نماز پڑھوں گا، مثلاً اور اس کے لئے چند شرطیں ہیں، جو بہار شریعت میں فقیر نے لکھ دی ہیں، نذر بایں معنی غیر خدا کے لئے نہیں ہو سکتی، کما فی کتب الفقہ، مگر عرف میں بڑے اور معظم کی خدمت میں جو چیز پیش کرتے ہیں، اسے بھی براہ ادب نذر کہتے ہیں، اسی معنی کے لحاظ سے بادشاہ کو نذر دینا، پیر یا عالم کو نذر دینا بولتے ہیں، لہٰذا کسی عمل خیر کا ثواب اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور پیش کریں تو اسے نذر کہیں گے، لوگوں کو چاہئے تھا کہ اگر فرق نہ جانتا تھا تو اسے دونوں معنی میں فرق سمجھاتے اور بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے نذر کہنا نذر عرفی ہے، نذر شرعی نہیں، اس نے نذر عرفی و شرعی کے فرق کو نہ جانا، اور انکار کر دیا، پھر انکار میں اس حد تک بڑھا کہ اسلام سے باہر ہو گیا، فقیر کے پاس سائل یہ کتاب تفسیر سورۂ فاتحہ لایا فقیر نے اس کو جا بجا سے دیکھا، اس کا مصنف وہابی معلوم ہوتا ہے اس کے مضامین میں بعض باتیں وہابیت کی ہیں، شرح وقایہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے، اپنی جہالت سے اسے جھوٹی کتاب بتایا، یہ اس کتاب کی بے ادبی ہوئی، پھر مروان سے اس کو کیا نسبت، اور مروان جھوٹی حدیثیں نہیں بناتا تھا، یہ بھی غلط کہا کہ مروان کی جھوٹی حدیث ہے سب سے شدید خباثت یہ کی کہ قرآن مجید کے ماننے سے انکار کر دیا اور یہ کھلا کفر ہے، بیشک قائل کافر ہو گیا، ایمان نام ہے

تصدیق ماجاء بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور جب قرآن کو نہ مانا تو ایمان کہاں، اگرچہ یہ مضمون جو بیان کیا گیا قرآن مجید میں نہیں ہے، بالجملہ یہ شخص ایمان سے خارج ہو گیا، اور ان کی جورو نکاح سے باہر ہو گئی، از سر نو مسلمان ہو، اور عورت راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے، اس کے پیچھے نماز بالکل نہ ہوگی، بلکہ جو اس کے اس قول پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے یا اس کے پیچھے نماز پڑھے وہ بھی کافر، اس کو فوراً فوراً برادری سے خارج کر دیں، اس سے میل جول حرام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از کلکتہ ۲۱ زکریا اسٹریٹ، مرسلہ منور حسین، ۲ ذی القعدہ ۱۳۴۵ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے حالت پریشانی و عجلت میں روزانہ دس رکعت نفل نماز ادا کرنے کی منت مانی، اور اس کی مراد بھی پوری ہو گئی، لیکن اب اس کا ادا کرنا بہت دشوار اور گراں معلوم ہوتا ہے، مثلاً حالت تندرستی میں ادا کرتی ہے لیکن بیماری اور حیض و نفاس کے حالت میں مجبور ہو جاتی ہے اور جب مذکورہ وجہ سے فراغت پاتی ہے تو روزانہ دس کے حساب سے ایک روز میں یا دو روز میں ادا کر دیتی ہے لیکن ادا کرنا بہت ہی گراں اور بوجھ معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اگر خدانہ خواستہ چھ ماہ یا برس روز بیمار رہے تو بہت نمازیں قضا سر پر رہ جاتی ہیں، جو ادا کرنا نہایت ہی دشوار اور مشکل نظر آتا ہے، لہٰذا برائے کرم جناب کتب معتبرہ سے آسان صورت ادا کرنے کی بتلا دیں، اور یہ منت معاف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا فدیہ وغیرہ دینے سے اتر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ادا نہ کر سکے تو اس کا شوہر یا اور کوئی عزیز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتایا ہے کہ استغفار روز پڑھا کرے، اگر ادا نہ کر سکتی ہے تو یہ مولوی صاحب کا قول صحیح ہے یا غلط؟ اور اگر صحیح ہے تو اس کے پڑھنے کی ترکیب جناب بتا دیں، براہ کرم جناب والا اس کا جواب جلد از جلد عنایت فرما دیں؟ بے حد مشکور و ممنون ہوں گا؟

الجواب: صورت مذکورہ میں ہر روز دس رکعات نماز واجب ہے اور ایام حیض و نفاس کی نمازیں یا جن دنوں میں کسی عذر مرض وغیرہ کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں، ان کی قضا واجب ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت فقہ کی کتابوں میں مذکور نہیں، یوہیں استغفار بھی نماز کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، جب تک زندہ ہے، یہی حکم ہے کہ پڑھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از بانس بریلی شریف ڈاکخانہ انبر بیٹ نگر، ساکن صانع نگر، مرسلہ جناب کفایت حسین صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ خاکروب اگر کوئی دعا و منت مانگے مانیں اور وہ مقبول ہو جائے، بعد کو خاکروب مسلمانوں کے اہتمام سے شیرینی یا کھانا مرتب کرا کے نیاز دلوائے بعد کو وہ شیرینی یا کھانا مسلمانوں میں ہی تقسیم ہو تو مسلمانوں کو یہ فعل و خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اگر خاکروب کافر ہو تو اس کے مال کی نیاز نہیں ہو سکتی، کیونکہ نیاز نام ہے ایصال ثواب کا اور کافر کے کسی فعل میں ثواب نہیں، پھر ایصال ثواب کے کیا معنی نہ اس کے مال سے نیاز دینا جائز نہ اس میں شرکت جائز، اور اس کا کھانا بھی اچھا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از اجمیر شریف، مرسلہ جناب سید الطاف حسین صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ کیا حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کوئی چیز از قسم نقدی و جنس از روئے شرع محمدی ان کی نذر ہو سکتی ہے؟

(۲) اور حضرت موصوف کے مزار مقدس پر جو چیز کہ زائرین پیش کرتے ہیں، اس کو نذر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) اور کون ان چیزوں کے لینے کا مستحق ہے، بینوا توجروا،

الجواب: نذر اصطلاح شرعی میں وہ عبادت مقصودہ ہے جو جنس واجب سے ہو اور وہ خود بندہ پر واجب نہ ہو، مگر بندہ نے اپنے قول سے اسے اپنے ذمہ واجب کر لیا، رد المحتار ج ۳ ص ۹۱ میں ہے، واعلم ان النذر قربة مشروعة اما کونه قربة فلما یلازمه من القرب کالصلوٰة والصوم والحج والعتق ونحوها، واما شرعیته فللاوامر الواردة بایفائه وتمامه فی الاختیار بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۸۲، شرائط نذر میں فرماتے ہیں، ومنها ان یکون قربة فلا یصح بما لیس بقربة رأسا کالنذر بالمعاصی الخ ومنها یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بعیادة المریض الخ، درمختار جلد ۳، صفحہ ۳۱۹ میں ہے، ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وکان من جنسه واجب ای فرض کما سیصرح به تبعا للبحر والدرر وهو عبادة مقصودة فیخرج الوضوء وتکفین المیت ووجد الشرط المعلق به لزم النذر، پس جب کہ نذر عبادت و قربت کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ کوئی عبادت غیر خدا کے لئے نہیں ہو سکتی، لہٰذا نذر شرعی خدا کے ساتھ مخصوص ہے کسی غیر خدا کی نذر شرعی نہیں ہو سکتی

(۲) زائرین جو چیزیں مزارات بزرگان دین پر حاضر لاتے ہیں، ان سے مقصود صاحب مزار کی روح کو ایصال ثواب ہوتا ہے اور اس کو براہ ادب عرف میں نذر بولتے ہیں، یہ نذر، نذر شرعی نہیں، بلکہ نذر عرفی ہے کہ عرف میں جو چیز بڑے یا بزرگ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اسے نذر کہتے ہیں، مثلاً بادشاہ کو نذر دی، فلاں حاکم کو نذر دی اور یہ عرف مسلمانوں میں بہت زمانے سے جاری ہے، کہ بزرگان دین کی خدمت میں جو چیز پیش کرتے ہیں، اسے نذر کہتے ہیں، کتاب مستند بہجۃ الاسرار شریف میں بسند صحیح ایک واقعہ نقل فرمایا، ابوعمرو عثمان صریفینی وابو محمد عبدالحق حریمی فرماتے ہیں کہ ہم دونوں ۳ر صفر ۵۵۵ھ کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تھے، حضور نے وضو کر کے کھڑاویں پہنیں، اور دو رکعتیں پڑھیں، بعد نماز ایک نعرہ مارا اور ایک کھڑاؤں ہوا میں پھینکی پھر دوسرا نعرہ مارا اور دوسری کھڑاؤں پھینکی وہ دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئیں، ہیبت کے سبب کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی، ۲۳ر دن بعد عجم سے ایک قافلہ آیا، اور کہا، ان معنا للشیخ نذرا، ہمارے پاس حضور کی ایک نذر ہے، فاستاذناہ فقال خذوہ منہم، ہم نے ان سے اجازت مانگی حضور نے فرمایا لے لو اور اس سامان میں وہ دونوں کھڑاؤں بھی تھیں ہم نے واقعہ دریافت کیا، قافلہ نے بیان کیا، ۲۳ر دن ہوئے کہ ہم پر ڈاکہ پڑا، تمام مال لٹ گیا، جانیں بھی کچھ ضائع ہوئیں، فقلنا لو ذکرنا الشیخ عبدالقادر فی ہذا الوقت ونذرنا لہ شیئا من اموالنا ان سلمنا، ہم نے کہا بہتر ہو کہ اس وقت حضور کو یاد کریں، اور نجات پانے پر حضور کو کچھ مال نذر کریں، نیز اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۲ میں شیخ منصور بطائحی کے متعلق فرماتے ہیں، قصد بالزیارات والنذور من کل جہۃ، ہر طرف سے لوگ ان کی زیارت کو آتے اور نذریں لاتے،

(۳) ان نذروں کے لینے کے مستحق خادمان قبور ہیں کہ اس نذر سے صاحب مزار کو مالک کرنا مقصود نہیں ہوتا کہ تملیک کے احکام حیات ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں، بعد وفات وہ احکام جاری نہ ہونگے، جو احیاء کے ساتھ خاص ہیں، بلکہ اس سے مقصود متوسلین آستانہ کی خدمت کر کے صاحب مزار کو ثواب پہنچانا ہے، امام اجل سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ میں فرماتے ہیں، ومن ہذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لہم بتعلیق ذلک علی حصول شفاء او قدوم غائب فانہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین لقبورہم کما قال الفقہاء فیمن دفع الزکاۃ لفقیر وسماہا قرضا صح لان العبرۃ

بالمعنی لا باللفظ، یعنی اسی قبیل سے ہے زیارت قبور اور مزارات اولیاو صلحا سے برکت لینا اور بیمار کی شفا یا مسافر کے آنے پر اولیاء گذشتہ کے لئے منت ماننا کہ وہ ان کے خادمان قبور پر صدقہ سے مجازی ہے، جیسے فقہانے فرمایا ہے، کہ فقیر کو زکوٰۃ دے، اور قرض کا نام لے تو صحیح ہو جائے گی، کہ اعتبار معنی کا ہے لفظ کا نہیں ؟ [1] واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

باب اللقطہ

لقطہ کا بیان

مسئلہ :- مسئولہ فقیر احسان علی، ۱۸ صفر ۱۳۴۳ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ القطہ کا کیا حکم ہے ؟ عام ازیں کہ لقطہ روپے پیسے ہوں، یا پارچہ یا جانور یا ... یا طعام مفصل جواب سے شاد فرمائیں ؟

الجواب :- لقطہ حکم امانت میں ہے، اس پر لازم ہے کہ کہدے جو کوئی گمی چیز ڈھونڈھتا ہو، اسے مرے پاس بھیجدینا اور اس کی تعریف کرے، یعنی جہاں وہ چیز پائی وہاں اور بازاروں اور مجمعوں میں اعلان کرے، اگر مالک مل جائے اسے دیدے ورنہ اتنا زمانہ گذرنے پر کہ ظن غالب ہو جائے کہ اب اس کا مالک تلاش نہ کرے گا، یا وہ چیز کھانے یا پھل کی قسم سے ہے تو یہ گمان ہونے پر کہ اب اگر رکھی رہے گی تو خراب ہو جائے گی، یہ شخص خود اپنے صرف میں لا سکتا ہے، اگر فقیر ہے اور اگر غنی ہو تو تصدق کر دے کسی فقیر کو دیدے، پھر اگر مالک مل گیا اور وہ چیز صرف کر چکا ہے، تو مالک کو اختیار ہے، اس کے تصرف کو جائز کر دے تو مستحق ثواب ہے یا تاوان لے، درمختار میں ہے،

فان اشهد عليه عرف اى نادى عليها حيث وجدها فى المجامع الى ان علم ان صاحبها لا يطلبها او انها تفسد ان بقيت كالاطعمة والثمار، كانت امانة فينتفع الرافع بها لو فقيرا والا تصدق بها على فقير ولو على اصله وفرعه وعرسه فان جاء مالكها بعد التصدق خير بين اجازة فعله ولو بعد هلاكها وله ثوابها او تضمينه

---

[1] اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز یا کسی بھی ولی کی نذر ماننی، کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں یہ نذر پیش کروں گا، جائز و مستحسن اور تمام امت میں رائج اور معمول ہے، اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

اھ ملتقطا، جانور کا بھی یہی حکم ہے اور اس کی تعریف بھی اس مدت تک کی جائے کہ اب اس میں اگر تصرف نہ کریگا تو ضائع ہو جائے گا، اسی میں ہے، وندب التقاط البہیمۃ الضالۃ وتعریفھا مالا یخف ضیاعھا اور غنی مال لقط کو مسجد میں نہیں صرف کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

باب الشرکۃ

شرکت کا بیان

مسئلہ: از ذخیرہ بریلی مسئولہ حافظ عبد الکریم صاحب، ۲۲، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو کا گھر برابر ہے اور زید کے گھر میں پھل دار درخت ہے اس کا کچھ حصہ عمرو کے گھر میں بھی آگیا ہے ایا اس سارے درخت کے پھل کا زید مستحق ہے یا عمرو بھی؟ بینوا توجروا ۔

الجواب: درخت اگر زید کا ہے اور صرف بعض شاخیں عمرو کے مکان میں آگئی ہیں تو پھل زید ہی کے ہیں عمرو کو کچھ استحقاق نہیں اور اگر درخت کا تنہ عمرو کے بھی زمین میں ہے اور درخت زید ہی نے لگایا ہے جب بھی پھل کا مالک زید ہی ہے، اگرچہ عمرو کو اختیار ہے کہ اپنی زمین میں اس درخت کے تنے کو نہ رہنے دے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک حقیت مشترکہ میں نمبردار مقرر ہوا مگر نمبردار مذکور بوجہ اپنی ضروریات دینی کے گاؤں کی تحصیل اپنے بھائی کو سپرد کر دی تھی، اس حقیت میں نابالغان بڑے حصہ کے مالک تھے، نمبردار نے تین سال تحصیل وصول کر کے نابالغان کو کچھ نہیں دیا، اور طلب پر کہدیا کہ تمھارے بزرگوں پر قرضہ تھا، اس میں مجرا کر لیا، ایسی صورت میں حصہ نابالغان کا باقی رہا یا جاتا رہا، اور یہ نابالغان کی رقم نمبردار کے ذمہ رہی یا ان کے بھائی کے ذمہ رہی؟ بینوا توجروا ۔

الجواب: اگر زید نے اپنے بھائی کو صرف تحصیل وصول ہی کا اختیار دیا ہے تو اس کو صرف تحصیل وصول ہی کا حق ہے یعنی آمدنی کے خرچ کا اسے اختیار نہیں، اور زید کے بزرگوں پر جو قرض تھا، اسے اس آمدنی سے ادا کرنے کا اختیار اس کے بھائی کو حاصل نہیں، البتہ اگر وہ جائداد زید کے بزرگوں کی ہے، تو قرض کا بار جائداد پر ہے کہ قرض

ادا کرنے کے بعد بقیہ جائداد ورثہ پر تقسیم ہوگی، اور سب ورثہ اگر یہ چاہیں کہ جائداد کی آمدنی سے قرضہ ادا کر دیا جائے اور بعد ادائے دین اب جو آمدنی ہوگی، وہ ورثہ پر تقسیم ہوگی، تو اس کا انھیں اختیار ہے، بالجملہ اخوان کا مطالبہ زید سے ہوگا، جب کہ ان کا حصہ زید کے قبضہ میں ہے، اور زید کا مطالبہ اس کے بھائی پر ہے، جب کہ بااذن صرف کیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: از ڈاکخانہ روڈوال کاٹھیاواڑ، مرسلہ جناب مولوی حاجی سید عبد الخالق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ، اگر ایک شخص استاد ہے اور اس نے اپنی کوشش سے میلاد کی جماعت بنائی اور وہ شہر میں میلاد پڑھنے لگے اور وہاں سے جو حق میلاد یعنی جو ملتا ہے تو یا استاد لیوے یا شاگرد لیوے اور جبراً شاگرد لیوے تو وہ شرع کے بموجب کیسا قرار دیا جائے گا، اور اس شاگرد نے استاد کو میلاد پڑھنے سے بھی روک دیا ہے، شرع شریف کیا حکم فرماتی ہے؟۔ ۔

الجواب: اگر استاد و شاگرد کے مابین عقد شرکت ہوا ہے کہ جو کچھ ملے گا باہم تقسیم کرلیں گے، تو دونوں تقسیم کرلیں، اور اگر عقد شرکت نہیں ہے اور اصل میلاد خواں استاد ہے، اور شاگرد اس کے پاس سیکھتے ہیں اور ساتھ میں پڑھتے ہیں، تو جو کچھ دینے والا استاد کو دے گا، وہ استاد ہی کا ہے، شاگرد کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: از بلیا، مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب، ۶ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ،

ما قولکم ایہا العلماء الکرام فی ہذہ المسائل رحمکم اللہ الملک العلام، ۔

چند بالغ اولاد باپ کے ساتھ ہیں اور سب کے سب کارگذار ہیں تو اس صورت میں اولاد کے کسب سے جو مال حاصل ہوتا ہے، اس کا مالک باپ ہی ہے، اور اولاد مثل اجیر یا اولاد اپنے کسب کے مال کا خود مالک ہے، نیز یہ قربانی صرف باپ پر ہے یا اولاد کے ذمہ بھی جب کہ مال اس قدر ہے کہ اگر باپ ہر ایک کو برابر مال دے کر الگ کر دے تو ہر ایک صاحب نصاب ہو جائے گا؟ نیز یہ کہ اگر مال اس قدر نہ ہو بلکہ کم ہو تو اس صورت میں کسی کے ذمہ قربانی واجب ہے یا نہیں؟

(۲) چند بھائی ہی بھائی ہیں اور سب اکٹھے ہیں، اور مال مشترک اس قدر ہے کہ بعد تقسیم ہر ایک کے حصے میں

قدر نصاب آجائے گا، تو اب ہر ایک کے ذمہ قربانی واجب ہے یا صرف ایک قربانی سبھوں کی طرف سے کفایت کرے گی، یوں ہی مال قدر مذکور سے کم ہونے پر کیا حکم ہے، بینوا توجروا،

الجواب: بیٹے جب کہ باپ کے ساتھ کام کرتے ہیں اور بیٹے باپ کے عیال میں ہوں، یعنی اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہوں تو جو کچھ آمدنی ہوگی، سب کا مالک باپ ہی ہے، اور بیٹے اجیر بھی قرار نہیں پائیں گے، بلکہ محض مددگار تصور کئے جائیں گے، اور اس حالت میں باپ سے علحدہ ہونا چاہیں تو صرف وہ کپڑے جو ان کے بدن پر ہیں لے جاسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی شے کے مستحق نہیں، البتہ باپ اپنی مرضی سے جو چاہے دے سکتا ہے، اس پر حرج نہیں، ردالمحتار میں ہے، الاب والابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معینا وفی الخانیة زوج بنیه الخمسة فی داره وکلهم فی عیاله واختلفوا فی المتاع فهو للاب وللبنین الثیاب التی علیهم لاغیر، پس جب کہ اس صورت میں مالک صرف باپ ہے تو قربانی صرف باپ پر ہے، اس مال کی وجہ سے بیٹوں پر قربانی واجب نہیں، ہاں اگر بیٹوں کے پاس اپنا ذاتی مال ہو تو حسب شرائط قربانی و زکوٰۃ ان پر واجب ہوگا،

(۲) چند بھائی شرکت میں کام کرتے ہیں، مثلاً باپ نے ترکہ چھوڑا اور اس کو تقسیم نہیں کیا، بلکہ یکجائی کاروبار ہے، تو برابر کے شریک ہیں، ردالمحتار میں ہے، یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولاده علی ترکته بلاقسمة ویعملون فیها من حرث وزراعة وبیع وشراء واستدانة ونحو ذالک وتارة یکون کبیرهم وهو الذی یتولی مهماتهم ویعملون عنده بامره کل ذالک علی وجه الاطلاق والتفویض لکن بلاتصریح بلفظ المعاوضة ولابیان جمیع مقتضیاتها مع کون الترکة اغلبها او کلها عروض لایصح فیها شرکة العقد ولاشک ان هذه لیست شرکة معاوضة خلافا لما افتی به فی زماننا من لاخبرة له بل هی شرکة ملک کما حررته فی تنقیح الحامدیة ثم رأیت التصریح به بعینه فی فتاوی الحانوتی فاذا کان سعیهم واحدا ولم یتمیز ما حصله کل واحد منهم بعمله یکون ما جمعوا مشترکا بینهم بالسویة وان اختلفوا فی العمل والرائ کثرة وصوابا کما افتی به فی الخیریة، نیز اسی میں ہے، لو اجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیهم والمال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرائ، اس صورت میں بعد تقسیم اگر ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب ہے تو ہر ایک پر قربانی

واجب اور بقدر نصاب نہ ہو اور دوسرا مال بھی نہ ہو جس سے مل کر نصاب ہو تو واجب نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ خیراتی حجام محلہ علاء البیورہ، ریاست اترولہ ضلع گونڈہ،

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام کہ زید اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہ کر کسب و اکتساب کرتا رہا، تمام اموال و جائداد میں شریک ملک تھا، جیسا کہ عرف ہے کہ باپ بیٹے بھائی سب ساتھ رہ کر کسب و اکتساب کرتے ہیں، اور تمام زر و مال میں شریک ملک رہتے ہیں، حتیٰ کہ وقت ضرورت تمام جائداد و مال تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے کر علیحدہ ہو جاتے ہیں، اب زید کا انتقال ہو چکا ہے، اس کے ماں باپ تین بھائی، دو بہن، ایک بیوی، ایک لڑکی اور ایک لڑکا، دوسری بیوی سے جس کا انتقال زید مذکور کی زندگی میں ہو چکا ہے، زید مذکور کی بیوی کو اس جائداد و اموال مشترکہ سے جو مابین زید اور اس کے ماں باپ بھائیوں کے ہے کیا حصہ ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب: اگر اصل کام باپ کا ہے اور لڑکا اس کا معین و مددگار ہے یہ بھی اس کے کام میں ہاتھ بٹاتا ہے جب تو جو کچھ حاصل ہو گا، سب باپ کا ہے لڑکا مالک نہیں ہے، بشرطیکہ لڑکا باپ کے عیال میں ہو اوسی کے ساتھ کھاتا پیتا رہتا سہتا ہو، فتاوی عالمگیری میں ہے، اب وابن یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما مال فالکسب کلہ للاب اذا کان الابن فی عیال الاب لکونہ معینا لہ الاتری انہ لو غرس شجرۃ تکون للاب، اور اگر لڑکا معین و مددگار کی حیثیت نہ رکھتا ہو، بلکہ مستقل طور پر کام کرتا ہو تو کسب میں شریک ہو گا، اس صورت میں زید کو جو کچھ حصہ ملے گا، ان میں سے آٹھواں حصہ اس کی زوجہ کا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، -

کتاب الحدود والتعزیر

حدود و تعزیر کا بیان

مسئلہ: آمدہ از بنگال،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو بحالت زنا مثل قلم در دوات تین شخصوں نے دیکھا اور وہ تین شخص عند القوم صادق راست گو اور دیانت دار ہمیشہ سے شمار کیے جاتے ہیں،

ان کا قول و فعل کبھی خلاف شرع و خلاف وقوع نہیں سمجھا جاتا ہے، یہ تین شخص، شخص زانی پر زنا کی شہادت دیتے ہیں اور قبل اس کے یہ لوگ نصاب شہادت زنا کو نہیں جانتے تھے کہ کتنے شخص سے نصاب ہوتا ہے، اب صورت مذکورہ میں تینوں شخص کی شہادت تصدیق کر کے حاکم مسلم یا قاضی یا مفتی بطور زجر و توبیخ کچھ سزا شخص زانی پر قائم کرنی چاہیے یا اس کو توبہ پر مجبور کریں تو شرعاً جائز ہوگا یا نہیں، کیوں کہ حد شرعی کے لئے نصاب کامل کی ضرورت ہے اور یہاں نصاب کامل پایا نہیں جاتا، اور بصورت عدم جواز ان تین شخص شاہدین پر حد قذف لازم آئے گی یا نہیں بصورت لازم تین شخص معتبر کے سامنے زنا کرنا شرعاً جائز ہوگا، کیونکہ ان کی شہادت سے زانی پر کوئی جرم ثابت نہیں، بلکہ ان پر الٹا جرم عائد ہوگا، جب اس صورت میں شخص زانی پر جرم ثابت نہ ہوا تو گویا شرعاً تین یا کم اشخاص کے سامنے وقوع زنا کا کوئی خوف باقی نہ رہا، اس سے لازم آئے گا کہ شریعت اسلامیہ میں ایسے زنا کا سدباب کے لئے کوئی فیصلہ نہیں، اور یہ بات یقینی ہے کہ شریعت اسلامیہ کسی صورت میں اجرا زنا کی متحمل نہیں، ضرور کوئی فیصلہ ہوگا، بینوا توجروا ۔

الجواب: شریعت مطہرہ نے زانی پر حد مقرر فرمائی، اور اس کے ثبوت کے دو طریقے بتائے چار مرد گواہان عادل کی شہادت یا خود زانی کا اقرار بغیر ان کے زنا کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور جب ثبوت نہ ہو تو حد کیونکر قائم ہو، اگر بغیر ثبوت فیصلے ہوا کریں تو جو شخص جس کی چیز چاہے دعوی کر کے لے لیا کرے، اور یہ نرا ظلم ہے، اب رہا یہ کہ واقع میں وہ شخص مجرم ہے یا نہیں، اگر مجرم ہے تو مستحق عذاب ہے، مگر قاضی یا حاکم تو اس کے مجرم ہونے کا اسی وقت حکم دے گا جب کافی ثبوت پیش ہو، قرآن مجید مسلمانوں کیلئے ہدی و نور ہے، ہماری نجاح و فلاح کے لئے نازل ہوا جو اس کی روشنی میں چلے گا مقصود تک پہونچے گا، ورنہ گڑھے میں گرے گا، دیکھئے قرآن نے یہ فرمادیا کہ زانی پر یہ سزا ہے، الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ، اور دوسری آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے، اسی نے یہ بھی فرمادیا کہ اگر کوئی کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو کس سزا کا مستحق ہے، ارشاد فرماتا ہے، والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمٰنین جلدۃ، ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا واولٰئک ھم الفٰسقون الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم، جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں، تو انھیں اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور وہ لوگ

فاسق ہیں، مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں، اور اپنے حال کو درست کریں، تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور فرماتا ہے، لولا جاء وا علیہ باربعۃ شہداء، فاذلم یاتوا بالشہداء فاولئک عند اللہ ہم الکٰذبون، چار گواہ اس پر کیوں نہ لائے، اور جب چار گواہ نہ لائیں، تو خدا کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، قرآن کریم کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ جب تک چار گواہ نہ پیش کرے، اسّی کوڑے کا مستحق ہے، لہٰذا صورت مستفسرہ میں یہ گواہ ضرور قاذف ہیں، اور حد قذف کے مستحق، مگر حد زنا یا حد قذف قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے، کما صرح بہ الامام صدر الشریعۃ اور جہاں نہ بادشاہ اسلام ہو نہ اس کا نائب، وہاں حدود کون جاری کرے، بلکہ ہندوستان میں اگر کوئی ایسا کرے تو خود ماخوذ ہو، اور حکومت کی جانب سے سزا پائے، حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، ادرأوا الحدود ما استطعتم، تم سے جہاں تک ہو سکے حدود کو دفع کرو، کہاں یہ اور کہاں وہ کہ ثبوت نہ ہو اور حد قائم کردی جائے، اسی وجہ سے ائمہ کرام نے فرمایا کہ مواقع شبہ میں حد ساقط ہے، اور حاکم اسلام کے سامنے ایسی ناکافی شہادت گذرے، جس میں نصاب کامل نہ ہو تو بیشک حد قذف قائم ہوگی جب کہ وہ شخص مطالبہ کرے جس کے متعلق تہمت لگائی گئی، اور گواہوں کا یہ نہ جاننا کہ نصاب شہادت کیا ہے، بری نہ کرے گا، رہا سائل کا یہ سمجھنا کہ چار گواہ نہ ہوں تو حد نہیں، لہٰذا تین شخصوں کے سامنے زنا کا کوئی خوف ہی نہیں، یہ محض غلط ہے، بلکہ شرع مطہر نے بروجہ اتم اس کی بندش فرمادی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں ہو تو گرچہ فعل قبیح میں اسے مبتلا نہ دیکھے، مگر یہ گمان ہے کہ برے کام کے لئے جمع ہوئے ہیں، تو انھیں سختی کے ساتھ روک دے، اور اگر جانتا ہے کہ شور وغل کرنے سے بھی باز نہ آئیں گے، تو جان سے مار ڈالنے کی بھی اجازت ہے، درمختار میں ہے، ویکون التعزیر بالقتل کمن وجد رجلا مع امرأۃ لاتحل لہ ان کان یعلم انہ لاینزجر بصیاح وضرب بمادون السلاح والا بان علم انہ ینزجر بما ذکر لایکون بالقتل وان کانت المرأۃ مطاوعۃ قتلہما، ردالمحتار میں ہے، ظاہرہ ان المراد الخلوۃ بہا وان لم یرمنہ فعلا قبیحا کما یدل علیہ ما یاتی عن منیۃ المفتی کما تعرفہ فافہم، مگر یہ حکم صرف اسی وقت کے لئے ہے، جس وقت اس نے اپنی آنکھ سے دیکھا، اس کے بعد یہ دیکھنے والا کچھ سزا نہیں دے سکتا، بلکہ اب حاکم کے سامنے پیش کرے، وہ جو مناسب سمجھے سزا دے، درمختار میں ہے، ویقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ واما بعدہ فلیس ذالک لغیر الحاکم والزوج والمولیٰ کما سیجئ، اور حاکم مناسب جانے تو

انتالیس درے لگائے، اسی میں ہے، ویبلغ بہٖ غایتہ کما لو اصاب من اجنبیۃ محرم غیر جماع، مگر یہ سزا اسی وقت ہوگی کہ دیکھنے والے نے زنا کا دعویٰ نہ کیا ہو مثلاً یہ کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک مکان میں تنہا دیکھا، یا زنا کے علاوہ اور کوئی ان کی حرکت قبیحہ بیان کی اور اگر زنا کا دعویٰ کیا تو اب بغیر چار گواہ پیش کئے حد قذف سے بری نہیں ہو سکتا، درمختار میں ہے، بخلاف دعوی الزنا فانہ اذا لم یثبت یحد، ـ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اس شخص پر کوئی سزا نہیں ہو سکتی کیونکہ گواہوں نے زنا کرنا بیان کیا ہے، ہاں اگر وہ خود اقرار کرتا ہو تو جو مناسب سمجھیں سزا دیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ مسماۃ بنی،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پر الزام لگایا جاتا ہے اور وہ شخص قسم قرآن شریف کی کھاتا ہے کہ نہ میں نے کیا ہے اور نہ میں کرتا ہوں اور خدا اور رسول کو درمیان کر کے اس شخص نے چاہا کہ میرے اوپر سے الزام دور کیا جائے اور میری قسم پر اعتبار کیا جائے لیکن ان لوگوں نے اس کی قسم پر اعتبار نہیں کیا، لہٰذا جو لوگ قسم قرآن مجید کے اوپر اعتبار نہ کریں، ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

---

[1] یہاں دو باتیں قابل لحاظ ہیں، ایک مسلمان کی عزت و آبرو اور اس کی جان اور دوسرے زنا کا سد باب، مسلمان کی عزت و آبرو کوئی معمولی چیز نہیں، حدیث میں فرمایا گیا، من قتل دون عرضہ فھو شھید، جو اپنی آبرو بچانے کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے، اور فرمایا، لزوال الدنیا اھون عند اللہ من قتل مسلم واحد، تمام دنیا کا نیست ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے ہلکا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا کی سزا سو کوڑے مارنا ہے، یا سنگسار کرنا ہے، وہ بھی گھر میں نہیں، کھلے میدان میں، مجمع عام میں، قرآن مجید میں ہے، ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین، ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود رہے، سوچئے اس کی کتنی ذلت و خواری ہوگی، اور سنگسار کرنے میں تو اس کی جان کا جانا یقینی ہے، کوڑے کی مار سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مرجائے، اتنی بڑی سزا کا حکم معمولی گواہی سے دینا مقتضائے عقل کے خلاف بھی ہے، زنا کا جرم چونکہ بہت سنگین ہے، اس لئے اس کی سزا بھی بہت سخت رکھی گئی، اور جس حیثیت کی سزا ہے اسی حیثیت کا ثبوت بھی لازم کیا گیا تاکہ مسلمانوں کی عزت و آبرو و جان کھلونا نہ بن جائے، عداوت میں ناحق آبرو لوگ کیا کیا کر جاتے ہیں، یہ سب کو معلوم ہے رہ گیا زنا کے سد باب کا مسئلہ، اس کا علاج یہ ہے، جو فتوی میں مذکور ہوا، اس زمانے میں قتل تو نہیں کر سکتا، مگر جب کسی اجنبی مرد و عورت کو تنہائی میں اکٹھا دیکھے، تو شور تو کر سکتا ہے، اور حاکم اسلام کے یہاں یہ دعوی کر سکتا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو تنہائی میں اکٹھا دیکھا، جس پر حاکم اسلام کوڑے کی سزا دے سکتا ہے، جن کی مقدار ۳۹ کوڑے تک ہے، کیا اس سے زنا کا سد باب نہیں ہو سکتا؟ رہ گیا یہ کہ زنا کرتے دیکھا، اور چار مرد نہیں، تو کیا

(بقیہ نمبر ۳۲۲ پر)

الجواب: الزام لگانے والے جو الزام لگاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ شہادت شرعیہ سے اس کا ثبوت دیں، اور ثبوت نہ دے سکیں، تو اس شخص سے قسم لیں، اور جب یہ قسم کھا رہا ہے تو ضرور اس کا اعتبار کیا جائے گا، قسم کا اعتبار نہ کرنا، نہایت سخت جرأت و بے باکی ہے، خصوصًا یہاں کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر زنا کا الزام لگاتے ہیں، کہ یہاں تو قسم لینے کی بھی اجازت نہیں[1]، بلکہ ان لوگوں پر شرعًا لازم کہ چار مرد عادل کی شہادت سے زنا کا ثبوت دیں جنہوں نے آنکھ سے خاص یہ فعل کرتے دیکھا ہو، اور ایسا ثبوت نہ دے سکیں، تو یہ الزام لگانے والے ہر ایک شرعًا اسّی اسّی کوڑے کے مستحق ہیں، قال اللہ تعالیٰ، والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمٰنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولٰئک ھم الفٰسقون، یعنی جو لوگ پارسا عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں، تو ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ فاسق ہیں، ایسی بیجا تہمت اٹھانے والے جو شرعی ثبوت نہ دے سکیں، اسّی کوڑے کے مستحق اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ، اور جب تک توبہ نہ کریں فساق ہیں، اور خدا کے نزدیک جھوٹے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے، لولا جاؤا علیہ باربعۃ شھداء فاذلم یاتوا بالشھداء فاولٰئک عند اللہ ھم الکٰذبون، یعنی وہ تہمت لگانے والے چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب گواہ نہ لائیں تو وہی خدا کے نزدیک جھوٹے ہیں، لہذا ان کو بغیر گواہ پیش کئے سچا جاننا اور اس شخص کی قسم کا بھی اعتبار نہ کرنا اس کو سچا جاننا ہے جو خدا کے نزدیک جھوٹا ہے اور یہ مسلمان کا کام نہیں کہ خدا جسے جھوٹا فرمائے یہ اسے سچا جانے یہ حکم شرع ہے، اور اب کہ حاکم شرع نہیں کہ حد کا حکم شرع جاری کرے، مسلمانوں پر لازم کہ ایسے بیجا اور بے ثبوت الزام لگانے والوں کی حسب مقدور پوری سزا کریں، اور جب تک توبہ نہ کریں اور اس شخص سے معافی نہ چاہیں ان کو بند کریں، واللہ تعالیٰ اعلم،

(بقیہ ص ۳۲۲ کا) کرے، اس کا علاج بھی یہی ہے کہ بروقت شور مچائے اور حاکم اسلام کے یہاں یہ دعوی کرے، کہ ہم نے ان کو تنہائی میں اکٹھا دیکھا، یہ دعویٰ غلط بھی نہیں ہوگا، اور مجرمین کچھ سزا بھی پالیں گے، بلا مکمل ثبوت سزا کا دروازہ کھولنا، امن عامہ کو غارت کرنا ہے جس کی اجازت شریعت تو شریعت دنیا کا کوئی قانون نہیں دے سکتا، [1] فتح القدیر میں ہے صفحہ ۲۴۸، جلد ۲، ولا یستحلف فی القذف اذا انکرہ ولا فی شیٔ من الحدود بخلاف التعزیر والقصاص فانہ یستحلف فیھما. ویستحلف فی السرقۃ لاجل المال فان انکل ضمن المال ولا یقطع، ص ۶۴۸ / ۲۹ باب حد القذف، اس سے معلوم ہوا کہ حدود میں مدعی علیہ پر قسم نہیں، اور پہلے جو فرمایا، اگر ثبوت نہ دے سکیں تو اس سے قسم لیں، یہ اس بنا پر تھا، کہ سوال میں زنا مذکور نہیں، سوال میں ہے کہ ایک شخص پر الزام لگایا جاتا ہے، الزام عام ہے کسی بھی گناہ کا الزام ہو سکتا ہے، مگر جب بعد میں بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ الزام زنا کا تھا، اس کا حکم الگ بیان فرمایا، اور یہی بیان پہلے کے لئے مخصص ہے، کہ جواب میں مراد یہ ہے کہ الزام ایسا ہو، جو موجب حد نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔ -

مسئلہ: مسئولہ مدار بخش ساکن ٹھریا ضلع بریلی، ۸ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص اسکے مکان میں ایک عورت ہے جس کو عرصہ آٹھ ماہ کا ہوا۔ اس کے ساتھ حرام کرتاہے اور اہل برادری کہتے ہیں کہ اس عورت کو نکال دے نہ تو نکالتا ہے اور نہ نکاح کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس عورت کا شوہر زندہ ہے کچھ لوگ برادری کے کہتے ہیں کہ طلاق دے دی ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں دی؟،

الجواب: اس شخص کو جس نے بغیر نکاح عورت رکھ لی ہے اہل برادری بند کر دیں اور جب تک سچی توبہ نہ کرے، برادری میں شامل نہ کریں، عورت پر بھی فرض ہے کہ فوراً اس کے گھر سے نکل جائے، ورنہ اسے بھی لوگ اپنے یہاں آنے جانے سے روک دیں، شوہر جب زندہ موجود ہے تو اس سے دریافت کریں، اگر طلاق کا اقرار کرے فبہا ورنہ گواہان عادل سے طلاق کا ثبوت ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ چھیٹن ساکن ضلع پیلی بھیت، ماہ چندی، ۱۶ رذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ تھی اور حرام سے حاملہ ہوئی، اس کے حرام کا بچہ پیدا ہوا، جس گاؤں میں وہ عورت تھی، اس گاؤں کے اور دوسرے گاؤں کے آدمیوں نے عالم سے فتویٰ لیا اور جو شرع نے حکم دیا، اس کے موجب عمل کیا گیا، بستی اور بستی والوں نے منظور کر لیا، اس کے دو مہینہ کے بعد تین آدمیوں نے اس بات کو لوٹ دیا اور وہ آدمی پہلے اس شرع کو منظور کر چکے تھے، علمائے دین سے یہ سوال ہے کہ جن شخصوں نے شریعت کو لوٹ دیا ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت دونوں کو توبہ کرا دی گئی اور مرد کا عورت سے نکاح ہو گیا، اور اب یہ تین شخص کہتے ہیں کہ اس شخص کا حمل نہ تھا، بلکہ اس کے لڑکے کا تھا، جو اس عورت کا داماد بھی ہے، حالانکہ عورت بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور داماد بھی اور اس کا باپ بھی اور ان تینوں شخصوں کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں محض بیجا طور پر الزام لگاتے ہیں، لہذا اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو وہ تینوں شخص شرعاً اسی اسی کوڑے مارے جانے کے مستحق ہیں، مگر چونکہ یہاں حد شرع جاری نہیں، لہذا فرض ہے کہ توبہ کریں اور عورت اور اس کے داماد سے معافی مانگیں، ورنہ مسلمان ان کو بند کریں اور برادری سے خارج کر دیں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: مسئولہ رحیم بخش ساکن شیوپوری، تحصیل فرید پور ضلع بریلی، ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً دو سال کا ہوا ہوگا کہ ایک شخص عورت بغیر نکاح کو اپنے گھر میں رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ناجائز کام کرتا ہے، اس کو پیش امام مسجد نے سمجھایا اور منع کیا کہ ایسا ناجائز کام شرع کے خلاف ہے، وہ نہیں مانتا ہے اور یہ لوگ اس کے شریک ہیں؟،

الجواب: جس شخص نے بغیر نکاح عورت کو اپنے گھر میں ڈال رکھا ہے، اس سے تمام لوگ قطع تعلق کریں[1] اور جب تک سچی توبہ نہ کرلے، اس کو اپنے میں نہ ملائیں، اور جو لوگ اسے روکنے اور باز رکھنے پر قدرت رکھتے ہوں، اور نہ روکیں وہ بھی گنہ گار عذاب کے سزاوار ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان سوالات کے جواب میں، ایک شخص رنڈی سے زنا کرتا ہے اور اس کے زنا کی اولاد پیدا ہو، اس شخص کے لئے کیا حکم ہے اور مسلمانوں کو اس کے ساتھ میں کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور اس کو کیا سزا شرعی دی جائے؟،

(۲) جو شخص مسلمان ہوکر جان بوجھ کر رمضان شریف کے روزہ نہ رکھے اور نہ نماز پڑھے، ایسے شخص کے لئے کیا حکم شریعت ہے، اور اگر اس شخص نے رمضان شریف کا کوئی روزہ رکھ لیا ہو اور لوگوں کو افطار کے لئے اور کھانا کھانے کو بلوایا، تو ایسے شخص کے گھر کا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے گھر کے کھانے سے روزہ افطار کرنا درست ہے یا نہیں؟،

الجواب: زانی کے لئے جو شرعی سزا ہے وہ یہاں کون جاری کر سکے، اس کے لئے بادشاہ اسلام درکار اب مسلمان اتنا کر سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ میل جول چھوڑ دیں، اس سے بالکل قطع تعلق کریں، جب تک توبہ نہ کرلے،

(۲) ایک وقت بھی قصداً نماز کا چھوڑنے والا فاسق ہے، یوہیں بلا عذر سفر ومرض وغیرہما روزۂ رمضان کا تارک فاسق ہے، اگرچہ ایک ہی روزہ چھوڑا ہو، ایسے شخص کے یہاں روزہ افطار کرنا یا کھانا کھانا نادرست نہیں، مگر نہ کھانے میں اگر مصلحت ہو کہ اسے تنبیہ ہوگا اور آئندہ امید ہو کہ روزہ رکھنے لگے تو اس کے یہاں نہ کھایا جائے، یوہیں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس سے ملنے والوں پر اسی کا اثر پڑے گا، دیکھا دیکھی دوسرے بھی روزے نہ رکھیں گے، تو اس سے مقاطعہ کریں، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

[1] یعنی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اس عورت کو اپنے گھر سے نکال دے، یا اگر اس سے نکاح صحیح ہو سکتا ہے تو نکاح کرے، اور توبہ کرے، اور بدکاری کی وجہ سے عورت کے جن جن رشتہ داروں کو عار لاحق ہو سکتا ہے، ان سے معافی مانگے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: مرسلہ عبد الغنی اسماعیل اینڈ سنس کیوتھ مرچنٹ صدر بازار رائے پور، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ،

(۱) حیوان سے زنا کرنے والے کی کیا سزا ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ لواطت اور زلق مارنے والے کی امامت درست نہیں ہے؟

(۳) یہ تین گناہ کبیرہ ایک ہی شخص نے کیا، ان کے واسطے شریعت میں کیا سزا ہے، حدیث اور آیات کے ساتھ سزا ثابت کیجئے تاکہ حکم جاری کیا جائے، عمرو کا گناہ معاف کرانے کے واسطے کیا تدبیر کرنا چاہئے کہ خدائے پاک معاف کرے، زید کہتا ہے کہ غسل بالکل نہیں اترتا ہے؟

الجواب: جانور کے ساتھ برا کام کرنے پر تعزیر ہے کہ بادشاہ اسلام جو مناسب سمجھے سزا دے، حدیث میں ارشاد ہوا، من وقع علی بھیمۃ فاقتلوہ[1] واقتلوا البھیمۃ، جو جانور سے وطی کرے اسے مار ڈالو اور جانور کو قتل کر ڈالو، درمختار میں ہے، ولا یحد بوطی بھیمۃ بل یعزر وتذبح وتحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیۃ ومیتۃ، جانور سے وطی کرنے والے کو سزا دی جائے گی اور جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے، اور اس سے نفع اٹھانا مکروہ، جوہرہ نیرہ میں ہے، ومن وطی بھیمۃ فلا حد لانہ لیس بزنا ویعزر لانہ منکر، واللہ تعالیٰ اعلم، -

(۲) لواطت حرام وکبیرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون ہے وہ جس نے قوم لوط علیہ السلام کا کام کیا، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو جلا دیا، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر دیوار ڈھا دی، درمختار میں ہے، قال فی الدرر یعزر بنحو الاحراق بالنار وھدم الجدار والتنکیس من محل مرتفع باتباع الاحجار و

---

[1] اس کے معارض دوسری حدیث ترمذی شریف اور ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا، من اتی بھیمۃ فلا حد علیہ، جو کسی جانور سے بدفعلی کرے، اس پر حد نہیں، اور امام ترمذی نے اس حدیث کو پہلی حدیث سے اصح فرمایا، اور فرمایا، اسی پر اہل علم کا عمل ہے، امام ابن ہمام نے اس کے راویوں کی تضعیف کی، اس لئے ہمارے فقہائے احناف نے قتل کا حکم نہیں دیا، بلکہ تعزیر کا حکم دیا، رہ گیا جانور کو جلانے کا معاملہ تو خود پہلے والی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ جانور کو کیوں ذبح کیا جائے، انھوں نے فرمایا کہ اس کی علت میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہے، لیکن میرا گمان یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا کہ جب اس کے ساتھ ایسا فعل شنیع کیا گیا، تو اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع حاصل کیا جائے، صاحب ہدایہ نے اس کی یہ علت بیان فرمائی، کہ اگر وہ جانور زندہ رہے گا تو اسے دیکھ کر تشہیر ہوتی رہے گی، لوگ کہیں گے، یہی وہ جانور ہے جس کے ساتھ فلاں نے ایسا کیا، بعض شراح نے یہ علت بیان کی، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جانور سے ایسا بچہ پیدا ہو جو خلقت میں انسان کے مشابہ ہو، جو اس کے بعض اعضا انسان جیسے ہوں، واللہ اعلم

فی الحاوی والجلد اصح وفی الفتح یعزر ویسجن حتی یموت او یتوب ولو اعتاد اللواطۃ قتلہ الامام سیاسۃ، زلق بھی حرام ہے،
جوہرہ نیرہ میں ہے، والاستمناء حرام وفیہ تعزیر، اگر یہ دونوں فعل بالاعلان ہوں تو اسے امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے
نماز پڑھنا مکروہ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی ہو تو پھیرنی واجب، واللہ تعالیٰ اعلم،

(۳) سزائیں مذکور ہو چکیں، صدق دل سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، زید کا یہ کہنا کہ غسل نہیں اترتا غلط
ہے، جب سارے بدن پر پانی بہالے گا، اور اس طرح کلی کرے کہ منہ کا ہر گوشہ ہر پرزہ دُھل جائے اور ناک میں پانی
چڑھائے کہ نرم بانسے تک ہر جگہ پانی بہ جائے غسل ہو جائے گا، اور طہارت باطن بغیر توبہ نہیں ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ بنھو عالمگیری گنج تکیہ، سفر علی شاہ ضلع بریلی، ۲ر محرم ۱۳۴۱ھ،

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا لڑکا جو ناجائز فعل اختیار کرتا ہے اور چکلے میں بیٹھتا ہے،
اور وہاں پر ناجائز فعل اختیار کرتا ہے اور اس کی کمائی اپنے والدین کو دیتا ہے اور وہ اس کو کھلاتے پلاتے اور
اپنے مکان میں رکھتے ہیں اور وہ لڑکا چوڑیاں پہنتا ہے ناچتا اور گاتا بھی ہے، اب اس کے والدین سے برادروں کو
کس طرح پر میل رکھنا چاہیئے، ؟

الجواب: اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہ چکلے میں بیٹھتا ہے اور وہاں حرام کام کرتا اور اس کی کمائی اپنے
والدین کو دیتا ہے وغیرہ وغیرہ جو باتیں سوال میں مذکور ہیں جن کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ والدین اس کو ایسے افعال سے
نہیں روکتے، بلکہ راضی ہیں تو برادری کے لوگ ان کو خارج کر دیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مسئولہ لبو علی بخش، محلہ ملوک پور، بریلی، ۱۱ر صفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے اپنی بی بی کو زنا کراتے اپنی آنکھ سے دیکھا اس نے
جاکر اپنی برادری کے چودھری سے کہا، پنچوں نے بموجب شرع شریف کے حکم کے موافق اس کو برادری میں بند کر دیا،
اب ایک روز اس کے بھتیجوں نے میلاد شریف پڑھوایا، اس میں چند لوگ برادری کے بلائے اور محلہ والوں کو بھی
بلایا، جب میلاد شریف ختم ہوا تو ایک بھائی نے حصہ تقسیم کیا، چند آدمیوں کو حصہ تقسیم کر دیا تھا، اور چند آدمی حصہ
کو باقی رہ گئے تھے، تو دوسرے بھائی نے جو قریب کے رشتہ دار تھے، کھانا ان کے واسطے لاکر رکھا، اس شخص کو بھی
بلاکر بٹھا لیا تھا، جس پر کہ شرع شریف کا حکم تھا اور اس کو پنچوں نے بند کر دیا تھا، اس وجہ سے نہ حصہ لیا تھا نہ کھانا کھایا،

اور ہم پنچوں نے کہا کہ تم نے ان کو بلا کر بیٹھا لیا ہے، ان پر شرع شریف کے بموجب ان کو برادری سے خارج کر دیا ہے، ہم نوسو پنچوں کو کیا جواب دیں گے، تو اس شخص کے بھتیجوں نے کہا کہ نوسو تو دوزخ میں جائیں گے، تو تم بھی دوزخ میں جاؤ گے، تو ہم سب نے کہا کہ شرع کے خلاف اگر کوئی کام دوزخ میں جانے کا نوسو پنچ کریں گے، تو ہم بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے، اور اگر کوئی کام شرع کے خلاف نہیں کریں گے تو ہم اور نوسو کیسے دوزخ میں جائیں گے، یہ کہہ کر ہم چلے آئے نہ حصہ لیا نہ کھانا کھایا؟

الجواب:۔ اگر وہ شخص جو خارج از برادری کیا گیا، اسی قابل تھا کہ خارج کیا جاتا تو اسے کھانے میں شریک نہ کرنا اس کے ساتھ کھانا نہ کھانا کچھ بری بات نہیں، بلکہ یہی کرنا چاہئے، بلکہ برادری سے خارج کرنا اسی کو کہتے ہیں اور یہ سزا جس مقصد کے لئے نکالی گئی ہے، نہایت محمود ہے اور اس صورت میں ان لوگوں کا یہ کہنا کہ نوسو دوزخ میں جائیں گے، نہایت سخت کلمہ ہے یعنی اس کو خارج کرنا دوزخ میں جانے کا کام ہے، اگر وہ مجرم ہے اور اس کو خارج کیا تو یہ دوزخ کا کام نہیں، پھر اس نے کیوں مستحق جہنم کیا، لہذا معافی مانگے اور توبہ کرے اور اس کے جواب میں یہ کہنا، اگر کوئی کام نوسو دوزخ میں جانے کا کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے، اگر چہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انھوں نے ایسا کام نہیں کیا ہے، مگر طرز ادا بہت خراب ہے، اس طرح نہیں کہنا چاہئے، یہ شخص بھی توبہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ مسئولہ رفیق الدین، طالب علم، مدرسہ منظر اسلام بریلی، ۱۲ر صفر ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح ایک جگہ ہوا وہ وہاں چند روز رہ کر چلی آئی، اور اپنے ماں باپ کے یہاں رہی اور مدت تک رہی، اور زنا کراتی رہی، اس عرصہ میں چند مرتبہ اس کا شوہر بلانے کو آیا مگر وہ نہیں گئی، اور حرام کرتی رہی، لہذا دق ہو کر اس کے شوہر نے طلاق دے دی اور ہندہ اس حالت میں حرام کاری کرتی رہی، کچھ مدت کے بعد لوگوں نے ہندہ کے ماں باپ کو لعنت ملامت کر کے ہندہ کا نکاح بعد عدت کے دوسری جگہ کروا دیا، وہاں سے بھی ہندہ کچھ روز رہ کر چلی آئی اور حسب معمول فعل بد کرتی رہی، حتیٰ کہ بہت جھگڑے فساد ہوئے، مگر ہندہ نہیں گئی اور حرام کرواتی رہی، جس کا انجام یہ ہوا کہ ہندہ کے حرام کا نطفہ قرار پاگیا، اس خبر کو سن کر اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی، اور ہندہ اس صورت میں بھی حرام کرتی رہی ہے، اور باز نہیں آئی ہے اور اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے ماں اور بھائی وغیرہ ہندہ کے شریک حال ہیں، اور ان لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کیا۔

کہ ہر کس و ناکس کو پھانستے ہیں اور اس کے ہمراہ ہندہ کو کر دیتے ہیں، اور ہندہ کے ماں اور بھائی وغیرہ کے چند اشخاص اور ہمدرد ہیں، اور ساتھ دیتے ہیں، لہذا جو ان کا ساتھ دے ان کا کیا حکم ہے؟ اور ہندہ اور اس کے ماں بھائی وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ اور یہ بھی فرما دیا جاوے کہ ہندہ کس صورت میں صاف اور نکاح کے قابل ہو سکتی ہے، اور مسلمان ان سب لوگوں کے ساتھ کس وقت تعلقات رکھ سکتے ہیں، صاف اور صریح فرمایا جاوے؟ بینوا توجروا،

الجواب: ہندہ اگر تہمت کی جگہ آمد و رفت رکھتی ہے اور اس کی ماں بھائی کو خبر ہے اور حسب استطاعت اسے روکتے نہیں بلکہ ان کی رضا سے ہندہ کے یہ افعال ہیں تو یہ دیوث ہیں، اور ایسے کام میں ان کی اعانت بھی حرام ــ قال اللہ تعالیٰ، ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، ایسے لوگوں سے قطع تعلق کیا جائے، جب یہ لوگ توبہ کریں، اس وقت ان سے تعلق رکھ سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ: مرسلہ علی بخش صاحب قوم شیخ ساکن بریلی، محلہ کانکر ٹولہ، ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ برادران سے کسی گناہ کا جرمانہ لے کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب: جرمانہ لینا ناجائز ہے، بحر الرائق میں ہے، التعزیر بالمال منسوخ[1]، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: مسئولہ محمد بخش محلہ زکاتی، بریلی، ۳ رجب ۱۳۴۲ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولی محمد اپنی ضمانت سے مسماۃ اختری کو رخصت کرا لے گئے اور منجملہ دین مہر کے ...... کی بابت ضمانت نامہ تحریر کر دیا، بعد رخصت ولی محمد اور وصی اللہ نے بہت کوشش دست برداری اور منسوخی ضمانت نامہ کی ناکامیاب رہے، آخر کار مسماۃ اختری فوت ہو گئی، اس کو زہر دیا گیا، بعد دینے زہر کے اس کو کوٹھری میں بند کر دیا، پانی تک نہیں دیا، چکی چلا دی کہ آواز بھی کوئی نہ سنے اور ولی محمد وغیرہ اور بریلی بھیت والوں نے سچے معاملہ کو ثابت نہیں ہونے دیا ان لوگوں کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟،

---

[1] قال فی الفتح عن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال وعندھما وباقی الائمۃ لا یجوز اھ ومثلہ فی المعراج وظاہرہ ان ذالک روایۃ ضعیفۃ من ابی یوسف، قال فی الشرنبلالیہ لا یفتی بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علی اخذ مال الناس فیاکلونہ ومثلہ فی شرح الوھبانیۃ عن ابن وھبان نیز اسی میں ہے، والحاصل ان المذھب عدم التعزیر باخذ المال، ویسیذکر الشارح فی الکفالۃ عن الطرطوسی ان مصادرۃ السلطان لارباب الاموال لا تجوز، الا لعمال بیت المال، ای اذا کان یردھا لبیت المال اقول وجہ المصادرۃ لعمال بیت المال علی ما ادی الیہ فکری انہ انما لانھم خانوا فی اموال بیت المال فجاز اخذ اموالھم، لیکون بدلا عن خیانتھم، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

الجواب: جس نے زہر دیا ہے اس نے نہایت سخت ظلم کیا، مار ڈالنے سے زیادہ اور کیا ظلم ہوگا، یہ شخص مستحق نار وغضب جبار اور حق اللہ وحق العبد میں گرفتار ہے، اہل برادری کو اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص زہر دینے والا ہے تو اس کو اپنی برادری سے خارج کر دیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے، ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار، ظالموں کی طرف میل نہ کرو، ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، اور مسماۃ کا دین مہر اور جو کچھ ترکہ ہے حسب شرائط فرائض ورثہ پر تقسیم ہوگا، اور اہل برادری پر یہ بھی لازم ہے کہ اس ترکہ کو بحصص شرعیہ تقسیم کریں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی شفاء الرحمٰن، طالب العلم مدرسہ منظر اسلام، ۶ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ عوام کا خیال ہے کہ عورت ساحرہ جس کو یہاں ڈائن کہتے ہیں، آدمی کو مار ڈالتی ہے، تو اس کو بھی جان سے مار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ساحرہ جو لوگوں کو ایذا دیتی ہے یا مار ڈالتی ہے، شرعاً مستحق قتل ہے، بادشاہ اسلام اسے قتل کر ڈالے اور بعد گرفتاری اس کی توبہ بھی مقبول نہیں، درمختار میں ہے، والکافر بسبب اعتقاد السحر لاتوبۃ لہ ولو امرأۃ فی الاصح اذا اخذ الساحر قبل توبتہ ثم تاب لم تقبل توبتہ ویقتل ولو اخذ بعدھا قبلت، ردالمحتار میں فتح سے ہے، وعن اصحابنا ومالک واحمد یکفر الساحر بتعلمہ وفعلہ سواء اعتقد الحرمۃ اولا ویقتل وفیہ حدیث مرفوع حد الساحر ضربۃ بالسیف، نیز اسی میں ہے، ساحر یسحر وھو جاحد لایستتاب منہ ویقتل اذا ثبت سحرہ دفعا للضرر عن الناس، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از موضع بچومی، ڈاکخانہ فریدپور، ضلع بریلی، ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ بابت خط تحریر کیا، پیش امام موضع بچومی مندرجہ ذیل تحریر کیا جاتا ہے، کہ قصبہ موہن پور ٹھسریا کی دو لڑکی ہمارے موضع بچومی شادی ہوئی تھی، ایک لڑکی کے خاوند نے دوسری یعنی تیسری لڑکی اور کرائی تھی، یعنی چھوٹی لڑکی کے خاوند کی نارضامندی سے وہ شخص میرے پاس آیا تو کہا کہ

ؔ قرآن کریم میں ہے، ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما، جو کسی مومن کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، مدتوں اس میں رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے، اور اللہ نے اس کے لئے بھاری عذاب تیار کر رکھا ہے، حدیث میں ہے، لزوال الدنیا اھون عند اللہ من قتل مسلم واحد، پوری دنیا کا تباہ ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیش امام صاحب آپ ہمارے لئے ایک کارڈ لکھ دو، تو میں نے کہا کیا لکھدوں، تو کہا کہ یہ شادی جو ہمارے بڑے کراتے ہیں وہ ہماری رضامندی نہیں ہے، کیونکہ اس کے افعال خراب ہیں، اور درحقیقت جو وہ کہتا ہے افعال خراب تھے، میں نے خیراتی سے کہا کہ بھائی خیراتی ہم خط نہیں لکھیں گے، تو کہا ہم تمھارے ہاتھ جوڑیں لکھدو، حالانکہ عاجزی کی تو میں نے لکھدیا، اور میں نے یہ کہا تھا کہ میں خط لکھوں گا تو بھائی عیدو کہیں گے کہ آپ نے کیوں خط لکھا ہے، تو کیا جواب دوں گا، خیراتی نے کہا کہ آپ اپنا خط میں نام نہ لکھیں، بلکہ دوسرا نام ڈال دینا، تو میں نے لکھدیا، تو لکھدینے پر مجھ سے پوچھا کہ آپ نے خط لکھا ہے، تو میں نے صاف کہدیا کہ بھائی میں جھوٹ نہیں بولوں گا، میں نے ضرور لکھدیا، اور پنچوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ کے واسطے جھوٹ نہ بولنا، میں نے جھوٹ نہیں کہا، تو پنچوں نے پیش امام پر تحریر خط کی وجہ سے مبلغ دس روپیہ خطاواری بول دئے، اور خیراتی پر مبلغ پانچ روپئے خطاواری کے بول دئے، خیراتی سے لے لئے گئے اور پیش امام سے یعنی محمد شفیع سے جو طلب کئے تو میں نے کہا کہ بھائی راہ خدا پر اللہ کے واسطے خدا اور رسول کو سمجھ کر معاف کرو تو کہا کہ ہم نہیں جانتے یا تو روپیہ دے دو یا امامت چھوڑ دو، اور یہ کہا کسی شخصوں نے کہ چاہے خدا اور رسول خود اتر آویں، مگر روپیہ نہیں چھوڑیں گے، اور پیش امام نے بہت کچھ عاجزی کی اور میں نے یہ بھی کہا کہ بھائیوں مجھ سے کچھ خطا نہ ہوئی ہے، معافی چاہتا ہوں اور بہت سے اور گاؤں کے لوگوں نے کہا کہ بھائیوں روپیوں کی کوئی بنیاد نہیں کیونکہ راہ خدا پر مانگتے ہیں، تو کہاں نہیں پائیں گے، میں نے کہا کہ بھائیوں شرع سے جو حکم ہوے میں وہی کروں گا، اور امامت کا چھوڑنا میں نے پسند نہ کیا۔ اور جو لوگ کہتے ہیں وہ نمازی نہیں ہیں اور نہ دین کو جانتے ہیں کہ ہمارا دین کیا ہے اور ہمارا خالق و مالک کون ہے جو حکم ہوئے اس پر عمل کیا جاوے، بینوا توجروا،

الجواب: واقعہ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ خط لکھنے پر کیوں جرمانہ کیا، بہرحال اگر امام مستحق سزا تھا بھی جب بھی جرمانہ ناجائز و حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، بحرالرائق میں ہے، التعزیر بالمال منسوخ، لوگوں پر لازم ہے کہ اس جرمانہ سے باز آئیں ورنہ خود مجرم ہیں، پھر امام عاجزی کرتا ہے اور اللہ کا واسطہ دیتا ہے اور معافی چاہتا ہے، اور لوگ نہیں مانتے، یہ نہایت درجہ کی زیادتی ہے اور جس نے یہ کلمہ خبیث کہا کہ "چاہے خدا و رسول خود اتر آویں ہم روپیہ نہیں چھوڑیں گے، اس پر کفر لازم کہ یہ کلمہ کفر ہے، عالمگیری میں ہے، کما لوقال امرنی اللہ بامرلم افعل، اسے حکم ہے کہ پھر سے مسلمان ہو اور جورو رکھتا ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے ورنہ لوگ میل جول

سلام و کلام تمام معاملات ترک کر دیں، جو لوگ نماز نہیں پڑھتے فساق و فجار مستحق نار ہیں، فوراً توبہ کریں اور نماز شروع کر دیں، نماز نہ پڑھنے والا بہت سخت عذاب کا مستحق ہے، جلد ایسے اعمال سے باز آئے ورنہ موت کا وقت معلوم نہیں اور سب سے پہلے اس کا حساب ہوگا، حدیث میں فرمایا اول مایحاسب به العبد الصلوٰة، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از شہر کہنہ گھر مولوی مسئولہ عبدالرحمٰن، ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم مجھ کو روپیہ میرے لڑکے کی شادی ہے دے دو، میں تم کو ادا کر دوں گا، جملہ سامان ہوگیا ہے، صرف بارات کا خرچ باقی ہے، جب نیوتہ پڑے گا تو ہم کل کو دے دیں گے، لہٰذا عمرو نے زید کو روپیہ دے دیا، زید نے اپنے وعدہ پر روپیہ عمرو کو نہیں دیا، عمرو نے خود تقاضہ کیا اور چند معتبر شخصوں کی معرفت تقاضہ کرایا تو وعدہ عید الضحیٰ کا کیا، جب عید الضحیٰ کو روپیہ وصول نہیں ہوا، عمرو نے معتبر شخصوں کے معرفت تقاضہ کرایا، تو محرم الحرام کا وعدہ کیا، اس وقت بھی زید نے روپیہ ادا نہیں کیا، اس وعدہ پر پھر حاجی محب اللہ و محمد حنیف کو واسطے تقاضہ کو بھیجا تو زید نے جہلم یعنی ماہ صفر کا وعدہ کیا، زید روپیہ دینے کو تیار تھا، مگر اس کے بہنوئی اور بہنوئی کی ماں و چچا نے بہکا دیا کہ تم روپیہ مت دو، تمہاری کوئی دستاویز یا رسید نہیں ہے، تمہارا کیا کریں گے، لہٰذا روپیہ نہیں دیا، مجبور ہو کر عمرو نے زید پر نالش عدالت مجاز میں کر دی، عدالت مجاز نے اس پر فیصلہ کیا کہ قرآن شریف مدعا علیہ اٹھائے کہ ہم پر روپیہ نہیں چاہئے یا روپیہ دیدے، لہٰذا زید نے جھوٹا قرآن شریف جو موجود تھا اٹھالیا، اور کہہ دیا کہ ہم پر روپیہ نہیں چاہئے، کچہری نے مقدمہ خارج کر دیا، اب ایسے شخصوں نے جو جھوٹا قرآن شریف اٹھایا ہے، اور اس کی شرکت کریں تو ان لوگوں سے ملنا جلنا اور کھانا اور کھلانا اور پلانا اور حقہ پانی وغیرہ کھلانا درست ہے یا نہیں، ان کے یہاں جانا یا ان سے میل جول رکھنا درست ہے یا نہیں، اور جو لوگ ایسے لوگوں سے ملیں، تو ان کی بابت بھی کیا حکم شرع شریف کا ہے، کیا یہ روپیہ ساقط ہوگیا اور اس روپیہ کا حال عمرو کے دینے کا دس پانچ محلہ کے لوگوں کو معلوم ہے۔

الجواب: دوسرے کا مال مار لینا حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ، لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، اور کچہری سے اگر خلاف واقعہ فیصلہ ہو جائے تو آخرت کے مواخذہ سے چھٹکارا نہ ہوگا، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، اور یہ جہنم کا انگارا ہے کہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے، حدیث صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، اقضی له علی نحو ما اسمع منه فمن قضیت له بشئ من حق اخیه فلا یاخذ له فانما اقطع له قطعة من النار، غرض یہ شخص

مستحق نار وغضب جبار ہے، لازم ہے کہ توبہ کرے، اور مال واپس دے، قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا کہ جھوٹے سچے معاملات میں لوگ اٹھایا کریں، بلکہ عمل کرنے کے لئے اترا، قرآن مجید اٹھانا سخت جرأت ہے، پھر اس مقصد کے لئے اٹھانا کہ پرایا مال ماریں، چند روپے مارنے کے لئے اس کتاب کریم کو درمیان میں لانا بہت بڑی بے باکی ہے، جب تک یہ شخص توبہ نہ کرے، اس سے میل جول ترک کر دیں، اس کا حقہ پانی بند کر دیں، اور جو لوگ زید کے شریک ہیں اور جانتے ہیں کہ زید نے ایسی حرکت کی، وہ بھی اسی کے حکم میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار، ظالموں کی طرف میل نہ کرو، ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

مسئلہ: مسئولہ جناب عبدالعزیز صاحب محلہ سکراول، قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۸ رجب ۱۳۴۱ھ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان مرد ایک شخص کی عورت کو خفیہ طور سے کسی دوسرے ملک بھگالے گیا، عورت کے معدوم ہو جانے کے بعد اس کے شوہر کو معلوم ہوا جو کہ بروقت مکان پر موجود نہ تھا کہ فلاں شخص میری عورت کو بھگالے گیا، شوہر تلاش کے لئے نکلا جس کو آج سترہ اٹھارہ سال کا زمانہ گذرا کہ مفقود الخبر ہے، اور جو شخص عورت کو بھگالے گیا تھا وہ اپنی منکوحہ کو پردیس ہی سے طلاق نامہ بھیج دیا تھا، تو عورت نے دوسری شادی کر لی، اب وہ دونوں جو بھاگ گئے تھے، سترہ اٹھارہ برس کے بعد آج ہفتہ عشرہ ہوتا ہے کہ مکان پر آئے ہیں، اور برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں، تو اب برادری کے لوگ کس طرح شامل کریں، کیا ازروئے شرع شریف اس کو کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟،

الجواب: دونوں اپنے اپنے ناجائز فعل اور اس حرکت قبیحہ سے بالاعلان توبہ کریں، حدیث میں ہے، توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة، جو گناہ مخفی ہو اس کی توبہ بھی خفیہ ہو اور جو گناہ علانیہ ہو اس کی توبہ علانیہ رواہ الطبرانی والبیہقی عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور یہ گناہ چونکہ ایسا ہے کہ وہاں کے سب لوگ اس پر مطلع ہوں گے، لہذا علانیہ لوگوں کے سامنے توبہ[1] کر کے برادری میں شامل ہو اور یہ توبہ یوں ہوگی کہ اس عورت کو اپنے سے علٰحدہ کر دے، ورنہ دونوں ویسے ہی رہیں صرف زبان سے توبہ کریں، تو یہ توبہ نہیں، حدیث میں ہے،

[1] زنا حق اللہ بھی ہے اور حق العباد بھی، اس لئے زنا سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل سے استغفار بھی کرے، اور زنا سے عورت کے جن جن رشتہ داروں کو عار لاحق ہو سب سے معافی بھی مانگے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۔

المستغفر من الذنب وھو مقیم علیہ کالمستھزی بربہ، گناہوں پر قائم رہ کر توبہ کرنے والا گویا اپنے رب سے ٹھٹھا کر رہا ہے، رواہ ابن ابی الدنیا والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما، اور زن مفقود اسی کی عورت ہے، جب تک اس مفقود کی عمر سے ستر برس گذر نہ جائیں، اور توبہ کے سوا کوئی مالی کفارہ لازم نہیں، صدق دل سے توبہ کفارہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ :- از مقام جگدل، ضلع ۲۴ پرگنہ، مرسلہ جناب حافظ فتح محمد صاحب، امام مسجد بڑی، ۸ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۶ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو نے بھینس سے وطی کی، جس کو مسلمانوں نے

۱ مذہب احناف یہی ہے، از روئے قواعد شرع یہی قوی ہے اور اسی میں احتیاط ہے، بارہا ایسا ہوا کہ کچھ لوگوں نے مفقود کی زوجہ کا عقد ثانی کردیا، اور اس کے بعد اصل شوہر آگیا، تو پھر لوگ عقد ثانی کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں، زمانہ کا حوالہ دیتے ہیں حتی کہ مفتیوں کو دھوکا دینے سے بھی نہیں چوکتے، حالانکہ مفقود کی زوجہ کے نکاح کے لئے جلدی مچانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے گھروں میں بیوہ عورتیں بیٹھی رہتی ہیں، مگر اپنی جھوٹی آن بچانے کے لئے مدت العمر اس کا نکاح نہیں کرتے، بلکہ سیکڑوں ایسے واقعات ہیں کہ ماں باپ اپنی ضد میں آکر لڑکی کو شوہر کے یہاں نہیں جانے دیتے، زندگی بھر بٹھائے رکھتے ہیں، ہاں اگر واقعی کوئی مفقود ہو اور اس کی زوجہ کے لئے کوئی چارۂ کار نہ ہو اور عقد ثانی کی ضرورت ہی ہو تو ہمارے علماء نے بھی حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، ان کا مسلک یہ ہے جیسا کہ علامہ عبد الباقی زرقانی نے شرح مؤطا میں تصریح کی ہے کہ مفقود کی زوجہ قاضی شہر کے یہاں درخواست کرے، قاضی شہر تحقیق کے بعد مفقود کی زوجہ کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے، اگر ان چار سالوں میں اس کے شوہر کا کچھ پتہ نہ چلے تو چار سال پورا ہونے پر یہ عورت پھر قاضی شہر کے یہاں مرافعہ کرے اور قاضی شہر کو اجازت ہے کہ وہ مفقود کی موت کا حکم کرے اور اس کی زوجہ کو حکم دے کہ آج سے عدت وفات چار ماہ دس دن گذار کر دوسرا عقد کرسکتی ہے، قاضی شہر سے مراد وہ قاضی نہیں جو بعض شہروں میں نکاح پڑھانے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں بلکہ مراد وہ قاضی ہے جو حاکم اسلام کی طرف سے مقدمات کے فیصلہ کے لئے مقرر ہو، اس زمانہ میں جب کہ نہ حاکم اسلام ہے اور نہ اس کے مقرر کئے ہوئے قاضی، اعلم علمائے بلد جو مرجع فتویٰ ہو اس خصوص میں قائم مقام قاضی کے ہے، حدیقہ ندیہ میں ہے، اذا اخلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم (صفحہ ۲۴۳ ج ۱) جب زمانہ ایسے سلطان اسلام سے خالی ہو جائے، جو ان کے امور کے لئے کافی ہو تو بہت امور علماء کے سپرد ہیں، امت پر علماء کی طرف رجوع لازم ہے اور علماء حاکم ہونگے، اور جب کسی ایک پر جمع ہونا دشوار ہو تو ہر طرف کے لوگ اپنے علماء کی اتباع کریں، اور اگر کہیں متعدد علماء ہوں تو ان میں جو سب سے زیادہ علم والا ہو اسی کی اتباع کریں اور اگر علم میں سب برابر ہوں تو ان کے باہم قرعہ ڈالا جائے "مفقود الخبر

دیکھا، اور جس کی بھینس ہے وہ مسلمان ہے، اس ہندو ذات برہمن کو جس نے وطی کیا، بھینس سے پکڑ کر اس حال میں زدو کوب کیا، اور اس بھینس کا دودھ اکثر لوگ مسلمان ہندو سب ہی پیتے کھاتے ہیں جواب بادلائل طلب یہ ہے کہ اس بھینس کا دودھ از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کھائے اس کا کیا حکم ہے، اور بھینس مذکور کو کیا کریں گے؟

الجواب: جس جانور کے ساتھ یہ خبیث حرکت کی گئی ہے، اس کا گوشت کھانا یا اس کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھانا مکروہ ہے، مگر دودھ کا کھانا حرام نہیں، حدیث میں ہے، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اتی بہیمۃ فاقتلوہ واقتلوھا معہ قیل لابن عباس ماشان البہیمۃ قال ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ذالک شیئا ولکن اراہ کرہ ان یوکل لحمہا او ینتفع بہا وقد فعل بہا ذالک، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جانور کے ساتھ وطی کی اسے قتل کر ڈالو، اور اس جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کر ڈالو، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوا کہ جانور کو کیوں قتل کرنے کا حکم دیا گیا، فرمایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ ایسے جانور کا گوشت کھانا یا اس سے نفع لینے کو مکروہ سمجھا، رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از ضلع چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ اینڈا گڑھ، مقام کھردہ جامع مسجد جناب شاہ محمد بشیر امام ۲ر صفر ۱۳۴۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے حقیقی بھتیجے کی بی بی سے زنا کیا، اس کے بھتیجے نے دیکھا کہ میرا چچا میری بی بی کے پلنگ پر ہے، دیکھ کر افسوس کیا، اس کی خبر پنچوں میں پہونچی، پنچوں نے مل کر کفارہ ساٹھ فقیر کا کھانا لگایا زانی اور زانیہ پر، تو زانی نے تو دے دیا لیکن زانیہ کی جانب سے اس کا شوہر دیگا یا کہ کیونکر کیا جاوے گا؟

الجواب: زنا سخت کبیرہ ہے اور شریعت میں اس کی سزا رجم یا سو کوڑے مارنا ہے، مگر یہاں ہندوستان میں نہ بادشاہ اسلام ہے نہ احکام اسلام جاری یہاں کون سزا دے، یہاں ایسوں کو صرف یہی سزا دی جاسکتی ہے، کہ ان کو برادری سے علٰحدہ کر دیا جائے، اور مقاطعہ کیا جائے، اور یہ جو پنچوں نے سزا مقرر کی، یہ کوئی شرعی سزا نہیں ہے، شوہر نے

(بقیہ ص ۳۳۳ کا) کی زوجہ کے لئے نکاح ثانی کے واسطے قضاء قاضی شرط ہے، بغیر قضاء قاضی محض اپنے جی سے عقد ثانی کرنا جائز نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب میں چار سال کے بعد نکاح ثانی کی جو اجازت ہے، اس میں بھی یہ شرط ہے کہ قاضی کے حکم کے بعد چار سال انتظار کرے پھر قاضی کے حکم کے بعد عقد ثانی کرے اپنے جی سے مدتوں انتظار کرنا بیکار ہے، والتفصیل فی فتاوانا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا گیا ہے کہ اس پر کفارہ مقرر کیا جائے اور عورت کے قصور کا وہ ذمہ دار نہیں کہ عورت کی طرف سے کفارہ دے خصوصًا
جب کہ وہ کفارہ شرعی نہیں ہے، ایک کے گناہ کی سزا دوسرے پر نہیں ہوتی، لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ، عورت سے
توبہ کرائی جائے، بعد توبہ اس سے مواخذہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از موضع برمہولی، ڈاکخانہ مانگ، ضلع سلطان پور، مرسلہ جناب خدا بخش صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دو برس کے واسطے اپنے مکان سے کہیں سفر
میں چلا گیا، بعد مراجعت کے دیکھا کہ اس کی زوجہ حاملہ ہے، دریافت کرنے سے جواب دی کہ تمھارے برادر خورد کا حمل ہے
پھر وہ واپس سفر میں چلا گیا، اور اس کی زوجہ میکہ میں چلی گئی، بعد چند یوم کے وہیں پر لڑکی جنی، پھر زید کے گھر والے اس کو
وہاں سے لائے، اور زن وشوہر بخوشی ایک ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں، تو کیا ان لوگوں کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا،
اور جبریہ شوہر سے طلاق دلوایا جائے گا یا نہیں یا پھر نکاح ثانی کی حاجت پڑے گی یا کچھ کفارہ بھی دینا پڑے گا، مفصل
تحریر فرمائیں، جہاں تک جلد ممکن ہو کیونکہ زید کے دو لڑکوں کی شادی ہے اور گاؤں والے اس کو روکے ہوئے ہیں، کہ
پہلے اپنی عورت کے قصور کے عوض جرمانہ وکھانا دو بعد میں شادی کرو، ایسا گاؤں والوں کا کرنا کیسا ہے، اور ایسا
کھانا ان پر کچھ گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب: ایسی عورت کو جو زنا کی مرتکب ہوئی طلاق دے دینا واجب نہیں، ہاں اس فعل کی وجہ سے اگر شوہر
کو اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے تو طلاق دے سکتا ہے، مگر طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ شوہر پر لازم ہے کہ
اس عورت سے توبہ کرائے، شرعًا طلاق دینا اس وقت واجب ہے، جب کہ امساک بالمعروف نہ کر سکے، اور سوال سے
ظاہر ہے کہ دونوں ایک ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں، پھر امساک بالمعروف فوت نہ ہوا تو طلاق واجب نہیں، درمختار میں ہے
یستحب لو موذیۃ ویجب لفوات الامساک بالمعروف، ردالمحتار میں ہے، اطلقہ فشمل المؤذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا
نکاح اول باطل نہیں ہوا، لہٰذا نکاح ثانی کی ضرورت نہیں اور اس صورت میں کوئی کفارہ شوہر پر واجب نہیں کہ شوہر
نے یہ فعل نہیں کیا، اور عورت پر بھی توبہ فرض ہے کفارہ نہیں، گاؤں والوں کا جبرًا کھانا طلب کرنا ناجائز ہے، واللہ
تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از مقام براٹھ، پوسٹ غازی کا تھانہ، ریاست الور، راجپوتانہ، مرسلہ نذیر خاں چھوٹے خاں، ۲ صفر ۱۳۴۸ھ

مندرجہ ذیل سوال کے جواب علمائے دین متین تحریر فرمائیں، زید مسلمان ہے اس کا ناجائز تعلق کسی ہندو چماری عورت سے ایک عرصۂ کثیر سے ہے، مسلمانوں نے زید سے اس عورت سے ناجائز تعلق چھوڑنے کے لئے کہا، تو زید نے تین بار ناجائز تعلق منقطع کرنے کے لئے توبہ کی، بلکہ عید اضحیٰ کے روز علانیہ صدہا مسلمانوں کے سامنے اس فسق و فجور و زنا سے توبہ کی، لیکن اس توبہ کے بعد پھر اس عورت سے جس کے ساتھ ناجائز تعلق تھا، زید کا تکلم و اختلاط وغیرہا ثابت ہوا، جس کو دو چار بالغ و عاقل مسلمانوں نے دیکھا، پس اب ایسے شخص کے لئے جس نے کئی بار توبہ کی اور توبہ پر قائم نہ رہا، اور ناجائز حرکت کے درپے بدستور سابق رہا، شرعاً کیا حکم ہے، ایسی ناجائز حرکت کرنے والے کے مدد و معاون جو لوگ ہیں، ان مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے؟ -

(۲) سوال ۱ میں جو زید کے بارہ میں لکھا گیا ہے، اگر زید اپنی کاوش سے عمرو پر ایسا جھوٹا بہتان باندھے، کہ جو نہ صداقت کے مرتبہ کو پہونچے اور نہ اس کی شہادت گذرے، ایسی حالت میں زید اور اس کے معاون کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟ -

الجواب: زنا کی سزا یہاں غیر اسلامی سلطنت میں کیا دی جا سکتی ہے، سوا اس کے کہ اس سے تمام مسلمان مقاطعہ کریں، اور سلام و کلام ترک کریں، تاوقتیکہ سچی توبہ کے آثار ظاہر نہ ہوں، اس سے نہ ملیں، ایسے کی اعانت حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، اگر یہ لوگ اعانت سے باز نہ آئیں تو انکا بھی مقاطعہ کیا جائے،

(۲) بہتان باندھنا سخت کبیرہ ہے، ان لوگوں پر توبہ فرض ہے، اور معافی مانگنا لازم، واللہ تعالیٰ اعلم، -

مسئلہ: مرسلہ نذیر احمد از بانس بریلی، محلہ ملوک پور، تھانہ قلعہ، ۲۷ نومبر ۱۹۲۹ء،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل ایک برادری کا آدمی ہے، اور سنی صحیح العقیدہ ہے، ہماری برادری کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ اگر پنچائت میں کوئی بات طے ہوتی ہے، تو اس کا باقاعدہ اعلان کر دیا جاتا ہے، اس وقت میں اہل برادری پر اس حکم کا ماننا اگر وہ دائرۂ شریعت کے اندر ہے لازم ہو جاتا ہے، اس موقعہ پر سائل کو یہ اتفاق ہوا کہ ایک تقریب میں ایک پٹھان نے سبیل کا انتظام کیا تھا، جس میں عام طور پر مسلمانوں کو شربت پلایا جاتا تھا، سائل نے بھی اتفاق سے شربت اس سبیل سے پیا، اور اس کو خبر نہ تھی، آج چند لوگ جس میں برادری کے چودھری بھی تھے، یہ بات کر چکے ہیں کہ اس سبیل کا کوئی برادری والا شربت نہ پئے، اس سبیل کا شربت حضور سیدنا حضرت

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز کا شربت تھا، جسے مسلمان تبرکاً پی رہے تھے، سائل نے بھی حصول برکت کے لئے اسے پیا، محض اس بات پر چودھریوں کا سائل پر عتاب ہوا کہ یہ طے کر چکے تھے کہ اس سبیل کا شربت ہماری برادری والے نہ پیئیں، سائل نے جواب دیا کہ ہمیں اس کا علم نہ تھا، اور اگر آپ نے یہ طے کیا تھا تو آپ نے اس کا اعلان کیا ہوتا، اس پر چودھری بولے کہ ہم تمھارے باپ کے نوکر نہ تھے، جو گھر گھر اعلان کرتے پھرتے، اور سائل کو تنبیہ کی گئی اور خطاوار ٹھہرا کر سزا دی گئی، سائل اس واقعہ سے متاثر ہوا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ ہم ان باتوں کا تحمل نہیں کر سکتے، چند دن کے بعد پھر یہ اتفاق ہوا کہ سائل کے اہل محلہ سے ایک شخص نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز کی جس میں سائل کو و نیز سائل کے دوسرے اہل برادری کو شرکت کی دعوت دی، سائل بہ نیت حصول ثواب و دیگر برادری کے لوگ اس میں شریک ہوئے اور نیاز کا کھانا کھایا، اس سائل پر و نیز ان دیگر اہل برادری پر جو کہ سائل کے ہمراہ اس نیاز میں شامل تھے، پھر ان چودھریوں کا عتاب ہوا، پھر انھوں نے پنچایت کی اور سائل و نیز ان دیگر لوگوں کا حقہ پانی بند کر دیا، اور برادری سے خارج کر دیا، اس پر سائل نے یہ کہا کہ ان کی یہ کیا زیادتیاں ہیں، اس قسم کی باتوں سے رد کا جاتا ہے اور پنچایت کا بلا وجہ ہم پر عتاب ہوتا ہے، آپ کو ہم نے چودھری بنا کر اپنا سردار مانا ہے، آپ کو چاہئے کہ ہمیشہ حق پر رہیں اور ہمیشہ ایمان کی بات کہا کریں، اس پر برادری کے چودھری بولے کہ ہم جا اور بیجا جو کچھ بھی کریں وہی حق ہے، ہم دین اور ایمان کو کچھ نہیں مانتے، اب سائل کا و نیز ان اہل برادری کا جنھوں نے نیاز کا کھانا کھایا تھا حقہ پانی بند ہے، اور چودھریوں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر سائل برادری میں شامل ہونا چاہے تو سائل مبلغ ۵ر جرمانہ داخل کرے اور دوسرے لوگ عہ عہ، جب تک یہ جرمانہ داخل نہ ہو جائے گا برادری میں نہیں داخل کیا جائے گا، اب دریافت طلب یہ امر ہے، کہ چودھریوں کی یہ ضد اور ان کا یہ فیصلہ کہ اس برادری کے لوگ پٹھان وغیرہ دوسری قوموں سے میل جول اور کھانے پینے کے تعلقات نہ رکھیں، بلا مانع شرعی ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اگر اتفاق سے کوئی برادری کا شخص کسی پٹھان کے پیچھے نماز پڑھنے کو کھڑا بھی ہو جائے تو جماعت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیں، ایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ انھیں برادری کا سردار یا چودھری مانا جائے یا نہیں؟ اور پھر یہ بھی فرمائیے کہ چودھریوں کا اہل برادری کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں سے بلا وجہ شرعی ترک تعلق کرلیں خواہ وہ امامت کے اعتبار کے قابل بھی کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکیں، شرعاً کیسا ہے، اور ایسے لوگوں کے حق میں شریعت مطہرہ کیا

حکم دیتی ہے، اس کا بھی جواب دیجئے کہ ہماری برادری میں جو جرمانہ کی سزا رائج ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ۔

الجواب: اللھم اعوذ بک من ھمزات الشیاطین و اعوذ بک رب ان یحضرون، حق حق ہے اور باطل باطل، کسی کو یہ حق نہیں کہ حق باطل کرے یا باطل کو حق، جس امر کو خدا اور رسول نے جائز کیا ہر وہ جائز ہے، ہر کوئی چودھری یا سردار اسے ناجائز نہیں کرسکتا، چودھری کا یہ کہنا کہ "ہم جا اور بیجا جو کچھ کریں وہی حق ہے" بہت سخت کلمہ ہے، بھلا بیجا بھی کہیں حق ہوسکتا ہے، مگر ایسے کلمہ کا اس شخص سے صادر ہونا کیا مستبعد ہے، جو یہ کہے کہ "ہم دین وایمان کو کچھ نہیں مانتے"، جب وہ شخص خود اپنی زبان سے ایسا کہتا ہے تو اس کے بارے میں فتویٰ پوچھنے کی ضرورت نہیں، کہ جب وہ خود دین وایمان سے دست بردار ہو رہا ہے تو اب اہل ایمان کا کسی طرح سردار نہیں ہوسکتا، ایسے شخص کو چودھری ماننا بالکل ناجائز، اور خود اس کو برادری سے خارج کردینا لازم، اس نفسانیت کا کیا ٹھکانا کہ پٹھان وغیرہ دیگر اقوام کے پیچھے نماز مت پڑھو، ان سے ترک تعلق کرو، ایسا جوش تعصب قطعی حرام ہے، آجکل اسلام پر مخالفین کے طرح طرح کے حملے ہو رہے ہیں، ہر مذہب والا اسی فکر میں ہے کہ کسی طرح اسلام کو نیست ونابود کردیا جائے، اس کو صفحۂ ہستی سے فنا کردیا جائے اور اس کے لئے وہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں، آپس میں اتفاق واتحاد کا سبق دے رہے ہیں، اور اپنی جماعت کو منظم کر رہے ہیں مگر افسوس کہ مسلمانوں پر یہ غفلت چھائی ہے کہ آپس میں لڑے جاتے ہیں، اور مخالف کی ایسی گرم بازاری کہ اتفاق ومودت سے دور بھاگے جا رہے ہیں، ایسے جھگڑوں قصوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ یہ رہے گا نہ وہ، بلکہ اغیار مسلط ہوجائیں گے، ایسی بیجا ضد اور ہٹ سے باز آؤ، اور اسلام کی مضبوط رسی کو مضبوط پکڑلو، آپس میں خلوص ومحبت سے پیش آؤ، ہماری عزت وفلاح اسلام سے ہے، اور بہبودی وصلاح اتباع شریعت میں ہے، بالجملہ ایسے لوگوں پر توبہ لازم، اور جسنے دین وایمان سے انکار کیا، اسے تجدید اسلام ضرور، ورنہ اسے فوراً برادری سے خارج کیا جائے، جرمانہ ہماری شریعت نے منسوخ کردیا ہے، اس پر عمل ناجائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از مبارکپور ضلع اعظم گڈھ، مرسلہ جناب محمد امین صاحب انصاری، ۲۴ شوال ۱۳۴۹ھ،

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ قوم زید مسلم نے یہ وعدہ تمام مسلمانوں سے کیا کہ بعد شب برات ہم لوگ اپنا مال بجائے ۴ سیر ۶ سیر فروخت کریں گے، اس وعدہ پر چند لوگوں نے عمل کیا اور بعض نے عمل نہیں کیا، بنابریں بعض مسلمانوں نے ان سے ایفائے وعدہ کا مطالبہ کیا، جس کے جواب میں نہایت خشونت ودرشتی سے

کہا گیا کہ اگر تمھیں ۴ ر سیر خریدنا منظور ہے تو خریدو، ورنہ ہمارے باڑہ (قوم زید کی قومی تجارتی عمارت) سے باہر نکل جاؤ،
اس توہین کی وجہ سے باہم سخت سب و شتم کی نوبت آئی اور قریب تھا کہ ہاتھا پائی ہو جائے، اس خیال سے کہ آئندہ مزید بدمزگی
نہ ہو، سرداران قوم نے فریقین کو بعد جملہ قوم زید و جملہ فرق و اقوام اسلامیہ اطلاع دی کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر آپ
لوگ تشریف لاویں اور جس کی زیادتی ہو انھیں فہمائش کر کے فیما بین مسلمین صلح کرا دی جائے، جس کو سب لوگوں نے
بطیب خاطر منظور کیا، لیکن جب اجتماع ہوا تو تمام اقوام مسلمین نے قوم زید کے ممتاز افراد کے پاس آدمی بھیجے کہ آپ مطابق
وعدہ مع اپنی قوم کے تشریف لے چلیں، جب آنے میں کافی دیر ہو گئی تو پنچوں کی طرف سے دوبارہ آدمی بلانے گیا، تو جواب
دیا کہ ہماری قوم ہمارے اختیار میں نہیں ہے، پھر پنچوں نے سہ بارہ آدمی بھیجا کہ جب آپ کی قوم آپ کے اختیار میں نہیں ہے
اور مسلمانوں کے مجمع میں جانا نہیں چاہتے، تو آپ میں سے صرف ایک ممتاز شخص چلے لیکن پھر بھی انکار کر دیا، اس کے بعد
ہی مدرسہ مصباح العلوم کے صدر سے قوم زید کے بعض ممتاز افراد کی ملاقات ہوئی، ان سے وعدہ کیا کہ صدر صاحب آپ
پنچایت چلئے، ہم لوگ بھی آتے ہیں، مگر پھر بھی ان کا کوئی فرد شریک جماعت مسلمین نہ ہوا، اس کے بعد پنچان کے سامنے یہ
شہادت گذری کہ قوم زید کے بعض آدمی ہم سے کہتے تھے کہ ہماری قوم کا ایک بچہ بھی اس پنچایت میں نہیں جا سکتا، حالانکہ
یہ واقعہ ہے کہ جب فیما بین مسلمین قصبہ ھٰذا میں کوئی سخت ناگوار واقعہ پیش آتا ہے تو اکثر ذریعہ پنچایت مسلمین طے کیا جاتا ہے
بارہا اس سے قبل مسلمانوں کی پنچایت نے قوم زید کے معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کیا ہے اور باہمی نزاع کے طے
کرنے کا قوم زید کے یہاں بھی پنچایتی طریقہ مروج ہے، واقعات بالا سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہے کہ قوم زید نے
نہایت سرکشی کی اور تمام فرق اسلامیہ و اقوام مسلمین کی مصلحانہ کوششوں کو ذلت آمیز طریقہ سے ٹھکرا دیا، اور بارہا وعدہ
شکنی کر کے جماعت مسلمین کی شرکت سے انکار کر دیا اور علٰحدگی اختیار کی جس سے تمام جماعت مسلمہ کی سخت توہین و آبرو
ریزی ہے۔ اس کے بعد پنچان اس نتیجہ پر پہونچے کہ اگر اس سرکشی کا تدارک نہ کیا گیا اور پنچایتی اصول سے کام نہ کیا گیا،
تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آئندہ اسی سرکشی و تمرد میں اضافہ و ترقی ہو گی جس کا نتیجہ عام مسلمانوں کے حق میں اچھا نہ ہوگا
بناءً علیہ تمام جماعت مسلمہ نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ جب قوم زید نے ہم سے کنارہ کشی اختیار کی تو ہمیں بھی لازم ہے کہ تا وقتیکہ
قوم زید تمام جماعت مسلمہ سے خود اتحاد نہ پیدا کرے، اس وقت تک ہم بھی اس سے علٰحدہ اور دست کش رہیں، کیونکہ
اب ہم کس منہ سے ان کے دروازہ پر مال خریدنے و مدرسہ کا چندہ لینے و سلام کرنے و جنازہ میں شرکت کرنے جائیں گے،

اسی خیال سے اپنے مدرس کو بھی قوم زید کے مدرسہ سے ہٹا لیا گیا، اور قوم زید کے بچوں کو اپنے مدرسہ سے خارج کرنے کا حکم دیا گیا، ہمیشہ سرکش افراد کے متعلق پنچایتوں کے فیصلہ کا یہی دستور ہے حتیٰ کہ قوم زید بلازم افراد سے جرمانہ وصول کر کے آپس میں کھاتے پیتے ہیں، اس کے بعد قوم زید کے سردار نے جماعت مسلمہ کو جمع کر کے معافی چاہی، حالانکہ وہ ابتدا نزاع سے تا فیصلہ پنچایت نہ قصبہ میں موجود تھے نہ ان کو علم تھا، بلکہ بعد فیصلہ پنچایت ان سب واقعات کا ان کو علم ہوا، پنچان نے آخر میں ان کو یہ جواب دیا کہ آپ کی قوم جو اس وقت پنچایت سے الگ قریب ہی بیٹھی ہوئی ہے، اگر یہ کہہ دے کہ آپ ان سب کی جانب سے وکیل ہیں تو معاملہ ختم کیا جاوے تو قوم زید کے سردار کے استفسار پر انھوں نے اثبات وکالت سے انکار کیا اور کہا کہ جائیے آپ مسلمانوں کے ہمراہ رہئے، ہمارا خدا حافظ ہے، لہذا معاملہ طے نہیں ہوا، اور قوم زید کے سردار کو تمام مسلمانوں نے اپنے ہمراہ لے لیا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ جمیع فرق اسلامیہ واقوام مسلمہ سے کنارہ کشی وقطع تعلق وعلیحدگی وعامۂ مسلمین کی بلاوجہ سخت توہین اور بار بار وعدہ شکنی اور اپنی قومی تجارتی عمارت سے خارج کرنا اور ان کی پنچایت میں قومی فیصلہ وعہد وپیمان کے توڑنے والے شرعاً خاطی وظالم ہیں یا نہیں؟ اور تمام اقوام مسلم مظلوم ہیں یا نہیں؟ اور یہ فیصلۂ پنچایت شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب کوئی شخص کسی قسم کا وعدہ کرے تو اپنے وعدہ کو پورا ہی کرنا چاہئے، خصوصاً ایسا وعدہ جس کے پورا نہ کرنے سے مسلمانوں میں اختلاف وشقاق پیدا ہوتا ہو، وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا ناجائز ہے، حدیث صحیح میں فرمایا، ایۃ المنافق ثلث اذا وعد اخلف، الخ، وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں، اور یہ بات کہ اپنے جھگڑے خود پنچایت کر کے طے کر لیتے ہیں، یہ بہت اچھا طریقہ ہے. قوم زید کو جب تمام جماعت مسلمین بلاتی تھی تو اسے آنا چاہئے تھا اور حق وناحق کا فیصلہ کرنا چاہتا تھا، عامۂ مسلمین سے علیحدگی کرنا اور محض ضد ونفسانیت کو کام میں لانا مذموم طریقہ ہے، بالجملہ صورت مذکورہ میں قوم زید نے جو کچھ کیا، ان کی غلطی ضرور ہے، خصوصاً ایسے زمانہ میں کہ کفار سنگھٹن قائم کر کے مسلمانوں کو تباہ وبرباد کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کو اپنی خانہ جنگی سے فرصت نہیں ملتی، اور اپنی نفسانیت میں مسلمانوں کے وقار کو کھو رہے ہیں، نہایت شدید غلطی ہے، مگر قوم زید کے لڑکوں کو مدرسہ سے خارج کر دینا یا مدرس کو ہٹا لینا یہ بھی اچھا کام نہیں، اولاً تعلیم سے روکنا کب ٹھیک ہو سکتا ہے، ثانیاً اس سے نفسانیت میں اضافہ ہوتا ہے، سربرآوردہ اشخاص کو لازم ہے کہ مصالحت کا طریقہ اختیار کریں، اور اس جھگڑے کو رفع دفع کر کے مسلمانوں میں اتحاد کرا دیں، قال اللہ تعالےٰ،

لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم، وقال تعالیٰ. والصلح خیر، واللہ الموفق۔

مسئلہ: از شہر رائے پور ممالک متوسط محلہ چھوٹا پارہ متصل مسجد، مرسلہ جناب شیخ شمس الدین حنفی چشتی، ۱۹ ربیع الاول

کنوارا یا انڈ، مرد اور کنواری یا مطلقہ یا بیوہ عورت اگر زنا کریں یا کراویں تو شریعت میں ان کے لئے کیا سزا ہے، اور کیا بغیر سزائے شرعی ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

(۲) شادی والا مرد یا شادی والی عورت جن کا از روئے شرع نکاح ہو چکا ہے، اگر زنا کرے یا زنا کراوے تو شریعت میں ان کے لئے کیا سزا ہے، اور کیا بغیر سزا شرعی ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، عورت کہتی ہے کہ جب از روئے شرع میرا نکاح تمھارے ساتھ ہو گیا ہے۔ اور تم زنا کرتے ہو اور تم پر شرعاً سزا رجم ہے، اور رجم کے لگانے سے آدمی مرجاتا ہے، پھر اس کی عورت بیوہ ہو جاتی ہے اور عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، اور یہ معاملہ مسلمانوں میں ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا شوہر زنا کرتا ہے تو کیا عورت اپنے خاوند کو یہ نہ سمجھ لے کہ از روئے شریعت یہ رجم کر دیا گیا ہے اور میں بیوہ ہو گئی، لہذا اپنے خاوند سے علیٰحدہ ہو کر بعد عدت کے دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے، کیا شریعت ایسی صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت دیتی ہے؟،

الجواب: زنا اگر ثابت ہو جائے تو اس کی سزا جلد یا رجم ہے محصن اور محصنہ کو رجم کیا جائے اور غیر محصن اور غیر محصنہ کو سو سو کوڑے مارے جائیں گے، قال اللہ تعالیٰ. الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ، وقال الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما، اور یہ سزائیں بادشاہ اسلام دے سکتا ہے، آج کل جب کہ نصاریٰ کی سلطنت ہے، یہ سزا کون دے سکے، اس زمانہ میں مسلمان جو سزا دے سکتے ہیں، یہ ہے کہ ایسوں سے مقاطعہ کریں، ان سے میل جول سلام کلام ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیں،

(۲) زندہ کو مردہ کیونکر فرض کیا جائے گا، اگر وہ شخص زانی ہے تو شریعت میں عورت کے لئے اجازت ہے کہ اس سے خلع کرائے، مہر یا کچھ زیادہ دے کر اس کے بدلے میں طلاق حاصل کرے، یہ نہیں ہو سکتا کہ بغیر طلاق دوسرے سے نکاح کرے کہ یہ حرام قطعی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تمت بالخیر